تاریخ اسلام

برائے ایم اے علوم اسلامیہ

کوڈ 974 (یونٹ 1 تا 18)

مرتب ڈاکٹر محمد سجاد

شعبہ اسلامی فکر، تاریخ و ثقافت
کلیہ عربی و علوم اسلامیہ

علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد

بسم اللہ الرحمن الرحیم

معزز قارئین توجہ فرمائیں!

کتاب وسنت ڈاٹ کام پر دستیاب تمام الیکٹرانک کتب ....

- عام قاری کے مطالعے کے لیے ہیں۔
- مجلس التحقیق الاسلامی کے علمائے کرام کی باقاعدہ تصدیق واجازت کے بعد آپ لوڈ (Upload) کی جاتی ہیں۔
- دعوتی مقاصد کی خاطر ڈاؤن لوڈ، پرنٹ، فوٹو کاپی اور الیکٹرانک ذرائع سے محض مندرجات نشرواشاعت کی مکمل اجازت ہے۔

☆ تنبیہ ☆

- کسی بھی کتاب کو تجارتی یامادی نفع کے حصول کی خاطر استعمال کرنے کی ممانعت ہے۔
- ان کتب کو تجارتی یا دیگر مادی مقاصد کے لیے استعمال کرنا اخلاقی، قانونی وشرعی جرم ہے۔

﴿اسلامی تعلیمات پر مشتمل کتب متعلقہ ناشرین سے خرید کر تبلیغ دین کی کاوشوں میں بھرپور شرکت اختیار کریں﴾

- نشرواشاعت، کتب کی خرید وفروخت اور کتب کے استعمال سے متعلقہ کسی بھی قسم کی معلومات کے لیے رابطہ فرمائیں۔

kitabosunnat@gmail.com

www.KitaboSunnat.com

تاریخ اسلام

(لازمی کورس)

برائے ایم اے علوم اسلامیہ

کوڈ 974 (یونٹ 1 تا 18)

مرتب
ڈاکٹر محمد سجاد
اسسٹنٹ پروفیسر

شعبہ اسلامی فکر، تاریخ وثقافت

کلیہ عربی وعلوم اسلامیہ

علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد

تعداد اشاعت: ______ 4000

سن اشاعت: ______ 2007ء

کمپوزنگ: ______ محمد نعیم قاضی

نگران: ______ محمد ریاض خان

طابع: ______ ایس ٹی پرنٹرز، گوالمنڈی، راولپنڈی

ناشر: ______ علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد

قیمت: ______ -/180 روپے
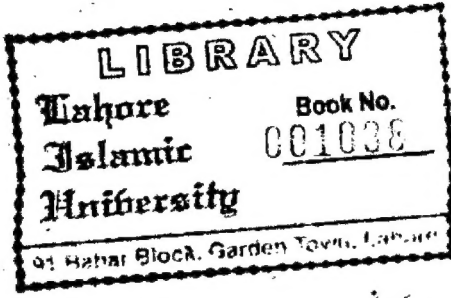
کورس ٹیم

چیئرمین: .... پروفیسر ڈاکٹر محمد باقر خان خاکوانی
ڈین کلیہ عربی وعلوم اسلامیہ
علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد

مؤلفین: .... پروفیسر ڈاکٹر محمد باقر خان خاکوانی
محی الدین ہاشمی
اسسٹنٹ پروفیسر
شعبہ اسلامی فکر، تاریخ وثقافت
ڈاکٹر محمد سجاد
اسسٹنٹ پروفیسر
شعبہ اسلامی فکر، تاریخ وثقافت

نظر ثانی: .... پروفیسر ڈاکٹر محمد باقر خان خاکوانی
محی الدین ہاشمی
ڈاکٹر محمد سجاد

کورس رابطہ کار: .... ڈاکٹر محمد سجاد
اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ فکر اسلامی تاریخ وتمدن
علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد

تدوین: .... انوار الحق

فہرست مضامین

پیش لفظ

اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیدا کیا تو انسان کی بنیادی ضرورتوں کا سامان بھی پیدا کیا۔ اس کی مادی ضرورتیں پوری کیں۔ اسی طرح اس نے انسانوں کی روحانی ضرورتیں پوری کرنے کیلئے ہر دور اور ہر قوم میں اپنے رسول بھیجے۔ بعض انبیاء اور رسل پر اپنی کتابیں بھی نازل کیں۔ تاکہ انسانیت ان پر عمل پیرا ہو کر دنیا و آخرت میں کامیاب و کامران ہو جائے۔

تاریخ اسلام کا آغاز پہلے نبی اور رسول کی آمد سے ہی شروع ہو جاتا ہے۔ انبیاء اور رسل کے خاتم حضرت محمد ﷺ کی تشریف آوری سے اللہ تعالیٰ اپنی ہدایت کی تکمیل فرماتا ہے اور اپنے دین کو مکمل فرما دیتا ہے۔ رسول اکرم ﷺ کی سیرت سے لے کر آج تک کے جدید واقعات جن کا تعلق اسلام اور اہل ایمان سے ہے یہ سب تاریخ اسلام و مسلمین سے تعلق رکھتے ہیں۔ ان کا مطالعہ بڑی اہمیت کا حامل ہے، قرآن حکیم نے سابقہ اقوام کی تاریخ بیان کرتے ہوئے جو مقاصد واضح کیے ہیں ان میں بنیادی مقصد عبرت و نصیحت ہے اور تاریخ اسلام کا بھی بنیادی مقصد یہی ہے کہ ماضی کے واقعات سے انسان خود اپنے سماج اور معاشرہ کو سنوارے، اپنے شاندار ماضی، علمی ورثہ اور عظیم فکری و علمی تراث کو پیش نظر رکھے اور اس کے ساتھ ساتھ اپنی کمزوریوں، کوتاہیوں اور لغزشوں کا بھی تحلیل و تجزیہ کریں تاکہ اس کا مستقبل شاندار ہو۔

زیر نظر کورس تاریخ اسلام، ایم اے علوم اسلامیہ کا لازمی کورس ہے، جسے شعبہ اسلامی فکر تاریخ و ثقافت کے اساتذہ نے ڈین کلیہ عربی و علوم اسلامیہ کی نگرانی میں مرتب کیا ہے۔ میں اس موقع پر کلیہ عربی و علوم اسلامیہ کو مبارک باد پیش کرتا ہوں کہ انہوں نے نصاب کو از سر نو ترتیب دیا ہے، ہماری کوشش ہے کہ علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی کی تمام کتب پر نظر ثانی ہو اور نصاب کو جدید عصری تقاضوں سے ہم آہنگ کیا جائے۔

ان شاء اللہ اس پر کام بڑی تیزی کے ساتھ جاری ہے۔ زیر نظر کتاب اسی سلسلہ کی کڑی ہے، اللہ تعالیٰ ہمیں علم کے نور سے منور فرمائے اور اس نور کو دوسروں تک پہنچانے کی توفیق اور صلاحیت عطا فرمائے (آمین)۔

پروفیسر ڈاکٹر محمود الحسن بٹ
وائس چانسلر
علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد

حرف آغاز

مسلمانوں کو اللہ تعالی نے علم کے میدان میں تمام اقوام عالم پر ایسی برتری عطا فرمائی ہے کہ اس کو الفاظ کے قالب میں ڈھالنا ایک عام انسان کیلئے تقریباً ناممکن نظر آتا ہے۔ مسلمانوں نے جن علوم کو ایجاد کیا یا جن کے معیاروں کو جدید تحقیقی بنیادیں عطا کیں، ان کی ایک طویل فہرست ہے مثلاً علم تفسیر، علم حدیث، علم اصول حدیث، علم الفقہ، علم اصول فقہ، علم الکلام، علم فلکیات، علم ارضیات، علم الہیات، علم الادیان وغیرہ۔ ان تمام علوم کی بنیادیں رکھنے کے ساتھ ساتھ مسلمانوں نے علم تاریخ میں جو عظیم کارنامہ سرانجام دیا ہے وہ اس کے اندر نئے تحقیقی اصولوں کو رواج دینا ہے۔ جن سے مسلمانوں سے ماقبل قومیں یہودی، عیسائی، مجوسی، ہندو، بدھ وغیرہ تو قطعاً نابلد تھیں لیکن یہ امر باعث حیرت ہے کہ ان تحقیقی اصولوں کی آج بھی جدید یورپی اقوام دور حاضر میں مثال پیش کرنے سے قاصر ہیں۔ مسلمانوں نے تاریخ کی بنیاد رکھ کر تمام دنیا کی تاریخ میں ایک نئے باب کا اضافہ کیا۔ جس کی مثال دور قدیم یا دور جدید میں کسی سطح پر بھی نہیں دی جاسکتی۔

مسلمانوں کے ان تاریخی تحقیقی اصولوں سے قبل دنیا میں تمام اقوام کی تاریخ ایک رطب ویابس، افسانوی اور دیومالائی کہانیوں کا مجموعہ تھی۔ اس حقیقت کو دور جدید کے تمام مصنفین چاہے ان کا تعلق ہندومت سے ہو یا یورپ کے کسی فکر و مذہب سے اب تک تسلیم کرتے ہیں۔ مسلمانوں کے مقابلے میں کوئی قوم اپنی سابقہ تاریخ کی حقانیت اور سچائی کی دعویدار نہیں اس کا اقرار خود دور جدید کے یورپی مورخین مثلاً گبن، ہٹی، لیان، وغیرہ اور پنڈت جواہر لال نہرو نے ہندوستان کے اندر برملا کیا ہے۔

مسلمانوں نے علم تاریخ کی تجدید کرنے کے ساتھ ساتھ اس علم کی مختلف اقسام کو بھی رواج دیا ہے۔ مثلاً سیرت النبی ﷺ، سیرت صحابہؓ، سیرت خلفائے راشدینؓ، تاریخ الملوک، تاریخ الامم، تاریخ العلوم، تاریخ انساب، تاریخ کتب، تاریخ وزراء، شخصیات کی تاریخ اور اس کے علاوہ متعدد اقسام پائی جاتی ہیں۔ اس قسم کی تمام اقسام ہمیں دور جدید میں بھی یورپ یا دنیا کے کسی خطے میں نہیں ملتیں اور یہ بات مسلمانوں کی علمی برتری پر دور جدید میں بھی واضح دلالت کرتی ہے اور یہ برتری رسول اکرم ﷺ کے اس قول کی مرہون منت ہے کہ" اسلام ہر دور میں بلند رہے گا اور اس پر کوئی اور نظریہ برتری حاصل نہیں کر سکے گا" بلاشبہ اس سے مراد سیاسی و علمی دونوں برتریاں ہیں لیکن دور حاضر میں یہ حدیث علمی غلبہ کی واضح

نشاندہی کر رہی ہے۔

زیر نظر کورس تاریخ اسلام ایم اے علوم اسلامیہ کے طلبہ وطالبات کیلئے ایک لازمی کورس کی حیثیت سے پیش کیا جارہا ہے اس کورس میں ایک طالب علم کیلئے یہ کوشش کی گئی ہے کہ وہ تاریخ اسلام کے تمام ادوار اور اس سے قبل کے حالات سے بھی آگاہی حاصل کر لے۔ ایک طالب علم تاریخ اسلام کا مطالعہ کرنے کے بعد اس حقیقت سے آگاہ ہو جاتا ہے کہ مسلمانوں نے ایک ہزار سال تک دنیا پر اس طریقے سے حکمرانی کی ہے کہ آج بھی اس کی مثال دور حاضر کے مقتدر طبقے کیلئے ایک بہترین سبق ہے۔ اور اگر دنیا امن کی طرف گامزن ہونا چاہتی ہے تو اسے دوبارہ مسلمانوں کی سیاسی برتری کو تسلیم کرنا پڑیگا۔

زیر نظر کورس میں تمام ادوار کی تفصیل بیان نہیں کی گئی بلکہ ان ادوار کا ایک موثر تعارف جو طالب علم کی رہنمائی کیلئے کافی بنیاد فراہم کرتا ہے پیش کیا گیا ہے۔ ایم۔ اے اسلامیات کی سطح پر اس کورس کو متعارف کرانے کا مقصد ایک طالب علم کو تاریخ اسلام کی حقیقت سے آگاہ کرنا ہوتا ہے اور اگر طالب علم اس میں مزید دلچسپی لینا چاہیے تو اس کیلئے ایم فل اور ڈاکٹریٹ کی سطح پر اس علم میں مزید تعلیم کے حصول کے مواقع موجود رہتے ہیں اور اس سطح پر علم تاریخ میں اپنی علمی تشنگی کو سیراب کر سکتا ہے۔

بندہ اس لازمی کورس کی تیاری میں محترم وائس چانسلر جناب پروفیسر ڈاکٹر محمود الحسن بٹ صاحب کا تہہ دل سے مشکور وممنون ہے کہ جن کی دل آویز سرپرستی سے آج یہ کورس پایہ تکمیل تک پہنچ رہا ہے۔ مزید اپنے شعبے کے دونوں رفقاء کار محترم ڈاکٹر محمد سجاد صاحب اور محترم محی الدین ہاشمی صاحب کی شبانہ روز انتھک محنتوں کی داد دیئے بغیر بھی نہیں رہ سکتا کہ ان کی کوششوں نے اس خواب کو حقیقت کا روپ بخش دیا۔ میں ان دونوں حضرات کا بھی از حد شکر گزار ہوں۔

مزید شعبے کے تمام غیر تدریسی ممبران کو اور خصوصاً محمد نعیم قاضی کو بھی خراج تحسین پیش کرتے ہوئے رب ذوالمنن کے حضور سجدہ ریز ہو کر دعا گو ہوں کہ وہ ہماری کوتاہیوں سے درگزر فرمائے اور اس کورس کو طلبہ وطالبات اور اہل علم طبقہ کیلئے خیر کثیر کا باعث بنائے۔ (آمین)

پروفیسر ڈاکٹر محمد باقر خان خاکوانی
ڈین
کلیہ عربی وعلوم اسلامیہ
علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد

کورس کا تعارف

مطالعہ تاریخ اسلام کا کورس ایم اے علوم اسلامیہ کے طلبہ کیلئے پیش کیا جا رہا ہے، علم تاریخ اصطلاحاً اس علم کو کہتے ہیں جس کے ذریعے امراء، فاتحین، علماء، اولیاء، مصلحین اور مشہور شخصیات کے حالات اور ازمنہ رفتہ کے عظیم الشان واقعات تک رسائی حاصل ہو سکے۔ نیز اقوام سابقہ کی معاشرت، اخلاق اور تہذیب وتمدن وغیرہ سے واقف ہونے کا ذریعہ بن سکے۔

تاریخ کے ذریعے ہم اپنے اسلاف کے احوال اور کارہائے نمایاں سے واقف ہوتے ہیں اور ہمارے دلوں میں ان کیلئے عقیدت اور ارادت کے جذبات پیدا ہوتے ہیں۔ تاریخ کا مطالعہ حوصلہ کو بلند کرتا ہے۔ نیکیوں کی ترغیب دیتا ہے اور برائیوں سے روکتا ہے۔ تاریخ کے مطالعہ سے بوجھل دل ہلکے ہوتے ہیں، قوت فیصلہ بڑھتی ہے ،صبر و استقلال کی صنعت پیدا ہوتی ہے۔ اور دل و دماغ میں ہروقت تازگی کی کیفیت موجود رہتی ہے۔ علم تاریخ ہزاروں واعظوں کا ایک واعظ اور عبرت آموزی کا ایک بہترین ذریعہ ہے۔ تاریخی مطالعہ کے ذریعہ انسان ہر وقت اپنے آپ کو حکام، فاتحین، مصلحین، حکماء اور علما کی مجلس میں پاتا ہے اور ان تمام شخصیات کے علم وعمل سے استفادہ کرتا ہے۔ تاریخ کا مطالعہ گوناگوں فوائد کا مجموعہ ہونے کے علاوہ نہایت دلچسپ اور دلکش بھی ہے۔

دنیا کی تمام اقوام میں صرف مسلمان ہی ایک ایسی قوم ہے جس کی تاریخ شروع سے لے کر آخر تک محفوظ وموجود ہے۔ مسلمان مورخین نے رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک سے لے کر آج تک مسلمانوں پر گزرنے والے حالات و واقعات کے قلم بند کرنے اور بذریعہ تحریر محفوظ کرنے میں مطلق کوتاہی اور غفلت سے کام نہیں لیا۔ مسلمان کو بجا طور پر فخر

ہے کہ وہ اسلام کی مکمل تاریخ ہم عصر مورخین اور عینی شاہدوں کے بیان سے مرتب کر سکتے۔ اور پھر ان مورخین اور بااعتماد راویوں کے بیانات میں تواتر کا درجہ بھی دکھا سکتے ہیں، غرضیکہ مسلمان ہی ایک ایسی قوم ہے جو اپنی مستند اور مکمل تاریخ رکھتی ہے۔

تاریخ اسلام پندرہ صدیوں کے واقعات، حادثات، نشیب و فراز اور احوال و حالات پر مشتمل ہے، اس حوالہ سے مسلمان مورخین نے بہت کچھ لکھا ہے۔ مسعودی، ابن جریر طبری، ابن خلدون، ابن کثیر اور ابن خلکان اس فن کے مشہور نام ہیں۔ اس وسیع و عریض تاریخی مواد کے مطالعہ کیلئے بھرپور توجہ اور طویل وقت کی ضرورت ہے۔ اس کورس میں کوشش کی گئی ہے کہ تاریخ اسلام کے ان پہلوؤں کو متعارف کرایا جائے، جن کو بنیادی حیثیت حاصل ہے اور طلبہ کو اتنا مطالعہ کرا دیا جائے جس کی بنیاد پر انہیں اس موضوع کے ساتھ مناسبت اور دلچسپی پیدا ہو جائے۔

تاریخ اسلام کورس میں تین ادوار کو شامل کیا گیا ہے۔

1۔ اسلام سے قبل دنیا کی حالت حیات طیبہ ﷺ، خلافت راشدہ

2۔ اموی خلافت، عباسی خلافت، اندلس میں مسلم حکومت اور خلافت عثمانیہ وغیرہ

3۔ برصغیر میں مسلم حکومت، عہد جدید اور جدید دنیائے اسلام

کورس کا پہلا یونٹ ''اسلام سے قبل دنیا کی حالت'' پر مشتمل ہے، دوسرے تیسرے اور چوتھے یونٹ میں رسول اللہ ﷺ کی حیات طیبہ پر بحث کی گئی ہے۔ پانچواں یونٹ سیدنا ابوبکرؓ کی حیات مبارکہ کے دوران رونما ہونے والے واقعات سے متعلق ہے۔ چھٹے یونٹ میں سیدنا عمرؓ فاروق کے دور کی فتوحات اور اصلاحات و اقدامات کا تذکرہ ہے۔ ساتویں یونٹ سیدنا عثمانؓ کے دور پر مبنی ہے۔ اور آٹھویں یونٹ میں سیدنا علیؓ کی خلافت کے دوران پیش آمدہ واقعات سے متعلق گفتگو کی گئی ہے۔ اسی طرح دیگر یونٹس میں تاریخ اسلام والمسلمین کے مختلف ادوار کو زیر بحث لایا گیا ہے۔ اس کورس کی بنیاد جن کتابوں پر رکھی گئی ہے، ان کے نام ذیل میں دیئے جا رہے ہیں۔ طلبہ کو چاہیے کہ ان کتابوں

کا مطالعہ، اس کتاب میں دی گئی ترتیب کے مطابق کریں۔

1۔	السیرۃ النبویہؐ	ابن ہشام
2۔	سیرت النبی ﷺ	علامہ شبلی نعمانی، علامہ سید سلیمان ندوی
3۔	رحمۃ للعالمینؐ	قاضی سلمان منصور پوری
4۔	نبی رحمتؐ	مولانا سید ابوالحسن علی ندوی
5۔	تاریخ اسلام	شاہ معین الدین احمد ندوی
6۔	تاریخ اسلام	اکبر شاہ خان نجیب آبادی
7۔	تاریخ الخلفاء (اردو ترجمہ)	علامہ جلال الدین سیوطی
8۔	الفاروق	علامہ شبلی نعمانی
9۔	تاریخ ملت	مفتی زین العابدین سجاد میرٹھی
10۔	ملت اسلامیہ کی مختصر تاریخ	ثروت صولت
11۔	دولت عثمانیہ	محمد عزیز
12۔	سلاطین ترکیہ	لین پول (اردو ترجمہ نصیب اختر)
13۔	تاریخ فرشتہ	محمد قاسم فرشتہ
14۔	آب کوثر	شیخ محمد اکرام
15۔	اورنگزیب عالمگیر	علامہ شبلی نعمانی

طلبہ کو جو کتاب دی جا رہی ہے۔ اس کا فائدہ یہ ہے کہ طالب علم کے سامنے اہم نکات، یونٹ کے اغراض ومقاصد اور یونٹ کے درسی مواد کا خلاصہ آ جائے گا (اور وہ با آسانی سمجھ سکے گا کہ دوران مطالعہ اس نے کن کن گوشوں پر زیادہ توجہ دینا ہے۔ ہمیں امید ہے کہ طلبہ اس کورس کو پوری توجہ، دلچسپی اور دلجمعی کے ساتھ پڑھیں گے اور نہ صرف یہ

کہ خود اس سے مستفید ہونگے بلکہ اپنے احباب اور عزیز و اقارب کو بھی اس مطالعہ میں شریک کریں گے، اس کورس میں تیاری کے لئے راقم ڈین کلیہ عربی وعلوم اسلامیہ پروفیسر ڈاکٹر محمد باقر خان خاکوانی اور برادرم محی الدین ہاشمی صاحب کا تہہ دل سے مشکور ہے۔ اور آخر میں اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہم سب کو اپنے اسلاف کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

کورس رابطہ کار!

ڈاکٹر محمد سجاد

اسسٹنٹ پروفیسر

شعبہ اسلامی فکر، تاریخ وثقافت

علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد

کورس کے مقاصد

امید ہے اس کورس سے متعلق درسی مواد کا مطالعہ کرنے کے بعد آپ اس قابل ہو جائیں گے کہ!

2۔ رسول اللہ ﷺ کی حیات طیبہ کے مختلف گوشوں کا مطالعہ کر سکیں۔

3۔ سیدنا ابوبکرؓ صدیق کے عہد خلافت میں جو واقعات رونما ہوئے ان پر روشنی ڈال سکیں۔

4۔ سیدنا عمرؓ فاروق نے اپنے دور میں جو اصلاحات اور اقدامات کیے ان پر بحث کر سکیں۔

5۔ سیدنا عثمان غنیؓ کے عہد خلافت اور آپ کی شہادت پر تبصرہ کر سکیں۔

6۔ سیدنا علی مرتضےٰؓ کے دور خلافت میں جنگ جمل اور جنگ صفین کے حوالے سے واقعات کا تجزیہ کر سکیں۔

7۔ خلفائے راشدین کے نظام حکومت کا جائزہ لے سکیں۔

8۔ خلافت اموی کے آغاز وارتقاء اور نمایاں خدمات سے آگاہ ہو سکیں۔

9۔ خلافت عباسی کے عہد میں مسلمانوں کی علمی وتہذیبی ترقی کا مطالعہ کر سکیں۔

10۔ سپین کے مسلمانوں کے حالات اور مصر وشمالی افریقہ کے حالات کا جائزہ لے سکیں۔

11۔ ایران کی قدیم وجدید تاریخ سے آگہی حاصل کر سکیں

12۔ خلافت عثمانیہ کی فتوحات اور وسعت کا مطالعہ کر سکیں۔

13۔ برصغیر میں مسلم حکومت کے قیام اور زوال کے اسباب جان سکیں۔

14۔ جدید دنیائے اسلام کے معروضی حالات سے آگاہ ہو سکیں۔

یونٹ نمبر 1

رسول اکرم ﷺ کی بعثت سے قبل دنیا کے سیاسی، معاشرتی، اور مذہبی حالات

تالیف

ڈاکٹر محمد سجاد

نظر ثانی

پروفیسر ڈاکٹر محمد باقر خان خاکوانی

علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد

فہرست عنوانات

یونٹ کا تعارف:

بعثت نبویؐ سے قبل پوری انسانیت تاریکی و ظلمت میں ڈوبی ہوئی تھی۔ اللہ تعالی نے انبیاء کرام کے ذریعے جو تعلیمات انسانیت کی بہتری اور فلاح کے لیے عطا فرمائیں تھیں ان کو فراموش کر دیا گیا تھا۔ اب فقط تحریفات پر مبنی مذاہب، یہودیت و مسیحت وغیرہ پائے جاتے تھے، جنھوں نے الہامی کتابوں میں تحریف کردی تھی اور ہدایت الٰہی کی جگہ اپنے من پسند عقائد و نظریات کو شامل کر دیا تھا۔ اور ان مذاہب میں کئی فرقے اور مسالک پیدا ہو گئے تھے۔ یہی صورتحال دیگر مذاہب مثلاً مجوسیت، ہندومت، بدھ مت، جین مت، کنفیوشس ازم وغیرہ کی تھی۔

سیاسی اعتبار سے بھی دنیا کی حالت ابتر تھی۔ اس زمانہ میں دنیا میں دو بڑی سلطنتیں روم اور ایران تھیں، باقی ممالک تقریباً انہیں دو کے زیر اثر تھے، ان دونوں سلطنتوں میں آپس میں اکثر لڑائیاں رہتی تھیں، اس لئے رومی اور ایرانی اقتدار زوال پذیر تھا۔ سلطنت روما جس کی بنیاد عیسائیت پر رکھی گئی تھی۔ آپس کے فتنوں اور فرقہ ورانہ آویزشوں سے دوچار تھی۔ جبکہ ایرانیوں کے ساتھ بھی خانہ جنگیوں میں مصروف تھی۔ عام عیسائی معاشرہ تجرد اور رہبانیت میں مبتلا تھا۔ ایران میں مزدکی عقائد و نظریات نے اباحیت پسندی کی وجہ سے پورے ایرانی معاشرہ کو اخلاقی گراوٹ میں مبتلا کر دیا تھا۔ جبکہ ہندوستان میں انسانی معاشرہ طبقہ واریت، نسلی تعصب اور مذہبی لحاظ سے ضلالت و گمراہی کی پستی میں مبتلا تھا۔

جزیرۃ العرب کی حالت بھی دگرگوں تھی۔ قبائل عرب میں بت پرستی عام تھی۔ قریش مکہ جو کہ اپنے آپ کو ملت ابراہیمی کے نمائندہ شمار کرتے تھے، شعار ابراہیمی سے بہت دور ہو گئے تھے۔ ان میں شرک اور بت پرستی جیسی برائیاں پیدا ہو گئی تھیں۔ معاشرتی و تمدنی لحاظ سے ان کے اندر کئی اخلاقی برائیاں، مثلاً، زناکاری، سودخوری، ڈاکہ زنی، شراب نوشی، قتل و غارت اور کئی دیگر سماجی برائیاں پیدا ہو گئیں تھیں۔

الغرض، ظہور اسلام کے وقت سرزمین عرب جس طرح تمدنی، مذہبی، معاشی اور معاشرتی اعتبار سے **ظہر الفساد فی البر والبحر** کی تفسیر تھی اسی طرح سیاسی لحاظ سے بھی وہاں **ظلمات بعضها فوق بعض** کا مکمل ظہور تھا۔ ایسے میں اللہ تعالی نے اپنی مخلوق پر احسان فرمایا اور اپنے پیارے محبوب حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو رسول اور خاتم النبیین بنا کر بھیجا۔ آپ نے اس ظلمت کدہ جہاں کو نور ہدایت سے منور کر دیا۔

اس یونٹ میں رسول اللہ ﷺ کی بعثت سے قبل کے دنیا کے سیاسی ومعاشرتی و مذہبی حالات کا مطالعہ کیا جائیگا۔

یونٹ کے مقاصد:

امید ہے کہ اس یونٹ کے مطالعہ کے بعد آپ اس قابل ہو جائیں گے کہ

1۔ بعثت نبوی ﷺ سے قبل دنیا کی سیاسی حالات سے آگاہ ہوسکیں۔

2۔ بعثت نبوی ﷺ سے قبل دنیا کی کی معاشرتی حالت جان سکیں۔

3۔ بعثت نبوی ﷺ سے قبل دنیا کے مذہبی حالات سے آگاہی حاصل کرسکیں۔

4۔ بعثت نبوی ﷺ سے قبل عربوں کے مذہبی ومعاشرتی حالات جان لیں گے۔

5۔ قبل از بعثت دنیا کی عمومی صورت حال سے آگاہ ہو جائینگے۔

1۔ بعثت نبوی ﷺ سے قبل دنیا کی سیاسی حالت

بعثت نبوی سے قبل سیاسی اعتبار سے چھٹی صدی عیسوی، میں دنیا کی سیاسی حالت بہت ابتر تھی۔ آمریت اور مطلق العنانی بالکل عام تھی۔ مختلف علاقوں اور ملکوں میں مخصوص خاندان، سلاطین اور چھوٹے چھوٹے گروہ حکمرانی کر رہے تھے۔ عدل وانصاف کے بجائے ظلم وجبر فتنہ وفساد عام تھا۔ حکمرانی کی غرض وغایت عوام کی خوشحالی اور فلاح و بہبود نہ تھی۔ بلکہ مقصود ستم ڈھانا اور ان کی کمائی سے سامانِ عیش فراہم کرنا تھا۔ پوری دنیا میں ان ہی ''اصولوں'' کا دور دورہ تھا اور اس کے نتیجہ میں ایران وروم چین وہندوستان اور دوسری حکومتوں کا سیاسی نقشہ بگڑ چکا تھا۔ خانہ جنگیوں کا سلسلہ روز افزوں تھا۔ ذیل میں ہم اس دور کی سیاسی صورت حال کا جائزہ لیتے ہیں۔

1.1 سلطنت روم کی سیاسی حالت

روم کی سلطنت 335ء میں دو حصوں میں تقسیم ہوگئی تھی، ایک مشرقی اور دوسرا مغربی۔ مشرقی حصہ کا بادشاہ قسطنطینِ اعظم تھا جس کے مرنے (337ء) کے بعد وہاں سیاسی خانہ جنگیوں کا سلسلہ شروع ہوگیا تھا۔

اعیان سلطنت میں گروہ بندیاں قائم ہوگئیں اور باہمی نفاق اور فتنہ وفساد کا بازار گرم ہوگیا۔ بالآخر سلطنت روم مختلف صوبوں میں تقسیم ہوکر مختلف دعویداران سلطنت کے حصہ میں آئی نااہل فرمانرواؤں کی کمزوری دیکھ کر ایک طرف گوتھ ونڈال وغیرہ بعض وحشی قوموں نے حملے شروع کیے اور دوسری طرف دور افتادہ صوبوں کی رعایا بغاوت پر آمادہ ہوگئی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ پانچویں صدی عیسوی کے آخر میں سلطنت روم کا مغربی بازو جو برطانیہ فرانس وغیرہ پر مشتمل تھا بالکل کٹ گیا اور خود روم کا دارالحکومت دشمنوں کے حملوں سے محفوظ نہ رہ سکا۔ (1)

سلطنت کی عدم مقبولیت کا عالم یہ تھا کہ خود رعایا حکمرانوں سے اس حد تک نفرت کرتی تھی کہ وحشی اقوام کو ترجیح دیتی تھی' امراء وزراء اور سلاطین میں اتنی طاقت بھی نہیں تھی کہ عوام کی نفرت کے جذبات جب بغاوت کی شکل میں رونما ہوں تو ان کا سدباب کرسکیں غرض اندرونی بدانتظامیوں سے ملک کی یہ نوبت پہنچ گئی کہ گبن کے الفاظ میں:۔

''اگر اس وقت روم کے تمام بیرونی وحشی مخالفین فنا بھی ہو جاتے تب بھی ان کی مجموعی معدومیت بھی سلطنت کے مغربی بازو کو زوال سے نہیں بچا سکتی تھی۔''(2)

اہل روما کے زوال کا ایک اہم سبب یہ تھا کہ وہ حکمرانی کے لیے کسی خاص گروہ، جماعت کو بنیادی اصول قرار دیتے تھے۔

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رقمطراز ہیں:۔

''وہاں رومی وطن اور رومی قومیت، بنیادی قانون کی حیثیت رکھتے تھے جب کہ دوسری قومیں اور ممالک اس قومیت کے غلام تھے۔ سلطنت روما ہر قانون اور ہر ایک کے حق کو نظر انداز کر سکتی اور ہر ایک کی عزت و ناموس کو پامال کر سکتی تھی۔ وہ ہر ظلم و ستم کو جائز سمجھتی تھی۔ رومیوں کا ہم عقیدہ اور ہم مذہب ہو کر اور حکومت کے ساتھ خلوص اور وفاداری کا اظہار کر کے بھی کوئی فرد یا قوم رومیوں کے ظلم و ستم سے نہیں بچ سکتا تھا۔ کسی قوم کو حکومتِ خود اختیاری اور اندرونی خود مختاری کا حق نہیں تھا اور نہ اس کا موقع تھا کہ اپنے ملک میں اپنے واجبی حقوق سے مستفید ہو سکے۔''(3)

الغرض چھٹی صدی عیسوی کے خاتمہ پر یعنی خاتم النبیین ﷺ کی ولادت سے دو چار سال بعد روم بقول گبن کے بڑے زوال کے پست ترین نقطہ تک پہنچ گیا تھا۔ گبن لکھتا ہے۔

''اس کی مثال بعینہ اس عظیم الشان درخت کی ہو گئی تھی جس کے سائے میں ایک وقت تک تمام اقوام عالم آباد تھیں مگر اب ایسی خزاں آئی کہ برگ و بار کے ساتھ ساتھ اس کی شاخیں اور ٹہنیاں بھی رخصت ہو گئی تھیں اور اب خالی تنا خشک ہو رہا تھا۔ خود پا ... کے اندر غنیم کے گھس آنے کا خوف تمام آبادی پر اس طرح چھایا ہوا تھا کہ تقریباً کل کاروبار بند ہو گئے تھے وہ بازار اور تماشا گاہیں جہاں دن رات چہل پہل رہتی تھی اب ویران اور سنسان پڑی تھیں۔''(4) مذہبی فتنے بھی ان کے ہاں ناقابل بیان تھے۔ چنانچہ حضرت مسیح میں خدائی طبیعت کا ہونا یا خدائی اور انسانی ہر دو طبیعتوں کا پایا جانا یا دو طبیعتوں مگر ایک مشیت کا پایا جانا وغیرہ نظریے فرقہ بندی پیدا کر رہے تھے اور ہر فرقہ انتہائی تنگ نظر تھا۔(5)

1.2 ایران کے سیاسی حالات:

بعثت نبویؐ سے قبل ساسانی جاہ و جلال اب ماند پڑ گیا تھا۔ مسلسل بغاوتوں، سفاکانہ خوں ریزیوں اور سیاسی بدامنیوں

سے نظام حکومت تہہ و بالا ہو چکا تھا۔ ایرانیوں کے یہاں بھی مطلق العنان بادشاہت قائم تھی جو ایرانی نظام سیاست میں بنیاد کی حیثیت رکھتی تھی۔ کیونکہ وہاں کے حکمرانوں کا دعویٰ تھا کہ

''ان کی رگوں میں خدائی خون ہے اور اہل ایران بھی انہیں اسی نظر سے دیکھتے تھے۔ گویا وہ خدا ہیں۔ ان کا اعتقاد تھا کہ ان سلاطین کی فطرت میں ایک مقدس آسمانی چیز ہے چنانچہ یہ لوگ ان کے آگے سربسجود ہوتے تھے ان کی الوہیت کے ترانے گاتے تھے اور انہیں قانون، تنقید اور بشریت سے بالاتر تصور کرتے تھے۔ بادشاہت و حکمرانی کے لیے ایک خاص گھرانہ (کیانی خاندان) معین تھا اگر اس خاندان میں سے کوئی عمر رسیدہ نہ ملتا یا تو بچہ ہی کو اپنا بادشاہ بنا لیتے، اگر کوئی مرد نہ ملتا تو عورت کو حکمران بناتے تھے۔ چنانچہ شیرویہ کے بعد اس کے ہفت سالہ بچہ اردشیر کو شہنشاہ بنایا گیا اور خسرو پرویز کے بیٹے کو طفولیت کی حالت میں حکمران بنایا گیا۔ اسی طرح بوران اور آرزمی دخت کو بھی تخت حکومت پر جلوہ افروز کیا گیا۔ (6)

پانچویں صدی کے اختتام سے ساتویں صدی کے شروع تک کا دور ایرانی تاریخ میں رومی سلطنت سے جنگی آویزش کی ایک طویل داستان ہے۔ اگر دونوں سلطنتوں کی سیاسی تاریخ کا جائزہ لیا جائے تو سوائے آپس کی جنگی آویزش کے اور کوئی نمایاں تعلقات نظر نہیں آتے۔

ایرانی حکمرانوں کی حالت یہ تھی کہ حکمراں اپنے اقتدار کو مستحکم کرنے کے لیے برسرِ اقتدار آتے ہی عموماً اپنے خاندان کے لوگوں کو قتل کر دیتے تھے تاکہ بعد میں کوئی دعویدار سلطنت نہ کھڑا ہو جائے۔ رعایا اور فوج کے لوگ جب اور جس حکمران کو چاہتے معزول یا قتل کر دیتے تھے۔ مثلاً بلاش (483ء۔487ء) اور قباد کو معزول کیا گیا جب کہ ہرمز چہارم اور خسرو پرویز (590ء۔628ء) قتل ہوئے۔ (7)

1.3 ہندوستان کی سیاسی حالت:

پانچویں صدی عیسوی کے اختتام سے ساتویں صدی عیسوی کے آغاز تک کا زمانہ ہندوستان کی سیاسی تاریخ میں ابتری اور گمنامی کا زمانہ شمار کیا جاتا ہے۔ اسی زمانے میں عظیم گپت خاندان کی حکومت کی بنیاد پڑی۔ پھر یہ بھی زوال کا شکار ہوئی۔ گپت سلطنت کا زوال بہت سے ناگزیر نتائج کا سبب بنا۔ صوبائی گورنروں اور جاگیردار ریاستوں نے اپنی خود مختاری کا اعلان کر دیا۔ پورا شمالی ہندوستان بہت سی آزاد ریاستوں میں منقسم ہو گیا۔ جو خود مختار ریاستیں گپت سلطنت کے کھنڈرات پر

قائم ہوئیں ان میں سے کسی ایک کو بھی مرکزی حیثیت حاصل نہیں تھی۔ صرف وسط ہندوستان میں 9 خودمختار ریاستیں قائم تھیں۔ بنگال کئی چھوٹی ریاستوں میں منقسم تھا۔

1.4 چین کی سیاسی حالت:

ایران اور ہندوستان کی طرح چین میں بھی آمریت اور مطلق العنانیت کا دور دورہ تھا۔ بقول مولانا سید ابوالحسن علی ندوی: "اہل چین اپنے بادشاہ کو "شہنشاہ فرزند آسمان" کہتے تھے کیونکہ ان کا عقیدہ تھا کہ آسمان نر ہے اور زمین مادہ اور کائنات کو انہیں دونوں نے جنم دیا ہے اور شہنشاہ خشا اول زمین و آسمان کے جوڑے کی سب سے پہلی اولاد ہے۔ اسی بنا پر شاہ وقت کو قوم کا تنہا باپ تصور کیا جاتا تھا۔ اس کو حق تھا کہ جو چاہے کرے لوگ کہا کرتے تھے کہ آپ ہی قوم کے مائی باپ ہیں۔ شہنشاہ لی یان یا تائی تسنگ جب مرا ہے تو اہل چین نے سخت ماتم کیا، کسی نے اپنے بال کاٹے اور کسی نے جنازہ سے اپنے کان مار مار کر زخمی کر لئے۔"(8)

2۔ بعثت نبوی سے قبل دنیا کی معاشرتی و اخلاقی حالت

بعثت نبوی سے قبل معاشرتی اور اخلاقی لحاظ سے دنیا کی حالت انتہائی پستی کو پہنچ گئی تھی۔ انسانی معاشرہ مختلف طبقات میں بٹ چکا تھا۔ اخلاقی امراض نے انسانی جسم کو بے جان کر دیا تھا۔ معاشرہ انسانی عیش وعشرت، حرص و ہوس اور لذت نفس کی تسکین میں مبتلا ہو چکا تھا۔ معاشرہ انسانی کا ایک طبقہ غلامی کی زنجیروں میں جکڑا ہوا درندوں سے بدتر زندگی گزارنے پر مجبور تھا۔ غرض ہر طرف اجتماعی بدنظمی وانتشار اور اخلاقی تنزل و زوال برپا تھا۔

"حکمران اور مقتدر طبقہ کی عیش پرستی اور دولت مندی نے پورے انسانی معاشرہ کو مختلف طبقوں میں تقسیم کر دیا۔ انہوں نے ساری لذتوں اور راحتوں کو اپنے لیے مخصوص کرنے کے لیے قوانین بنائے، ظلم وتشدد کیا۔ لوگوں کو حقوق سے محروم رکھا اور انہیں ذلیل و کمتر سمجھا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ اونچ نیچ کا فرق، طبقوں کا تفاوت اور پیشوں کی تقسیم انسانی معاشرہ اور نظام زندگی کا اٹل قانون بن گیا مثلاً ایران میں حکومت کی طرف سے عوام الناس کو ممانعت تھی کہ وہ طبقہ امراء میں سے کسی کی جائیداد کو خرید

سکیں۔ سیاست ساسانی کا یہ محکم اصول تھا کہ کوئی شخص اپنے اس رتبہ سے بلند تر رتبہ کا ہرگز خواہاں نہ ہو جو اس کو پیدائشی طور پر یعنی از روئے نسب حاصل ہے۔ کوئی شخص مجاز نہ تھا کہ سوائے اس پیشہ کے جس کے لیے خدا نے اس پیدا کیا ہے کوئی دوسرا پیشہ اختیار کر سکے۔ شاہان ایران حکومت کا کوئی کام کسی نیچ ذات کے سپرد نہ کرتے تھے سوسائٹی میں ہر شخص کی ایک جگہ معین تھی''۔(9)

ہندوستان میں انسانوں کو مختلف طبقات میں تقسیم کیا گیا۔ منوشاستر میں چار ذاتیں بیان کی گئی ہیں۔

1) برہمن یعنی مذہبی پیشوا

2) کھشتری، لڑنے والے

3) ویش' زراعت وتجارت پیشہ اور

4) شودر' جن کا کوئی خاص پیشہ نہیں تھا جو دوسری ذاتوں کے صرف خادم تھے

ایسے قوانین وضع کئے گئے جس سے اعلیٰ ذاتوں کی پاسداری وحمایت اور بعض پر جبر وستم مقصود تھا۔ مثلاً ایسے چند قوانین درج ذیل ہیں

(الف)۔ برہمن کو کسی حالت میں خواہ وہ کتنے ہی سنگین جرائم کا مرتکب رہ چکا ہو سزائے موت نہیں دی جا سکتی۔

(ب)۔ کسی اونچی ذات کے مرد کا نیچی ذات کی عورت کے ساتھ زنا کرنا کوئی جرم نہیں۔

(ج)۔ کسی بودھ راہبہ تک کی عصمت دری کی سزا میں کچھ جرمانہ کافی ہے۔

(د)۔ اگر کوئی اچھوت ذات کا شخص کسی اعلیٰ ذات والے کو چھو لے تو اس کی سزا موت ہے۔

(ہ)۔ اگر کوئی نیچی ذات والا اپنے سے اونچی ذات والے کو مارے تو اس کے اعضا کاٹ ڈالنا چاہیے۔ اگر اسے گالی دے تو اس کی زبان کاٹ ڈالنا چاہیے اور اگر اس کو تعلیم دینے کا دعویٰ کرے تو گرم تیل اس کے منہ میں ڈالنا چاہیے۔''(10)

3۔ بعثت نبویؐ سے قبل دنیا کی مذہبی حالت

بعثت نبویؐ سے قبل جو اہم مذاہب دنیا میں موجود تھے، ان میں سے زرتشت، عیسائیت، یہودیت، ہندومت اور بدھ مت قابل ذکر ہیں۔ مجوسی مذہب ایرانیوں کا تھا۔ جس کا دائرہ عراق سے لے کر ہندوستان کی سرحدوں تک محیط تھا۔ عیسائیت رومیوں کا مذہب تھا جو یورپ ایشیا اور افریقہ تینوں براعظموں کو گھیرے میں لئے ہوئے تھا، ہندومت ہندوستان اور اس کے گردونواح میں پھیلا ہوا تھا۔ بدھ مت بھی ہندوستان چین، تبت اور جنوبی ایشیا کی اقوام کا مذہب تھا۔ یہودیت کا کہیں ٹھکانہ نہ تھا۔ یہودی مختلف علاقوں میں تھوڑے تھوڑے بکھرے ہوئے تھے۔

3.1 زرتشت

زمانہ قدیم میں ایرانی قوم مظاہر قدرت کی پوجا کرتی تھی۔ ساتویں صدی قبل مسیح میں زرتشتی مذہب کا آغاز ہوا۔ (11) زرتشت کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اس کی تعلیمات عمدہ تھی بعدازاں اس کے مذہب میں تحریف کر دی گئی اور یہ مجوسیت میں تبدیل ہو گیا۔

بعدازاں اس میں ایک اور مذہب ''مزدک،، پیدا ہوا، اس مذہب کی خاص تعلیم یہ تھی کہ زمین دولت اور عورت (زن۔ زر۔ زمین) کسی خاص شخص کی ملک نہیں بلکہ ان کو تمام جماعت میں مشترک ہونا چاہیئے چنانچہ مزدکی عقائد کی رو سے ایک شخص کی بیوی ہر شخص سے ہم بستر ہو سکتی تھی۔ عیش پرست اور ہوس ران دونوں نے اس مذہب کو خوشی سے قبول کیا اور بہت جلد اس مذہب کو حکمران وقت قباد (487ء۔ 531ء) کی سرپرستی حاصل ہو گی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ پورا ملک جنسی بحران میں ڈوب گیا۔ مگر اہل ایران بہت جلد اس سے پریشان ہو گئے اور نوشیرواں عادل نے تخت نشین ہونے کے فوراً بعد اس مذہب کے تقریباً ایک لاکھ سے زائد پیروں کو قتل کر کے اس کا زور توڑ ڈالا۔

3.2 عیسائیت:

بعثت نبویؐ سے قبل عیسائیت کئی فرقوں میں بٹ چکی تھی۔ حضرت عیسیٰؑ اور حضرت مریمؑ اور روح القدس کی شخصیت اور مرتبہ کے تعین نے بیسیوں فرقے پیدا کیئے۔ جن میں زبانی مناظروں سے گزر کر جنگ و جدال کی نوبت آ گئی تھی۔ عسائیت میں تجرد کی زندگی اور رہبانیت بھی معروف تھی۔ ہر قسم کے آرام و آسائش سے جسم کو محروم کے ہر قسم کی تکلیف و عذاب میں تمام عمر مبتلا رکھنا بہترین عبادت تھی۔ کسی نے تمام عمر غسل نہ کرنے کی قسم کھالی تھی۔ کسی نے اپنے کو دلدل میں ڈال دیا تھا۔ کوئی اپنے آپ کو بوجھل زنجیروں میں جکڑے ہوئے تھا کسی نے سایہ میں بیٹھنے کو اپنے اوپر حرام کر لیا تھا۔ کسی نے اپنے آپ کو اندھیری کوٹھری میں بند کر لیا تھا۔ ماں باپ، عزیز و اقارب، اہل و عیال دینداری و تقویٰ شعاری کی راہ کے کانٹے تھے۔ ان سے پرہیز' بلکہ ان سے نفرت کمال تقویٰ سمجھا جاتا تھا اور اسی پر فخر کیا جاتا تھا۔"

3.3 ہندومت:

ہندوستان کی مذہبی حالت نہایت خراب و خستہ تھی۔ یہاں ہندومت، بدھ مت اور جین مت جیسے مذاہب پائے جاتے تھے۔ ان میں بت پرستی اور کثرت پرستی عام تھی۔ بدھ مت جو صدیوں سے ہندوستان کا کم و بیش سرکاری مذہب بنا ہوا تھا اب بڑی تیزی سے روبہ زوال تھا' برہمنیت کا دوبارہ مزید خرابیوں کے ساتھ احیاء ہو رہا تھا۔ جین مت کے مردہ رگوں میں تقریباً سات سو سال کے بعد دوبارہ حیاتِ نو کے آثار دکھائی دیتے تھے۔ غرض جو سرزمین کسی زمانہ میں علم و تمدن اور اخلاقی تحریکات کا مرکز تھا وہ اب مذہبی گورکھ دھندوں کا مخزن اور چوں چوں کا مربہ بن گیا تھا۔

ہندوستان کی تاریخ میں چھٹی صدی عیسوی کا زمانہ معبودوں کی کثرت کا زمانہ ہے وید میں دیوتاؤں کی تعداد 33 تھی لیکن اس زمانے میں 33 کروڑ ہوگئی تھی۔ دنیا کی ہر پسندیدہ شئی ہر قوت والی چیز اور ہر ناقبل تسخیر طاقت اہل ہندوستان کے نزدیک عبادت اور پرستش کے لائق تھی۔ اسی طرح بتوں' دیوتاؤں' دیویوں کا کوئی شمار نہیں تھا۔ اور قابل پرستش اشیاء میں معدنیات و جمادات' اشجار و نباتات' پہاڑ' دریا' حیوانات' حتیٰ کہ اعضائے مخصوصہ سب ہی شامل تھے۔ اس طرح یہ قدیم مذہب افسانوی روایات اور عقائد و عبادات کا ایک دیو مالا بن کر رہ گیا تھا۔ (12)

ہندوستانی معاشرہ میں بت پرستی بنیادی حیثیت رکھتی تھی۔ عوام کا مذاق اور مزاج کسی ایسے مذہب کو قبول کرنے پر

تیار ہی نہیں ہوتا تھا۔ جس میں بت پرستی نہ ہو۔ یہی وجہ ہے کہ روز افزوں بت پرستی سے متاثر ہوکر مجبوراً جین مت اور بودھ مت نے بھی بت پرستی کو اپنے مذہب کا جز قرار دیا۔ اور اپنی ترقی اور استحکام کا ذریعہ سمجھا۔ چنانچہ راجہ ہرش جس کا مذہب بدھ مت تھا اس نے با قاعدہ بت پرستی کو فروغ دیا۔ چینی سیاح جس نے (630 تا644) ہندوستان کا سفر کیا تھا۔ اس نے ہندوستان میں بت پرستی کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ہر شخص آزاد تھا خواہ وہ کسی مذہب کا پیرو ہو کہ وہ جس چیز کی چاہے پرستش کرے چنانچہ کوئی وشنو کی پوجا کرتا تھا کوئی سورج کی، کوئی دیوی دیوتا کی اور جو چاہے سب کی پوجا کرے۔ (13)

3.4 یہودیت:

یہودیت قدیم ترین مذہب ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس قوم میں انبیا کرامؑ کو مبعوث فرمایا تھا۔ اس کے پاس دیگر اقوام کے مقابلے میں سب سے زیادہ دینی سرمایہ موجود تھا۔ دین فہمی کی صلاحیت بھی سب سے زیادہ اسی کو حاصل تھی۔ لیکن اس نے اپنی سرکشی، غرور و تکبر سے خدا کی اس نعمت کو ہمیشہ ٹھکرایا، پیغمبروں کی تعلیمات کا مذاق اڑایا۔ خدا کی اطاعت سے منہ موڑ کر نفس کی بندگی کی اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان سے دنیا کی قیادت چھین لی گئی اور در در کی ٹھوکر، غلامی اور ظلم و ستم ان کا مقدر کر دیا گیا۔

چھٹی صدی عیسوی میں ان کا دنیا کے تمدن اور سیاست میں کوئی مقام نہیں تھا۔ اخلاقی اعتبار سے اتنے گر چکے تھے کہ اصلاح کی کوئی صورت ہی نہیں تھی۔ مذہب کو بالکل مسخ کر ڈالا تھا۔ قرآن میں ان کی اخلاقی اور مذہبی حالت کے ساتھ ساتھ ان کے زوال کے اسباب پر بڑی تفصیل سے روشنی ڈالی گئی ہے۔

خلاصہ یہ کہ ساتویں صدی عیسوی میں روئے زمین پر کوئی قوم ایسی نظر نہیں آتی تھی جو مزاج کے اعتبار سے صالح کہی جا سکے اور نہ ایسی کوئی سوسائٹی تھی جو شرافت اور اخلاق کی اعلیٰ قدروں کی حامل ہو، نہ ایسی کوئی حکومت تھی جس کی بنیاد عدل و انصاف اور رحم پر ہو اور نہ ایسی قیادت تھی جو علم و حکمت اپنے ساتھ رکھتی ہو اور نہ کوئی ایسا صحیح دین تھا جو انبیاء کرام کی طرف صحیح نسبت رکھتا ہو اور ان کی تعلیمات و خصوصیات کا حامل ہو، اس گھٹا ٹوپ اندھیرے میں کہیں کہیں عبادت گاہوں اور خانقاہوں میں اگر کبھی کبھی کچھ روشنی نظر آ جاتی تھی تو اس کی حیثیت ایسی ہی تھی جیسے برسات کی اندھیری رات میں جگنو چمکتا ہے۔ (14)

خود آزمائی:

1۔ بعثت نبوی ﷺ سے قبل دنیا کی سیاسی حالات کیسے تھے، مفصل جائزہ لیں۔؟

2۔ بعثت نبوی ﷺ سے قبل دنیا میں کون کون سے مذاہب پائے جاتے تھے۔؟

3۔ بعثت نبوی ﷺ سے قبل دنیا کی سماجی حالت پر روشنی ڈالیں۔؟

(ب) قبل از بعثت نبوی ﷺ عربوں کے حالات

لفظ عرب کے لغوی معنی ہیں صحرا اور بے آب و گیاہ زمین۔ عہد قدیم سے یہ لفظ جزیرہ نما عرب اور اس میں بسنے والی قوموں پر بولا گیا ہے۔ عرب کے مغرب میں بحر احمر اور جزیرہ نمائے سینا ہے۔ مشرق میں خلیج عرب اور جنوبی عراق کا ایک بڑا حصہ ہے۔ جنوب میں بحر عرب ہے۔ جو درحقیقت بحر ہند کا پھیلاؤ ہے۔ شمال میں ملک شام اور کسی قدر شمالی عراق ہے۔ کل رقبے کا اندازہ دس لاکھ سے تیرہ لاکھ مربع میل تک کیا گیا ہے۔

مورخین نے نسلی اعتبار سے عرب اقوام کی تین قسمیں قرار دی ہیں۔

(1) عرب بائدہ۔ وہ قدیم عرب اور قومیں جو اب ناپید ہوگئیں اور ان کے بارے میں تفصیلات دستیاب نہیں۔ مثلاً: عاد۔ ثمود، طَسم، جدیس، عمالقہ، وغیرہ

(2) عرب عارِبہ۔ وہ عرب قبائل جو یعُرب بن یشجب بن قحطان کی نسل سے ہیں۔ انہیں قحطانی عرب کہا جاتا ہے۔

(3) عرب مُستعربہ۔ وہ قبائل جو حضرت اسماعیل علیہ السلام کی نسل سے ہیں۔ انہیں عدنانی کہا جاتا ہے۔

1.1 عرب کا سیاسی نظام:

عرب کے لوگ بہت سے قبیلوں میں منقسم تھے' اور ہر قبیلہ کا سردار الگ الگ ہوتا تھا۔ یہ سردار اگرچہ بادشاہ نہیں ہوتے تھے مگر اپنے اپنے قبیلہ میں انہیں وہی رتبہ اور اختیارات حاصل ہوتے تھے جو بادشاہوں کو حاصل ہوتے ہیں۔

رسول اکرم ﷺ کی پیدائش کے وقت مکہ معظمہ کے سردار آپ کے دادا حضرت عبدالمطلب تھے۔ اس کے علاوہ روم اور ایران کی سرحدوں پر بسنے والے بعض عرب قبیلوں میں باقاعدہ ریاستیں بھی قائم تھیں' مگر ان کے رئیس روم اور ایران کے بادشاہوں کے ماتحت ہوتے تھے۔

تاریخ سے اس بات کا پتہ نہیں چلتا کہ اسلام سے پہلے عرب کے جزیرہ نما میں کبھی بھی ایک ملک گیر اور مرکزی حکومت قائم ہوئی ہو۔ البتہ کبھی خاصی وسیع سلطنتیں وجود میں ضرور آئیں۔ کندہ والوں نے حضر موت سے حیرہ تک یعنی عرب کے جنوب سے شمال تک کچھ دنوں تک ایک حکومت قائم کر لی تھی۔ یا دوسری قدیم ترین حکومتیں مثلاً معینی سبائی' حمیری' قتبانی یا نا بتی وغیرہ جن کا غلبہ اور وجود ایک عرصہ تک قائم رہا۔

ظہور اسلام کے وقت یہ تمام حکومتیں تباہ و برباد ہو چکی تھیں صرف عراق و شام کی سرحدوں پر دو حکومتیں آل منذر اور آل غسان موجود تھیں۔ مگر ان دونوں حکومتوں کا ملک کے اندرونی نظم و نسق کی تاریخ پر کوئی اثر نہیں پڑا۔

عرب میں بعض مقامات پر ایران و روما کے باجگذار حکمران اور بعض جگہوں پر خود مختار اور آزاد چھوٹی چھوٹی شہری مملکتیں قائم تھیں۔ چنانچہ مکہ' مدینہ' طائف' ینبوع' جرش' صنعا' عدن' صحار' دبا' یمامہ' فید و نجد' دومتہ الجندل' خیبر' فدک' ایلہ اور مشرق ساحل پر اچھی خاصی بستیاں تھیں جو کم و بیش شہری مملکتیں کہی جا سکتی تھیں۔ (15)

مگر ان سب سے زیادہ مشہور و معروف اہم اور منظم ترین مکہ کی شہری مملکت City Stete of Mecca تھی جسے حضور اکرم ﷺ کے جد امجد قصی بن کلاب نے مکہ پر قبضہ کر کے 440ء میں قائم کی تھی۔ قصی نے مملکت کے نظم و نسق کو بہترین حالت میں قائم رکھنے کے لیے مختلف محکموں کو قائم کیا۔ ان کے زمانے میں مندرجہ ذیل عہدوں کا پتہ چلتا ہے۔

حجابہ (کعبہ کی دربانی) سقایہ (حاجیوں کو پانی پلانا) رفادہ (حاجیوں کے لیے کھانے کا انتظام) لواء (جھنڈا، جنگی عہدہ)' ندوہ (شوریٰ)۔ قیادہ (جنگ میں لشکر کی قیادت) قبہ (شامیانہ، جنگی عہدہ) اعنہ (گھوڑے کی لگام) اموال المحجرہ (چڑھاوے کا مال) حکومہ' اسفارہ' اعقاب جھنڈا' سدانہ (کعبہ کی رکھوالی) العمارۃ (حرم کعبہ کا عام انتظام) افاضہ' اجازہ' نسی (مہینے بدل دینا) (16)

یہ تمام عہدے قریش کی مختلف شاخوں میں تقسیم تھے۔ اس کی وجہ سے مختلف شاخوں کو مختلف شاخوں پر سیاسی' مذہبی برتری حاصل تھی۔ خصوصاً تولیت کعبہ ایک ایسا معزز عہدہ تھا جس کی وجہ سے حامل عہدہ کی نہ صرف مکہ بلکہ پورے عرب میں مذہبی و سیاسی برتری تسلیم کی جاتی تھی۔ ظہور اسلام کی وقت بھی یہی حال تھا۔ تولیت کعبہ کی وجہ سے قریش کو پورے عرب پر مذہبی برتری حاصل تھی۔ یوں عقاب کا عہدہ، بنی امیہ میں' سقایہ اور عمارہ، بنی ہاشم میں' رفادہ، بنی نوفل میں اور سفارت وغیرہ بنی عدی میں اسی طرح مختلف عہدے مختلف قبائل میں بٹے ہوئے تھے۔

ملک میں بیسوں قبائل آباد تھے۔ چنانچہ شمالی عرب میں مختلف قبائل کی الگ الگ ٹولیاں تھیں۔ جو دن رات خانہ جنگیوں میں مبتلا رہتی تھیں بکر و تغلب کی چالیس سالہ جنگ کا ابھی خاتمہ ہی ہوا تھا۔ اور حضر موت کے قبائل کٹ کٹ کر فنا ہو چکے تھے۔ خاص حرم اور شہر حرام میں بنو قیس اور قریش کے درمیان حرب فجار کا سلسلہ جاری تھا۔ آبادی میں بدوی اور حضری کی تقسیم تھی۔ پہاڑوں اور صحراؤں میں خودمختار اور جرائم پیشہ قبائل آباد تھے۔ اور تمام قبائل جنگ کی نہ ختم ہونے والی زنجیروں میں جکڑے تھے، جس طرح گھر گھر کا الگ الگ خدا تھا اسی طرح قبیلے قبیلے کا جدا جدا رئیس تھا۔ (17)

موالی بنانے اور قبائل کو حلیف بنانے کا طریقہ رائج تھا۔ کسی قبیلہ کے خلاف کوئی بیرونی حاکم کس طرح کا اختیار ساعت نہ رکھتا تھا۔ بعض قومی قبیلے کمزور قبیلوں پر کوزیر کر کے ان سے خراج وصول کرتے تھے۔ قبائل پر بیرونی اثرات بھی ہوتے تھے مگر ایک بہترین قبیلہ بیرونی اثر سے بالکل آزاد ہوتا تھا۔

4۔ قبل از بعثت نبوی ﷺ عرب کی معاشرتی حالت

جزیرۃ العرب کے باشندے اسلام سے قبل وہاں سینکڑوں برس سے رہتے بستے آئے تھے۔ ایران، روم اور مصر جیسے متمدن ملکوں کی ہمسائیگی حاصل تھی اور اردگرد کی مذہبی اقوام سے تجارت و سفارت کا سلسلہ قائم تھا۔ لیکن تہذیب و تمدن کی دوڑ میں ابھی بہت پیچھے تھے۔ اس معاشرتی پستی کا سبب غالباً عرب کے خاص جغرافیائی حالات تھے کیونکہ جس ملک کا تین چوتھائی حصہ لق دق تپتے ہوئے صحراؤں، بے آب و گیاہ ریگستانوں، خشک پہاڑوں اور ندی نالوں پر مشتمل ہو وہاں وسائل زندگی بھلا آسانی سے کہاں میسر آ سکتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ عربوں کی بڑی تعداد خانہ بدوشانہ زندگی گزارنے پر مجبور تھی اور کسی ایک جگہ مستقلاً رہائش اختیار کر کے متمدن اقوام کی طرح صنعت و حرفت یا زراعت میں مشغول ہونے کی خواہش مشکل سے ہی پوری ہو سکتی تھی۔ پھر رہائش کے اعتبار سے بھی عرب کی آبادی دو حصوں میں منقسم تھی۔ حضری اور بدوی، شہروں میں رہنے والوں کو حضری اور صحراؤں میں بسنے والوں کو خانہ بدوش یا بدوی کہا جاتا تھا۔

شہری ایسی جگہوں پر آباد تھے جہاں کچھ نخلستان تھے وہ لوگ عموماً تجارت کیا کرتے تھے۔ چونکہ وسائل معاش کی تنگی پورے عرب میں تھی اس لیے خانہ بدوش قبائل اور ایک مقام پر مستقل رہنے والوں میں معاشرتی اعتبار سے زیادہ فرق نہیں تھا۔

بودوباش، رہن سہن، رسم ورواج وغیرہ سب یکساں تھے۔ اہل عرب میں سے بڑی تعداد بدویانہ طریق زندگی کو اپنائے ہوئے تھی۔ بدوقبائل کے مقابلہ میں شہری قبیلوں کی سماجی زندگی زیادہ مہذب ومتمدن تھی۔ اس میں ان کے اقتصادی نظام کی لائی ہوئی خوشحالی کو دخل تھا۔ تجارت، حرفت اور زراعت کے سبب ان کے پاس کافی دولت جمع ہوگئی تھی۔ بعض لوگ تو سودی کاروبار کرنے لگے تھے، ان میں مکہ، مدینہ اور طائف وغیرہ کے عرب اور یہودی تاجر دونوں لگے ہوئے تھے۔ وہ کچے پکے مکانات میں رہتے تھے۔ جو بڑے اور کشادہ ہوتے تھے۔ اوسط درجہ اور غریب لوگوں کے کچے اور چھوٹے۔ ان کی غذا میں دودھ، مکھن، گوشت، اناج، کھجور وغیرہ شامل تھیں۔ امیر لوگ گیہوں استعمال کرتے تھے، جب کہ دوسرے طبقہ کے لوگ جو وغیرہ پر گذارا کرتے تھے۔ امیروں کا لباس عمدہ سوتی اور ریشمی کپڑے کا ہوتا تھا اور دوسرے لوگ موٹے کھردرے اونی کمبل کا بنا ہوا لباس استعمال کرتے۔ ان کے گھروں میں ضرورت اور آسائش کی کافی چیزیں ہوتی تھیں، چارپائی یا تخت اور گدے لحاف، تکیے اور کمبل سونے کے لیے ہوتے تھے، کھانے کے کئی برتن ہوتے تھے اور پکانے کے لیے بھی، وہ پتھر، لکڑی اور دھات کے بنے ہوئے تھے، گھروں میں دروازے ہوتے تھے، جن پر پردے لٹکائے جاتے تھے، رات میں روشنی کے لیے چراغ جلاتے تھے۔ سواری کے لیے عام جانور اونٹ تھا۔ لیکن ان کے علاوہ خچر، گدھا، اور گھوڑا بھی استعمال ہوتا تھا۔ ان کی قیمتیں زیادہ ہوتی تھیں، اور کم بھی۔ آمدنی کے لحاظ سے عرب سماج کے طبقات ان کا استعمال کرتے تھے۔

4.1 مشترکہ سماجی خصائص:

بدوی اور شہری قبیلوں میں رہن سہن کے بعض اختلافات کے باوجود ان میں بہت سی چیزیں مشترک تھیں۔ ان کا قبائلی نظام یکساں تھا۔ عربی زبان جو مقامی بولیوں میں بٹی ہوئی ہونے کے باوجود بطور فصیح زبان یکساں تھی اور پورے جزیرہ نما عرب میں بولی جاتی تھی۔ ان کے نزدیک قبائلی اتحاد سب سے اہم چیز تھی۔ فرد اپنے قبیلہ کا ہر حال میں پابند رہتا تھا۔ قبیلہ کی عزت و جان کے لیے اپنی آن وزندگی قربان کردیتا تھا۔ زندگی اور مال وآبرو کی حفاظت کے لیے قصاص اور دیت کی روایت اور قبیلہ کی اجتماعی ذمہ داری دوسری اہم سماجی قدر تھی۔

فیاضی وسخاوت اور مہمان نوازی عربوں کی ضرب المثل خصوصیت تھی۔ اسی طرح بہادر اور شجاعت ان کا انفرادی اور اجتماعی وصف تھا۔ وفاداری، عہد و وعدہ کی پابندی اور سچ بولنا عربوں کی دوسری امتیازی خصوصیات تھیں، باہمی تعاون اور قبیلے والے کی حق اور ناحق میں فوری مدد کرنا ان کے خون میں تھا۔ ان کے معاشرے میں امانتداری بھی ایک اہم وصف تھا۔ ایسی ہی

اور بعض صفات وخصوصیات تھیں جن میں تمام عرب مشترک حصہ رکھتے تھے۔

4.2 معاشرتی برائیاں:

بعثت نبویؐ سے قبل عربوں میں بعض سماجی اور اخلاقی خرابیاں بھی پیدا ہوگئی تھیں۔ شراب نوشی عام تھی۔ جوئے اور قمار بازی کی بہت سی قسمیں تھیں۔ بدکاری اور زناکاری اگرچہ ان کے سماج میں موجود تھی۔ لیکن زیادہ عام نہ تھی۔ شریف خاندان عام طور پر اس سے بچے ہوئے تھے۔

اسی طرح نومولود لڑکیوں کو زندہ دفن کر دینے کی لعنت، بعض بعض قبائل اور افراد تک محدود تھی۔ اور عام طور سے ان میں بدوی قبائل مبتلا تھے۔ شہری قبائل بڑی حد تک اس سے محفوظ تھے مگر عورت کی عزت ان کے سماج میں کم تھی اور اس کو حقوق نہیں ملتے تھے۔

شادی بیاہ میں یہ افراط تھی کہ ایک مرد جتنی بیویاں چاہتا کر سکتا تھا۔ اور بے شمار باندیاں رکھ سکتا تھا۔ نکاح کے دو اور خراب پہلو بھی تھے۔ جو زیادہ عام نہ تھے لیکن بہرحال تھے وہ یہ کہ اپنی سوتیلی ماں۔ سے باپ کے مرنے کے بعد شادی کر لینا اور بیک وقت دو یا زیادہ سگی بہنوں کو نکاح میں جمع کر لینا اور بعض اور محرمات سے بھی شادی کر لینے کا رواج تھا۔

بیوہ، یتیم، بے سہارا، اجنبی اور کمزور عام طور پر ظلم وستم کا شکار ہوتے، کھانے پینے میں حلال وحرام کا تصور نہ تھا۔ جو کچھ جی چاہتا کھا لیتے، مردہ جانور کیڑے مکوڑے، درندے وغیرہ کھا۔ا تے تھے۔

عربوں میں سب سے زیادہ بت پرستی کا رواج تھا۔ کہا جاتا ہے کہ قبیلہ خزاعہ کے ایک سردار عمرو بن لحی نے صدیوں پہلے مکہ میں سب سے پہلے بت پرستی کو عام کیا۔ خانہ کعبہ میں تین سو ساٹھ بت رکھے ہوئے تھے۔ بت پرستی کے سوا وہ سورج، چاند، ستاروں کی پوجا یعنی مظاہر پرستی میں بھی مبتلا تھے۔ دین ابراہیم کی چند باقیات کا رواج تھا، نماز، روزہ اور حج کا تصور موجود تھا۔ عملی بھی اگرچہ وہ خام تھا۔ سب سے اہم بات یہ کہ وہ اپنے آپ کو دین ابراہیمی کا پیروکار کہنے اور سمجھنے کا شعور رکھتے تھے۔

5۔ عرب کی مذہبی حالت

عرب کے علاقہ میں مشرکین، ملحدین، بت پرست، آتش پرست، صابی کے علاوہ حنفاء، یہود، عیسائی بھی آباد تھے۔

5.1 ملحدین:

عرب میں بھی ملحدین تھے جو نہ خالق کائنات کو تسلیم کرتے تھے نہ بعث بعد الموت کے قائل تھے اور نہ ہی آخرت پر یقین رکھتے تھے۔ وہ کہتے تھے کہ ہمیں فطرت نے پیدا کیا اور زمانہ (دہر) ہمیں فنا کرے گا۔

انہی ملحدین کا ذکر قرآن حکیم میں ان لفظوں میں کیا گیا ہے:

﴿وَقَالُوا مَاهِيَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوْتُ وَنَحْيَا وَمَا يُهْلِكُنَا اِلَّا الدَّهْرُ﴾ (18)

(یہ لوگ کہتے ہیں کہ ہماری اس دنیوی زندگی کے علاوہ اور کوئی زندگی نہیں ہے۔ ہم مرتے ہیں اور جیتے ہیں۔ اور ہمیں صرف زمانہ سے موت آتی ہے)۔

کچھ لوگ ایسے بھی تھے جو خالق اور ابتدائے خلق کے تو قائل تھے مگر بعث بعد الموت کے منکر تھے۔ ان کے بارے میں ارشاد الٰہی ہے:

﴿وَضَرَبَ لَنَا مَثَلاً وَّنَسِيَ خَلْقَهٗ قَالَ مَنْ يُّحْيِ الْعِظَامَ وَهِيَ رَمِيْمٌ﴾ (19)

(اس نے ہمارے لیے ایک مثل بیان کی اور اپنی اصل کو بھول گیا، کہتا ہے کہ ہڈیوں کو جب وہ بوسیدہ ہوگئی ہوں کون زندہ کریگا۔

5.2 مشرکین (بت پرست):

عرب کی اقوام میں عرب بائدہ (عاد، ثمود، جرہم، لحیان، طسم اور جدلیس) کا مذہب بت پرستی تھا اور عرب، عراق

شام و مصر جہاں یہ لوگ گئے اپنے ساتھ اس مذہب کو لے گئے۔(20) عرب عاربہ (بنو قحطان۔ یعرب' حضر موت سبا اور حمیر) جن کا زمانہ عروج پندرہ سو سال قبل مسیح سے 525ء تک ہے۔ بت پرست اور ستارہ پرست تھے۔ یغوث' یعوق' نسر' عمیانس' مدان' کعیت' جلد اور ذریح ان کے بتوں کے نام تھے اور آخری تبابعہ یمن کے قبول یہودیت کے باجود یمن میں ستاروں کے ہیکل اور بت کی پرستش عام تھی۔(21) اسی طرح عرب مستعربہ (مدین' ددان' بنو ادوم اور آل اسمعیل) میں بھی زمانہ کے ساتھ کواکب پرستی اور بت پرستی عام ہو گئی تھی۔ الغرض بت پرستی عرب کا مقبول ترین مذہب تھا۔

5.3 مجوس:

مجوسیت ایرانیوں کا سرکاری مذہب تھا۔ اہل ایران کے سیاسی اثرات سرزمین عرب پر کافی گہرے تھے۔ یمن' حضر موت' بحرین اور حیرہ ان کی حکومت کے براہ راست یا بالواسطہ زیر اثر رہے مگر مذہبی اثرات ایران کے عربوں پر بہت کم پڑے۔ صرف قبیلہ بنو تمیم کے کچھ لوگ مجوسی ہو گئے تھے۔

5.4 صابی:

ستارہ پرستی قدیم اہل بابل کا مذہب تھا۔ بابل کے یہ قدیم باشندے بھی سامی الاصل ہی تھے۔ عربوں میں بالعموم اور یمن کے قحطانیوں میں بالخصوص ستارہ پرستی کا رواج تھا بہت سے ہیکل مختلف ستاروں کے نام پر قائم تھے۔ عربوں نے تمام طبعی کاروباران ستاروں کے طلوع وغروب سے وابستہ کر رکھے تھے۔ قرآن حکیم کی یہ آیت

﴿فَلَآ اُقْسِمُ بِمَوٰقِعِ النُّجُوْمِ ﴾(22)

اس عقیدے کی تردید کرتی ہے۔ اگرچہ صابی عرب میں موجود نہ تھے مگر ان کے معتقدات کا عربوں پر گہرا اثر تھا۔ چنانچہ یمن کے حمیری آفتاب پرست تھے۔ شمال کے بنو کنانہ قمر پرست تھے۔

5.5 حنیف

عربوں کے نزدیک حنیف حضرت ابراہیمؑ کا لقب تھا۔ اس لیے دینِ ابراہیمی کو حنیف کا انہوں نے نام دیا تھا۔

عربوں نے حضرت ابراہیم خلیل اللہ کی تعلیمات کو طاق نسیاں کی نذر کر دیا اور بت پرستی میں مبتلا ہو گئے۔ اس کے باوجود عرب میں بعض ایسے نیک دل افراد موجود تھے جو تلاشِ حق میں بیتاب اور ملتِ ابراہیمی کے عقائد حقہ کی جستجو میں سرگرداں رہتے تھے۔ آغاز اسلام کے وقت عرب میں قس بن ساعدہ ایادی، ورقہ بن نوفل قرشی اور زید بن عمرو بن نفیل قرشی تلاش حق میں نکلے تو انہیں ملتِ حنفی ہی کے دامن میں پناہ ملی۔ مگر ملت حنفی کے عقائد سے واقف کوئی نہ تھا۔ باوجود تلاش بسیار کے اس دین ابراہیمی کے عقائد واصول عربوں کو صحیح طور پر معلوم نہ ہو سکے تھے۔

5.6 یہود:

یہود کے بعض قبائل مدینہ منورہ میں آباد تھے۔ عرب میں بھی یہود کی آبادی تھی۔ یمن کے تبابعہ نے یہودیت اختیار کر لی تھی۔ بنو کنانہ، بنی حارث بن کعب اور کندہ کے قبائل میں بھی یہودی موجود تھے۔ یثرب سے شام تک یہود کے قلعے اور منظم آبادیاں تھیں۔ حجاز وتہامہ میں ان کے مضبوط قلعے اور تجارتی گودام تھے۔ خیبر، فدک وغیرہ ان کی مشہور بستیاں تھیں۔

5.7 عیسائی:

سلطنت روم وحبشہ کا سرکاری مذہب عیسائیت تھا۔ اس لیے عیسائیت عربوں میں رومی حکومت کے اثر ورسوخ سے آئی تھی۔ شام کی سرحد پر آباد عرب قبائل نے بالعموم عیسائیت قبول کر لی تھی غسان، لخم، جذام اور مذحج عیسائی تھے۔ عراق میں تنوخ اور تغلب کے قبائل نے بھی عیسائیت قبول کر لی تھی۔ حیرہ کے آل منذر میں بھی بعض فرماں روا عیسائی تھے۔ یہاں عیسائیوں کے گرجے تھے اور ان کی خاصی آبادی تھی۔ طے کا قبیلہ جو نجد میں آباد تھا عیسائی تھا۔ یمن کے علاقہ ء نجران عیسائیت کا مرکز تھا۔ جس میں ان کا گرجا اور دوسرے شعبے تھے۔ اور ان کے اثر سے عیسائیت جزیرۃ العرب کے بعض دوسرے باشندوں میں بھی پہنچی تھی۔

الغرض جزیرہ نما عرب میں بھی سیاسی، معاشی اور مذہبی حالت بہت ابتر تھی۔ تاہم اہل عرب کی کچھ ایسی خصوصیات ضرور تھیں کہ جس کی بنا پر وہ پوری انسانیت کی امامت کے اہل تھے، یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری پیغام اور اپنے آخری نبی رسول ﷺ کو عربوں میں مبعوث فرمایا۔

خود آزمائی:

1۔ بعثت نبوی سے قبل عربوں کا سیاسی نظام کس نوعیت کا تھا؟ وضاحت کریں۔

2۔ بعثت نبوی سے قبل عربوں کا مذہبی نظام کیا تھا؟ اور عرب میں کون کون سے مذاہب تھے۔

3۔ بعثت نبوی سے قبل اہل عرب کے مشترکہ معاشرتی خصائص اور معائب کی نشاندہی کریں۔

کتب برائے مطالعہ

1۔ علامہ سید سلیمان ندوی، سیرت النبی، جلد۴ ص ۲۱۹ تا ۲۳۳

2۔ علامہ سید سلیمان ندوی، تاریخ ارض قرآن جلد ۱، ۲

3۔ مولانا سید ابوالحسن علی ندوی، انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج و زوال کا اثر

4۔ مفتی زین العابدین سجاد میرٹھی، مفتی انتظام اللہ شہابی، تاریخ ملت جلد ۱

5۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ، رسول اکرم ﷺ کی سیاسی زندگی

حواشی وحوالہ جات

1۔ علامہ سید سلیمان ندوی، سیرت النبی ج ۴ ص ۲۱۹، ۲۲۰ بحوالہ تاریخ زوال وانحطاط سلطنت روم از گبن

2۔ ایضاً

3۔ سید ابوالحسن علی ندوی، انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج و زوال کا اثر، مجلس تحقیقات ونشریات اسلام لکھنو طبع چہارم ۱۹۶۳ء ص ۵۰

4۔ علامہ سید سلیمان ندوی، سیرت النبی ج ۴، ص ۲۲۱ بحوالہ تاریخ زوال وانحطاط روم۔ از گبن

5۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ، رسول اکرم ﷺ کی سیاسی زندگی، دارالاشاعت، کراچی ۱۹۸۰ء ص ۲۸

6۔ سید ابوالحسن علی ندوی، انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج وزوال کا اثر مجلس تحقیقات ونشریات اسلام ص ۵۰، ۵۱

7۔ ڈاکٹر غلام سرور، تاریخ ایران قدیم، مکتبہ خورشید جہاں، ۱۹۶۵ء ج ۱، ص ۱۴۶

8۔ سید ابوالحسن علی ندوی، انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج وزوال کا اثر۔ ص۔ ۷۶

9۔ سید ابوالحسن علی ندوی، انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج وزوال کا اثر۔ ص ۵۲ بحوالہ ارتھر کرسٹن سین

10۔ علامہ سید سلیمان ندوی، سیرت النبی ج ۴، ص: ۲۳۱، بحوالہ آر۔ سی دت، ہندوستان قدیم ص ۳۴۲

11۔ زرتشت کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ ان کا تعلق انبیاء بنی اسرائیل سے تھا۔ اکثر مسلم مؤرخین نے یہی لکھا ہے، تفصیل کے لیے دیکھیے، تاریخ طبری، مروج الذھب للمسعودی،

12۔ سید ابوالحسن علی ندوی، انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج وزوال کا اثر۔ ص: ۵۷

13۔ ایضاً ص: ۵۹

14۔ ایضاً ص: ۵۹

15۔ مزید تفصیلات کے لیے دیکھیے، ڈاکٹر محمد حمید اللہ، عہد نبوی میں نظام حکمرانی ص:۲۳۳، علامہ سید سلیمان ندوی، تاریخ ارض قرآن، ج ا ص ۲۰۴، ۲۱۵

16۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ، عہد نبوی میں نظام حکمرانی' ص:۳۳ تا ۷۵

17۔ علامہ سید سلیمان ندوی، سیرت النبیؐ۔ ج:۲' ص:۱

18۔ الجاثیہ:۲۴

19۔ یٰسین:۷۸

20۔ علامہ سید سلیمان ندوی، تاریخ ارض القرآن' ج:۱' ص:۱۳۰

21۔ علامہ سید سلیمان ندوی، تاریخ ارض القرآن' ج:۲' ص:۱۶۳

22۔ الواقعہ:۷۵

یونٹ نمبر 2

مطالعہ سیرت نبوی ﷺ کی ضرورت واہمیت

تالیف

ڈاکٹر محمد سجاد

نظر ثانی

پروفیسر ڈاکٹر محمد باقر خان خاکوانی

علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد

فہرست عنوانات

یونٹ کا تعارف:

کائنات ارض وسماء میں انسان ... تخلیق ہے۔ جسے اللہ تعالی نے عقل وشعور کے ساتھ ساتھ حسن سیرت وصورت سے نوازا ہے۔انسانیت کی ہدایت ورہنمائی کے لیے اللہ تعالی نے اپنی کتابیں نازل فرمائیں، لاکھوں انبیاء کرام تشریف لائے جو اپنے اپنے زمانے اور اپنی اپنی اقوام کو اللہ تعالی کا پیغام پہونچاتے رہے۔ اوران کو حکمت ودانائی کی تعلیم دیتے رہے۔تاکہ انسان دیناوآخرت میں کامیاب وکامران ہوسکے

جب انسانی معاشرہ ترقی کی منازل طے کرتا ہوا بلوغت کے مقام پر پہنچا تو اللہ تعالی نے اپنے احکام کی تکمیل کے لیے اور پوری انسانیت کے لیے اپنے آخری پیغمبر ورسول جناب محمد رسول اللہ ﷺ کو خاتم النبیین اور رحمت للعالمین بنا کر بھیجا ۔آپ کی ذات گرامی جملہ اوصاف حمیدہ کا مجموعہ ہے۔آپ کی سیرت میں صادق وامین تاجر، اولوالعزم مبلغ وداعی، اعلی ترین معلم انسانیت، بے مثال مربی ومزکی، عظیم سپہ سالار، مدبر ومنتظم، بے مثال قانون ساز، عدیم النظیر منصف وقاضی، قابل تقلید سربراہ خاندان، اعلی اخلاق کے مالک انسان اور رسول رحمت جیسی صفات کا مجموعہ ہے۔جس طرح شاعر کہتا ہے:

حسن یوسف دم عیسی ید بیضا داری
آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

آپ کی سیرت طیبہ کا گوشہ گوشہ محفوظ ہے،آپ کی بعثت پوری انسانیت کے لیے ہے۔آپ کی تعلیمات ہمہ گیر اور آفاقی ہیں اور انسانی زندگی کے تمام گوشوں اور شعبوں پر محیط ہیں۔اسی لیے اللہ تعالی نے قرآن مجید میں فرمایا ہے،

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ

بے شک تمہارے لیے اللہ کے رسول کی زندگی میں عمدہ نمونہ ہے۔

اس یونٹ میں ہم سیرت کا مفہوم، آغاز وارتقاء اور تاریخ مطالعہ سیرت کا بھی جائزہ لیں گے، اور مختلف ادوار میں سیرت نگاری کے مناہج پر بھی گفتگو کریں گے۔ نیز مطالعہ سیرت نبوی کی ضرورت واہمیت اور افادیت بھی پیش نظر ہوگی۔

یونٹ کے مقاصد:

اس یونٹ کے مطالعہ کے بعد آپ اس قابل ہو جائیں گے کہ

1۔ سیرت کا معنی ومفہوم جان سکیں۔

2۔ مطالعہ سیرت طیبہ کے آغاز وارتقاء کے بارے میں جان سکیں

3۔ سیرت طیبہ کے ماخذ ومصادر سے آگاہ ہوسکیں۔

4۔ مختلف ادوار میں مطالعہ سیرت طیبہ پر ہونے والے کام کا جائزہ لے سکیں۔

5۔ مطالعہ سیرت طیبہ کی ضروت واہمیت اورافادیت سے آگاہ ہوسکیں۔

1۔ سیرت کا مفہوم اور آغاز وارتقاء

1.1 سیرت کا مفہوم:

لفظ "سیرت" سار یسیر (باب ضرب یضرب) سیراً و مسیراً سے مشتق ہے۔ اس کے حروف اصلیہ (س ی ر) ہیں اس معانی ہیں "جانا، لے جانا، چلنا، چلانا، منزل اور مسافت"۔

السیر: " الذهاب نهارا و ليلا، واما السرى فلا يكون الا ليلا ، كالمسير ،يقال : سار القوم (---) اذاامتد بهم السير في جهة توجهوا لها ، ويقال : بارك الله في مسيرك اى سيرك" (1)

"سیر (کا معنی ہے) دن اور رات کو چلنا، (اس سے لفظ) سریٰ ہے جس کا مطلب فقط رات کو چلنا ہے کہا جاتا ہے (سارالقوم) یعنی لوگ چلے۔ جب اپنی منزل کی جانب ان کی سیر (چلنا) لمبی ہو جاتی ہے تو کہا جاتا ہے کہ اللہ پاک تیرے جانے میں برکت دے"۔

قرآن مجید میں ہے:

1. ﴿وقدرنا فيها السير﴾ (2)

"ہم نے منزلیں مقرر کر دی تھیں ان میں آنے جانے کی"۔

2. ﴿وتسير الجبال سيراً﴾ (3)

"اور پہاڑ (اپنی جگہ چھوڑ کر) تیزی سے چلنے لگیں گے"۔

3. ﴿فلما قضى موسى الاجل وسار باهله﴾ (4)

''پھر جب موسیٰ علیہ السلام نے مقررہ مدت پوری کر دی اور وہاں سے چلے اپنی اہلیہ کو ساتھ لے کر''۔

4. ﴿ افلم یسیروا فی الارض ﴾ (5)

''کیا یہ (منکر) لوگ سیر و سیاحت نہیں کرتے زمین میں''۔

یہ جملہ قرآن پاک میں سات مقامات پر بیان ہوا ہے۔

5. ﴿ فسیروا فی الارض ﴾ (6)

''تم زمین میں چل کر دیکھو''۔

یعنی سار یسیر سیراً و مساراً و مسیراً، سے ان تمام مصادر کا اسم ''سیرۃ'' ہے۔

1.2 سیرت کا اصطلاحی مفہوم:

سیرت کے اصطلاحی معانی میں سے سنت، طریقہ، ہیئت و حالت، خصلت و عادت، کردار، طریقہ، طرز زندگی، عزت و ناموس، معاملہ، مغازی، جہاد، طریقہ جنگ، قواعد و ضوابط، بین الاقوامی معاملات، سوانح حیات، کہانی، مذہب، تذکرۂ اسلاف اور سیرت نبوی ہیں۔

ابن منظور اپنی لغت میں رقم طراز ہیں

" السیرۃ :السنۃ ،وقد سارت وسرتھا (---)السیرۃ:

الطریقۃ،یقال: سار بھم سیرۃ حسنۃ والسیرۃ:الھیئۃ، وفی التنزیل العزیز : سنعیدھا سیرتھا الاولیٰ . وسیر سیرۃ: حدث احادیث الاوائل " (7)

''سیرت کے معانی سنت اور طریقہ کے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ وہ ان کے اچھے طریقے پر چلا۔ سیرت کا معنی ھیئت و حالت بھی ہے۔ قرآن مجید میں ہے ''ہم اسے عنقریب پہلی حالت میں لوٹا دیں گے۔ اس نے پہلے لوگوں کے قصے کہانیاں بیان کیں''۔

1.3 لفظ مغازی کا مفہوم:

" غـزا یـغزوٗ غزواًوغزاۃً و غزواناً ' کے معانی ارداہ کرنا اور طلب کرنا کے ہیں۔شرعی اصطلاح میں اس سے مراد کفار سے جنگ کا ارداہ کرنا ہے۔

ابن حجر علیہ الرحمہ لکھتے ہیں:

" واصل الغـرو الـقـصـد ومـغـزی الکلام مقصده ،والمراد با الغازی هنا ما وقع من قصد النبیﷺ الـکـفـار بـنـفـسـه او بـجـیـش مـن قبـله وقصد هم اعم من ان یکون الی بلاد هم او الی الاماکن التی حلوها"(8)

"غزو کا لغوی معنی قصدوارده کے ہیں۔ یہاں مغازی سے مراد نبی کریمﷺ کا بذات خود اپنے لشکر کے ساتھ کفار کی طرف نکلنا ہے۔آپ کا یہ قصد عام ہے خواہ انکے شہروں کی طرف نکلیں یا ان مقامات کی طرف جہاں وہ کافر قیام پزیر ہوں"۔

ابتدا لفظ مغازی اپنے محدود معنی میں مستعمل تھا۔ بعدہٗ اس کے معنی میں وسعت پیدا ہوگئی ،حتیٰ کہ کتب سیرت پر بھی اس کا اطلاق ہونے لگا۔ چنانچہ مغازی عروہ بن زبیر،مغازی ابان بن عثمان ،مغازی محمد بن شہاب زهری ،مغازی ابن اسحاق ، مغازی موسیٰ بن عقبہ اور مغازی واقدی وغیرہ میں مغازی کی راوایات کے ساتھ ساتھ دیگر راوایات بھی شامل ہیں۔

صاحب تاج العروس لکھتے ہیں

" وقـال شـیـخـنـا : والسـیـرۃ الـنبویۃ وکتب السیر ،ماخوذۃ من السیرۃ بمعنی الطریقۃ وادخل فیها الغزوات وغیر ذالک الحاقا وتاویلا" (9)

لفظ "سیرت" (جمع سیر) کو مغازی کے اصطلاحی مفہوم کا جامہ اس لئے پہنایا گیا ہے کہ امور مغازی میں سے سب سے پہلا کام "سیرالی العدو" یعنی دشمن کی طرف چلنا ہے۔اسی لفظ مغازی کو جب قرآن مقدس کی اصطلاح "جہاد" عطا کی گئی تو یہ لفظ (سیرت) جہاد کے معنیٰ کے لئے بھی بولا جانے لگا۔

صاحب "الکفایۃ" سیر و مغازی کے تعلق کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

" وسمیت المغازی سیرا لان اول امور ھا السیر الی العدو ،وا ن المراد بھا سیر الامام ومعاملاتہ مع الغزاۃ والانصار ومنع العداۃ والکفار" (10)

''مغازی کو''سیر'' کا نام اس لئے دیا گیا ہے کہ اس کے اولین امور میں سے دشمن کی طرف جانا ہے۔ بے شک اس سے ،امام کا چلنا ،غازیوں اور مددگاروں کے ساتھ اس کے معاملات اور دشمنوں اور کافروں سے دفاع (جیسے تمام امور) مراد ہیں''۔

محدثین وفقہا کے ہاں لفظ''سیرت'' مغازی اور جہاد کے معانی میں استعمال کیا جاتا ہے۔امام مسلم نے اپنی ''صحیح'' میں ''کتاب الجھاد والسیر "(11) علامہ ابن حجر عسقلانی نے "فتح الباری فی شرح البخاری " میں ''کتاب المغازی" (12) اور علامہ ابن الہمام حنفی نے ''فتح القدیر'' میں ''کتاب السیر "(13) کے عنوانات قائم کئے ہیں۔

علامہ ''بابرتی'' (صاحب شرح عنایۃ) ''المغرب'' کے حوالے سے نقل کرتے ہیں:

" اصل السیرۃ حالۃ السیر الا انھا غلبت فی لسان الشرع علی امور المغازی ومایتعلق بھا کا لمناسک علی امور الحج " (14)

''سیرت اصل میں سیر کی حالت کو کہتے ہیں۔شریعت میں عام طور پر سیرت کا اطلاق غزوات اور ان کے متعلقہ امور پر ہوتا ہے۔جس طرح مناسک (کے لفظ کا اطلاق) حج کے امور پر ہوتا ہے''۔

صاحب ''ھدایہ'' لکھتے ہیں۔

"السیر جمع سیرۃ وھی الطریقۃ فی الامور ،وفی الشرع بسیر النبی ﷺ فی مغازیہ" (15)

''سیر،سیرت کی جمع ہے۔سیرت کاموں میں طریقے (کو کہتے) ہیں''۔اور شریعت میں یہ (لفظ) نبی کریم ﷺ کے جنگوں میں طریقوں سے متعلق خاص ہے''۔

قاضی عبدالنبی سیر کے اصطلاحی مفہوم کو بیان کرتے ہوئے یوں لکھتے ہیں:

" السیر بکسر الاول وفتح الثانی جمع السیر ۃ وھی الحالۃ من السیر کا لجلسۃ والر کبۃ للجلوس والرکوب ،ثم نقلت الیٰ معنیٰ الطریقۃ والمذھب ،ثم غلبت فی الشرع علیٰ امور المازی ،وقال

الفقهاء "كتاب السير" وانما سموا الكتاب بذالك لانه يجمع سير وطرقه عليه الصلوٰة و السلام في مغازيه وسير اصحابه رضي الله عنهم وما نقل عنه ﷺ في ذالك " (16)

''لفظ''سیر'' پہلے حرف کسرہ اور دوسرے حرف کی فتح کے ساتھ سیرت کی جمع ہے۔ یہ سیر (س ی ر) سے (مشتق ہے)، حالت کے بیان کے لئے آتا ہے۔ جس طرح ''جلسۃ'' اور ''رکبۃ'' بیٹھنے اور سوار ہونے کی حالت کو بیان کرتے ہیں پھر اس سے ''طریقۃ ومذہب'' کی طرف انتقال معنی ہوا۔ پھر اس کا غالب استعمال شرعی اسلامی میں امور مغازی کے لئے ہوا۔ فقہاء نے ''کتاب السیر'' سے عنوان قائم کئے۔ انھوں نے کتاب کا یہ نام اس لئے رکھا کہ اس میں انھوں نے نبی کریم ﷺ کے مغازی اور آپ کے طریقے، صحابہ کرام کے طریقے اور اس سلسلے میں جو کچھ آپ سے منقول تھا بیان کیا''۔ اسی لئے ''سیر'' سے ''بین الاقوامی قانون'' بھی مراد لیا جاتا ہے۔ (17) ''امام محمد بن الحسن الشیبانی'' (18) کی کتاب ''السیر الکبیر'' کا یہی موضوع ہے۔

ابتداً لفظ ''سیرت'' اپنے اصلاحی مفاہیم مختلفہ میں سے ''مغازی'' کے مفہوم کے ساتھ خاص رہا۔ اسی لئے اولین کتب مغازی کو ''کتب سیرت'' بھی کہا جاتا ہے۔ مثلاً ''ابن اسحاق'' (م 150ھ) اور ''واقدی'' (م ھ) کی کتب مغازی کو کتب سیرت بھی کہا جاتا ہے۔ (19) رفتہ رفتہ یہ لفظ اپنے معنوی اقتضاء کے پیش نظر ترقی کرتا رہا اور اس کے ضمن میں قصص، اسلاف کے تذکرے اور بالخصوص سیرت نبوی کے تمام گوشے بیان کئے جانے لگے۔ سیرت کے اس وسیع اصطلاحی مفہوم کو بیان کرتے ہوئے صاحب ''القاموس الاسلامی'' رقم طراز ہیں:

"السيرة : اذا جاء لفظها مفردامعرفا قصد به تخصيصا "السيرة النبوية "اى تاريخ حياة الرسول من مولده الى وفاته عليه السلام، مع ذكر آبائه واهل بيته وصحابته، فضلا عن ذكر خصاله عليه السلام واحواله وعاداته، ثم الاحداث المرتبطة بالدعوة كالوحى والهجرات والغزوات والوفود"(20)

''سیرت کا لفظ جب مفرد معرفہ آئے تو اس سے بالخصوص سیرت نبوی مراد ہوتی ہے۔ یعنی رسول کریم ﷺ کے آباء، اہل بیت اور صحابہ کرام کے تذکرے سمیت آپ کی حیات کا ذکر، ولادت سے وفات تک، نیز آپ ﷺ کے فضائل، احوال اور عادات، پھر وہ واقعات جن کا تعلق دعوت (توحید ورسالت) سے ہے، مثلاً وحی، ہجرت، غزوات اور وفود (بھی اس میں

شامل ہیں)''۔

شاہ عبدالعزیز دہلوی لکھتے ہیں:

''آنچہ متعلق بود پیغمبر ﷺ وصحابہ کرام وآں عظام است واز ابتدائے تولد آں جناب تا غائت وفات، آں را سیرت گویند''۔(21)

''جو کچھ ہمارے پیغمبر ﷺ، حضرات صحابہ اور آں عظام کے مبارک رجود کے ساتھ متعلق ہو اور آں جناب کی پیدائش سے وفات تک واقعات پر مشتمل ہو، سیرت کہتے ہیں''۔

1.4 مغازی وسیر میں فرق:

دراصل لفظ ''سیرت'' (چلنے اور جانے) کے معانی کا حاصل ہے۔ اس سے ''طریقہ'' کی طرف انتقال معنی ہو۔ اس طرح یہ لفظ معنوی طور پر کسی کے طریقے اور روش کو اپنانے اور اس کے اتباع کے معانی میں استعمال کیا جانے لگا کیونکہ اس میں بھی آدمی ایک طریقے سے ہٹ کر دوسرے طریقے کی طرف (چلتے ہوئے) جاتا ہے۔

علامہ ابن الھمام لکھتے ہیں:

"وقد استعملت كذالک فی السير المعنوی حيث قالوا فی عمر بن عبدالعزيز " سار فينا بسيرة العمرين" لكن غلبت فی لسان اهل الشرع على الطرائق الماموز بها فی غزو الكفار و كان سبب ذالک كونها تستلزم السير وقطع المسافة " (22)

''کبھی یہ لفظ سیر معنوی میں استعمال ہوتا ہے، جیسے کہتے ہیں کہ عمر بن عبدالعزیز ہمارے مابین عمرین (ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنھما) کے طریقے پر چلے۔ اہل شرع کی زبان میں یہ (معنی) کفار کے ساتھ جنگوں میں مامور بھا طریقوں میں غالب ہوگیا۔ اسکا سبب یہ ہے کہ یہ (جنگیں اور طریقے) سیر اور قطع مسافت کو مستلزم ہیں''

علامہ ''جرجانی'' لکھتے ہیں:

"السیر جمع سیرة وهی الطریقة سواء کانت خیرا او شرا ،یقال فلاں محمود السیرة ، فلاں مذموم السیرة " (23)

''سیرت'' کا لفظ اپنے ابتدائی اصطلاحی مفہوم کے اعتبار سے ''فن مغازی'' کے ساتھ خاص تھا۔اس میں بتدریج وسعت ہوئی۔فضائل ومحاسن اور خصائص کے ساتھ ساتھ،مستشرقین کی طرف سے عائد کردہ الزامات کے دفاعی جوابات بھی اس میں شامل ہوتے چلے گئے'' حاجی خلیفہ'' کے الفاظ میں ہم اسے یوں بیان کر سکتے ہیں۔

" علم السیر مشتمل علی فنون ،فن اسمائه ،فن خصائصه،فن فضائله،فن شمائله،فن مغازیه ،فن مولده ومبعثه " (24)

''سیر'' کا علم چند فنون پر مشتمل ہے۔آپ ﷺ کے اسماء،خصائص،فضائل،شمائل،مغازی اور مولد مبعث کے فنون (اس میں شامل) ہیں۔

2۔ سیرت کا آغاز وارتقاء

عام طور پر علم سیرت کو علم حدیث کا ہی ایک شعبہ اور اسکی ایک نوع قرار دیا جاتا ہے کیونکہ اس میں بھی نبی کریم ﷺ کے اقوال،افعال اور تقریرات کا بیان ہوتا ہے۔یہی وجہ ہے کہ امام حاکم نے ''النوع الثامن والاربعون'' کے ماتحت لکھا ہے۔

" هذا النوع من هذه العلوم معرفة مغازی رسول الله ﷺ و سرایاه و بعوثه و کتبه الی ملوک المشرکین وما یصح من ذالک وما یشذ " (25)

''علوم حدیث کی اقسام میں یہ (اڑتالیسویں) قسم ان امور کی معرفت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے مغازی وسرایا بعوث اور مشرک بادشاہوں کی طرف خطوط میں کیا صحیح ہے اور کیا شاذ ہے''۔

اسی طرح دیگر اصحاب علم وفن نے فن سیر ومغازی کو علم حدیث کی ایک نوع قرار دیا ہے۔جب انکے بیانات میں غور کیا جاتا ہے تو یہ بات واضح سمجھ آتی ہے کہ انھوں نے امور شرعیہ میں سے ایک امر خاص یعنی مغازی وسرایا کو پیش نظر رکھتے ہوئے اسے فن حدیث کا ایک شعبہ گردانا ہے۔اب جب فن سیر ومغازی اپنے معدی ارتقائی منازل طے کرتے ہوئے اس

مقام پر پہنچ چکا ہے کہ شاہ عبدالعزیز دہلوی کے بیان کے مطابق جو کچھ ہمارے پیغمبر ﷺ، حضرات صحابہ کرام اور ان مبارک ہستیوں کے وجود کے ساتھ متعلق ہو اور آپ ﷺ کی پیدائش سے وفات تک کے واقعات پر مشتمل ہو اسے سیرت کہتے ہیں۔ (26) لہذا حضور ﷺ کا ہر ہر قول، فعل، اور تقریر سیرت ٹھہرا آپ کے اقوال، افعال، اور تقاریر پر حدیث کا اطلاق صادق ہے، لہذا احدیث اور سیرت میں زیادہ تفاوت نہیں۔ البتہ ان کے مابین عموم خصوص مطلق کی نسبت ہے۔

اس بات کی توضیح یوں بھی کی جاسکتی ہے کہ وہ امور شرعیہ جن کو احکام وفرائض کا نام دیا جاتا ہے مثلاً نماز، روزہ، حج، اور زکوۃ وغیرہ۔ ان کا حکم منجانب اللہ ہے مگر ان کے شرائط وارکان اور ادائیگی کا طریقہ سیرت رسول ﷺ سے میسرہ آتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ متاخرین کی کتب سیرت میں ارکان اسلام سمیت آپ کی ذات سے نسبت رکھنے والی ہر ہر چیز کو بیان کیا جاتا ہے۔

3۔ سیرت نبوی کی اہمیت

سیرت نبویہ کی تعلیم ومعرفت کی غرض وغائت فقط تاریخی حالات وواقعات سے آگاہی نہیں بلکہ اصل مقصود یہ ہے کہ وہ دینی احکام اور اصول ومبادی جو ہمیں قرآن وسنت سے تفہیم ہوتے ہیں، ان کا علمی نمونہ آپ ﷺ کی ذات عالی میں مجسم پیکر کی صورت میں دیکھا جا سکے۔ یہی اسلام کی روح اور حقیقت ہے۔ دراصل شرعی احکام وقواعد کو عملی جامہ پہنانا اس وقت تک ممکن ہی نہیں جب تک نبی رحمت ﷺ کی سیرت طیبہ کو پیش نظر نہ رکھا جائے، گویا قرآن سے سنت کی عملی مطابقت کا ہی دوسرا نام سیرت نبوی ہے۔ درج ذیل نکات کی صورت میں سیرت نبوی کی ضرورت واہمیت کو مزید واضح کیا جاسکتا ہے۔

1- آپ ﷺ اپنی امت کے فقط سردار ہی نہیں بلکہ للہ پاک کے ایسے رسول ہیں جن کو وحی الہی کے ساتھ توفیق وتائید حاصل ہے۔

2- زندگی کے جملہ معاملات میں ہادیٔ اعظم ﷺ کی ذات اعلیٰ ایسا کامل نمونہ فراہم کرتی ہے کہ جسے دستور بنا کر انسان اپنی زندگی کے شب وروز عمدہ طریق پر بسر کرسکتا ہے، کیونکہ اللہ پاک نے آپ کو پوری انسانیت کے لئے مقتدا بنایا ہے۔

3- سیرت مصطفوی ہی انسان کو قرآن فہمی اور اپنے روحانی و مادی اسرار و معارف کے حصول وآگہی پر مدد کرتی ہے

کیونکہ بہت سی آیات قرآنیہ ایسی ہیں جن کی وضاحت وتفسیر ان واقعات سے ہوتی ہے جو رسول اللہ ﷺ کو اپنی زندگی میں پیش آئے۔

4- سیرت مصطفوی ﷺ سے ہی تہذیب وتمدن کی صحیح اور اعلیٰ اسلامی قدریں میسر آتی ہیں جن کا تعلق احکام واخلاق اور عقیدے سے ہے۔

5- معلمین ومبلغین اسلام کے لئے بھی آپ ﷺ کی تعلیم وتربیت میں زندہ جاوید نمونے موجود ہیں، کیونکہ آپ ایسے عظیم معلم، ناصح اور مربی ہیں کہ اپنی دعوت کے مختلف مراحل میں آپ نے عمدہ ترین طریقوں کو اختیار فرمایا۔

6- سیرت نبوی کا سب سے عظیم پہلو یہ ہے کہ یہ انسانیت کے انفرادی واجتماعی تمام اطراف وجوانب کو محیط ہے

البوطی کے اپنے الفاظ مندرجہ بالا مندرجات کی ترجمانی کرتے ہیں۔

" ان دراسة سيرة النبی ﷺ ليست الا ابرازاً لهذه الجوانب الانسانية كلها مجسدة فی ارفع نموذج و اتم صورة"(27)

"انسانیت کے ارفع واعلیٰ پہلوؤں کے تمام عملی نمونے سیرت النبی کی معرفت سے ہی واضح ہوتے ہیں

علامہ حلبی شافعی سیرت مصطفیٰ کی اہمیت کو یوں واضح کرتے ہیں"۔

" ان سيرة المصطفی عليه افضل الصلوٰة والسلام من اهم ما اهتم به العلماء الاعلام و حفاظ ملة الاسلام ،كيف لا، وهو الموصل لعلم الحلال والحرام والحامل على التخلق بالاخلاق العظام وقد قال الزهری رحمه الله تعالیٰ فی علم المغازی خير الدنيا والآخرة " (28)

"بے شک سیرۃ مصطفیٰ ﷺ کی اہمیت (اس بات سے عیاں ہے کہ) بڑے عظیم الشان علماء دین اور حفاظ ملت اسلامیہ نے اس کی (تدوین کا) اہتمام کیا، ایسا کیوں نہ ہوتا، کیونکہ اس علم سے حلال وحرام کی پہچان ہوتی ہے اور یہ (علم سیرت) عظیم اخلاق کے ساتھ متصف ہونے پر برانگیختہ کرنے والا ہے"۔

امام زہری علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ علم (سیرو) مغازی میں دنیاؤ آخرت کی خیر اور بھلائی ہے۔

4۔ حفاظت سیرت

اللہ پاک نے اہل ایمان کو نبی پاک ﷺ کی سیرت واتباع کا حکم فرمایا ہے قرآن مجید میں ارشاد ہے۔

﴿لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ﴾ (29)

دوسرے مقام پر فرمایا:

﴿ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی﴾ (30)

اتباع قدم بقدم چلنے کا نام ہے۔صحابہ کرام اتباع نبوی کا کامل ترین نمونہ تھے۔ یہ حضرات ھادیٔ اکرم ﷺ کے ہر قول اور تقریر کا عملی پیکر تھے۔اس طرح ابتداً ایک دو نہیں بلکہ سیرت کے ہزاروں عملی نسخے ترتیب پائے۔مناظر احسن گیلانی کے الفاظ میں ''پس تدوین حدیث (وسیرت) کی پہلی صورت تو خود صحابہ کرام کی زندگی تھی اور یہ تھی حفاظت حدیث یا اس تاریخ کو محفوظ کرنے یا ہونے کی پہلی صورت''۔(31)

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں

" کان اقرب الناس ھدیاً و دلاً و سمتاً برسول اللہ ﷺ ابن مسعود" (32)

''آنحضرت ﷺ سے طرز وروش چال ڈھال وضع وانداز میں سب سے زیادہ قریب ترین آدمی ابن مسعود ہیں''

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنھما کے بارے منقول ہے:

" کان یتبع آثارہ فی کل مسجد صلیٰ فیہ و کان یعترض براحلتہ فی طریق رای رسول اللہ ﷺ عرض ناقتہ " (33)

جن مقامات پر رسول اللہ ﷺ نے راستوں میں نمازیں پڑھیں تھیں ابن عمران مقامات کو تلاش کرتے تھے اور

نمازیں پڑھتے تھے۔راستے میں جہاں کہیں حضورﷺ نے اپنی ناقہ مبارک کا رخ پھیرا آپ بھی ان مقامات پر اسی طرح کرتے۔حفظ سیرت اور عمل سنت کی اس سے بڑھ کر اور کیا مثال پیش کی جاسکتی ہے۔

4.1 حفاظت سیرت کے دوذرائع:

1۔ حفظ: اللہ پاک نے اپنے نبیﷺ کی بعثت سے متعلق فرمایا۔

﴿هو الذی بعث فی الا مین رسولا﴾ (34)

''اللہ کی ذات وہ ہے جس نے خواندہ لوگوں میں انہی میں سے (عظمت والا) رسول بھیجا''۔اس قرآنی جملہ میں عرب اقوام کیلئے امیین کا لفظ، ان کے پڑھنے لکھنے کی عدم صلاحیت پر دلالت کر رہا ہے۔جسم انسانی کی یہ خصوصیت ہے کہ جس قوت کو زیادہ استعمال کیا جاتا ہے، وہ مزید ہوتی ہے لہذا عربوں کا ناخواندہ ہونا ان کے قوت حافظہ کی جلا کا باعث ہوا۔

2۔ کتابت: عرب فطری طور پر بدوی تھے لہذا نتیجتاً امی بھی تھے۔ان علاقوں میں پڑھنے لکھنے کا رواج تھا جہاں لوگ تہذیب وتمدن سے آشنا تھے۔مثلاً یمن وغیرہ۔فن کتابت یمن سے منتقل ہو کر حیرہ میں پہنچا پھر یہاں سے حرب بن امیہ کے ذریعے مکہ پہنچا۔(35) اسلام آیا تو شہر مکہ میں فقط سترہ آدمی فن کتابت سے آشنا تھے۔اہل مدینہ میں سے اوس اور خزرج کے قبائل میں کتابت کا رواج تھا، جب اسلام آیا تو اوس وخزرج کے کچھ لوگ لکھنا جانتے تھے۔مؤرخ بلاذری نے گیارہ نام ذکر کیے ہیں۔(36) اسلام سے قبل عربوں میں فن کتابت کا رائج ہونا قرآن وسنت اور سیرت طیبہ کی حفاظت کا مضبوط ترین سبب ٹھہرا۔اسلام اور بانی اسلام نے اس فن کو قدر کی نگاہ سے دیکھا ہے۔یہی وجہ کہ حضور اکرمﷺ نے وحی کی حفاظت کے لئے کاتبین مقرر کئے اور فن کتابت سے آشنا بدری قیدیوں کا فدیہ دس مدنی بچوں کی تعلیم قرار پایا۔

4.2 حفظ سیرت کا اہتمام:

بعثت نبوی نے اپنے ماننے والوں کی زندگیوں میں ایک عظیم انقلاب برپا کر دیا تھا۔ان کا اوڑھنا بچھونا قرآن وسنت کے مطابق تھا۔اگر وہ بولتے تو قرآن، اگر ہم کلام ہوتے تو سیرت نبوی کی باتیں۔جس قسم کے ظاہری وباطنی خصوصیات اور ماحول میں وہ رنگے ہوئے تھے۔اس لحاظ سے ان کے لئے احادیث وسیر کی لمبی لمبی روایات یاد کر لینا اور یاد رکھنا مشکل نہ تھا

۔آج کے ناموافق حالات میں، جبکہ قلوب واذہان پر دن بدن دینی گرفت کمزور سے کمزور تر ہوتی چلی جارہی ہے، حفظ بہ تکلف کے عام قانون کے تحت چند اوراق کے نہیں بلکہ پورے قرآن کے حفاظ کرام پیدا ہورہے ہیں تو اس زمانہ وحالات میں حدیث وسیرت کی روایتوں کو گوشۂ ذہن میں محفوظ رکھنا کون سا دشوار تھا۔(37)

بعض صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین زراعت وتجارت اور دیگر مصرفیات کی وجہ سے ہمہ وقت حاضری سے معذور تھے۔ جب واپس آتے تو رسول اکرم ﷺ کے اقوال وافعال سے متعلق اپنے ساتھیوں سے جستجو کرتے اور انہیں یاد کرتے، بلکہ بعض صحابہ کرام نے بارگاہ مصطفےٰ میں حاضری کی باری بنا رکھی تھی، جو دیکھتے اور سنتے وہ ایک دوسرے کو بتا دیتے، جیسا کہ حضرت عمر فاروق اور ان کے پڑوسی کے بارے منقول ہے کہ دونوں باری باری آنحضور ﷺ کی مجلس میں حاضر ہوتے اور جو کچھ سنتے یا دیکھتے ایک دوسرے کو بتا دیتے۔(38)

صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ عنہم میں سے ایک خاص گروہ جنہیں اصحاب صفہ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے یہ وہ نفوس قدسیہ ہیں جنہوں نے دنیاوی لذتوں کو خوشی سے ترک کر رکھا تھا تاکہ شب وروز مسجد نبوی میں رہ کر آپ کے ارشادات سنیں اور یاد کریں۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اسی گروہ سے تعلق رکھتے تھے۔

حفظ سیرت وحدیث کے اہتمام میں صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے قلب وذہن میں ہمہ وقت یہ نوید سعید رہتی ہوگی۔

" قال رسو ل اللہ ﷺ نضر اللہ امرأ سمع مقالتی فوعاھا فاداھا کما سمعھا " (39)

"رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ پاک اس شخص کے چہرے کو بارونق بنائے جس نے میری بات سنی پھر اسے خوب یاد کیا اس کے بعد جیسے سنا ویسے ہی دوسرے لوگوں تک پہنچا دیا"۔

خطبۂ حجۃ الوداع کے موقع پر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

" الا لیبلغ الشاھد منکم الغائب فلعل بعض من یبلغہ ان یکون اوعیٰ لہ من بعض من سمعہ"(40)

"جو لوگ اس جگہ موجود ہیں ان پر ضروری ہے کہ وہ یہ احکام ان لوگوں تک پہنچائیں جو اس وقت موجود نہیں ممکن

ہے جن کو یہ احکام پہنچائے جائیں وہ سننے والوں سے زیادہ یاد رکھنے والے ہوں"۔

صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنھم نے رسول اکرم ﷺ کے اقوال وافعال اور روایات سیرت کو یاد کرنے اور پھر آگے پہنچانے کا خوب حق ادا کیا۔

حضرت ابوھریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ (41) فرماتے ہیں کہ میں ایک مسکین آدمی تھا۔ جو کھانے کو مل جاتا اسی پر قناعت کرتا۔ لوگ اپنے کاموں میں مشغول رہتے اور میں بارگاہ نبوی میں حاضر رہتا۔ ایک دن آپ ﷺ نے فرمایا جو شخص اپنی چادر بچھائے رکھے اور پھر اسے اکٹھا کرے، جو کچھ مجھ سے سنے گا کبھی نہ بھولے گا۔

"... فبسطته ثم قال ضمه الی صدرک فضممته فما نسیت حدیثا بعد ..." (42)

"مجھے اس خدا کی قسم جس نے میرے نبی کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے، اس کے بعد میں نے آپ ﷺ کی زبان سے جو سنا کبھی نہ بھولا"۔

ایک مرتبہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ (43) نے حضرت ابوھریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو فرمایا۔

" انت کنت الزمنا لرسول الله ﷺ و احفظنا لحدیثه " (44)

اے ابوھریرہ! تجھے ہم سے زیادہ رسول اللہ ﷺ کی صحبت میسر آئی ہے، اس لئے تجھے آپ کی احادیث بھی ہم سے زیادہ یاد ہیں۔

اصحاب رسول تو آپ ﷺ سے سنے ہوئے الفاظ کو یاد کر کے اسی طرح نقل کرنے کی کوشش کرتے تھے۔ بعض اوقات صحابہ ایک دوسرے کا امتحان لیتے کہ حضور ﷺ کے ارشاد کے بیان میں کسی سے کوئی تساہل تو واقع نہیں ہوا۔

حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ (45) کو ایک حدیث کے الفاظ میں کچھ اشتباہ واقع ہوا۔ اس حدیث کے سننے میں فقط ایک صحابی حضرت عقبہ بن عامر (م 58ھ) (46) شامل تھے جو مصر میں تھے۔ آپ عازم سفر ہوئے۔ ایک ماہ بعد مصر پہنچے۔ ان سے حدیث سنی، حضرت عقبہ کہنے لگے۔

" سمعت رسول الله ﷺ یقول: من ستر مؤمناً فی الدنیا علی عورته ستره الله یوم القیامة"(47)

حضرت ابوایوب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سن کر تصدیق کی اور فرمایا مجھے اس حدیث کا علم تھا لیکن اس کے الفاظ میں وہم سا ہو گیا تھا۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ (48) حج کرنے کے لئے مکہ مکرمہ تشریف لائے تو حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا (49) نے اپنے بھانجے زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ان کی خدمت میں بھیجا، چند احادیث پوچھیں۔ان میں سے ایک حدیث یہ بھی تھی کہ آخر زمانے میں علم لوگوں کے درمیان سے اس طرح اٹھا لیا جائے گا کہ علماء کو وفات دے دی جائے گی۔ جاہل باقی رہ جائیں گے جو بلا دلیل و برھان فتویٰ دیں گے..... حضرت ابن عمرو اگلے سال جب دوبارہ آئے تو اسی حدیث کے بارے دوبارہ پوچھا گیا آپ نے پچھلے سال والے الفاظ کو بعینہ بیان کیا حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ ان کی بیان کردہ حدیث درست ہے کیوں کہ انہوں نے اس کے الفاظ میں کمی بیشی نہیں کی۔(50)

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ (51) فرمایا کرتے تھے۔

" اکثروا ذکر الحدیث فانکم ان لم تفعلوا یندرس الحدیث " (52)

''حدیث کو بار بار دھراتے رہو، اگر ایسا نہ کرو گے تو تمہارا علم مٹ جائے گا''۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ (53) فرماتے ہیں:

" تذاکروا ھذا الحدیث فان حیاتہ مذاکرتہ " (54)

''بار بار حدیث کو دھراتے رہو کیونکہ اس کی زندگی اس کے دھرانے میں ہے''۔

حضرت حسن بصری رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

" غائلۃالعلم النسیان وترک المذاکرۃ " (55)

''علم کی آفت اس کا بھول جانا ہے اور دہرانے کو چھوڑ دینا ہے''۔

حضرت عطاء نقل کرتے ہیں:

" كنا نأتي جابر بن عبدالله فاذا خرجنا من عنده تذاكرنا " (56)

''ہم (حضرت) جابر بن عبداللہ (57) کے پاس ہوتے، وہ ہمیں حدیثیں بیان کرتے جب ہم ان کے پاس سے باہر آتے تو ان کی حدیثوں کو دہراتے''۔

حضرت علقمہ (58) شاگرد حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے بارے میں فرماتے ہیں:

" ما حفظت وانا شاب فكاني انظر اليه في قرطاس او ورقة " (59)

''اپنی جوانی کے زمانے میں جو چیزیں میں نے زبانی یاد کر لی تھیں، گویا میں کاغذ یا ورق میں ان کو دیکھ رہا ہوں''۔

اس بیان میں زبانی حفظ کے ساتھ ساتھ اپنے علوم کو صفحات قرطاس پر مرتسم کرنے کا اشارہ موجود ہے۔ آئندہ صفحات میں واضح ہوگا کہ صحابہ کرام خود بھی اور بالخصوص ان کے شاگرد تابعین بھی احادیث وسیر کی روایات کو محفوظ رکھنے کیلئے حفظ کے ساتھ ساتھ کتابت کا کس قدر اہتمام کرتے تھے۔

قرآن مجید کے حفظ کا اہتمام تو آغاز اسلام سے ہی ہو چکا تھا۔ مگر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین حدیث وسیرت کے حفظ کا بھی اہتمام کرتے تھے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ (60) اپنے غلام حضرت عکرمہ کو رسی سے باندھ کر قرآن وسنت کی تعلیم دیتے تھے۔

حضرت عکرمہ (61) مولیٰ عباس نقل کرتے ہیں:

" كان ابن عباس يضع الكبل في رجلي على تعليم القرآن والسنن " (62)

''ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ قرآن اور احادیث کے لئے میرے پاؤں میں بیڑی ڈال دیتے تھے''

سید معظم حسین "معرفة علوم الحديث" کے اول میں اپنے مقدمہ میں لکھتے ہیں:

''ابتداً علوم کو لکھ کر محفوظ کرنے کی بجائے قلوب واذہان میں محفوظ کرنے پر اعتماد کیا جاتا تھا۔ جس طرح اللہ سبحانہ

وتعالیٰ کی کتاب کو محفوظ کیا جاتا تھا۔ جب اسلام پھیل گیا، امصار و بلاد میں وسعت ہوگئی۔ صحابہ اطراف واکناف میں چلے گئے۔ اکثر صحابہ وفات پا گئے اور ضبط واتقان میں کمی واقع ہوگئی تو حدیث (وسیرت) کو کتابت کے ساتھ محفوظ ومدون کرنے کی ضرورت پیش آئی"۔(63)

5۔ سیرت کے اولین مصادر ومراجع

5.1 قرآن:

قرآن مجید سیرت کے مآخذ میں سے سب سے پہلا اور مستند ترین مصدر ہے۔ جسے اللہ پاک نے اپنے رسول مکرم ﷺ کے قلب اقدس پر نازل فرمایا۔ ﴿فانہ نزلہ علی قلبک﴾(64) پورا قرآن پاک آپ کی سیرت طیبہ پر شاھد عادل ۔اس میں جابجا سیرت سے متعلق معلومات موجود ہیں۔ بے شمار آیات اوران کا شان نزول آپ کی حیات طیبہ کے ان گنت گوشوں کو بے نقاب کرتی ہیں۔ جسے ﴿انک لعلیٰ خلق عظیم﴾ (65) کے اجمال میں بیان فرمایا اور "کان خلقہ القرآن"(66) سے اس کی تفصیل کی طرف اشارہ کیا گیا۔ بعثت وہجرت کے علاوہ غزوات وسرایا، غنائم، انفال، فئے اور جہاد وقتال سے متعلق امور مختلفہ کا بیان جن میں کفار ومشرکین کے ساتھ عہد ومیثاق بھی شامل ہیں آپ کی سیرت پر دال ہیں۔

5.2 عہد نبوی کا تحریری سرمایہ:

رسول معظم ﷺ کی سیرت تحریری طور پر محفوظ کرنے کا آغاز غیر ارادی طور پر آغاز ہجرت سے ہی ہو جاتا ہے۔ سفر ہجرت میں آپ نے سراقہ بن جعشم کو امان نامہ لکھ کر دینے کا حکم فرمایا کتب سیرت وحدیث میں خود سراقہ سے منقول ہے:

" فسألته ان یکتب لی کتاب موادعة آمن به ،قال:(اکتب له یا ابا بکر)(67)وفی روایة : فأمر عامر بن فهیرة فکتب فی رقعة من أدیم " (68)

''میں آپ ﷺ کو اپنے لئے امان نامہ لکھ کر دینے کے لئے عرض کیا تو آپ ﷺ نے ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو فرمایا کہ اسے لکھ دو۔ دوسری روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے عامر بن فہیرہ کو حکم دیا تو انہوں نے چمڑے کے ایک ٹکڑے پر لکھ دیا''۔

ہجرت کے بعد جلد ہی مہاجرین وانصار اور یہود کے مابین تحریری معاہدہ طے پایا جسے مؤرخین ومحققین نے دنیا کا پہلا تحریری دستور قرار پایا ہے۔ علامہ ابن ھشام نے ابن اسحاق کے حوالے سے نقل کیا ہے۔

" وکتب رسول الله ﷺ کتابا بین المهاجرین و الانصار ،وادع فیهم یهود وعاهدهم... " (69)

''رسول اللہ ﷺ نے مہاجرین وانصار کے مابین ایک معاہدہ لکھا اس صلح نامہ میں آپ ﷺ نے یہودیوں کو بھی شامل فرمایا''۔

مدینہ منورہ تشریف لانے سے کچھ عرصہ بعد آپ ﷺ نے مردم شماری کرائی ،حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اہل اسلام کے اسماء گرامی نقل تحریر کئے جو پندرہ سو تھے۔

" عن حذیفة قال قال النبی ﷺ : اکتبوا لی من یلفظ بالاسلام من الناس فکتبنا له الف خمس مأة رجل " (70)

حضرت عباس بن عبدالمطلب جو بدر الکبریٰ سے پہلے اسلام قبول کر چکے تھے کفار مکہ کے ناپاک عزائم سے تحریراً (خط بھیج کر) آگاہ کرتے تھے۔

" اسلم العباس بمکة قبل بدر (...)وانه کان لا یعمی علی رسول الله ﷺ بمکة من خبر یکون الا کتب به الیه (71)

جہاد کے بعد حاصل ہونے والے مال غنیمت کا باقاعدہ حساب رکھا جاتا۔ آمدن اور خرچ کا اندراج ہوتا۔ یہ خدمت حضرت معیقیب بن ابی فاطمہ اوسی انجام دیتے تھے۔ جھشیاری لکھتے ہیں۔

" کان یکتب غنائم رسول الله ﷺ " (72)

حضرت محمد بن مسلمہ اوسی انصاری (م) بھی اسی شعبہ سے منسلک تھے چنانچہ غزوۃ بنو قینقاع سے حاصل شدہ مال غنیمت کا حساب ان کے سپرد تھا۔

" وکان الذی ولی قبض اموالھم محمد بن مسلمة " (73)

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص کے بارے تو صراحتاً یہ بات ملتی ہے کہ ہادی اعظم ﷺ نے آپ کو اپنے ارشادات عالیہ نہ صرف تحریر کرنے کی اجازت بخشی بلکہ ان کی حوصلہ افزائی فرمائی۔

" عن عبد الله بن عمرو قال كنت اكتب كل شيء اسمع من رسول الله ﷺ أريد حفظه فنهتني قريش فقالوا انك تكتب كل شيء تسمعه من رسو ل الله ﷺ ورسول الله بشر يتكلم في الغضب فامسكت عن الكتاب فذكرت ذالك لرسول الله ﷺ فقال: ("اكتب فو الذى نفسي بيده ما خرج مني الاحق) " (74)

"حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص نے کہا کہ میں رسول اللہ ﷺ کی زبان سے جو کچھ سنتا تھا اسے لکھ لیا کرتا تھا، اس ارادے سے کہ اسے یاد کروں گا۔ لیکن قریش نے مجھے منع کر دیا اور کہا تم رسول اللہ ﷺ سے سنتے ہو لکھ لیتے ہو اور رسول اللہ ﷺ تو بشر ہیں، کبھی غصہ میں بھی کچھ فرما دیتے ہیں۔ میں نے لکھنا ترک کر دیا۔ اس بات کا ذکر میں نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں کیا تو آپ نے فرمایا جو مجھ سے سنو ضرور لکھو، اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے۔ میری زبان سے حق کے سوا اور کچھ نہیں نکلتا"۔

" عن مجاهد قال :رأيت عند عبد الله بن عمرو بن العاص صحيفة فسألت عنها فقال: هذا الصادقة فيها ما سمعت من رسول الله ﷺ ليس بيني و بينه فيها احد " (75)

"مجاہد کہتے ہیں کہ ہم نے عبداللہ بن عمرو صحابی کے پاس ایک کتاب دیکھی تو دریافت کیا کہ یہ کیا ہے؟ آپ نے فرمایا یہ "الصادقہ" ہے جسے میں نے خود آپ ﷺ سے سنا، جس میں میرے اور آپ کے درمیان کوئی دوسرا نہیں"۔

دارمی کے الفاظ ہیں:

" اما الصادقة فصحيفة كتبتها عن من رسول الله ﷺ " (76)

oooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooo

حضرت ابوھریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ عبداللہ بن عمرو بن عاص کے سوا مجھ سے زیادہ کسی کو احادیث یاد نہ تھیں۔ کیونکہ وہ آنحضرت ﷺ سے جو کچھ سنتے تھے لکھ لیتے تھے اور میں لکھتا نہ تھا۔

" ... لیس احد من اصحاب رسول اللہ ﷺ اکثر حدیثا عن رسول اللہ ﷺ الا عبد اللہ بن عمرو فانہ کان یکتب و کنت لا اکتب ... " (77)

زمانہ نبوی میں جو حضرات احادیث مبارکہ کو احاطہ تحریر میں لاتے تھے ان میں حضرت عبداللہ بن عمر اور حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ ثانی الذکر کے بارے میں حضرت ابوھریرہ سے منقول ہے۔

" لم یکن من اصحاب رسول اللہ ﷺ اکثر حدیثا منی الا عبد اللہ بن عمرو فانہ کا یکتب ولا تکتب " (78)

دارمی کی ایک روایت سے ظاہر ہے کہ یمن والوں کو حضور ﷺ نے مختلف قسم کے احکام ایک رسالہ کی شکل میں لکھ کر بھیجے تھے۔

ان رسول اللہ ﷺ کتب الی اھل الیمن ان لا یمس القرآن الا طاھر ولا طلاق قبل ملاک ولا عتاق حتی یبتاع " (79)

" رسول اللہ ﷺ نے یمن والوں کو لکھوا بھیجا کہ قرآن پاک کو پاک آدمی کے سوا کوئی مس نہ کرے اور نکاح سے پہلے طلاق نہیں اور غلام کی خریداری سے پہلے آزادی نہیں"۔

حضرت عمرو بن حزم رضی اللہ تعالیٰ عنہ (80) کو رسول اللہ ﷺ نے جب یمن کا حاکم بنا کر بھیجا تو فرائض، صدقات اور دیات وغیرہ کے احکام لکھوا کر عطا فرمائے۔

" وکتب لھم کتاباً فیہ الفرائض و السنن والصدقات والدیات " (81)

ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے شوہر کی دیت کے بارے میں مجمع عام سے پوچھا تو حضرت ضحاک بن سفیان نے جواب دیا کہ مجھے معلوم ہے اور حضور ﷺ نے یہ ہمیں لکھوا کر بھیجا تھا۔ (82)

حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ (83) نے یمن سے خط لکھ کر سبزیوں کی زکوۃ کے بارے سوال کیا تو حضور ﷺ نے

فرمایا کہ سبزیوں پر زکوۃ نہیں۔

" عن معاذانه کتب الی النبی ﷺ یسأله عن الخضروات و هی البقول فقال لیس فیها شئی "(84)

زکوۃ کے مفصل احکام جو دو صفحات پر مبنی ہیں، وہ لکھوا کر امراء کی طرف بھیجے گئے حضرت ابوبکر بن عمرو بن حزم کے خاندان میں، زکوۃ کے محصلین اور دیگر متعدد اشخاص کے پاس یہ تحریری احکام موجود تھے۔(85)

خطبہ حجۃ الودع کے موقع پر ایک یمنی شخص ابوشاہ نے یہ آخری خطبہ لکھنے کی درخواست کی تو حضور ﷺ نے فرمایا:

" اکتبوه لابی شاه " (86)

الجہشیاری نے حضور ﷺ کے کاتبین کی ذمہ داریوں کو یوں بیان کیا ہے کہ عثمان بن عفان اور علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ وحی کی کتابت کے فرائض انجام دیتے، اگر یہ نہ ہوتے تو ابی بن کعب اور زید بن ثابت یہ خدمت انجام دیتے۔

خالد بن سعید بن عاص اور معاویہ بن ابی سفیان حضور ﷺ کے ذاتی اخراجات کا حساب لکھتے۔ مغیرہ بن شعبہ اور حصین بن نمیر تمام لوگوں کے قرضہ جات اور معاملات وقضایا لکھتے۔ عبداللہ بن ارقم بن عبد یغوث اور علاء بن عقبہ قبائل عرب کے پانی کے چشموں اور انصار کے زن وشوئی کے معاملات لکھتے۔ زید بن ثابت امراء کے نام خط اور دعوت نامے لکھنے کی خدمت بھی انجام دیتے تھے۔ حنظلہ بن ربیع کاتبین کی عدم موجودگی میں ان کی نیابت کرتے۔ والے وفود کے حالات لکھے تو ان تحریروں سے خوب استفادہ کیا۔(87)

5.3 خطوط کی صورت میں سرمایۂ سیرت:

عہد رسالت مآب ﷺ میں روایات سیرت نبوی کی حفاظت کا دارومدار اکثر وبیشتر قوت حفظ پر تھا، لیکن اس سے یہ نتیجہ اخذ کرنا صحیح نہیں کہ زمانۂ نبوی میں آپ کے ارشادات بالکل ہی قلم بند نہیں کئے گئے۔

ابن عباس وغیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنھم سے متعدد طرق واسناد سے مروی ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ ذوالحجہ ٦ ھ میں

حدیبیہ سے واپس تشریف لائے تو قاصدوں کو سلاطین کے پاس دعوت اسلام دینے کیلئے بھیجا، ان کے نام فرمان تحریر فرمائے۔

" عن ابن عباس وغیرهم رضی الله عنهم (...) قالوا ان رسول الله ﷺ لما رجع من الحدیبیة فی ذی الحجة سنة ست ارسل الرسل الی الملوک یدعوهم الی الاسلام و کتب الیهم کتباً..."(88)

آپ ﷺ نے نجاشی کو دو دعوت نامے تحریر فرمائے تھے، ایک میں انہیں دعوت اسلام دی تھی اور قرآن پاک کی آیات تحریر فرمائیں دوسرے میں آپ نے حکم دیا تھا کہ وہ ام حبیبہ بنت سفیان بن حرب کا نکاح آپ ﷺ سے کردے۔

" فلما کان شهر ربیع الاول سنة سبع من هجرة رسول الله ﷺ الی المدینة کتب رسول الله ﷺ الی النجاشی کتابا یدعو فیه الی الاسلام (...) و کتب الیه رسول الله ﷺ ان یزوجه ام حبیبة بنت ابی سفیان بن حرب ... " (89)

اسی طرح آپ ﷺ نے روم میں ہرقل کو، ایران میں کسریٰ کو، اسکندریہ میں مقوقس کو، بحرین میں منذر بن ساوی (90) کو، یمامہ میں ہوذہ بن علی کو اور دمشق میں حارث بن ابی شمر غسانی کو خود خطوط لکھوائے جو سیرت کا عظیم تحریری سرمایہ ہیں۔ (91)

مدائنی سے منقول ہے کہ زید بن ثابت وحی لکھتے تھے۔ معاویہ آپ ﷺ اور قبائل کے مابین خط وکتابت کی خدمت سرانجام دیتے تھے۔ حضرت علی نے صلح نامہ حدیبیہ لکھا، عبداللہ بن ارقم سلاطین کے نام خطوط لکھتے تھے۔ ابی بن کعب نے عمان کا خط لکھا تھا۔ (92)

صحیح بخاری میں تعلیقاً مذکور ہے کہ آپ ﷺ نے حضرت زید سے فرمایا کہ یہودیوں کی تحریر سیکھ لو۔ انہوں نے چند دنوں میں ان کی تحریر کو سیکھ لیا۔ اس لئے وہی ان کو خط لکھتے اور ان کے خطوط کا جواب دیتے۔ (93)

علامہ ابن قیم نے اپنی تالیف میں ان خطوط کا ذکر کیا جو حضور ﷺ نے اہل ایمان کو تحریر فرمائے:

" فمنها کتابه فی الصدقات الذی کان عند ابی بکر و کتبه ابو بکر لانس بن مالک لما وجهه الی البحرین وعلیه عمل الجمهور، و منها کتابه الی اهل الیمن وهو الکتاب الذی رواه ابو بکر بن عمرو بن حزم عن ابیه عن جده وهو کتاب عظیم فیه انواع کثیر من الفقه فی الزکاة والدیات

والاحکام وذکر الکبائر والطلاق والعتاق واحکام الصلوۃ فی الثوب الواحد والاحتباء فیہ ومس المصحف وغیر ذالک ،قال الامام احمد لاشک ان رسول اللہ ﷺ کتبہ واحتج الفقہاء کلھم بمافیہ من مقادیر الدیات ،ومنھا کتابہ الی بنی زھیر ،ومنھا کتابہ الذی کان عند عمر بن الخطاب فی نصب الزکوۃ وغیرھا " (94)

''ان خطوط میں سے ایک زکوۃ کے متعلق تھا جو حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس محفوظ تھا ،اسے (حضور ﷺ کے حکم سے) حضرت ابوبکر نے حضرت انس بن مالک کے لئے لکھا تھا جب انہیں بحرین کی طرف روانہ کیا اسی خط کے مطابق آج جمہور کا عمل ہے۔

ایک خط اہل یمن کی طرف بھیجا ،اس خط کو ابوبکر (تابعی) نے اپنے والد عمرو سے اور انہوں نے اپنے والد حزم سے روایت کیا ہے۔ یہ بہت عظیم الشان خط ہے۔اس میں فقہ کے کثیر التعداد مسائل درج ہیں مثلاً زکوۃ ،دیت اور احکام کے علاوہ کبیرہ گناہوں ،طلاق ،غلاموں کی آزادی ،ایک کپڑے میں نماز پڑھنے ،ایک ہی کپڑا اوڑھنے مصحف کو چھونے وغیرہ کے مسائل درج ہیں''۔

امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں کہ اس میں ذرہ بھر شک نہیں کہ یہ خط حضور ﷺ نے لکھوایا۔ عام فقہا ،اس میں درج شدہ دیتوں کی مقدار پر عمل پیرا ہیں۔ عبداللہ بن الحکیم کے پاس نبی اکرم ﷺ کا دعوت نامہ پہنچا ،جس میں مردہ جانور کے بارے حکم درج تھا۔

" عن عبد اللہ بن حکیم قال اتانا کتاب رسول اللہ ﷺ ان لا تنتفعوا من المیتۃ با ھاب ولا عصب" (95)

رسول اکرم ،ہادی برحق ﷺ کے مکاتیب مبارکہ کو قبائل عرب نہایت احترام کی نظر سے دیکھتے تھے اور اس کی بے ادبی کو اپنے لئے وبال جان خیال کرتے تھے۔ چمڑے کے ایک ٹکڑے پر تحریر شدہ نامہ مبارک سمعان بن عمرو بن قریط عرنی کے پاس پہنچا تو اس نے اس سے اپنے ڈول کی پیوندکاری کردی۔ اس کی بیٹی نے دیکھ کر کہا۔

" ما اراک الا ستصیبک قارعۃ،اتاک کتاب سید العرب فرقعت بہ دلوک " (96)

"میرا خیال ہے کہ عنقریب تجھے کوئی مصیبت پہنچے گی، کیونکہ آپ کے پاس سید العرب کا خط آیا تم نے ڈول کی پیوند کاری کردی"۔

خداداد عظمت وہیبت کی وجہ سے اہل عرب آپ کے نامہ مبارک کو ایک عظیم ہستی کا نوشتہ سمجھتے ہوئے محفوظ رکھتے۔ چنانچہ مغازی کے مشہور عالم مجالد بن سعید بن عمیر همدانی (144ھ) کے دادا کے نام حضور ﷺ نے نامہ مبارک بھیجا، اس کا ذکر یوں کرتے ہیں۔

" كتاب رسول الله ﷺ الى جدى عندنا " (97)

"میرے دادا کے نام رسول اللہ ﷺ کا نامہ مبارک ہمارے پاس موجود ہے"۔

5.4 عہدو مواثیق کی صورت میں سرمایۂ سیرت:

ہجرت مدینہ کے بعد رسول کریم ﷺ نے اپنی ہجرت گاہ کو امن کا گہوارہ بنانے کیلئے قرب وجوار میں بسنے والے عرب قبائل سے تحریری معاہدے کئے جو آج تاریخ وسیرت کی معتبر کتابوں میں محفوظ ہیں اور سیرت کا عظیم سرمایہ ہیں۔

تاریخ اسلام کا سب سے پہلا معاہدہ جو انصار ومہاجرین اور یہود کے مابین طے پایا (اس مقالہ کے صفحہ ٦ پر مذکور ہے) یہ وہ تحریری دستاویز ہے جسے میثاق مدینہ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

حدیبیہ کے مقام پر جو صلح نامہ آنحضرت ﷺ اور کفار مکہ کے درمیان حضرت علی نے لکھا تھا اس کی ایک نقل قریش نے لی اور ایک آنحضرت ﷺ نے اپنے پاس رکھی۔

" وكتب عليٌّ صدر هذا الكتاب فكان هذا عند رسول الله ﷺ وكانت نسخته عند سهيل بن عمرو " (98)

ابن ہشام کے الفاظ ہیں

" ثم دعا رسول الله ﷺ على بن ابى طالب رضوان الله عليه ،فقال :اكتب ... " (99)

بنی عقیل قبیلہ کے تین افراد ربیع بن معاویہ، مطرف بن عبداللہ اور انس بن قیس نے بارگاہ نبوی میں حاضر ہو کر اپنے قبیلہ کی طرف سے بیعت اسلام کی۔ آپ ﷺ نے سرخ چمڑے پر بنی عقیل کا علاقہ بطور جاگیر لکھ کر دیا۔ یہ نامہ مبارک مطرف کے پاس تھا۔

" ... وفد منا من بنی عقیل علی رسول الله ﷺ ربیع بن معاویة (...) ومطرف بن عبد الله (...) وانس بن قیس (...) فبایعوا واسلموا او بایعوه علی من وراء هم من قومهم فاعطاهم النبی ﷺ العقیق عقیق بنی عقیل ، وهی ارض فیها عیون و نخل ، وکتب لهم بذالک کتابا فی ادیم احمر (...) فکان الکتاب فی ید مطرف ... " (100)

اسی طرح آپ ﷺ نے قبیلہ جعد بن کعب سے رقادہ بن عمرو کو مقام فلج میں ایک قطعہ اراضی عطا فرمایا اور تحریر لکھ کر دی جو ان کے خاندان میں رہی۔

" واعطاه رسول الله ﷺ بالفلج ضیعة وکتب له کتابا ، وهو سند هم " (101)

عداء بن خالد بن ہوذہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو پانی کا ایک چشمہ عطا فرمایا اور سند لکھ دی۔

" وفد علی النبی ﷺ واقطعه میاها کانت لبنی عمرو بن عامر " (102)

یوحنہ بن رؤبہ، صاحب ایلہ کو صلح نامہ لکھ کر دیا۔ اہل خیبر سے بٹائی کا معاملہ تحریری ہوا۔ اہل جرباء اور اذرح کو ایک صلح نامہ لکھ کر دیا۔

صالح رسول الله ﷺ اهل اذرح علی مآة دینار فی کل رجب وصالح اهل الجرباء علی الجزیة وکتب لهم کتابا (103)

اکیدر صاحب دومۃ الجندل کو صلح نامہ لکھ کر دیا۔ (104) اور اہل فدک سے تحریری صلح ہوئی۔ (105)

ڈاکٹر حمید اللہ (مرحوم) کا مجموعہ الوثائق السیاسیۃ جس میں تقریباً 382 خطوط و معاہدات شامل ہیں، اس بات کا بیّن ثبوت ہیں کہ اسی طرح بے شمار تحریرات زمانہ نبوی و متصل مابعد میں موجود تھیں جو سیرت کے تحریری سرمایہ پر دال ہیں۔

5.5 عہد خلفائے راشدین کا تحریری سرمایۂ سیرت:

عہد خلفاء راشدین میں فتوحات کا سلسلہ وسیع ہوتا چلا گیا۔ نت نئے ممالک ومناطق احاطۂ اقتدار میں آتے چلے گئے اقوام عالم کے ساتھ تعامل کا ظہور امرِ ناگزیر تھا۔ چنانچہ مختلف قوموں اور حکومتوں کے ساتھ تحریری معاہدات ہوئے حتیٰ کہ خود اسلامی لشکر میں امراء وخلفاء کے مابین خط وکتابت کا سلسلہ چلتا رہا۔ اس طرح پہلی ہجری کے نصف اول میں ہی سیرت کا وہ عظیم سرمایہ تحریری صورت میں معرض وجود میں آیا جس سے کتب سیرت وتواریخ بھری پڑی ہیں۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اہل خفاش کے نام ایک خط بھیجا تھا جس میں انہیں جزیہ دینے کا حکم تحریر تھا جو دوسری صدی ہجری تک محفوظ رہا۔ (106) عہد صدیقی میں جب حیرہ کا علاقہ فتح ہوا تو حضرت خالد بن ولید (حاشیہ) (خالد بن ولید بن المغیرہ القرشی المخزومی، زمانے نبوت سے جن کو سیف اللہ کا لقب عطا ہوا۔ اشرافِ قریش میں سے تھے۔ فتح خیبر کے بعد سن سات ہجری میں اسلام لائے۔ سن اکیس ہجری میں شہرِ حمص یا شہرِ مدینہ میں فوت ہوئے۔ دیکھیے: الاصابہ ۲/ ۲۶،۲۳) نے ان کے ساتھ جو معاہدہ کیا اسے لکھ کر دیا۔ عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانۂ خلافت میں ایلہ کے ساکنان سے تحریری معاہدہ ہوا۔

" ان ابا العباس عبد الله بن محمد قد اشترى معاهدة ايله من اهلها بثلاث مأة دينار " (107)

''ایلہ کے معاہدہ والا نسخہ اہل ایلہ سے (خلیفۂ عباسی) ابوالعباس عبداللہ بن محمد نے تین سو دینار میں خریدا''۔

عتبہ بن فرقد سلمٰی نے موصل کے قریب قلعہ تکریت 20ھ میں فتح کیا اور اہالیان تکریت کو امان نامہ لکھ کر دیا۔ اہل رہا کے پاس خلافت فاروقی کے زمانہ کی ایک تحریر تھی جو انہیں عیاض بن غنم نے لکھ کر دی تھی۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ابوعبداللہ نافع بن حارث بن کلاہ نے بصرہ کے قریب ایک قطۂ اراضی طلب کیا جس کی سند آپ نے انہیں لکھ دی اور اپنے امراء حضرت ابوموسیٰ اشعری اور مغیرہ بن شعبہ کو بھی خطوط کے ذریعے اطلاع دی۔ (108)

5.6 عہد صحابہ وتابعین کا تحریری سرمایۂ سیرت:

عام طور پر اہل عرب جنگی واقعات کی زبانی روایات کرتے تھے مگر فن تحریر سے آشنا بعض لوگ انہیں لکھ بھی لیتے تھے

بشیر بن سعد بن ثعلبہ انصاری کے بارے منقول ہے:

" وکان بشیر یکتب بالعربیة فی الجاهلیة وکانت الکتابة فی العرب قلیلا " (109)

''زمانۂ جاہلیت میں بشیر بن سعد عربی زبان میں لکھا کرتے تھے جب کہ عربوں میں کتابت کا فن قلیل تھا''۔

حضرت ابوھریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے ایک ساتھی کو اپنے ہاں لائے اور تحریری صورت میں اپنی مرویات دکھائیں۔راوی کے بیان کے مطابق وہ ان کے ہاتھ سے نہیں بلکہ کسی اور کے ہاتھ سے لکھے ہوئے تھے۔

" الحسن بن عمرو بن امیة قال :تحدث عند ابی هریرةبحدیث ،فاخذ بیدی الی بیته فأرانا کتباًمن حدیث النبی ﷺ وقال :هذا هو مکتوب عندی قال ابن عبد البر (...)وقد ثبت انه لم یکن یکتب ،فتعین ان المکتوب عنده بغیر خطه " (110)

حضرت ابوھریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایات کا ایک مجموعہ ہمام بن منبہ (م) نے تیار کیا جو کتب احادیث میں ان کے نام سے موسوم ہے۔امام احمد بن حنبلؒ نے اسے اپنی سند میں بیان کیا ہے۔

بشیر بن نہیک نے بھی آپ کی روایات کا مجموعہ تیار کیا، پھر آپ سے اجازت لی۔

" عن بشیر بن نهیک قال کتبت کتابا عن ابی هریرة فقلت ارویه عنک قال نعم " (111)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس مجموعہ احادیث تھا جس کے بارے آپ بتاتے تھے کہ یہ آپ ﷺ پر پیش کی ہوئی کتاب ہے۔آپ اپنے بیٹوں کو فرمایا کرتے تھے میرے بچو علم کو تحریر کی قید و بند میں لاؤ۔

" ... انه قال لبنیه : یا بنی قیدو االعلم بالکتاب " (112)

سعید بن جبیر (تابعی) کا بیان ہے کہ میں حضرت عبداللہ بن عمر اور عبداللہ بن عباس سے رات کو روایات سنتا اور پالان پر لکھ لیتا، پھر صبح ان کو اتار لیتا۔براء بن عازب صحابی کے پاس بیٹھ کر تابعین ان کی روایات نقل کرتے تھے۔(113)

حضرت نافع وحضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنھما کی خدمت میں تیس سال رہ کر علم حاصل کرتے رہے وہ

اپنے شاگردوں کو اپنے سامنے بٹھا کر احادیث لکھوایا کرتے تھے۔(114)

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس ایک صحیفہ تھا جو ان کی نیام میں موجود رہتا تھا۔اس میں احکام سے متعلقہ متعدد احادیث لکھی ہوئی تھیں۔زیارت کے خواہش مند حضرات کو آپ نے دکھایا۔(115)

صحابہ وتابعین رضوان اللہ علیہم اجمعین کے مابین خط وکتابت کی صورت میں بھی سوال وجواب کا سلسلہ جاری رہتا تھا۔ابن ابی ملیکہ نے حضرت عبداللہ بن عباس کی خدمت میں لکھ کر عرض کیا کہ مجھے دینی احکام پر مشتمل ایک رسالہ لکھ بھیجیں، جو بات چھپانے کے لائق ہو اسے چھپائیں۔

" فدعا بقضاء علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فجعل یکتب منہ اشیاء ویمر بہ الشیء " (116)

'' آپ نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فتاویٰ طلب کئے ان سے لکھنا شروع کیا بعض کو نظر انداز کردیا''۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے اپنے روایات کے متعدد مجموعے تھے۔اہل طائف میں بعض لوگ ان کا ایک مجموعہ ان کو سنانے کے لئے لائے۔

" ان نفرا قدموا علی ابن عباس من اھل الطائف بکتاب من کتبہ فجعل یقرأ علیھم "(117)

سلمٰی خاتون کہتی ہیں کہ انہوں نے عبداللہ بن عباس کو دیکھا کہ وہ حضور ﷺ کے غلام ابورافع سے آنحضرت ﷺ کے کارنامے لکھا کرتے تھے۔(118) واقدی کے قول کے مطابق ، رئیس عمان ، منذر بن ساوی کو حضور ﷺ نے خط بھیجا تھا وہ ابن عباس کی کتابوں کے ساتھ انہوں نے دیکھا۔(119) صحابہ کرام میں آپ سیر ومغازی کے مشہور عالم ومعلم تھے۔آپ اکابر صحابہ کی خدمت میں حاضر رہتے اور بڑی محنت کے ساتھ ان سے علم مغازی حاصل کرتے۔

آپ کا فرمان ہے:

" کنت الزم الا کابر من اصحاب رسول اللہ ﷺ من المھاجرین والانصار فأسألھم عن مغازی رسول اللہ ﷺ وما نزل من القرآن " (120)

امام مغازی موسیٰ بن عقبہ سے منقول ہے کہ کریب نے عبداللہ بن عباس کی کتابیں ایک اونٹ کے وزن کے برابر ہمارے پاس رکھیں۔(121)

حضرت سمرہ بن جندب کے بیٹے سلیمان بن سمرہ اپنے باپ سے ایک بڑا نسخہ روایت کرتے تھے۔

"روی عن ابیه نسخة کبیرة" (122)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپکی روایات مرتب ہو چکی تھیں۔لفظ کبیرة سے اس کی وضاحت ہو رہی ہے ورنہ چند احادیث پر نسخہ کبیرة کا لفظ اطلاق درست نہیں۔(123)

حضرت جابر بن عبداللہ کی روایت کا ایک مجموعہ حضرت وھب (تابعی) نے تیار کیا تھا جو اسماعیل بن عبدالکریم کے پاس تھا "والصحیفة التی یرویھا عن وھب عن جابر" (124) اور دوسرا مجموعہ سلیمان بن قیس یشکری نے تیار کیا تھا اور ان سے ابو الزبیر، ابوسفیان اور شعبی نے سماعت کیا۔(125)

حضرت عبداللہ بن ابی اوفیٰ (87ھ) نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پوتے عمر بن عبداللہ کے نام ایک مکتوب بھیجا جو مغازی سے متعلق تھا۔(126)

قاضی مدینہ ابوبکر بن محمد بن عمرو بن حزم سے منقول ہے کہ عمر بن عبدالعزیز نے مجھے لکھ بھیجا کہ کتیبہ کے بارے تحقیق کرو کہ وہ خیبر میں رسول اللہ ﷺ کا خمس تھا یا خالصہ، میں نے عمرہ بنت عبدالرحمٰن سے معلومات حاصل کر کے تحریر روانہ کی۔

"عن ابی بکر بن محمد بن حزم قال : کتب الیّ عمر بن عبدالعزیز فی خلافته ان افحص لی عن الکتیبة أکانت خمس رسول الله ﷺ من خیبر ام کانت لرسول الله ﷺ خاصة ؟(...) قال ابو بکر : فکتبت الی عمر بن عبد العزیز بذالک" (127)

ابن عون کہتے ہیں کہ میں نے نافع مولیٰ بن عمر کو انفال کے بارے لکھا تو انہوں نے مجھے جواب میں تفصیل لکھ بھیجی ۔نیز ایک تحریری سوال یہ بھی تھا کہ قتال سے پہلے دعوت اسلام دی جائے ۔انہوں نے جواب میں لکھا کہ دعوت اسلام ابتدائی دور میں تھی جبکہ رسول اللہ ﷺ نے بے خبری میں ہی مصطلق پر حملہ کیا۔

" عن ابن عون قال کتبت الی نافع اسئله عن الدعاء قبل القتال قال فکتب الی ... " (128)

ضحاک بن قیس نے نعمان بن بشیر صحابی کے خدمت میں لکھ کر بھیجا کہ رسول اللہ ﷺ نماز جمعہ میں کون سی سورت پڑھتے تھے ،تو انھوں نے جواب میں لکھا.

" کتب الضحاک بن قیس الی النعمان بن بشیر یسئله ای شیئ قرأرسول الله ﷺ یوم الجمعة سوی سورة الجمعة فقال کا ن یقرأهل اتاک حدیث الغاشیة " (129)

حضرت عمر نے عتبہ بن فرقد کو خط لکھا کہ آنحضرت ﷺ نے ریشم پہننے سے منع فرمایا ہے۔

" عن ابی عثمان قا ل کتب الینا عمر ونحن بأذر بیجان یا عتبة بن فرقد (...)وایا کم والتنعم وزیّ اهل الشرک ولبوس الحریر ... " (130)

حضور ﷺ کے زمانہ سے مابعد متصل صحابہ وتابعین کا زمانہ شروع ہوتا۔ ابتدائی چند سال چھوڑ کر،علوم وفنون کواحاطۂ تحریر میں لانے کا عام مذاق پیدا ہو چکا تھا۔حضرت حسن بصری (م) اپنے بھتیجوں کو لکھنے کی نصیحت کرتے تھے۔حضرت عمر فاروق فرماتے تھے:"قیدوا العلم بالکتاب"(131)حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنھما فرمایا کرتے تھے:"قیدواھذ االعلم با الکتاب"(132)

6۔ سیر ومغازی کی ابتدائی شخصیات

مدینہ منورہ علم سیر ومغازی کا اولین مرکز اورسب سے پہلی درس گاہ ہے۔اس علم وفن کی تحصیل کا شوق رکھنے والے طلباء کواساتذہ ومشائخ خاص طور پر مدینہ شریف جانے کا مشورہ دیتے تھے۔

امام سفیان بن عیینہ کا قول ہے۔

" من اراد المغازی فالمدینة ... " (133)

"جو مغازی سیکھنا چاہے پس وہ مدینہ کارخ کرے"۔

یہی وہ سب سے پہلا مرکز ہے جہاں سے علم سیر و مغازی کو مستقل فن کی حیثیت حاصل ہوئی اور اسی مرکز سے تعلق رکھنے والی تین اہم شخصیات نے تقریباً پہلی صدی کے نصف میں سب سے پہلے اس فن میں کتابیں مدون کیں۔ان کے نام درج ذیل ہیں۔

1۔ عروہ بن زبیر (م ۹۴ھ)

2۔ ابان بن عثمان (م ۱۰۵ھ)

3۔ محمد بن شہاب زہری (م ۱۲۴ھ)

صحابہ کرام میں ایسے حضرات موجود تھے جو سیر و مغازی کی روایات کو بالخصوص بیان کیا کرتے تھے ان میں سے چند کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔

1۔ حضرت صہیب بن سنان رومی تقریباً تمام غزوات میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ رہے۔اس لئے آپ صرف غزوات واسفار کی حدیثیں بیان کرتے تھے آپ کا بیان ہے۔

" لا احدث عن رسول الله ﷺ ولكن ان شئتم حدثتكم عن مغازيه واسفاره " (134)

''میں رسول اللہ ﷺ کی حدیث بیان نہیں کروں گا، اگر تم چاہو تو آپ کے غزوات واسفار بیان کر دوں''۔

2۔ غزوہ بدر میں ابوجہل کے قتل کے واقعہ یعنی عفرآ کے بیٹے معاذ اور معوذ کی بہادری کو حضرت عبدالرحمٰن بن عوف خصوصی طور پر بیان کرتے تھے اور ان کی اولاد اس واقعہ کو خاندانی روایت کے طور پر بیان کرتی تھی۔

امام بخاری یوں لکھتے ہیں۔

" حدثني علي بن عبد الله ،قال كتبت عن يوسف بن الماجشون ،عن صالح بن ابراهيم (بن عبد الرحمن بن عوف)عن ابيه عن جده يعني حديث ابني عفرآء " (135)

''مجھ سے علی بن عبداللہ نے بیان کیا کہ غزوہ بدر میں عفرآء کے دونوں لڑکوں کا واقعہ میں نے یوسف بن ماجشون سے لکھا انہوں نے صالح بن ابراہیم سے انہوں نے اپنے والد ابراہیم، انہوں نے صالح کے دادا یعنی عبدالرحمٰن بن عوف سے بیان کیا ہے''

3۔ رسول اللہ ﷺ کو غزوۂ احد میں لگنے والے زخموں کے علاج کے بارے میں اختلاف ہوا کہ وہ علاج کس چیز سے ہوا۔ اہل مدینہ نے حضرت سعد بن سہل رضی اللہ تعالیٰ عنہ (جو ان صحابہ میں آخری صحابی زندہ تھے) سے دریافت کیا تو آپ نے جواب دیا:

" اما واللہ انی لاعرف من کان یغسل جرح رسول اللہ ﷺ ومن کان یسکب الماء وبماداوی..."(136)

''اللہ کی قسم میں خوب جانتا ہوں جو رسول اللہ ﷺ کا زخم دھورہا تھا اور جو پانی ڈال رہا تھا اور جس چیز کے ذریع علاج کیا گیا''۔ (پھر مزید تفصیل بیان کی)

4۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنھا سے سیر کے بہت سے واقعات منقول ہیں۔ بالخصوص واقعہ افک کی لمبی حدیث آپ سے حضرت عروہ بن زبیر، سعید بن میتّب، علقمہ بن ابی وقاص اور عبید اللہ بن عبداللہ بن عتبہ بن مسعود رضی اللہ عنھم اجمعین نے نقل کی ہے۔

5۔ حضرت کعب بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو غزوہ تبوک میں حاضر نہ ہو سکے، مگر اس غزوہ کے متعلق مفصل حالات آپ نے بیان کئے ہیں۔

6۔ حضرت زید بن ارقم رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو سترہ غزوات میں حضور ﷺ کے ساتھ رہے اکثر ان غزوات کے احوال بیان کرتے تھے۔

" قد اخبر زید عن اکثر الاحوال التی شھدھا " (137)

''حضرت زید نے جن غزوات میں شمولیت کی ان کے اکثر واقعات بیان کئے''۔

7۔ حضرت عقیل بن ابوطالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے منقول ہے۔

" کان قریش بالنسب واعلمھم بایامھم وکانت لہ طنفسۃ تطرح لہ فی مسجد رسول اللہ ﷺ ویجتمع الناس الیہ فی علم النسب وایام العرب " (138)

''آپ قریش کے نسبوں اور ایام ومآثر کے سب سے زیادہ جاننے والے تھے۔ آپ کے لئے مسجد نبوی میں تکیہ لگایا

جاتا لوگ آپ کے پاس نسب اور ایام عرب کا علم حاصل کرنے کے لئے حاضر ہوتے''۔

8۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنھما مسجد نبوی میں بیٹھ کر ایک روز فقہ کا، ایک روز تفسیر کا، ایک روز مغازی کا، ایک روز شعر کا اور ایک روز تاریخ کا درس دیتے تھے۔ ''ولقد کان تجلس یوما مایذکر فیہ الا الفقہ ویوما التاویل ویوما الشعر یوما ایام العرب...''(139)

صلاح الدین منجد نے ان کی ایک تالیف'' قصة الحليمة السعدية في رضاعة خير البرية''

کا ذکر کیا ہے۔(140)

9۔ مغیرہ بن عبدالرحمٰن بن حارث مخزومی (م ۱۰۱ھ/ ۱۰۵ھ) نے ابان بن عثمان سے سیر و مغازی کی تعلیم حاصل کی، ان کے بارے میں ان کے بیٹے یحییٰ ابن مغیرہ لکھتے ہیں۔

فکان كثيراً ما تقرأ عليه و امرنا بتعليمها " (141)

''یہ کتاب ان کے پاس بہت زیادہ پڑھی جاتی تھی اور وہ ہمیں اس کی تعلیم کا حکم دیتے تھے''۔

10۔ ابو عمرو عامر بن شراحیل شعبی حمیری کوفی (م ۱۰۴ھ/ ۱۰۵ھ) علیہ الرحمہ نے پانچ سو صحابہ کا زمانہ پایا۔ صحابہ کے بعد اپنے زمانے میں دینی علوم کے مرجع تھے۔ قتیبہ بن مسلم باہلی نے ۹۴ھ میں جب فرغانہ کے علاقہ میں قلعہ جات فتح کئے تو اس دوران امام شعبی نے ''کتاب الفتوح'' کا املاء کرایا۔ آپ کا بیان ہے۔

" فجعلت املى عليه وهو ينظر حتىٰ فرغ من كتاب الفتح " (142)

''پھر میں اس کے کاتب کو املاء کرانے لگا وہ دیکھ رہا تھا، حتی کہ وہ کاتب ''کتاب الفتح'' لکھ کر فارغ ہوا''۔

11۔ محمد بن سعد بن ابی وقاص قریشی زہری (م ۸۲ھ) جن کو حجاج بن یوسف نے شہید کیا ان کے بیٹے اسماعیل (134ھ) سے منقول ہے۔

" كان ابى يعلمنا المغازى و السرايا و يقول يا بنى انها شرف آبا ئكم فلا تضيعوا ذكرها"(143)

''ہمارے باپ ہمیں سیر و مغازی کی تعلیم دیتے تھے اور فرماتے تھے اے میرے بچو! یہ تمھارے آباؤ اجداد کا شرف

ہے اسے مت بھولو"

12۔ عکرمہ مولیٰ عبداللہ بن عباس (م ۱۰۵ھ) اپنے مولیٰ کے فقہ، فتویٰ اور تفسیر میں عظیم ترجمان اور سیر ومغازی کے بہترین عالم۔ سفیان بن عیینہ کا بیان ہے۔

" كان عكرمة اذا تكلم في المغازى فسمعه انسان ، قال كانه مشرف عليهم يراهم " (144)

"جب عکرمہ مغازی پر گفتگو کرتے تو سننے والا شخص کہتا، گویا وہ مجاہدین اسلام کو میدان جہاد میں دیکھ رہا ہے"۔

13۔ زین العابدین علی بن حسین بن علی (م ۹۴ھ) رضی اللہ تعالیٰ عنھم، خاندان نبوت کے چشم و چراغ، قرآن مجید کی سورتوں کی طرح مغازی کی تعلیم دیتے تھے۔ آپ کا قول ہے: "کنا نعلم مغازی النبی ﷺ کما نعلم السورۃ من القرآن" (145)

"ہم لوگ مغازی کی تعلیم دیتے تھے جس طرح قرآن مجید کی سورۃ کی تعلیم دیتے تھے"۔

صلاح الدین منجد نے اپنی تالیف میں مندرجہ ذیل اسماء بھی سیر ومغازی کے حوالے سے نقل کئے ہیں۔

	نام مصنف	وفات	نام کتاب	صفحہ کتاب
14۔	ابوذر غفاری (منسوب)	(۳۲ھ)	قصۃ المعراج	42
15۔	سھل بن ابی حثمہ	(۴۱ھ)	المغازی	135
16۔	عبیداللہ بن کعب بن مالک انصاری	(۹۷ھ)	المغازی	135
17۔	جبیر بن مطعم	(۵۸ھ/۵۹ھ)	احادیث شجرۃ النبی وذکر اسماۂ	37
18۔	دغفل بن حنظلہ السدوری	(۶۵ھ)	السیرۃ	113

7۔ اہم کتب مغازی وسیر

7.1 پہلی صدی ہجری میں کتب سیر ومغازی:

رسول اللہ ﷺ کے سیر ومغازی کو احاطہ تحریر میں لانے کا کام پہلی صدی ہجری (عہد صحابہ) میں ہی شروع ہو چکا تھا صحابہ کے شاگرد تابعین نے اس سلسلہ کو آگے بڑھاتے ہوئے تصنیف وتالیف کا آغاز کیا۔اسی طرح پہلی صدی ہجری میں جو کتب سیرت

منصۂ شہود پر آئیں وہ مندرجہ ذیل ہیں۔

1۔ مغازی الرسول لعروۃ بن الزبیر

حضرت عروہ بن زبیر (م ۹۴ھ) رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے پاس تحریری صورت میں ذخیرہ حدیث وسیرت موجود تھا آپکے بیٹے ہشام سے منقول ہے کہ ہمارے والد کی مرویات دو ہزار اجزاء پر مشتمل تھیں۔ہم ان میں سے ایک جزو بھی نہ سیکھ سکے۔(146) کیونکہ واقعہ حرہ میں (...) نذر آتش ہو گئی تھیں۔جس کا انہیں زندگی بھر افسوس رہا۔(147)

عروہ بن زبیر بنیادی طور پر فقیہ اور محدث تھے مگر انہوں نے احادیث نبوی جمع کرنے کے ساتھ ساتھ اس زمانے کے اخبار وآثار بھی نقل کیے ہیں۔خلفاء راشدین کے عہد کے حالات بھی بیان کیے ہیں۔ان سے مغازی کی روایات دیگر تلامذہ کے علاوہ بالخصوص ابوالاسود یتیم عروہ (137ھ) نے اپنی زندگی کے آخری ایام میں مصر جا کر کی ابوالاسود کی روایات سے معتدبہ حصہ یکجا ہو کر، ڈاکٹر محمد مصطفیٰ الاعظمی کی تحقیق وتخریج کے ساتھ چھپ چکا ہے۔

حاجی خلیفہ کے قول کے مطابق سیرت کی پہلی کتاب ان کی ہی تصنیف ہے۔اگرچہ اس قول کے ضعیف ہونے کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

" یقال اول من صنف فیھا عروۃابن الزبیر " (148)

ooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooo

''کہا جاتا ہے کہ سیرت میں سب سے پہلی تصنیف عروہ بن زبیر کی ہے''

بعض قرائن اس کے مؤید ہیں کہ عروہ بن زبیر کو اس بارے میں اولیت حاصل ہے۔

واقدی سے منقول ہے۔

" کان فقیھاً ، عالماً ،مأمونا ،حافظا ،ثبتا ،حجة ،عالما با لسیرة وھو اول من صنف المغازی " (149)

''وہ عالم، مامون، ثبت، حجت اور سیر کے عالم تھے اور مغازی تصنیف کرنے والوں میں انہیں اولیت حاصل ہے''۔

ہشام بن عروہ کے بیان سے بھی اس موقف کو تقویت پہنچتی ہے۔

" انه احترقت کتبه یوم الحرة و کان یقول :وددت لو ان عندی کتبی باھلی ومالی " (150)

ان کی کتابیں حرہ کے روز جل گئی تھیں اور کہتے تھے کاش! میرے اہل عیال کے بدلے میری کتابیں میرے پاس ہوتیں۔واقعہ حرہ ٦٣ھ میں وقوع پذیر ہوا، لہذا اس واقعہ سے پہلے ان کا مرتب شدہ نسخہ ان کتابوں میں موجود ہوگا نیز مذکورہ عبارت میں ''احترقت کتبہ'' اور ''لوان عندی کتبی'' کے الفاظ بھی ان کی کتب متعددہ پر دال ہیں۔

7.2 کتاب المغازی لابان بن عثمان:

پہلی صدی ہجری کے نصف آخر میں ابان بن عثمان بن عفان اموی (م105ھ) کی کتاب المغازی کا سراغ ملتا ہے۔82ھ میں خلیفہ سلیمان بن عبدالملک اپنی ولی عہدی کے زمانہ میں مدینہ منورہ حاضر ہوا۔متبرک مقامات ومشاہد کی زیارات کی۔قبا پہنچ کر اس نے ابان بن عثمان کو کہا کہ اس کے لئے سیرت ومغازی پر ایک کتاب لکھ دے تو ابان نے جواب دیا۔

" قد اخذتھا مصححة ممن اثق به ،فامر بنسخھا والقیٰ فیھا الی عشرة من الکتاب فکتبوھا فی رق " (151)

''میں پہلے ہی معتبر راویوں کے ذریعے ایک صحیح نسخہ جمع کر چکا ہوں۔سلیمان نے اسے نقل کرنے کا حکم دیا اور دس کاتب مقرر کئے۔انہوں نے اس کتاب کو کھال پر نقل کر دیا''۔

ابان بن عثمان کی کتاب المغازی ،خلیفہ عبد الملک بن مروان کے عتاب کی وجہ سے ضائع کردی گئی اور اس کی روایت بھی نہ ہوسکی۔صرف مغیرہ بن عبدالرحمن مخزومی نے جرأت کر کے اس کی روایت کی اور اپنے شاگردوں کو اس کے پڑھنے کی تاکید کی۔(152)

7.3 کتاب المغازی ابن شہاب الزہری:

پہلی صدی ہجری کے تیسرے مصنف سیر و مغازی ابو بکر محمد بن مسلم بن عبید اللہ بن عبد اللہ بن شہاب الزہری المدنی (م ۱۲۴ ھ) ہیں ۔خلیفہ عمر بن عبدالعزیز نے ان کے علوم کو مدون کرنے کے لئے کاتب مقرر کئے ،جنہوں نے دو سال تک ان کے علوم کو کتابی صورت میں جمع کیا۔اسی زمانے میں آپ نے اپنے علوم مغازی کو کتاب کا جامہ عطا کیا ہوگا۔

دائرہ معارف اسلامیہ میں سیرت کے مقالہ نگار نے لکھا ہے،''اس زمانے میں (عمر بن عبدالعزیز کے زمانے میں) زہری نے پہلی کتاب تصنیف کی۔انہوں نے حضرت عمر بن عبدالعزیز کی ہدایت کے مطابق''کتاب المغازی''لکھی اور ۱۲۴ ھ میں وفات پائی۔(153)

علامہ شبلی نعمانی نے بھی امام سہیلی کے حوالے سے مذکورہ موقف کو اختیار کرتے ہوئے اس بات کی صراحت کی ہے کہ خلیفہ عمر بن عبدالعزیز کے زمانے میں مغازی پر مشتمل کتاب لکھی جو اس فن کی پہلی تصنیف تھی۔

" وھی اول سیرۃ الفت فی الاسلام " (154)

خلیفہ عمر بن عبدالعزیز نے عاصم بن عمرو بن قتادہ کو جامع مسجد دمشق میں بیٹھ کر مغازی کی تعلیم دینے کا حکم دیا ہے تو کیا اس فن کے اساطین کو اس کی تدوین کا حکم نہ دیا ہوگا۔

صحیح بخاری میں ایک روایت ان الفاظ میں مذکور ہے۔

" عن موسی بن عقبہ ،عن ابن شہاب قال ھذہ مغازی رسول اللہ ﷺ فذکر الحدیث ... " (155)

ابن حجر نے ''ھذہ'' کا مشار الیہ زہری کی کتاب المغازی کو بنایا ہے۔(156)

امام زہری کی کتاب المغازی کی روایت میں دیگر تلامذہ کی نسبت موسیٰ بن عقبہ ممتاز نظر آتے ہیں یحییٰ بن معین کے قول کے مطابق

" کتاب موسی بن عقبه عن الزهری من اصح الکتب " (157)

''امام زہری سے موسیٰ بن عقبہ کی کتاب المغازی (کی روایت) صحیح ترین کتب (مغازی) سے ہے''۔

امام بخاری علیہ الرحمہ اپنی کتاب المغازی کے باب میں چالیس احادیث سے زائد، امام زہری سے بیان کی ہیں جن میں اکثر ''موسیٰ بن عقبہ عن الزہری'' والی سند سے مذکور ہیں۔(158)

حافظ ابن حجر نے بھی اس بات کی وضاحت کی ہے کہ موسیٰ بن عقبہ کے مغازی امام زہری کی روایات کا مجموعہ ہیں۔

8۔ دوسری صدی ہجری میں سیرت کا ارتقاء

پہلی صدی ہجری کے اختتام اور دوسری صدی ہجری کے آغاز پر تدوین علوم کے سلسلے میں دو نام نمایاں نظر آتے ہیں۔

1۔ عمر بن عبدالعزیز (م ۱۰۱ھ)

2۔ محمد بن مسلم ابن شہاب الزہری (م ۱۲۴ھ)

خلیفہ المسلمین عمر بن عبدالعزیز نے مدینہ کے قاضی ابوبکر بن محمد بن حزم (م ۱۱۷ھ) کو حکم نامہ جاری کیا کہ احادیث لکھ لو۔(159) علوم کو احاطۂ تحریر میں لانے کے لئے ایسے حکم نامے تمام ممالک اسلامیہ میں جاری کئے گئے اور علماء کو اپنے علوم قلم بند کرنے پر مجبور کیا گیا۔ امام زہری سے منقول ہے۔

" کنا نکرہ کتاب العلم حتی اکرھنا علیہ ھؤلاء الامرآء فرأینا الا یمنعہ احد من المسلمین " (160)

"ہم علم لکھنا پسند نہیں کرتے تھے مگر ان امراء نے ہمیں مجبور کر دیا، تو ہم نے فیصلہ کر لیا کہ اب کسی مسلمان کو اس سے محروم نہ رکھا جائے"۔

معمر کی روایت سے امام زہری کے علمی خزانوں کی نشاندہی ہوتی ہے۔

" کنا نرمی انا قد اکثرنا عن الزھری حتی قتل الولید فاذا لدفاتر قد حملت علی الدوآب من خزائنہ ،یقول (معمر) من علم الزھری " (161)

" یہ خیال گزرا کہ ہم نے امام زہری سے بہت علم حاصل کر لیا، جب ولید قتل ہوا تو اس کے خزانے سے ذخیرہ کتب چوپایوں پر لاد کر لایا گیا۔ معمر کے بقول یہ سب زہری کے علم پر مشتمل تھا"۔ امام زہری سے منقول ہے کہ خلیفہ کے حکم کے مطابق علوم کو علیحدہ علیحدہ دفاتر میں لکھا گیا۔ تو انہوں نے یہ دفاتر بلاد اسلامیہ میں ہر جگہ بھجوائے۔(162)

عاصم بن عمر بن قتادہ انصاری (م ۱۲۱ھ) کو حکم دیا گیا، جو اس فن میں کمال رکھتے تھے کہ جامع مسجد دمشق میں بیٹھ کر لوگوں کو مغازی کا درس دیں

. امرہ عمر بن عبد العزیز ان یجلس فی مسجد دمشق فیحدث الناس بالمغازی و مناقب الصحابة ففعل " (163)

شبلی نعمانی لکھتے ہیں "امام زہری کی وجہ سے مغازی و سیرت کا عام مذاق پیدا ہو گیا، انکے حلقۂ درس سے اکثر ایسے لوگ نکلے جو خاص اس فن میں کمال رکھتے تھے ان میں یعقوب بن ابراہیم، محمد بن صالح تمار اور عبد الرحمٰن بن عبد العزیز فن مغازی میں خاص شہرت رکھتے تھے۔ زہری کے تلامذہ میں سے دو شخصوں نے اس فن میں نہایت شہرت حاصل کی اور یہی دو شخص ہیں جن پر اس سلسلہ کا فن ختم ہوتا ہے، موسیٰ بن عقبہ اور محمد بن اسحاق۔(164)

ابن شہاب کی "کتاب المغازی" کا اکثر و بیشتر حصہ ان کے تلامذہ مثلاً موسیٰ بن عقبہ، محمد بن اسحاق اور معمر بن راشد نے بالخصوص اپنی کتب میں لے لیا ہے۔ معمر بن راشد کی روایات مصنف عبد الرزاق کی "کتاب المغازی" میں اس کثرت

سے ہیں گویا وہ ابن شہاب کی ''کتاب المغازی'' ہے۔(165)

امام زہری کے شاگردوں نے ہی ''سنن اور سیرت'' کو دو فنون کے طور پر نمایاں کیا ہے۔ایک طرف امام مالک اور سفیان بن عیینہ جیسے آئمہ حدیث ان کے شاگرد تھے جنہوں نے علم حدیث کی بنیاد کو مستحکم کیا اور دوسری طرف امام السیر والاخبار محمد بن اسحاق بن یسار اور موسی بن عقبہ جیسے آئمہ فن، جن کی بدولت علم سیرت ایک مستقل فن کے طور پر نمایاں ہوا۔اور سیرت کی طرف لوگوں کو عام رغبت پیدا ہوئی۔(166)

یہی وہ دور ہے جب تصنیف وتالیف کا عام آغاز ہوتا ہے۔دیکھتے ہی دیکھتے تالیفات اس قدر منظر عام پہ آتی ہیں کہ ایک ایک فرد کئی کئی کتابوں کی تصنیف کی خدمت انجام دیتا نظر آتا ہے۔(167) عبداللہ بن وہب قریشی مصری (م ۱۹۷ھ) نے دس کتابیں تصنیف کیں۔ ولید بن مسلم دمشقی (م ۱۹۵ھ) نے ستر کتابیں تصنیف کیں(168) وارثان علم نے روایات کو مضامین کے لحاظ سے مرتب کیا۔عقائد وعبادات اور فقہی احکام سے تعلق رکھنے والی روایات سے کتب حدیث مدون ہوئیں اور نبی اکرم ﷺ کے غزوات اور حالات زندگی سے متعلق روایات سے کتب سیرت مرتب ہوئیں۔غزوات کو تاریخی لحاظ سے خاص اہمیت حاصل ہے۔اس لئے ابتدا میں سیرت کے لئے مغازی کا لفظ استعمال ہونے لگا۔

8.1 امتیازی القابات وخطابات:

اسی دور میں تدوین احادیث کے ساتھ ساتھ جب ان کی ترتیب وتبویب کا کام شروع ہوا اور مسائل کے استنباط واستخراج کی ضرورت پیش آتی تو آئمہ وعلماء نے مختلف انداز میں کام کا آغاز کیا۔روائت ودرائت کے اصولوں پر احادیث کو جمع کرنیوالے محدثین کے نام سے موسوم ہوئے۔احادیث سے استنباط واستخراج کرنیوالے فقیہ کے نام سے یاد کئے جانے لگے اور سیرت رسول اور آپ کے غزوات وسرایا کو جمع کرنے والے اخباری، مؤرخ اور اصحاب السیر والمغازی کے القابات سے پکارے جانے لگے۔(169) نسابین اور مفسرین کے طبقے بھی اسی دور میں پیدا ہوئے۔

8.2 دوسری صدی ہجری کے اہم سیرت نگار:

1۔ ابو محمد موسی بن عقبہ بن ابو عیاش مدی اسدی (م ۱۴۱ھ) زبیر بن عوام کے خاندان کے موالی تھے۔ان کا شمار مغازی کے ماہر علماء میں ہوتا ہے۔مالک بن انس کا قول ہے۔

" علیکم بمغازی موسی بن عقبہ فانہ ثقہ ... " (170)

''تم موسی بن عقبہ کی مغازی سیکھو، وہ ثقہ ہیں''۔

امام ذہبی کے الفاظ ہیں۔

" صاحب المغازی ،ثقہ حجۃ ،من صغار التابعین " (171)

''آپ صغار تابعین میں سے مغازی کے مصنف ثقہ حجت ہیں''۔

موسیٰ بن عقبہ کی مغازی عرصہ دراز سے مفقود ہے، مگر متاخرین نے اپنی کتب میں متفرق طور پر اسے محفوظ کیا ہے۔(172)

2۔ ابوبکر محمد بن اسحاق بن یسار بن خیار بن کوتان مطلبی (م ۱۵۱ھ) یہ وہ خوش نصیب ہیں جنکی کتاب اقتباسات کی شکل میں نہیں بلکہ ایک ضخیم کتاب کی صورت ملتی ہے۔اسے بہت شہرت نصیب ہوئی۔اسی کتاب کو ابن ہشام نے تہذیب وتنقیح اور اضافے کے ساتھ مرتب کیا۔اصل کتاب مفقود ہے مگر اس کی یادگار ''سیرت ابن ہشام'' کی شکل میں موجود ہے۔حاجی خیلفہ نے اس کے لئے ''جمعھا محمد بن اسحاق اولا'' (173) کے الفاظ استعمال کئے ہیں ۔شاید اس لئے کہ اس کا وجود کسی نہ کسی صورت میں موجود ہے۔

3۔ ابوعبداللہ وہب بن منبہ بن کامل صنعانی (م ۱۱۰/۱۱۴ھ) جو متعدد کتب کے مصنف ہیں۔حاجی خلیفہ نے ان کی کتاب ''فتوح اور مغازی'' کا ذکر کیا ہے''مغازی رسول اللہ ﷺ (...) جمعھا ایضا وہب بن منبہ''(174) سی ایچ بیکر (C.H.Becker) نے شوٹ رائن ہارڈ کے ذخیرہ اوراق بردی میں (جواب ہائیڈل برگ میں محفوظ ہے) ایک مجموعہ دریافت کیا ہے، جس سے متعلق دعوی کیا گیا ہے کہ یہ اسی کتاب المغازی کا حصہ ہے۔(175)

4۔ ابوعبداللہ محمد بن عمر بن واقد اسلمی واقدی (م ۲۰۷ھ) مدینہ میں ۱۳۰ھ میں پیدا ہوئے اور پچاس سال تک یہاں رہ کر حدیث وروایت کی خدمت انجام دیتے رہے۔آپ حدیث، فقہ، تفسیر، سیرت، مغازی، تاریخ، فتوح، اخبار اور رجال وطبقات کے علوم کے جامع تھے۔(176) بغداد جانے سے پہلے مسجد نبوی میں سیر و مغازی کا درس دیتے تھے ۱۸۰ھ میں بغداد جانا پڑا وہاں ۲۰۷ھ میں ان کا انتقال ہوا۔

صلاح الدین المنجد نے اپنی ''معجم ماالف عن رسول اللہ ﷺ'' میں جن اصحاب المغازی والسیر کا تذکرہ کیا ہے ان میں چند مندرجہ ذیل ہیں۔

شمار	نام مصنف/مؤلف	وفات	نام کتاب	صفحہ
	عاصم بن عمر بن قتادہ	120ھ	السیر والمغازی	113
	یزید بن رومان	120ھ	المغازی	135
	محمد بن عبدالرحمٰن بن نوفل	131ھ	المغازی	135
	سلیمان بن طرخان التیمی	143ھ	المغازی	136
	جعفر الصادق	148ھ	اسئلۃ النبی التی سأل ربہ بھالیلۃ المعراج (روی عنہ)	79
	معمر بن راشد	153/152	المغازی	136
	نجیح بن عبد الرحمن الندی 170ھ		المغازی	136
	عبدالملک بن محمد بن ابی بکر بن حزم مدنی	172ھ	لمغازی	136
	معمر بن سلیمان بن طرخان	178ھ	المغازی	136
1	براہیم بن محمد الفرازی	188ھ	السیر فی الاخبار والاحداث	113
1	یحییٰ بن سعید بن ابان اموی	193ھ	المغازی	136
1	ولید بن مسلم دمشقی	195ھ	المغازی	136
1	ابی فید مؤرج بن عمر السدوسی	195ھ	حذف من نسب قریش	47
1	محمد بن الحسن		اخبار المدینہ	93
1	الکلبی، ہشام بن محمد	204ھ	نسب قریش	48
1	ابن الکلبی، ہشام بن محمد	206ھ	کنیٰ آباء الرسول ﷺ	50
1	الجلبی، ابان بن عثمان		لمبدأ والمبعث والمغازی والوفاۃ والسقیفۃ	124

مذکورہ بالا فہرست سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ دوسری صدی ہجری میں کس سرعت کے ساتھ فن سیرت اپنے ارتقائی منازل طے کر رہا تھا۔

8.3 تیسری صدی ہجری میں سیرت کا ارتقاء:

تیسری صدی ہجری کا دور اپنے سابقہ ادوار کی نسبت سیرت کی تدوین کے سلسلے میں بہت زیادہ مبارک و مسعود ثابت ہوا اس صدی میں عظیم حفاظ حدیث اور آئمہ روائت دنیا میں جلوہ گر ہوئے۔ جن کی بدولت علوم کو حیات جاودانی نصیب ہوئی۔ اس مبارک عہد میں کتب صحاح کو وجود ملا۔ اسی دور میں آئمۂ جرح نے فن جرح وتعدیل کی طرح ڈالی اور اسانید ورجال کو نقد کی کسوٹی پر لا کر رواۃ کے مدارج قائم کیئے۔ اس عہد کے آئمۂ وعلماء نے نقل درنقل والی روش سے ہٹ کر ان احادیث وروایات پر اعتماد کیا۔ جن کا سماع انہوں نے اپنے اساتذہ وشیوخ سے کیا اور پھر ان میں بھی روایات صحیحہ میں امتیاز وفرق کیا۔(177)

تیسری صدی ہجری کا زمانہ علم وفن کے مدون ہونے کے لحاظ سے شباب کا زمانہ ہے۔ اس صدی کے اختتام تک آئمہ فن نے جس موضوع پر جو کچھ لکھا دیا وہی بعد والوں کے لئے سرمایۂ تحقیق ٹھہرا۔ البتہ اس دور کے بعد تہذیب وتنقیح اور تحقیق کے نئے نئے زاویے پیدا ہوئے۔ اجمال کی تفصیل کی گئی۔ مگر اس کا محور تیسری صدی تک کی تصانیف رہیں۔ یہی حال فن سیر ومغازی کا ہے۔ تصنیفی لحاظ سے یہ فن اس زمانے تک مکمل ہو گیا۔ اس دور تک کتب سیر ومغازی کے مصادر وماخذ پہلی اور دوسری صدی ہجری کی کتابیں تھیں۔(178) یہ وہ کتابیں تھیں جن میں ہزاروں صحابہ کرام اور سینکڑوں تابعین اور تبع تابعین کے علوم جمع ہو چکے تھے۔ بعد والے علماء نے اپنے ذوق ووجدان کے مطابق ان علوم وفنون کو ترتیب دیا اور کتابیں لکھیں۔

8.4 تیسری صدی ہجری کے اہم سیرت نگار:

1۔ ابو محمد عبد الملک بن ہشام بن ایوب حمیری (م ۲۱۸ھ) تاریخ، سیر ومغازی، انساب، ادب اور نحو کے معروف عالم، جنہوں نے محمد بن اسحاق ان کے شاگرد زیاد بن عبداللہ بکائی کی روائت کردہ کتاب المغازی کو تہذیب وتنقیح اور اضافے کے ساتھ پیش کیا۔ ذہبی لکھتے ہیں۔

" ابو محمد عبد الملک بن هشام البصری النحوی صاحب المغازی الذی هذب السیرة و نقلها عن البکائی صاحب ابن اسحاق " (179)

2۔ ابوعبداللہ محمد بن سعد بن منیع ہاشمی بصری (م ۲۳۰ھ) ''الطبقات الکبریٰ'' کے مصنف اس کی دو کی جلدیں نبی پاک ﷺ کے حالات پر مشتمل ہیں۔ بقیہ جلدوں میں صحابہ وتابعین کے احوال درج ہیں۔ خطیب بغدادی لکھتے ہیں۔

'' کان من اهل العلم والفضل والفهم والعدالة صنف کتابا کبیراً فی طبقات الصحابه والتابعین الی وقته فا جاد فیه واحسن '' (180)

3۔ امام احمد بن حنبل (م ۲۴۱ھ) زہدو اتقاء اورفہم وذکاوت میں بے مثال تھے۔ آپ کی عظیم الشان تصنیف ''المسند'' کے علاوہ، صلاح الدین المنجد نے اپنی معجم کے صفحہ (35) پران کی ایک تصنیف ''طاعۃ الرسول'' کا ذکر کیا ہے۔(181)

4۔ ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ الترمذی (م ۲۷۹ھ) کی ''السنن'' کے علاوہ ''شمائل الترمذی'' بہت معروف ہے۔

9۔ سیرتِ نبویؐ کے مطالعہ کی اہمیت وافادیت

9.1 مطالعہ سیرت کی دینی ومذہبی اہمیت:

اللہ تعالیٰ نے انسان پر بے شمار احسانات کیے ہیں۔ اَن گنت انعامات سے اسے نوازا ہے۔ مگر اللہ تعالیٰ نے ان نعمتوں کا اپنے بندے پر احسان نہیں رکھا، اگر اس نے اپنے بندوں پر اپنی کسی نعمت کو جتلایا ہے تو وہ یہی نبی آخر الزماں کی بعثت ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

﴿ لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلاً مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْ عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَ يُزَكِّيْهِمْ وَ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَ اِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴾(182)

اللہ نے مومنوں پر بڑا احسان فرمایا جب انہی میں سے ان کے درمیان ایک رسول مبعوث فرمایا۔ جو اس کی آیات انہیں سناتا ہے۔ ان کی زندگیوں کو سنوارتا ہے اور ان کو کتاب اور دانائی کی تعلیم دیتا ہے۔ حالانکہ اس سے پہلے وہ کھلی گمراہی میں مبتلا تھے۔

یہی وجہ ہے کہ اللہ نے آپ پر ایمان لانے کو لازمہ ایمان، آپ کی اطاعت کو اپنی اطاعت اور آپ کی اتباع کی شرطِ نجات قرار دیا ہے۔

ایک مقام پر ارشاد ہوتا ہے۔

﴿ قُلْ اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ یُحْبِبْکُمُ اللّٰهُ وَ یَغْفِرْ لَکُمْ ذُنُوْبَکُمْ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴾ (183).

اے پیغمبر ﷺ آپ فرما دیں "اے لوگو! اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو پھر میری اتباع کرو۔ اللہ تم سے محبت فرمائے گا اور تمہاری خطاؤں سے درگزر فرمائے گا وہ بڑا معاف کرنے والا اور رحیم ہے"

یعنی اتباع نبوی ہی حبِ خداوندی کے حصول کی ضامن ہے جو شخص آپ کی اتباع نہ کرے وہ کبھی خدا کا محبوب نہیں بن سکتا نہ اس کے گناہ معاف ہو سکتے ہیں۔ قرآن و سنت میں نبی کریم ﷺ کی بعثت کو انسانیت کے لئے عظیم نعمت اور اہل ایمان کے لئے آپ کی اتباع کو شرط ایمان قرار دیا گیا ہے ارشاد ہوتا ہے۔

﴿ مَنْ یُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ ﴾ (184).

"کہ جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے درحقیقت اللہ ہی کی اطاعت کی"

رسول کی اطاعت نہ کرنا دراصل اپنے اعمال کو ضائع کرنے کے مترادف ہے۔ سورہ محمد میں ارشاد ربانی ہے:

﴿یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَلَا تُبْطِلُوْٓا اَعْمَالَکُمْ﴾ (185).

"اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو۔ اور رسول کی اطاعت نہ کر کے اپنے اعمال ضائع نہ کر بیٹھو"۔

اس سے معلوم ہوا کہ نیک اعمال اس وقت شرفِ قبولیت حاصل کر سکتے ہیں جب تک آپ کی اطاعت کی جائے بلکہ کوئی عمل عمل صالح ہی تب کہلا سکتا ہے جب وہ سنت کے مطابق ہو۔ جب کوئی عمل آپ کے طریقہ مبارک سے ہٹ کر کیا جائے گا تو وہ باطل اور مردود ٹھہرے گا۔

ایک اور مقام پر ارشاد ہے:

﴿مَا اٰتَا كُمُ الرَّ سُوْلُ فَخُذُ وْ هُ وَ مَا نَهَا كُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا وَ اتَّقُوْا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ﴾ (186).

''رسول جو کچھ تمہیں دیں اسے لے لو اور جس سے منع کرے اس سے باز آ جاؤ اور اللہ سے ڈرتے رہو۔ بے شک اللہ سخت عذاب دینے والا ہے''

اسی طرح حدیث میں بھی اتباع سنت پر بہت زور دیا گیا ہے۔

﴿مَنْ اَطَاعَ مُحَمَّداً فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ وَمَنْ عَصٰى مُحَمَّداً فَقَدْ عَصَى اللّٰهَ﴾ (187).

''کہ جس نے میری اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی اور جن نے میری نافرمانی کی اس نے دراصل اللہ کی نافرمانی کی''۔

9.2 مطالعہ سیرت کی تشریحی اہمیت:

ہر دور اور زمانے میں اللہ تعالی نے انسان کی ہدایت کے لئے پیغمبر و رسل بھیجے اور ان کو الہامی کتب عطا فرمائیں۔ چنانچہ یہ پیغمبر اور یہ الہامی کتب دونوں مل کر انسان کی ہدایت کا ذریعہ بنتے رہے۔ اگر کسی قوم نے کتاب کو نظر انداز کر کے صرف اپنے رسول کی ذات سے وابستگی اختیار کی (مثلاً نصارٰ) تو وہ رسول کا درجہ اس حد تک بڑھا گئے کہ اس کو پہلے ابن اللہ اور پھر خود خدا بنا ڈالا اور اگر کسی نے اپنے پیغمبر کی ذات کو نظر انداز کر کے صرف کتابوں کو اختیار کیا۔ مثلاً ہندو، تو وہ کتابوں کے لفظی گورکھ دھندوں میں ہی اُلجھ کر رہ گئے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ آخر کار وہ کتابیں بھی گم کر بیٹھے۔ اس سے ثابت ہوا کہ اللہ کی کتاب اور نبی کی سیرت حصولِ ہدایت کے لئے لازم وملزوم ہیں۔ کتاب میں تو اللہ کی تعلیمات ہوتی ہیں اور انبیا کرام کی بعثت کا مقصد ان تعلیمات کا ٹھیک ٹھیک مفہوم بیان کرنا، انسانی افراد کا تزکیہ کرنا اور انسانی زندگی کے بگاڑ کر دور کر کے اس کی صالح انداز میں تعمیر کرنا ہوتا ہے۔

لہٰذا ہمیں ہدایت اسی طرح مل سکتی ہے کہ قرآن پاک کو سیرتِ نبوی کے ذریعہ اور سیرتِ نبوی کو قرآن پاک کی مدد سے سمجھا جائے جس نے دونوں کو ایک دوسرے کی مدد سے سمجھ لیا گویا اس نے اسلام کو سمجھ لیا۔ روحِ دین کو سمجھ لیا اور ہدایت کو پالیا۔

قرآن مجید میں جو احکام آئے ہیں ان کی تفصیلات اور عملی جزئیات سیرت نبوی نے ہی فراہم کی ہیں۔ مثلاً:

قرآن مجید مین نماز کا حکم دیا گیا ہے مگر نماز کیسے ادا کی جائے یہ طریقہ رسول اللہ ﷺ نے ہی بتلایا ہے۔

آپ ﷺ نے فرمایا

صَلُّوْا کَمَا رَاَیْتُمُوْنِی اُصَلِّی (188)۔ یعنی جس طرح تم مجھے نماز پڑھتا دیکھتے ہو اسی طرح پڑھا کرو۔

اسی طرح حج کی فرضیت کا حکم آ گیا مگر اس کے صحیح طریقے کسی کو معلوم نہ تھے

آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

خذوا عنی مناسککم. (189) یعنی مجھ سے حج کے مناسک سیکھ لو۔

الغرض دین اسلام کی عملی صورت آپ ﷺ کی سیرت ہے۔ اس لیے ہر دور میں ضروری ہے کہ قرآن کے ساتھ سیرت الرسول اللہ ﷺ کی معرفت حاصل کی جائے تاکہ عملی زندگی میں احکام وتعلیمات الہیہ کی اطاعت ممکن ہو سکے اور اسلام کا عملی نمونہ بھی دنیا کے سامنے آ سکے۔

9.3 مطالعہ سیرت کی اخلاقی اہمیت:

سیرت طیبہ ﷺ کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ کی ذات والا صفات اخلاق کے اعلیٰ درجہ پر فائز تھی۔ اور آپ ﷺ کی سیرت واخلاق کی ایک اور امتیازی شان عملیت بھی ہے۔ یعنی سب سے پہلے خود عمل کر کے دکھایا اور بعد میں اس کے کرنے کا حکم دیا۔ اور آپ ﷺ کی سیرت اور اخلاق کی گواہی خود خالق کائنات نے یوں دی:

﴿وَاِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ﴾ (190)

اور آپ ﷺ جس مقصد کے لئے بھیجے گئے اور جو بات آپ ﷺ کے مقاصد نبوت میں شامل تھی وہ اخلاق عالیہ کی تکمیل واتمام ہے۔ آپ ﷺ نے خود ارشاد فرمایا:

انما بعثت لاتمم مکارم الاخلاق (191)

بے شک مجھے اخلاق کی تکمیل کے لئے معبوث کیا گیا۔

بعثت نبوی ﷺ سے قبل کی زندگی بھی آپ ﷺ کے اخلاق حسنہ کی مثال تھی۔اہل مکہ آپ ﷺ کے اخلاق و کردار کی گواہی دیتے تھے۔مثلاً بناء کعبہ کے وقت جب ''حجر اسود'' کو مخصوص جگہ رکھنے کا مسئلہ درپیش ہوا اور قریش لڑائی جھگڑا تک پہنچ گئے اور آخر فیصلہ ہوا کہ مسجد حرام کے دروازے سے جو شخص پہلے داخل ہو اسے اپنے جھگڑے کا حکم مان لیں۔لوگوں نے یہ تجویز منظور کر لی۔اللہ کی مشیت کہ اس کے بعد سب سے پہلے رسول اللہ ﷺ تشریف لائے۔لوگوں نے آپ ﷺ کو دیکھا تو چیخ پڑے کہ:

(هذا الامين رضيناه هذا محمد صلى الله عليه وسلم(192)

هذا الامين قد رضينا بما قضى بيننا (193)

هذا الامين قد رضينا به (194)

هذا الامين رضينا هذا محمد (195)

هذا الامين قد رضينا به فحكموه(196)

یعنی سب سے پہلے انہوں نے اس اخلاقی صفت کا ذکر کیا۔جس کی وجہ سے آپ ﷺ ان کے نزدیک مشہور و معروف تھے۔اس کے بعد آپ ﷺ کے اسم مبارک کا ذکر کیا اور اس کے بعد اس مسئلے کے جھگڑے کا جس کے بارے میں آپ ﷺ فیصلہ کریں گے۔یہی نہیں بلکہ آپ ﷺ کی دعوت کے سب سے بڑے مخالف اور آپ ﷺ کے جانی دشمن بھی آپ ﷺ کے اخلاق و کردار کی خوبیاں بیان کرتے ہیں۔مثلاً ابوجہل،عتبہ،ابوسفیان،نضر بن حارث، نے آپ ﷺ کی صداقت، امانت اور شرافت کی گواہی دی۔ابوجہل نے یوں کہا:

والله ان محمدا لصادق وما كذب محمد قط (197)

اللہ قسم محمد ﷺ سچے ہیں انہوں نے کبھی جھوٹ نہیں بولا۔

نضر بن حارث نے کہا:

قد كان محمد فيكم غلاما ارضاكم فيكم واصدقكم حديثاً، واعظكم امانة (198)

دعوت عام کے موقع پر آپ ﷺ نے لوگوں کو بلایا، اور جب تمام قبائل کے لوگ اکٹھے ہو گئے تو اس وقت آپ ﷺ نے دعوت دین پیش کی۔ اس موقع پر آپ ﷺ نے کوئی معجزہ نہیں دکھایا بلکہ اپنے اخلاق اور اپنی ذات کو ہی بطور معجزہ پیش کیا۔ صحیح بخاری میں ہے آپ ﷺ نے فرمایا:

(أرأيتكم لو اخبرتكم ان خيلاً تخرج من صفح هذا الجبل اكنتم مصدق قالوا ما جربنا عليك كذبا) (199)

''لوگو! اگر میں تمہیں بتاؤں کہ اس پہاڑ کی دوسری طرف ایک بھاری لشکر ہے جو تم پر ٹوٹ پڑنا چاہتا ہے تو تم میری بات کو سچ مانو گے؟ سب نے کہا ہاں کیونکہ ہمارے تجربہ میں ہے کہ آپ ﷺ کبھی بھی جھوٹ بولنے والے نہیں رہے۔''

ایسے اخلاقی کمال سے متصف ذات کی پیروی میں انسانیت کی فلاح ہے۔ اس لیے آپ ﷺ کے اخلاقی صفات و تعلیمات کا مطالعہ ضروری ہے۔

9.4 مطالعہ سیرت کی علمی اہمیت:

اسلام میں علم کی اہمیت مسلّم ہے۔ تاریخ انسانیت میں یہ منفرد تمام اسلام کو ہی حاصل ہے کہ وہ سراپا علم بن کر آیا اور تعلیمی دنیا میں ایک ہمہ گیر انقلاب کا پیامبر ثابت ہوا۔ اسلامی نقطہ نظر سے انسانیت نے اپنے سفر کا آغاز تاریکی اور جہالت سے نہیں کیا بلکہ علم اور روشنی سے کیا۔ تخلیقِ آدمؑ کے بعد خالقِ کائنات نے انسانِ اوّل کو سب سے پہلے چیز سے سرفراز فرمایا وہ علمِ اشیاء تھا۔ یہ اشیاء کا علم ہی تھا جو انسان کو باقی مخلوق سے ممتاز کرتا ہے۔ اور جو قرآنِ حکیم کے فرمان کے مطابق تمام دوسری مخلوق پر اس کی برتری قائم کرتا ہے۔ علم قیادت کا ایک خاصہ اور ان اہم ترین عوامل میں سے ہے۔ جو کسی تہذیب کے صحت مند ارتقاء اور نشو ونما کیلئے ضروری ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جہاں دُنیا کے دوسرے نظاموں نے تعلیم کو زیادہ سے زیادہ اہمیت دی اور بہت سی ضرورتوں میں سے ایک ضرورت سمجھا وہاں اسلام نے اسے اوّلین ضرورت قرار دیا۔

قرآن پاک اور سنت نبویؐ میں علم کی فضیلت واہمیت کا ذکر بکثرت ملتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تمام انبیاء اکرامؑ کو معلمین بنا کر بھیجا۔ انسانی فضیلت وعظمت کا معیار علم ہی میں ہے۔ انسان اور کائنات کی تخلیق کا مقصد عبادتِ خداوندی اور معرفتِ الٰہی ہے۔ تخلیقِ کائنات پر غور وخوض اور سوچ و بچار کرنا حقیقت کی جستجو، تجسس کے فطری جذبے کا استعمال، ذہنی اور عقلی

صلاحیتوں سے بھرپور استفادہ، معرفت الٰہی کے مختلف ذرائع ہیں۔ اور علم الٰہی ذرائع سے عبارت ہے۔ یا یوں کہہ کہ معرفتِ الٰہی جیسی اعلیٰ وارفع منزل تک رسائی پانے کے لیے "ایک سیڑھی" ہے۔ جب کہ دیگر ذرائع اس کے زینے ہیں۔

اسلام انسان کے تمام چھوٹے بڑے مسائل کو زیر بحث لاتا ہے۔ وہ انسان کی صحیح راہنمائی کرتا ہے۔ اس کی زندگی کے سارے روشن اور مخفی زاویوں کو اپنی نورایت سے منور کرتا ہے۔ فرد کے شخصی اور انفرادی معاملات سے لے کر اجتماعی اور بین الاقوامی مسائل تک کو زیر بحث لاتا ہے۔ اور ان میں بروقت اور مناسب ہدایت دیتا ہے۔ اسلام نے علم کی اہمیت اور اس کی قدر و قیمت پر مکمل طور روشنی ڈالی ہے۔ اس نے تعلیم کو انسان کی بہت سی ضرورتوں میں سے ایک ضرورت ہی نہیں بلکہ تمام انسانوں کی اوّلین اور بنیادی ضرورت قرار دیا ہے۔ اسلام کے علاوہ دُنیا کا کوئی مذہب اور نظریہ نہیں جس نے علم کو تمام انسانوں کی ایک ضرورت قرار دیا ہو۔ حتیٰ کہ یونان اور چین بھی جو اپنی علمی ترقیات کیوجہ سے غیر معمولی شہرت کے حامل ہیں اس کے قائل تھے۔ یہ اسلام ہی ہے جس نے عام اور ہر شخص کیلئے تعلیم کا تصور پیش کیا اور دینی تعلیم کے ساتھ دنیوی تعلیم کی بھی اجازت دی۔ دوسرے مذاہب میں تو صرف ایک مخصوص مذہبی تعلیم ہی جائز تھی۔ اور وہ بھی صرف ایک محدود مذہبی طبقہ تک محدود تھی۔ ہندو دھرم کی تعلیمات کی رو سے شودروں کا ویدوں، کا اشوک سننا بھی ناجائز تھا اور ان کیلئے سزا یہ تھی کہ ان کانوں میں گرم سیسہ ڈالا جاتا تھا۔ عیسائی مذہب میں فکری آزادی پر اتنی پابندی تھی کہ ان آدمیوں کو سخت سزائیں دی جاتی تھی۔ جو کوئی نیا علمی نظریہ پیش کرتے تھے۔ عیسائی علماء اتنے تنگ نظر تھے کہ کسی بھی نئی بات کو برداشت نہیں کر سکتے تھے۔ ان کی کوتاہی نظری کی وجہ سے بہت سے مفکر بے دین اور بہت سے حکماء جادوگر قرار دیئے گئے۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ان کے ہاں ذہنی ارتقاء بالکل رُک گیا۔

مگر قرآن مجید میں علم کی اہمیت پر بہت زور دیا گیا ہے۔ اور یہ حقیقت ہے کہ بغیر علم کے نہ تو دین سمجھا جا سکتا ہے اور نہ ہی دُنیاوی معاملات وامور کو بخوبی سرانجام دیا جا سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے کلام مبین میں جا بجا علم کی فضیلت بیان کی ہے۔ اور حصول علم کی بھی تاکید فرمائی ہے۔ اسلام میں علم اور دین اس طرح سے وابستہ ہیں کہ ان کو ایک دوسرے سے جدا نہیں کیا جا سکتا۔ جب قرآن مجید نازل ہونا شروع ہوا تو سب سے پہلے وحی یہ آئی کہ "پڑھ اپنے پروردگار کے نام سے جس نے تجھے پیدا کیا" اور پھر ایکدوسرے مقام پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے فرمایا گیا "اور آپ کو وہ باتیں سکھائیں جسکو تم نہ

جانتے تھے' اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی یہ کہا گیا کہ وہ بھی یہ دعا کرتے رہے کہ "اے اللہ میرے علم میں اضافہ فرما"

بعثت نبوی سے قبل پوری انسانیت جہالت و تاریکی میں ڈوبی ہوئی تھی۔ آپ ﷺ نے ہی انسانیت کو علم وروشنی کا پیغام پہونچایا۔ معلم انسانیت ﷺ کی تعلیم وتربیت کا نتیجہ ہے کہ انتہائی قلیل وقت میں آپ کے اصحاب پوری انسانیت کے لیے ہادی و معلم اور راہنما بنے۔

9.5 مطالعہ سیرت کی بین الاقوامی اہمیت:

اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد ﷺ کو پوری دنیا کے لئے رحمتہ اللعالمین بنا کر بھیجا۔ اپنا آخری کلام قرآن پاک آپ پر نازل فرمایا۔ چونکہ آپ آخری پیغمبر تھے اور تمام اقوام عالم کی طرف مبعوث فرمائے گئے تھے لہٰذا آپ کی لائی ہوئی تعلیم بھی ابدی اور دائمی تھی۔ اس لئے آپ کی ذات بابرکات کو علم اور عمل دونوں کا مجموعہ کمال بنا دیا گیا۔ ارشاد ہوتا ہے۔

﴿لقد کانَ لکُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللہ اُسْوَۃٌ حَسَنَۃٌ لِّمَنْ کَانَ یَرْجُوا اللہ والْیَوْمَ الْاٰخر﴾(200)

یعنی تمہیں سے ہر ایک کے لئے جو اللہ پر اور روزِ آخرت پر یقین رکھتا ہے، رسول اللہ کی زندگی میں بہترین نمونہ ہے۔

انسان کی یہ عادت ہے کہ وہ اپنے سامنے کوئی نہ کوئی ماڈل رکھتا ہے۔ تاکہ اپنے کام کو بہترین انداز میں پایہ تکمیل تک پہنچا سکے۔ پیغمبر آخرالزمان ﷺ کی زندگی ہمارے لئے ماڈل اور نمونہ ہے وہ بہترین معیاری اور مثالی زندگی جس کی اتباع اگر تم کروگے تو دنیاوی زندگی بھی بہت اچھی گزار سکو گے اور اُخروی زندگی میں کامیاب وکامران رہو گے۔

آنحضور ﷺ کی کی حیات طیبہ ساری انسانیت کے لئے تاقیامت اسوۂ حسنہ ہے۔ کیونکہ آپ کی زندگی کھلی کتاب کی طرح ہمارے سامنے روشن اور مکمل ہے۔ آپ تمام طبقات انسانی کے لئے مبعوث کئے گئے ہیں۔ آپ کے بعد کوئی اور پیغمبر آنے والا نہیں۔ لہٰذا آپ کا نمونہ زندگی تاقیامت دائمی اسوہ ہے۔ آپ کے عہد مبارک سے لے کر تاقیامت ہر طالب حق کو ہدایت وراہنمائی اسی اسوۂ نبوی سے ہی حاصل ہوسکتی ہے۔

oooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooo

9.6 مطالعہ سیرت کی اہمیت، دین اسلام کے آسان ہونے کے حوالے سے:

آپ ﷺ جو دین لے کر آئے وہ دین حنیف ہے۔ یہ دین نہایت آسان ہے، اس کی تعلیمات میں یسر کا پہلو غالب ہے:

ڈاکٹر محمد حمید اللہ لکھتے ہیں ''مذہب سابق میں ایک گورکھ دھندہ بن کر عبادت گاہوں کے افسروں پجاریوں کی اجارہ داری بن گیا تھا۔ پیغمبر اسلامؐ نے فرمایا کہ نہیں ''الدین یسر'' (دین آسانی کا نام ہے) وہ ہر ایک فرد انسانی کا معاملہ ہے اور ایک بنیادی مذہب، ایک خلاصہ اور نچوڑ پیش کیا کہ انسان مہد یا کم از کم سن رُشد سے لحد تک اپنے آپ اس کا ذمہ دار ہے اور مذہب اسلام میں ہے کہ!

﴿اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَ عَمِلَ صَالِحاً﴾(201)

(اللہ اور یوم آخرت پر ایمان لائے اور عمل صالح کرتا رہے) اور

﴿ لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا﴾(202)

(ہر شخص پر اس کی استطاعت کے مطابق ہی ذمہ داری ہے)

یہ سب ایک طرح سے دنیوی پہلو تھا۔ اسلام کی خصوصیت یہ رہی ہے کہ وہ دنیا و دین دونوں کی بہ یک وقت بھلائی چاہتا ہے۔ روحانی ترقی اور تزکیہ نفس کے لئے توحید سے بڑھ کر کوئی وسیلہ تصور میں نہیں آتا۔ اگر کوئی شخص خدا کو مان لے اور خیر و شر میں اسکے سوا کسی اور کی قدرت نہ سمجھے اور حشر و حساب کو مان لے تو پھر اس دنیا میں گناہ کا سرزد ہونا محال نہیں تو مشکل ضرور ہو جاتا ہے۔ ہر شخص کے ایمان کی پختگی اس کے اعمال میں ہوتی رہتی ہے۔ نماز، روزہ، حج، زکوۃ اور جہاد فی سبیل اللہ ایسے احکام ہیں جن سے انسان فرشتوں سے بھی سبقت لے جاتا ہے۔ جس میں عدل حکمی کی صلاحیت ہی نہ ہو (مثلاً فرشتہ) اور وہ کسی کل اور آلے کی طرح بے اختیار حرکت کرتا چلا جائے تو نہ وہ ثواب کا مستحق اور نہ عذاب کا مستوجب۔ جس میں خیر و شر کی بہ یک وقت قدرت ہو اور وہ اپنی قوت ارادی و اختیار سے کام لے کر صرف خیر پر عمل کرے تو یقیناً اشرف المخلوقات کہلانے کا اسی کو حق ہو سکتا ہے۔ یہی چیزیں نتیجہ ہیں سیرت پاک کے مطالعے کا۔ اور یہی چیزیں ہیں جو سیرتِ پاک کے مطالعے کی دعوت دیتی ہیں،،(203)

خود آزمائی:

1۔ سیرت کا لغوی واصطلاحی مفہوم بیان کریں؟
2۔ مغازی وسیر میں کیا فرق ہے واضح کیجئے؟
3۔ سیرت نبوی ﷺ کی اہمیت بیان کریں؟
4۔ ماخذ سیرت پر روشنی ڈالیں؟
5۔ مطالعہ سیرت کی ضرورت واہمیت بیان کریں؟

لازمی کتب برائے مطالعہ:

1۔ قاضی اطہر مبارک پوری۔تدوین سیر ومغازی
2۔ علامہ شبلی نعمانی،سیرت النبی ﷺ،مقدمہ
3۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ،رسول اکرم ﷺ کی سیاسی زندگی

ماخذ ومصادر

1۔ الواسطی (محمد مرتضیٰ الحسینی) تاج العروس:٦/٥٥٩

2۔ السبا:١٨

3۔ الطور:١٠

4۔ القصص:٢٩

5۔ یوسف:١٠٩

6۔ العمران:١٣٧

7۔ ابن منظور، لسان العرب، ۴/ ۳۹۰، ۳۸۹

8 العسقلانی (احمد بن علی بن حجر) م(٨٥٢ھ) فتح الباری : ٧/ ٣٥٤

9 العسقلانی ، فتح الباری ، ٧/ ٣٥٤

10 خوارزمی ، الکفایۃ : ٥/ ١٨٨

11 المسلم، صحیح مسلم، کتاب الجھاد والسیر : ٢/ ٨١

12 العسقلانی ،فتح الباری، ٧/ ٣٥٤

13 ابن الھمام ، فتح القدیر : ٥/ ١٨٧

14 البابرتی (محمد بن محمود) شرح العنایۃ علی الھدایۃ : ٥/ ١٨٧

15 المرغینانی (علی بن ابی بکر) الھدایۃ : ٢/ ٥٤٣

16 القاضی (عبد النبی بن عبد الرسول) دستور العلماء : ٢/ ١٤٠

17 جی. اے. حق ،اسلامی اصطلاحات:۱۳۴

18 محمد بن الحسن الشیبانی ،ابوعبداللہ (م۱۸۹ھ) امام اعظم ابوحنیفہ کے عظیم شاگردوں اور فقہ حنفی کے ناقلین میں سے ہیں ، امام مالک بن انس سے بھی روائت کرتے ہیں ۔علم فقہ میں ایک سمندر ہیں ۔ دیکھئے : (الذہبی ، میزان الاعتدال:۳/۴۹۳)

19 ندیم الواجدی ''سیرت کے بعض اہم پہلو'' نقوش رسول نمبر ۱/۵۲

20 عطیۃ اللہ (احمد)القاموس الاسلامی ۳۰۳:۵۹۵

21 دہلوی (عبدالعزیز) عجالہ نافعہ:۴۸

22 ابن الھمام ، فتح القدیر : ۵ /۱۸۷

23 الجرجانی (علی بن محمد) التعریفات : ۱۰۸

24 حاجی خلیفہ ، کشف الظنون : ۱۰۱۲

25 الحاکم،الحافظ (محمد بن عبد اللہ)م(۴۰۵ھ) معرفۃ علوم الحدیث : ۲۹۴

26 دہلوی (شاہ عبدالعزیز) فوائد جامعہ عجالہ نافعہ:۴۸

27 البوطی (محمد سعید رمضان) فقہ السیرۃ : ۱۸،۱۷

28 الحلبی(علی بن برھان الدین)م(۱۰۴۴ھ)السیرۃ الحلبیۃ : ۳/۱

29 الاحزاب : ۲۱

30 آل عمران : ۳۱

31 مناظر احسن گیلانی (تدوین حدیث) نقوش رسول نمبر:۶/ ۸۱

32 الترمذی (ابو عیسی محمد بن عیسی)م (۲۷۹ھ)جامع الترمذی ،ابواب المناقب ،حدیث نمبر : ۳۷۴۳ (۲/ ۲۲۲)

33 العسقلانی (احمد بن علی) م(۸۵۲ھ) الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ : ۳/ ۲۵۶

34 الجمعۃ : ۲

35 ابو زھرہ (مترجم : غلام احمد حریری) تاریخ حدیث و محدثین : ۱۵۹، ۱۵۸

36 (ابو زھرہ) م ن : ۱۵۹

37 (مناظر احسن گیلانی) نقوش رسول نمبر : ۶/ ۱۰۱

38 الصحیح البخاری،کتاب علم ،باب التناوب فی العلم ،حدیث نمبر : ۸۷ (۱/ ۱۹)

39 النووی (یحیی بن شرف)م(۶۷۶ھ)الاربعین : ۵

40 الصحیح البخاری، کتاب العلم، باب لیبلغ العلم الشاھد الغائب ، حدیث نمبر : ۶۵ (۱/ ۲۱)

41 حضرت ابوھریرہ: (عبدالرحمٰن بن عامر دوسی) آستین میں ایک بلی کو اٹھائے ہوئے تھے کہ بارگاہ مصطفیٰ ﷺ سے

''ابوھریرہ'' کی کنیت عطا ہوئی۔ زمانۂ جاہلیت میں عبدشمس آپ کا نام تھا۔ آپ کے نام اور نسبت میں مؤرخین کا اختلاف ہے۔ بعض آپ کا نام عبدالرحمٰن کی بجائے بتایا ہے۔ آپ صحابہ کرام میں سے کثیر الحدیث ہیں۔ دیکھئے: (العسقلانی۔ الاصابۃ فی معرفۃ الصحابۃ: ۲۰۲/۴)

42 الصحیح البخاری، کتاب الاعتصام با لکتاب و السنۃ،باب الحجۃعلی من قال حدیث نمبر : ۱۱۶ (۱۰۹۳/۲)

43 (حضرت عمر فاروق)عمر بن خطاب نفیل بن عبد اللعزی .آپ کی والدہ کا نام حنتمۃبنت ھشام تھا .آپ کی کنیت ابو حفص ھے اور "فاروق" بھی. آپ مسلمانوں کے دوسرے خلیفہ تھے (مسعودی ،علی بن حسین (م۳۴۶ھ) مروج الذھب : ۲/ ۳۱۳)

44 العسقلانی ،م ن : ۴/ ۲۰۸

45 (حضرت ابوایوب) کا نام خالد بن زید بن کلب ہے۔ان کا تعلق مدینہ کے خزرج قبیلے سے ہے۔ تمام غزوات میں حضورﷺ کے ساتھ رہے۔ حضرت علی سے خاص انس تھا۔ جنگ جمل میں حضرت علی کا ساتھ دیا۔ ۵۰ھ/۵۱ھ میں شہر قسطنطنیہ کے قریب وفات پائی اور وہیں مدفون ہوئے۔ دیکھئے: (ابن اثیر، اسد الغابۃ: ۱۴۳/۵)

46 (عقبہ بن عامر) جہنی فقیہ، عالم، قرآن کے قاری اور علم فرائض کے ماہر تھے۔ حضرت معاویہ کی طرف سے مصر کے گورنر مقرر ہوئے۔ سنتالیس ہجری میں انہیں معزول کر دیا گیا، آپ سے بکثرت احادیث روائت کی گئی ہیں۔ دیکھئے: (الذہبی، تذکرۃ الحفاظ (اردو) ۱/ ۵۵)

47 الصحیح البخاری ،کتاب المظالم والغضب ،باب لا یظلم المسلم المسلم حدیث نمبر : ۲۲۶۲

48 حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص) اپنے باپ کے ساتھ ہجرت کر کے مدینے آئے۔ عبادت گزار قرآن کے قاری اور حصول علم میں بہت مستعد۔ علم کو کتابت سے خوب محفوظ کیا جس کا اعتراف حضرت ابوھریرہ کو بھی تھا۔ (الذھبی ،م ن: ۵۴/۱)

49 ام عبداللہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنھا خلیفہ اول حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیٹی ہیں۔ حضورﷺ کو آپ سے بے حد انس تھا۔ فقہا صحابہ میں آپ کا شمار ہوتا تھا۔ حضورﷺ کے ساتھ آٹھ سال پانچ ماہ بسر کئے۔ قرآن میں آپ کی برأت کا اعلان ہے۔ آپ کا انتقال ۵۷ھ/۵۸ھ میں ہوا۔ دیکھئے: (الذھبی ،م ن: ۱/ ۴۶،۴۵)

تحدیث ومحدثین: ۹۸،۹۷

51 ابوالحسن علی بن ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نسباً ھاشمی تھے۔حضورﷺ کی دامادی کا شرف حاصل ہوا۔زبان نبوت سے جنت کی بشارت ملی۔حضرت عثمان کے بعد خلیفہ بنے۔سترہ رمضان المبارک ۴۰ھ میں انتقال ہوا۔دیکھئے: (الذھبی ،م ن:۱/۳۵،۳۴)

52 الحاکم ،معرفۃ علوم الحدیث : ۱۷۴

53 ابو عبد الرحمن عبداللہ بن مسعود الھذلی سابقین اولین اور بدری صحابہ میں سے ھیں عظیم فقیہ ،محدث ،مفسر اور قاری قرآن تھے ۔ ساٹھ سال کی عمر میں ۳۲ھ میں انتقال فرمایا۔ دیکھئے : (الذھبی ،م ن : ۱/۳۶)

54 الحاکم ، م ن : ۱۷۵ / الدارمی ،سنن الدارمي ،کتاب المقدمہ ،باب مذاکراۃالعلم ، حدیث نمبر : ۶۱۹ (۱/۱۵۸)

55 الدارمی ، م ن : حدیث نمبر : ۶۲۵ (۱/۱۵۸)

56 الدارمی ، م ن : حدیث نمبر : ۶۱۵ (۱/۱۵۷)

57 ابوعبداللہ جابر بن عبداللہ انصاری ہجرت سے پہلے عقبہ کے مقام پر بیعت کرنے والوں میں سے ہیں۔طویل عمر پائی۔آخری عمر میں نابینے ہوگئے تھے۔۷۸ھ میں انتقال ہوا۔دیکھئے:(الذھبی ،م ن:۵۵)

58 ابو شبل علقمہ بن قیس بن عبداللہ نخعی کوفی ،فقیہ عراق ابراھیم نخعی کے ماموں تھے .عبد اللہ بن مسعود کے عقلمند تلامذہ میں سے تھے اور آپ کے علوم وسیرت کے جامع تھے .بعض صحابہ ان سے مسائل دریافت کرتے تھے . دیکھئے : (الذھبی ،م ن : ۱/۵۸)

59 مناظر احسن گیلانی،نقوش رسول نمبر:۶/۸۴

60 ابوالعباس عبداللہ بن عباس ہاشمی ،حضورﷺ کی وفات کے وقت تیرا برس کے تھے۔ان کے حق میں حضورﷺ نے دعا فرمائی کہ اے اللہ پاک انہیں تفسیر قرآن کا علم عطا فرمائے۔آپ نے ۶۸ھ میں طائف میں انتقال فرمایا۔ دیکھئے:(الذھبی ،م ن:۵۴،۵۳)

61 ابوعبداللہ حضرت عکرمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حبر امت کے لقب سے مشہور ہیں۔حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے غلام تھے چالیس سال تک تعلیم حاصل کی۔مدینہ منورہ میں ۱۰۷ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔دیکھئے :(الذھبی ،م ن:۱/۹۵،۹۴)

62 الذھبی، م ن: ۱/۹۴

63 سید معظم حسین، مقدمہ معرفۃ علوم الحدیث، صفحہ ط

64 البقرۃ: ۹۷

65 القلم: ۴

66 مسلم، صحیح مسلم، کتاب صلوٰۃ المسافرین، باب صلوٰۃ اللیل۔ حدیث نمبر: ۱۳۹ (۱/۲۵۶)

67 ابن ہشام (عبدالملک) م (۱۸۰ھ) السیرۃ النبویۃ: ۲/۱۰۳

68 الصحیح البخاری، کتاب بنیان الکعبۃ، باب ہجرۃ النبی واصحابہ، حدیث نمبر: ۳۶۱۶ (۱/۵۵۵)

69 ابن ہشام م ن: ۲/۱۱۵

70 الصحیح البخاری، کتاب الجهاد، باب کتابة الامام الناس حدیث نمبر: ۲۸۳۲ (۱/۴۳۰)

71 العسقلانی تهذیب التهذیب: ۵/۱۲۲

72 داناپوری، مقدمہ اصح السیر: ۱۱۳

73 ابن سعد (محمد) الطبقات الکبریٰ: ۲/۲۲

74 سنن الدارمی، کتاب المقدمه، باب من رخص فی کتابة العلم حدیث نمبر: ۴۸۴ (۱/۱۳۶)

75 ابن سعد، الطبقات الکبریٰ: ۲/۲۸۵

76 الدارمی، م ن حدیث نمبر: ۴۹۶ (۱/۱۳۸)

77 جامع الترمذی، ابواب العلم، باب ماجاء فی الرخصة فیه حدیث نمبر: ۲۵۹۲

78 العسقلانی م ن: ۴/۲۰۵

79 الدارمی، م ن، کتاب الطلاق، باب لاطلاق قبل نکاح حدیث نمبر: ۲۱۶۶

80 عمرو بن حزم بن زید انصاری خزرجی کی کنیت ابوضحاک ہے۔ آپ غزوۂ خندق میں حاضر ہوئے۔ اہل نجران کی طرف سترہ سال کی عمر میں عامل بنا کر بھیجے گئے۔ پچاس ہجری کے بعد وفات پائی۔ آپ کی وفات کے بارے میں اختلاف ہے۔ دیکھیے: (ابن الاثیر، م ن: ۴/۹۹، ۹۸)

81 ابن اثیر، م ن: ۴/۹۹

82 مبارک پوری (اطہر) تدوین سیر ومغازی:۵۱

83 معاذ بن جبل بن عمرو انصاری خزرجی ،بعض نے ان کو بنی سلمہ قبیلے کی طرف منسوب کیا ہے۔آپ کی کنیت ابو عبدالرحمٰن ہے۔بیعت عقبہ میں شامل تھے۔تمام غزوات میں شریک رہے۔مواخات میں عبداللہ بن مسعود کے بھائی قرار پائے۔اٹھارہ سال کی عمر میں اسلام لائے۔قاریٔ قرآن اور حلال وحرام کوخوب جاننے والے اور عہد نبوی میں اصحاب فتویٰ میں سے تھے۔حضورﷺ نے یمن کا قاضی بنا کر بھیجا۔وصال مبارک تک وہیں رہے۔اڑتیس سال کی عمر میں اٹھارہ ہجری میں انتقال فرمایا۔دیکھئے:(ابن الاثیر،م ن:۴/ ۳۷۸،۳۷۷،۳۷۶)

84 الترمذی ، م ن ، ابواب الزکاۃ،باب ماجاء فی زکاۃ الخضروات ،حدیث نمبر : ۵۷۷

85 الدارمی ، م ن ، کتاب الزکاۃ ، باب فی زکاۃ الغنم ،حدیث نمبر : ۱۶۲۱ (۱/۳۶۴)

86 البخاری ،م ن ، کتاب العلم ،باب کتابۃ العلم حدیث نمبر : (۱/۲۲)

87 مبارک پوری،تدوین سیر ومغازی:۱۲۹

88 ابن سعد ، الطبقات الکبری : ۱/۱۹۸

89 ابن سعد،الطبقات الکبریٰ:۱/۱۶۲

90 منذر بن ساوی بن الاخنس التمیمی الدارمی: آپ بحرین پر عامل تھے۔فتح مکہ سے قبل حضورﷺ نے ان کی طرف خط لکھا تھا یہ اسلام لے آئے۔حضورﷺ کے وصال کے قریب ہی ان کا سال ہوا۔دیکھئے:(العسقلانی ،م ن:۵/ ۳۰۲)

91 دانا پوری ، مقدمہ اصح السیر فی ھدی خیر البشر : ۱۲

92 داناپوری،مقدمہ اصح السیر :۱۲

93 داناپوری،مقدمہ اصح السیر :۱۲

94 ابن قیم (محمد بن ابو بکر) م (۷۵۱) زاد المعاد : ۱/۶۹، ۶۸

95 الطبرانی ، معجم صغیر : ۲۱۷

96 ابن سعد ،الطبقات الکبری : ۱/۲۱۵

97 مبارک پوری،تدوین سیر ومغازی:۱۱۶

98 ابن سعد ، الطبقات الکبری : ۲/۵۷

99 ابن ھشام ، (عبد الملک)م (۱۸۰ھ) السیرۃ النبویۃ : ۳۴۶/۳
100 ابن سعد ، الطبقات الکبری : ۲۳۰/۱، ۲۲۹
101 ابن سعد ، الطبقات الکبری : ۲۳۰/۱
102 ابن سعد ،الطبقات الکبری : ۳۶/۷
103 البلاذری (احمد بن یحیی) فتوح البلدان : ۲۶
104 ابوعبید (قاسم بن سلام) م (۲۲۴ھ) (مترجم :عبدالرحمٰن طاہر سورتی) کتاب الاموال : ۲۹۵
105 مبارک پوری ،تدوین سیر ومغازی : ۱۲
106 البلاذری ،م ن : ۱۰۸
107 مبارک پوری ،تدوین سیر ومغازی : ۱۳۵
108 یحیٰی بن آدم (م۲۰۲ھ) کتاب الخراج : ۷۹، ۷۸
109 ابن سعد ،الطبقات الکبری : ۴۰۲/۳
110 العسقلانی ،فتح الباری : ۲۷۶/۱
111 الترمذی ، م ن ، کتاب العلم ،حدیث نمبر : ۲/ ۲۳۹
112 ابن سعد، الطبقات الکبری : ۱۶/۷
113 الدارمی ،م ن ، باب من رخص فی کتابۃ العلم، حدیث نمبر : (۱۳۸/۱)
114 الدارمی، سنن الدارمی ،باب من رخص فی کتابۃ العلم : (۱۳۹/۱)
115 البخاری ، م ن ، کتاب الدیات ،باب العاقلہ : (۲ / ۱۲۰۲۰)
116 مسلم ، مقدمہ صحیح مسلم ، باب النھی عن الروایۃ عن الضعفاء : (۱ / ۱۰)
117 العسقلانی، تھذیب التھذیب : ۱۹۸/۴
118 ابن سعد، الطبقات الکبری : ۲/ ۱۲۳
119 ابن قیم ، م ن : ۲ /۵۷
120 العسقلانی ،الاصابۃفی معرفۃ الصحابۃ : ۴/ ۹۲، ۹۱
121 ابن سعد ، الطبقات الکبری : ۲۹۳/۵
122 العسقلانی ، تھذیب التھذیب : ۱۹۸،۴

123 مناظر احسن گیلانی ،تدوین حدیث : ۶۴

124 العسقلانی ، م ن : ۱ / ۳۱۶ ، ۳۱۵

125 العسقلانی ،م ن : ۴/۲۱۵ ، ۲۱۴

126 الصحیح البخاری ، کتاب الجهاد ،باب لاتتمنولقاء العدو ،حدیث نمبر : ۲۷۴۴ (۱/۴۲۴)

127 ابن سعد ، الطبقات الکبریٰ : ۵/۳۰۳

128 مسلم ،م ن ، کتاب الجهاد والسیر ،باب الاغارة علی الکفار ،حدیث نمبر : ۳۲۶۰ (۲/۸۱)

129 مسلم،م ن ، کتاب الجمعة ، فصل فی قرأة الم تنزیل و هل اتی ، حدیث نمبر : ۱۴۵۲ (۱/۲۸۸)

130 مسلم ،م ن ،کتاب اللباس والزینة ،باب تحریم استعمال الحریر علی الرجل ،حدیث نمبر : ۳۸۵۷ (۲/۱۹۱)

131 الداومی، م ن ، کتاب المقدمه ، باب من رخص فی کتابة العلم ،حدیث نمبر : ۴۹۷ (۱/۱۴۰)

132 الدارمی ،م ن ، ایضاً ایضاً حدیث نمبر : ۴۹۸ (۱/۱۴۰)

133 مبارک پوری ،تدوین سیر ومغازی:۱۶۸

134 مبارک پوری ،تدوین سیر ومغازی:۳۲،۳۳

135 البخاری ،م ن ، کتاب الجهاد و السیر ، باب قتل ابی جهل : ۲/ ۵۶۵

136 البخاری ،م ن ، کتاب المغازی باب غزوة احد : ۲/۵۷۸

137 الحاکم ، معرفة علوم الحدیث : ۲۹۵

138 ابن الاثیر،اسد الغابة فی معرفة الصحابة : ۳ / ۴۲۳

139 ابن سعد ، الطبقات الکبر : ۲/۲۸۱

140 المنجد(صلاح الدین) معجم ما الف عن رسول الله ﷺ : ۴۲

141 ابن سعد ، الطبقات الکبری (اردو) : ۵ /۱۱۵

142 العسقلانی ،تهذیب التهذیب : ۵/۶۷

143 دحلان (احمد زینی) السیرة النبویة : ۳۶۰

144 العسقلانی م ن : ۷/۲۶۶

145 ابن کثیر (عماد الدین) م (۷۷۴ ه) البدایه والنهایه : ۳ /۲۴۲

146 ابوزہرہ،م ن:۲۴۹

147 ابن سعد، الطبقات الکبریٰ: ۱۳۷/۵

148 حاجی خلیفه (مصطفےٰ بن عبد الله) م (۱۰۶۷ه) کشف الظنون : ۱۰۱۲

149 ابن کثیر ، م ن : ۹ / ۱۰۱

150 مبارک پوری،تدوین سیر ومغازی:۱۷۸

151 زبیر بن بکار ، الموفقیات فی الاخبار : ۲۲۳ ، ۲۲۲

152 مبارک پوری ، تدوین سیر و مغازی : ۱۷۳

153 غلام احمد حریری،سید عبداللہ،علم (سیرہ) اردو دائرہ معارف اسلامیہ:۸۷۱/۱۴

154 شبلی نعمانی ، مقدمه سیرة النبی : ۱ / ۴۹

155 البخاری ،م ن ،کتاب المغازی ،باب (بلا عنوان بعد شهود الملائكة بدرا): حدیث نمبر : ۴۰۲۶ (۲/ ۵۷۳)

156 العسقلانی ، فتح الباری : ۷/ ۳۱۳

157 العسقلانی ، تهذیب التهذیب : ۱۰/ ۳۶۲، ۳۶۱

158 مبارک پوری،تدوین سیر ومغازی:۱۸۸

159 الدارمی ،م ن، باب من رخص فی کتابة العلم : حدیث نمبر ۴۸۷

160 ابن سعد، الطبقات الکبریٰ : ۲ /۳۵۳

161 ابن سعد، الطبقات الکبریٰ: ۳۵۳/۵

162 سہیل حسن،عربی مصادر سیرت،(سہ ماہی) فکرونظر (سیرت نمبر):۲۴۹

163 العسقلانی ، تهذیب التهذیب : ۵۴/۵

164 شبلی نعمانی،مقدمہ سیرت النبی:۴۹/۱

165 مبارک پوری،تدوین سیر ومغازی:۱۳۷

166 داناپوری،مقدمہ اصح السیر:۱۳

167 مبارک پوری،تدوین سیر ومغازی:۲۸۷

168 مبارک پوری،تدوین سیر ومغازی:۲۸۲

169 مبارک پوری،تدوین سیر ومغازی:۱۷

170 العسقلانی، تهذيب التهذيب : ۱۰ / ۳۶۱

171 الذهبی (محمد بن احمد) م (۷۴۸ھ) ميزان الاعتدال : ۴ / ۱۹۶

172 داناپوری،مقدمہ اصح السیر :۱۵

173 حاجی خلیفه ، ، كشف الظنون : ۱۷۴۷

174 حاجی خلیفه ، ، كشف الظنون: ۱۷۴۷ ، ۱۲۴۰

175 جوزف ہوروونز،''سیرت نبوی کی اولین کتابیں اوران کے مؤلفین'' (مترجم: نثار فاروقی) نقوش رسول نمبر ا/ ۴۳۸

176 مبارک پوری،تدوین سیر ومغازی:۳۲۰

177 ابوزہرہ،م ن:۵۳۹

178 مبارک پوری تدوین سیر ومغازی:۱۶۶

179 الذهبی (محمد بن احمد) م (۷۴۸ھ) العبر: ۱ /۲۹۵

180 العسقلانی ، تهذيب التهذيب: ۹ / ۱۸۲

181 المنجد ، الدكتور (صلاح الدين) معجم ما الف عن رسول الله ﷺ

182 آل عمران:۱۶۴

183 آل عمران:۳۱

184 النساء:۸۰

185 محمد:۳۳

186 حشر:۷

187 صحیح بخاری

188 البخاری ، كتاب الاذان ، باب الاذان للمسافر ۴۳۹ بیهقی ، السنن الكبرى ، جلد ۵ ص ۱۲۵

189 القلم:۶۸:۴

190 مالک بن انس ، امام، الموطا، کتاب حسن خلق باب ماجاء في حسن الخلق

191 ابن هشام، ۱/۱۹۷

192 ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ۱/۱۲۴

193 ابن اثیر، الکامل فی التاریخ، ۲/۴۵

194 ابن کثیر، السیرة النبویة، ۱/۲۸۰

195 ازرقی، اخبار مکه، (تحقیق استاذ رشدی الصالح، دار الثقافة مکه مکرمه ۱۳۸۵ھ) ۱/۲۶۴

196 قاضی عیاض، الشفاء، ۱/۱۸۱

197 ابن هشام، ۱/۲۹۹

198 البخاری، کتاب التفسیر، تبت یدا بی لهب، ۲/۷۴۳

199 الاحزاب:۲۱

201 البقرہ۲:۶۲

202 البقرہ۲:۲۸۶

203 ڈاکٹر محمد حمید اللہ، رسول اکرم کی سیاسی زندگی، ص ۱۸

یونٹ نمبر 3

رسول اکرم ﷺ کی مکی و مدنی زندگی

تالیف

ڈاکٹر محمد سجاد

نظر ثانی

پروفیسر ڈاکٹر محمد باقر خان خاکوانی

علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد

فہرست عنوانات

یونٹ کا تعارف:

آفتاب رسالت جس کی کرنوں نے تاریکی عالم کو روشنی میں بدل دیا۔ وہ ہادی کامل جس کی ہدایت و رہنمائی میں نسل انسانی اپنی منزل پر پہنچی۔ وہ محسنِ انسانیت رحمت العلمین شفیع المذنبین کی ذات مقدس ہے کہ جس کا نام نامی محمد رسول اللہ ﷺ ہے۔ آفتاب رسالتؐ کی نورانی کرنوں نے پہلے ریگزار عرب کو منور کیا پھر کائنات انسانی کی تاریکیوں کو مٹانے کے اسباب پیدا کیے۔ محسن انسانیت نے انسان کو اس کی حقیقی اور سچی قدروں سے آگاہ کیا۔ وہ سبق یاد دلایا جو انبیاء و مصلحین دیتے رہے۔ ان کو اس جاہلیت سے نکالنے کا عزم کیا جس نے انہیں انسانیت کے عظیم مقام و مرتبہ سے نکال کر حیوانیت کی سطح پر لا کھڑا کیا تھا۔ آپؐ نے زندگی کے ہر شعبے کی اصلاح فرمائی اور معاشرے کا کوئی پہلو ایسا نہ رہا جس تک آپ کی نگاہ نہ پہنچی ہو۔

دنیا کی تاریخ میں حضور اکرم ﷺ کی مثال ایک منفرد مثال ہے کہ آپؐ نے دنیا کے سب سے زیادہ بگڑے ہوئے معاشرے کی اصلاح کر کے اسے قیامت تک کیلئے دنیا کا سب سے زیادہ اصلاح یافتہ معاشرہ بنا دیا۔ 'وادی غیر ذی زرع'' کو جس نے گلشن بنا دیا۔ اور سرزمین حجاز کے صحرائی کلاس روم میں معلم صدق و صفا سے درس لینے والی تہذیب نا آشنا قوم دیکھتے ہی دیکھتے اقوام عالم کیلئے عدل و انصاف، اخوت و مساوات امن و آشتی، الفت و محبت کی علمبردار بن گئی۔ جو رہزن تھے وہ رہبر بن گئے۔ جو امی محض تھے۔ وہ متعدد علوم وفنون کے موجد بن گئے۔ جو بے شمار رذائل اخلاق میں مبتلا اور ان کے خوگر تھے وہ مکارم اخلاق کے معلم و داعی بن گئے۔ جو زانی و نفس پرست تھے وہ عصمت و عفت کے محافظ بن گئے۔ جو بے قید حصول معاش کے عادی اور اسراف وتبذیر کے خوگر تھے۔ وہ مال و دولت کے امین بن گئے۔ یہ تھا وہ علمی سماجی و معاشرتی انقلاب جو محسنِ انسانیت کی حسن تربیت کی بدولت برپا ہوا۔ آپؐ نے معاشرہ کے ہر فرد کی تربیت فرمائی۔

اللہ تعالیٰ نے آپ کی زندگی کو تمام انسانیت کے لیے اسوۂ حسنہ بنایا ہے۔ آپ کی سیرت محفوظ ہے اور ایک جامع اور اکمل نمونہ زندگی ہے آپ اخلاق کے اعلیٰ مرتبے پر فائز ہیں۔ آپ کی سیرت کا مطالعہ ہر مسلمان کے لیے لازمی ہے۔ اس یونٹ میں ہم آپ ﷺ کی مکی اور مدنی زندگی کے اہم واقعات کو زمانی ترتیب کے مطابق بیان کریں گے۔

یونٹ کے مقاصد:

امید ہے کہ اس یونٹ کے مطالعہ کے بعد آپ اس قابل ہو جائیں گے کہ!

1۔ آنحضور ﷺ کی مکی زندگی کے بارے میں جان سکیں۔

2۔ آپ کی بعثت اور دعوت کے بارے میں جان سکیں۔

3۔ رسول اللہ ﷺ کی مدنی زندگی کے حالات سے آگاہ ہو سکیں۔

1۔ حضور اکرم ﷺ کا خاندان

رسول اللہ ﷺ کا تعلق خاندان قریش کے ایک اہم خاندان وبطن بنو ہاشم سے تھا۔ آپ کا خاندان اقوام عالم میں معزز اور ممتاز تھا۔

حضور نے اپنے سلسلہ نسب کے بارے میں ارشاد فرمایا۔

ان اللہ اصطفیٰ کنانۃ من ولد اسمعیل واصطفیٰ قریشا من کنانۃ واصطفی من قریش بنی ھاشم واصطفانی من بنی ھاشم (1)

''اللہ نے اولاد اسماعیل میں سے کنانہ کو پسند کیا اور قریش کو کنانہ سے اور قریش سے بنو ہاشم کو اور بنو ہاشم میں سے مجھے منتخب فرمایا۔''

آپ کا سلسلہ نسب یہ ہے۔ محمدؐ بن عبداللہ بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبدمناف بن قصی بن کلاب بن مرۃ بن کعب بن لوی بن غالب بن فہر بن مالک بن نضر بن کنانہ بن خزیمہ بن مدرکہ بن الیاس بن مضر بن نزار بن معد بن عدنان (2)

2۔ ولادت نبویؐ

20 اپریل 571ء / 9 ربیع الاول دوشنبہ کے روز حضور کی ولادت ہوئی۔ آپ کے دادا جناب عبدالمطلب آپ کو اٹھا کر خانہ کعبہ میں لے گئے اور دعا مانگی (3) ساتویں روز عقیقہ کر کے محمد نام رکھا اور تمام خاندان قریش کی دعوت کی۔ محمد عرب میں بالکل نیا نام تھا۔ قریش نے اس نامانوس نام کا سبب دریافت کیا تو عبدالمطلب نے جواب دیا'' میں چاہتا ہوں کہ میرا فرزند ساری دنیا میں مدح وستائش کا سردار قرار پائے۔ (4)

سب سے پہلے آنحضرت ﷺ کو آپ کی والدہ نے دو تین روز کے بعد ثوبیہ نے دودھ پلایا جو ابولہب کی باندی

تھی۔ مکہ میں یہ دستور تھا کہ وہ عرب کی خالص خصوصیات اور بچوں میں فصاحت کا جوہر پیدا کرنے کے لیے بچوں کو دیہات اور قصبات میں بھیج دیتے۔ اس دستور کے مطابق آنحضرت کی ولادت کے چند روز بعد عبدالمطلب نے اپنے پوتے کو ایک دایہ حلیمہ سعدیہ کے سپرد کر دیا جو قبیلہ ہوازن کی دوسری عورتوں کے ہمراہ بچوں کی تلاش میں مکہ آئی ہوئی تھیں۔ دو برس تک اس بچہ نے حلیمہ سعدیہ کی گود میں پرورش پائی۔ تیسرے برس حلیمہ یہ امانت واپس کرنے کے لیے مکہ آئیں ان دنوں مکہ میں طاعون پھیلا ہوا تھا۔ اور حلیمہ نے دو سال تک اس بچے کی برکات کا مشاہدہ کیا تھا اس لیے اسے چھوڑنے کو جی نہ چاہتا تھا۔ چنانچہ طاعون کا بہانہ کر کے آپ کو اپنے ساتھ واپس لے گئیں اب آپ کی عمر چار برس ہوئی حلیمہ سعدیہ نے آپ کو حضرت آمنہ کے سپرد کر دیا۔ جب آپ کی عمر چھ برس کی ہوئی تو آپ کی والدہ آپ کو لے کر اپنے مرحوم شوہر کی قبر کی زیارت کے لیے مدینہ گئیں جو مدینہ میں مدفون تھے۔ وہاں ایک مہینہ قیام کیا۔ واپس آتے ہوئے مقام ابوا میں پہنچیں تو ان کا انتقال ہو گیا اور یہیں مدفون ہوئیں' اور یہ یتیم بچہ چھ برس کی عمر میں ماں کی محبت سے بھی محروم ہو گیا۔ ام ایمن (عبداللہ بن عبدالمطلب کی باندی) آپ کو لے کر مکہ میں آئیں۔ عبدالمطلب کو شروع سے یتیم پوتے کے ساتھ بے پناہ محبت تھی۔ ہر وقت پوتے کو ساتھ رکھتے لیکن یہ سایہ شفقت بھی زیادہ دنوں تک قائم نہ رہ سکا۔ آنحضرت کی عمر آٹھ برس کی تھی کہ عبدالمطلب بیاسی برس کی عمر میں انتقال کر گئے۔ عبدالمطلب کا جنازہ اٹھا تو آنحضرت بھی ساتھ تھے اور فرط محبت سے روتے جاتے تھے۔

3۔ کفالت نبویؐ

جناب ابو طالب آنحضرت کے چچا تھے۔ چنانچہ حضرت عبدالمطلب دنیا چھوڑتے وقت پوتے کو ان کے سپرد کر گئے۔ ابو طالب آنحضرت سے اس قدر محبت رکھتے تھے کہ آپ کے مقابلہ میں اپنے بچوں کی پروا نہیں کرتے تھے۔ ابو طالب تجارت کیا کرتے تھے۔ اس سلسلہ میں اکثر شام آیا جایا کرتے تھے۔ آنحضرت کی عمر تقریباً بارہ برس تھی کہ جناب ابو طالب نے شام کے سفر کا ارادہ کیا۔ سفر کی صعوبتوں کے خیال سے آنحضرت کو ساتھ نہیں لے جانا چاہتے تھے لیکن جب جناب ابو طالب چلنے لگے تو آپ ان سے لپٹ گئے۔ ابو طالب نے آپ کی دل شکنی گوارا نہ کی اور ساتھ لے لیا۔

4۔ حرب فجار میں شرکت

عرب میں لڑائیوں کا سلسلہ جاری رہتا تھا۔ یہ جنگ اس سلسلہ کی سب سے زیادہ مشہور اور خطرناک جنگ تھی، جو قریش اور بنو قیس کے درمیان ہوئی۔ قریش اس جنگ میں برسرِ حق تھے اس لیے آنحضرت نے بھی اس میں شرکت فرمائی لیکن کسی پر تلوار نہیں اٹھائی۔ (5)

5۔ حِلفُ الفُضُول

حرب فجار کے بعد زبیر بن عبدالمطلب نے اصلاح کی تجویز پیش کی چنانچہ بنو ہاشم، بنو زہرہ اور بنو تمیم کے درمیان یہ معاہدہ ہوا کہ ہم میں سے ہر شخص مظلوم کی حمایت کرے گا اور کوئی ظالم مکہ میں نہ رہنے پائے گا۔ آنحضرت بھی اس معاہدہ میں شریک تھے اور عہد نبوت میں فرمایا کرتے تھے کہ اگر اس معاہدہ کے بدلے مجھے سرخ رنگ کے اونٹ بھی دیے جاتے تو میں نہ لیتا اور آج بھی ایسے معاہدے کے لیے کوئی بلائے تو میں تیار ہوں۔ (6)

6۔ تجارت

جب نبی ﷺ جوان ہوئے تو کسب معاش کی فکر ہوئی۔ آپ کا خیال تجارت کی طرف ہوا جو آپ کا خاندانی شغل تھا اور آپ کو اس کا خاصا تجربہ بھی تھا لیکن سرمایہ کی قلت کی وجہ سے مستقل کاروبار نہیں کر سکتے تھے۔ آپ کی دیانت تجربے اور حسن معاملہ کی شہرت ہر طرف پھیل چکی تھی اس لیے مالدار لوگ منافع کی شرکت پر آپ کو سرمایہ دیتے تھے۔ آپ نہایت محنت اور دیانت کے ساتھ ان کا کام کرتے۔ تجارت کی غرض سے شام، بصریٰ اور یمن کے متعدد سفر آپ نے کئے اور آپ کی دیانت اور امانت داری کی شہرت دور دور تک پھیل گئی۔ (7)

7۔ حضرت خدیجہؓ سے شادی

حضرت خدیجہ قریش کی ایک معزز، پاکیزہ اخلاق اور دولت مند بیوہ تھیں۔ ان کا تجارتی کاروبار نہایت وسیع تھا۔ جب اہل مکہ کا قافلہ تجارت کو روانہ ہوتا تھا تو اکیلا ان کا سامان تمام قریش کے برابر ہوتا تھا۔ آنحضرت کے تجارتی تجربات اور دیانت داری کا شہرہ سن کر انہوں نے درخواست کی کہ میرا سامان فروخت کرنے کے لئے شام لے جایئے۔ آپ نے منظور کر لیا اور خدیجہ کا سامان لے کر بصریٰ تشریف لے گئے۔ اس سفر میں خدیجہ کا غلام میسرہ ساتھ تھا۔ اس نے سفر میں آنحضرت کے جو اخلاق و عادات مشاہدے کئے تھے واپس آ کر اپنی مالکہ سے بیان کئے۔ خدیجہ آپ کے پاکیزہ اخلاق سے پہلے سے آگاہ تھیں۔ میسرہ کے بیان سے تصدیق ہوگئی۔ چنانچہ انہوں نے خود آنحضرت سے شادی کی درخواست کی حالانکہ اس سے پہلے بڑے بڑے سرداروں کی درخواست نکاح کو رد کر چکی تھیں۔ چنانچہ حضور نے ان کی درخواست منظور فرمائی اور جناب ابوطالب نے پانچ سو طلائی درہم پر نکاح پڑھایا۔ اس وقت آنحضرت کی عمر 25 سال اور حضرت خدیجہ کی 40 سال تھی۔

8۔ تعمیر کعبہ

آنحضرت کی عمر 35 سال کی تھی جب قریش نے کعبہ کی عمارت کو از سر نو تعمیر کرایا۔ عمارت کی تعمیر میں تو سب ہی شامل تھے مگر حجر اسود نصب کرنے کا موقع آیا تو اس شرف کے حصول کے لیے قبائل میں تلواریں کھنچ گئیں۔ چار دن تک یہ جھگڑا برپا رہا۔ پانچویں دن یہ طے ہوا کہ دوسرے دن سب سے پہلے جو شخص کعبہ میں آئے وہی حکم قرار پائے۔ اتفاق سے قبائل کے معزز آدمی موقع پر پہنچے تو دیکھا کہ آنحضرت تشریف فرما ہیں۔ آنحضرت کو دیکھنا تھا کہ ھذا الامین رضینا (امین آگیا۔ ہم اس کے فیصلے پر رضامند ہیں) کے نعرے لگ گئے۔ آپ کی امانت و دیانت پر سب کو اعتماد تھا اس لیے سب نے آپ کو بالاتفاق حکم مان لیا۔ لیکن آپ نے مناسب نہ سمجھا کہ تنہا اس شرف سے بہرہ ور ہوں چنانچہ آپ نے چادر بچھا کر اس میں حجر اسود کو رکھا اور فرمایا کہ ہر قبیلہ کا ایک ایک آدمی چادر پکڑ کر اٹھائے اور جب چادر موقع کے برابر آ گئی تو آپ نے پتھر اٹھا کر نصب فرما دیا۔ اس حسن تدبیر سے ایک خونریز جنگ ہوتے ہوتے رہ گئی۔ (8)

9۔ بعثت نبوی ﷺ

جب آپ ﷺ کی عمر چالیس سال ہوئی تو ایک دن حسب معمول آپ غار حرا میں تشریف رکھتے تھے کہ فرشتہ نظر آیا اور آپ سے کہا۔

﴿اقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ ٥ خَلَقَ الْإِنسَانَ مِنْ عَلَقٍ ٥ اقْرَأْ وَرَبُّكَ الْأَكْرَمُ الَّذِي عَلَّمَ بِالْقَلَمِ عَلَّمَ الْإِنسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ﴾ (9)

اپنے رب کے نام سے پڑھ جس نے پیدا کیا۔ انسان کو ایک لوتھڑے سے پیدا کیا۔ پڑھ اور تیرا رب سب سے بڑھ کر بزرگی والا ہے جس نے قلم کے ذریعے سے علم سکھایا۔ انسان کو سکھایا جو نہیں جانتا تھا۔

اس واقعہ کے بعد آپ گھر تشریف لائے۔ گھر پہنچ کر آپ لیٹ گئے اور خدیجہؓ سے کہا مجھ پر کمبل ڈال دو۔ جب طبیعت سکون پذیر ہوئی تو ان سے واقعہ بیان کیا اور کہا کہ مجھے جان کا ڈر ہو گیا ہے۔ خدیجہ الکبریٰؓ نے جواب دیا۔

کلا واللہ لا یخزیک اللہ ابدا انک لتصل الرحم و تحمل الکل و تکسب المعدوم و تعین علی نوائب الحق۔(10)

ہرگز نہیں! خدا کی قسم اللہ آپ کو کبھی رسوا نہ کرے گا۔ آپ صلہ رحمی کرتے ہیں۔ لوگوں کو بوجھ اٹھاتے ہیں۔ ناداروں کی خبر گیری کرتے ہیں اور مصائب میں لوگوں مدد کرتے ہیں۔ پھر حضرت خدیجہؓ آپ کو اپنے عزیز ورقہ بن نوفل کے پاس (جو تورات وانجیل کے عالم تھے) لے گئیں۔ انہوں نے یہ ماجرا سن کر کہا یہ تو وہی ناموس ہے جو موسیٰ پر اترا تھا' کاش میں اس وقت تک زندہ رہتا جب آپ کی قوم آپ کو نکال دے گی' اس وقت آپ کی مدد کرتا۔ اس کے بعد حضرت جبرائیل کے ذریعہ آپ پر اصل حقیقت منکشف ہوئی اور آپ نے اپنا فرض انجام دینا شروع کر دیا۔

10۔ دعوت اسلام کا آغاز

آپ نے تبلیغ اسلام کے لیے نہایت تدبیر اور تدریج سے کام لینا شروع کیا اور اول اول ان لوگوں کو اسلام کی دعوت دی جو آپ کے اخلاق و عادات اور چالیس سالہ شبانہ روز کے معمولات سے اچھی طرح واقف تھے۔ انہوں نے بلا تامل اس دعوت کو قبول کر لیا۔ سب سے پہلے آپ نے حضرت خدیجہؓ کو یہ پیغام سنایا وہ سننے سے پہلے مومن تھیں۔ پھر مردوں میں ابوبکر صدیقؓ غلاموں میں زید بن حارثہ اور نو عمروں میں حضرت علی کی باری آئی اور سب ہمہ تن اعتقاد تھے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ بڑے با اثر دولت مند اور فیاض تھے۔ ان کی ترغیب اور ہدایت سے کبار صحابہ میں سے حضرت عثمانؓ حضرت زبیرؓ حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ حضرت سعد بن ابی وقاص اور حضرت طلحہ مشرف با سلام ہوئے۔ ان کے قبول اسلام کے اثر سے یہ چرچا چپکے چپکے اور لوگوں میں بھی پھیلا چنانچہ حضرت خباب بن ارتؓ عمار بن یاسرؓ سعید بن زیدؓ عبداللہ بن مسعودؓ عثمان بن مظعونؓ ابوعبیدہؓ صہیب اور ارقم رضی اللہ عنہ وغیرہ نے اسلام قبول کیا اور ایک اچھی خاصی جماعت دائرہ اسلام میں داخل ہوگئی۔ لیکن تین سال تک یہ کام پوشیدہ طور پر نہایت احتیاط سے ہوا۔ جب نماز کا وقت آتا تو آنحضرت کسی پہاڑ کی گھاٹی میں چلے جاتے اور وہاں نماز ادا کرتے۔ (11)

11۔ اعلانیہ تبلیغ

تین سال کے بعد اعلانیہ تبلیغ کے احکام نازل ہوئے۔

﴿فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ.﴾ (12)

سو کھول کر کہہ دے جو تجھے حکم دیا گیا ہے۔ چنانچہ آپ نے کوہ صفا پر چڑھ کر آواز دی اے گروہ قریش! لوگ آپ کی آواز پر جمع ہوئے تو آپ نے فرمایا کہ اگر میں تم سے یہ کہوں کہ پہاڑ کے عقب سے ایک لشکر جرار آ رہا ہے تو تم کو یقین آئے گا۔ سب نے کہا کیوں نہیں! جب کہ ہم نے تم کو ہمیشہ سچ ہی بولتے پایا ہے۔ آپ نے فرمایا تو میں تم سے کہتا ہوں کہ اگر تم ایمان نہ لاؤ گے تو تم پر عذاب شدید نازل ہوگا۔ یہ غیر متوقع بات سن کر سب لوگ جن میں آپ کا چچا ابولہب بھی تھا سخت برہم ہو کر چلے گئے۔ اس واقعہ کے چند روز بعد آپ نے ایک دعوت کا انتظام کیا۔ تمام خاندان عبدالمطلب کو مدعو کیا۔ کھانا کھلانے

کے بعد آنحضرت نے کھڑے ہو کر فرمایا۔ میں وہ چیز لے کر آیا ہوں جو دین و دنیا دونوں کی کفیل ہے۔ اس بار گراں کو اٹھانے میں کون میرا ساتھ دیتا ہے۔ تمام مجلس میں سناٹا تھا۔ صرف حضرت علیؓ کی ایک آواز آئی گو مجھے آشوب چشم کی شکایت ہے' میری ٹانگیں پتلی ہیں اور نو عمر ہوں لیکن میں آپ کا ساتھ دوں گا۔ (13)

آنحضرت بدستور دعوت اسلام میں مصروف رہے تو قریش نے آپ کو طرح طرح کی اذیتیں دینا شروع کیں۔ آپ کی راہ میں کانٹے بچھا دیتے۔ نماز کی حالت میں پشت مبارک پر نجاست ڈال دیتے۔ بدزبانیاں کرتے۔ ایک مرتبہ آپ حرم میں نماز پڑھ رہے تھے عقبہ بن ابی معیط نے گردن مبارک پر اپنی چادر رسی کی طرح ڈال کر اس زور سے کھینچی کہ آپ گھٹنوں کے بل گر پڑے۔ آپ نے ان تمام سختیوں کو خندہ پیشانی کے ساتھ برداشت کرتے تھے۔ اور اپنا فرض برابر کئے جاتے تھے۔

12۔ حضرت حمزہؓ اور حضرت عمرؓ کا قبول اسلام

ایک دن ابوجہل نے آپ کے ساتھ گستاخی کی' حضرت حمزہ نے سنا تو غصہ سے بے تاب ہو گئے۔ تیر و کمان ہاتھ میں لیے حرم میں آئے اور ابوجہل کے سر پر اس زور سے کمان کھینچ ماری کہ وہ زخمی ہو گیا۔ پھر رسول اکرم ﷺ کے پاس گئے اور کہا بھتیجے! میں نے ابوجہل سے تمہارا بدلہ لے لیا ہے۔" نبی اکرم ﷺ نے فرمایا۔" چچا میں ایسی باتوں سے خوش نہیں ہوتا۔ ہاں تم مسلمان ہو جاؤ تو مجھے بڑی خوشی ہو۔ حضرت حمزہ اسی وقت مسلمان ہو گئے۔ عمر بن خطاب دوسرے رؤسائے قریش کی طرح اسلام اور مسلمانوں کے سخت دشمن تھے اور اپنی بہن اور بہنوئی کو جو مسلمان ہو چکے تھے۔ اسلام لانے کے جرم کی سزا میں اس قدر مارا کہ ان کا جسم لہولہان ہو گیا لیکن اسلام کی محبت ایسی نہ تھی جو اس سے ختم ہو جاتی۔ عمر نے کہا کہ تم لوگ جو پڑھ رہے تھے مجھے بھی سناؤ۔ بہن نے قرآن کے اجزاء سامنے لا کر رکھے تو سورہ الحدید کی ابتدائی آیات تھیں۔ ایک ایک لفظ پر دل مرعوب ہوتا جاتا تھا۔ یہاں تک کہ جب اس آیت پر پہنچے۔ آمنو باللہ و رسولہ تو بے اختیار پکار اٹھے۔ اشھد ان لا الہ الا اللہ و اشھد ان محمد ارسول اللہ۔ اس وقت تک مسلمانوں کی تعداد خاصی ہو چکی تھی لیکن وہ بڑی بے کسی کی حالت میں تھے۔ ان کے لیے علانیہ نماز پڑھنا بھی ممکن نہ تھا۔ حضرت عمر بڑے جری آدمی تھے۔ ان کے اسلام لانے سے اسلام کی تاریخ میں نیا دور شروع ہو گیا۔ انہوں نے بھرے مجمع میں اپنے اسلام کا اعلان کیا۔ حضرت عمر کے اسلام لانے سے مسلمانوں کو اس قدر تقویت ملی کہ حضرت عبداللہ بن مسعود فرماتے ہیں:۔

فلما اسلم عمر قاتل قریشا حتی صلی عند الکعبة و صلینا معه(14)

جب عمر اسلام لائے تو قریش سے مقابلہ کیا حتی کہ انہوں نے کعبہ میں نماز پڑھی اور ہم نے بھی ان کے ساتھ نماز پڑھی۔"

13۔ ہجرت حبشہ

جب مشرکین کی اذیتیں حد سے گزر گئیں تو آنحضرت ﷺ نے اہل ایمان کو ارض حبشہ چلے جانے کا حکم دیا کیونکہ نجاشی شاہ حبش کے عدل و انصاف کی عام شہرت تھی۔ چنانچہ آنحضرت کے ایماء سے سنہ ۵ نبوی میں گیارہ مرد اور چار عورتوں کا مختصر قافلہ حبشہ روانہ ہو گیا۔ قریش کو خبر ہوئی تو انہوں نے بندرگاہ تک تعاقب کیا لیکن قافلہ روانہ ہو چکا تھا۔ حبشہ کا بادشاہ نجاشی منصف مزاج اور رحم دل تھا۔ اس لیے مسلمان حبش میں امن و امان کی زندگی بسر کرنے لگے لیکن قریش اسے بھی گوارا نہ کر سکے چنانچہ عمرو بن عاص اور عبداللہ بن ربیعہ حبشہ پہنچے اور نجاشی سے درخواست کی کہ ہمارے شہر کے چند نادانوں نے ایک نیا مذہب ایجاد کیا ہے جو ہمارے اور آپ کے مذہب کے خلاف ہے۔ وہ آپ کے ملک میں بھاگ آئے ہیں ان کو ہمارے حوالے کر دیا جائے۔ نجاشی نے مسلمانوں کو بلا بھیجا اور کہا تم نے یہ کونسا مذہب ایجاد کیا ہے جو نصرانیت اور بت پرستی دونوں کے مخالف ہے۔ اس کے استفسار پر حضرت جعفر نے حسب ذیل تقریر کی:

اے بادشاہ! ہم لوگ ایک جاہل قوم تھے۔ بتوں کو پوجتے تھے' مردار کھاتے تھے۔ بدکاریاں کرتے تھے۔ ہمسایوں کو ستاتے تھے۔ بھائی بھائی پر ظلم کرتا تھا' قوی لوگ کمزوروں کو کھا جاتے تھے' اس اثناء میں ہم میں ایک شخص پیدا ہوا جس کی شرافت اور صدق و دیانت سے ہم لوگ پہلے سے واقف تھے۔ اس نے ہم کو اسلام کی دعوت دی اور یہ سکھلایا کہ ہم پتھروں کو پوجنا چھوڑ دیں' سچ بولیں' خوں ریزی سے باز آئیں' یتیموں کا مال نہ کھائیں' ہمسایوں کو آرام دیں عفیف عورتوں پر بدنامی کا داغ نہ لگائیں' نماز پڑھیں' روزے رکھیں' زکوٰۃ دیں' ہم اس پر ایمان لائے' شرک اور بت پرستی چھوڑ دی اور تمام اعمال بد سے باز آئے' اس جرم پر ہماری قوم ہماری جان کی دشمن ہو گئی اور ہم کو مجبور کرتی ہے کہ اسی گمراہی میں واپس آ جائیں۔ یہ تقریر سن کر نجاشی نے کہا اگر تم کو کچھ کلام الٰہی یاد ہو تو سناؤ۔ حضرت جعفر نے سورہ مریم کا ابتدائی حصہ سنایا۔ نجاشی پر رقت طاری ہو گئی۔

آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے' پھر اس نے کہا خدا کی قسم یہ کلام اور عیسیٰ کا کلام ایک ہی چراغ کے دو پرتو ہیں۔ اور قریش کے سفیروں کو صاف جواب دے دیا کہ یہ مظلوم تمھارے حوالے نہیں کیے جا سکتے۔ دوسرے روز عمرو بن عاص نے پھر دربار میں رسائی حاصل کی اور نجاشی سے کہا کہ ان لوگوں سے ذرا عیسیٰ کے متعلق تو پوچھیے کیا عقیدہ رکھتے ہیں۔ اس نے پھر مسلمانوں کو بلا بھیجا۔ یہ بڑا آزمائش کا وقت تھا کہ اگر صحیح اسلامی عقائد کا اظہار کرتے ہیں تو نجاشی ناراض ہو جاتا ہے لیکن حضرت جعفر نے فیصلہ کیا کہ خواہ نتائج کچھ ہی ہوں وہ صحیح اسلامی عقائد بیان کریں گے۔ چنانچہ جب ان سے نجاشی نے پوچھا کہ عیسیٰ کے متعلق تم لوگوں کا کیا عقیدہ ہے۔ تو حضرت جعفر نے جواب دیا کہ قرآن کی رو سے وہ خدا کے بندے' اس کے پیغمبر اور اس کی روح ہیں۔ نجاشی نے ایک تنکا اٹھا کر کہا کہ واللہ تم نے جو کچھ کہا عیسیٰ اس تنکے کے برابر بھی اس سے زیادہ نہیں ہیں۔ نجاشی کی زبان سے یہ الفاظ سن کر اس کے دربار کے پادری برہم ہو گئے لیکن اس نے ان کے غصے کی کچھ پروانہ کی اور قریش کے سفیر ناکام لوٹے۔ (15)

چند روز حبشہ میں قیام کے بعد مسلمانوں کو اہل مکہ کے اسلام کی غلط خبریں پہنچنے لگیں۔ چنانچہ بہت سے لوگ مکہ لوٹ آئے۔ قریب پہنچ کر حقیقت حال سے آگاہی ہوئی تو کچھ لوگ پھر حبشہ لوٹ گئے لیکن اکثر چھپ کر مکہ چلے آئے اور کسی نہ کسی کی امان میں آ گئے۔ چنانچہ دوبارہ ایک سو ایک مسلمانوں کو جن میں 83 مرد اور 18 عورتیں تھیں ہجرت حبشہ کی سعادت حاصل کی۔

15۔ بنو ہاشم کا مقاطعہ

قریش نے رسول اللہ ﷺ کے خاندان بنو ہاشم سے قطع تعلق کر لیا۔ ان کے ساتھ شادی بیاہ کے تعلقات منقطع کر لیے۔ ان کے ہاتھ خرید و فروخت بند کر دی۔ ان کے پاس کھانے پینے کا سامان پر پابندی لگا دی۔ یہ معاہدہ منصور بن عکرمہ نے لکھا اور در کعبہ پر آویزاں کیا گیا۔ جناب ابو طالب مجبور ہو کر تمام خاندان بنو ہاشم کے ساتھ شعب ابی طالب میں فروکش ہو گئے۔ تین سال تک بنو ہاشم نے انتہائی مصیبتوں کے ساتھ اس گھاٹی میں بسر کیے۔ باہر سے ان کے پاس کھانے پینے کی کوئی چیز نہ پہنچنے پاتی تھی۔ درختوں کے پتے کھا کر گزارہ کرتے۔ بچے جب بھوک کی شدت سے روتے تھے تو باہر آواز آتی تھی۔ قریش سن سن کر خوش ہوتے تھے۔ بعض رحم دل چوری چھپے کھانے کی کوئی چیز پہنچا دیتے جن پر ان لوگوں کی زندگی کا انحصار تھا۔

مکمل تین سال گزرنے کے بعد بنو ہاشم کے بعض قریبی اعزا کا جذبہ ترحم اور حمیت جوش میں آئی اور انہوں نے ان لوگوں کو اس مصیبت سے نکالنے کا فیصلہ کر لیا۔ چنانچہ ابو جہل کی مزاحمت کے باوجود ہشام مخزومی، زمعہ بن الاسود، مطعم بن عدی اور زہیر نے معاہدہ نامہ چاک کر دیا اور جا کر بنو ہاشم کو قید سے نکال لائے۔(16)

16۔ معراج

اسی سال معراج ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کو ملکوت السموٰت والارض کی سیر کرائی۔ سفر معراج پر جاتے ہوئے پہلے آپ مسجد حرام سے بیت المقدس تشریف لے گئے وہاں انبیاء کی جماعت کو نماز پڑھائی۔ پھر آپ کو آسمانوں کی سیر کرائی گئی اور انبیاء سے ان کے مقامات پر ملتے ہوئے سدرۃ المنتہیٰ اور بیت معمور تک پہنچے اور قرب خاص حاصل ہوا اور گونا گوں وحی سے مشرف ہوئے۔

17۔ عام الحزن

شعب ابی طالب سے نکلنے کے چند روز بعد آنحضرت کے چہیتے چچا جناب ابو طالب کا انتقال ہو گیا۔ اس کے تھوڑے دنوں کے بعد آپ کی رفیقہ حیات حضرت خدیجہ نے بھی سفر آخرت کیا اور سال کے اندر اندر آپ کے دو محسن اٹھ گئے۔ آنحضرت اس سال کو عام الحزن (غم کا سال) فرمایا کرتے تھے۔(17)

18۔ سفر طائف

اہل مکہ سے مایوس ہو کر آپ نے ارادہ فرمایا کہ طائف تشریف لے جائیں اور وہاں کے لوگوں کو اسلام کی دعوت

ہیں۔ طائف میں بڑے بڑے امراء اور روٴسا رہتے تھے چنانچہ آپ ان کے پاس گئے اور ان کے سامنے اسلام پیش کیا لیکن طائف والوں کا جواب اہل مکہ سے مختلف نہ تھا بلکہ مکہ والے پھر اپنے تھے اور بعض خاندانی وجاہت، کردار کی بلندی اور قرابت داری کے تعلق سے آپ کا پاس ولحاظ بھی کرتے تھے لیکن طائف والے بالکل بیگانہ تھے۔ انہوں نے آپ کے ساتھ انتہائی گستاخانہ سلوک کیا۔ اوباشوں کو آپ کے پیچھے لگا دیا جو تالیاں بجا کر آپ کا تمسخر اڑاتے تھے۔ انہوں نے آپ پر پتھر برسا کر آپ کو لہولہان کر دیا۔ یہاں تک کہ آپ کے جوتے خون سے بھر گئے۔ جب آپ زخموں سے چور ہو کر بیٹھ جاتے تو بازو سے پکڑ کر کھڑا کر دیتے اور پتھر برساتے اور گالیاں دیتے۔ آخر آپ نے عتبہ بن ربیعہ کے انگوروں کے باغ میں پناہ لی اور پھر وہاں سے مایوس ہو کر مکہ لوٹ آئے۔ (18)

19۔ بیعت عقبہ اولی وثانیہ

رسول اللہ ﷺ کا معمول تھا کہ حج کے زمانہ میں مختلف قافلوں کے پاس جا کر اسلام کی تبلیغ فرمایا کرتے تھے۔ رجب ۱۰ نبوی میں بھی آپ کئی ایک قبائل کے پاس تشریف لے گئے۔ عقبہ کے پاس آپ کو چند اشخاص نظر آئے۔ آپ نے ان سے نام ونسب پوچھا تو انہوں نے کہا "خزرج"۔ آپ نے انہیں اسلام کی دعوت دی اور قرآن کی آیات سنائیں۔ یہ لوگ اگرچہ مشرکین مکہ کی طرح بت پرست تھے لیکن یہود کی ہمسائیگی کی وجہ سے مذہبی کتابوں سے واقفیت رکھتے تھے اور انہیں علم تھا کہ یہود ایک نبی کے منتظر ہیں۔ چنانچہ یہ پیغام سنتے ہی انہوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور کہا۔ دیکھو! کہیں یہود ہم سے بازی نہ لے جائیں۔ یہ کہہ کر سب نے ایک ساتھ اسلام قبول کر لیا۔ ان کی تعداد چھ تھی۔ دوسرے سال بارہ آدمی مدینہ سے آئے اور اسلام قبول کیا۔ اس کے ساتھ اس بات کی بھی خواہش کی کہ ان کے ساتھ کوئی معلم بھیج دیا جائے جو انہیں احکام اسلام سکھائے۔ آنحضرت نے حضرت مصعبؓ بن عمیر کو ان کے ساتھ بھیج دیا۔ مصعبؓ مدینہ کے رئیس سعد بن زرارہ کے ہاں ٹھہرے اور گھر گھر جا کر اسلام کی دعوت شروع کر دی۔ روزانہ ایک دو نئے آدمی اسلام قبول کرتے۔ رفتہ رفتہ مدینہ میں اچھا خاصا اسلام پھیل گیا۔ قبیلہ اوس کے سردار سعد بن معاذ تھے۔ مصعبؓ کی کوششوں سے وہ بھی مسلمان ہو گئے۔ قبیلہ پر ان کا اتنا اثر تھا کہ تمام قبیلہ اوس انہیں دیکھ کر یکبارگی مسلمان ہو گیا۔

اگلے برس بہتر آدمی حج کے زمانہ میں آئے اور اپنے ساتھیوں سے چھپ کر عقبہ (منیٰ) کے مقام پر آنحضرت کے

ہاتھ پر بیعت کی۔اوس وخزرج کے قبول اسلام سے مدینہ میں اسلام کی ایک پشت پناہ جماعت پیدا ہو چکی تھی جو اپنا سب کچھ اسلام پر قربان کرنے کو تیار تھی۔(19)

20۔ہجرت مدینہ

آنحضرت نے ہجرت کی عام اجازت دے دی اور اس کا سلسلہ شروع ہو گیا۔قریش کو معلوم ہوا تو انہوں نے مزاحمت شروع کر دی لیکن رفتہ رفتہ سب صحابہ نکل گئے۔صرف آنحضرت، حضرت ابوبکرؓ اور حضرت علیؓ اور وہ لوگ جو ناداری کے باعث مدینہ کے سفر کی قدرت نہ رکھتے تھے باقی رہ گئے۔قریش نے دیکھا کہ مدینہ پہنچ کر مسلمانوں کو امن وسکون نصیب ہو گیا ہے اور ان کی جماعت تیزی سے بڑھنے لگی ہے تو انہوں نے اپنا غصہ آنحضرت پر نکالنے کا فیصلہ کیا چنانچہ دارالندوہ میں ایک عام اجلاس بلایا گیا جس میں عتبہ، ابوسفیان، جبیر بن مطعم، ابوجہل، امیہ بن خلف، ابوالبختری، حکیم بن حزام اور دیگر کئی رؤسائے قریش جمع ہوئے۔لوگوں نے قید، جلاوطنی اور کئی ایک تجاویز پیش کیں۔لیکن ابوجہل کی اس تجویز پر اتفاق ہو گیا کہ سرے سے (نعوذ باللہ) محمد کا کام ہی تمام کر دیا جائے تاکہ یہ قصہ ہمیشہ کے لئے ختم ہو جائے۔اور ہر قبیلہ کا ایک ایک آدمی اس میں شریک ہو تاکہ بنو ہاشم بدلہ نہ لے سکیں۔اسی تجویز پر عمل کرتے ہوئے جھٹ پٹے میں کاشانہ مبارک کا محاصرہ کر لیا۔اہل عرب زنانہ مکان کے اندر گھسنا معیوب سمجھتے تھے اس لیے باہر ٹھہر کر آپ کے برآمد ہونے کا انتظار کرنے لگے۔

آنحضرت سے قریش کو اس درجہ عداوت تھی اس کے باوجود آپ کی دیانت پر اعتقاد تھا۔جس شخص کو کوئی مال و اسباب محفوظ رکھنا ہوتا آپ کے پاس لا کر بطور امانت رکھتا۔آپ کے پاس اس وقت بھی بہت سی امانتیں تھیں۔آپ کو قریش کے ارادے سے آگاہی ہو گئی تھی اس بناء پر حضرت علی کو بلا کر فرمایا مجھ کو ہجرت کا حکم ہو چکا ہے۔میں آج مدینہ روانہ ہو جاؤں گا۔تم میرے پلنگ پر میری چادر اوڑھ کر سو رہو صبح کو سب امانتیں واپس کر دینا۔حضرت علی جانتے تھے کہ آج کی رات رسول اللہ کا بستر قتل گاہ بننے والا ہے لیکن وہ بڑی بے خوفی سے آپ کے بستر پر سو گئے۔کفار نے جب آپ کے گھر کا محاصرہ کیا اور رات زیادہ گزر گئی تو قدرت نے انہیں سلا دیا اور آنحضرت انہیں غافل پا کر گھر سے باہر نکل آئے۔کعبہ کو دیکھا اور فرمایا۔مکہ تو مجھ کو ساری دنیا سے زیادہ عزیز ہے لیکن تیرے فرزند مجھے رہنے نہیں دیتے پھر حضرت ابوبکرؓ کے گھر تشریف لے گئے وہاں سواری اور سامان سفر پہلے سے تیار تھا۔فوراً دونوں روانہ گئے اور مکہ سے تین میل دور غار ثور میں قیام فرما ہوئے۔تین دن تک اس غار میں

مقیم رہے اس دوران حضرت ابوبکرؓ کے صاحبزادے عبداللہؓ رات کو غار میں ساتھ رہتے اور صبح سویرے مکہ چلے جاتے۔ اور قریش کے عزائم کے بارے میں آگاہی حاصل کر کے شام کو آ کر اطلاع دیتے۔ حضرت ابوبکرؓ کا غلام روزانہ دودھ پہنچا دیتا۔(20)

محاصرہ کرنے والے صبح کو بیدار ہوئے تو بستر پر آنحضرت کی جگہ حضرت علی کو پایا۔ انہوں نے حضرت علیؓ کو پکڑ کر اور حرم میں لے جا کر تھوڑی دیر محبوس رکھا پھر چھوڑ دیا اور آنحضرت کی تلاش میں نکل کھڑے ہوئے۔ ڈھونڈتے ڈھونڈتے غار ثور کے دہانے تک جا پہنچے۔ آہٹ پا کر حضرت ابوبکر حضور کے خیال سے گھبرائے آپ نے اطمینان دلایا اور فرمایا **لا تحزن ان الله معنا** (21) (گھبراؤ نہیں خدا ہمارے ساتھ ہے۔ خدا نے آپ کو دشمنوں کی نگاہ میں آنے سے محفوظ رکھا اور تلاش کرنے والے مایوس ہو کر لوٹ گئے۔ آنحضرت چوتھے دن غار ثور سے نکلے اور ایک کافر عبداللہ بن اریقط جس پر اعتماد تھا رہنمائی کے لیے اجرت پر مقرر کر لیا جو آپ کو راستہ بتاتا جاتا تھا۔

مکہ سے آپ کی روانگی کی خبر پہلے سے مدینہ پہنچ چکی تھی۔ اہل مدینہ چشم براہ تھے۔ روزانہ علی الصبح شہر سے نکل کر انتظار کرتے اور دوپہر تک انتظار کر کے حسرت کے ساتھ لوٹ جاتے۔ ایک دن حسب معمول انتظار کر کے واپس جا رہے تھے کہ ایک یہودی نے قلعہ سے دیکھا اور پکار کر کہا۔ اہل عرب جس کا تم انتظار کرتے تھے وہ آ گیا۔ تمام شہر تکبیروں سے گونج اٹھا اور انصار بے تابانہ گھروں سے نکل آئے۔

21۔ قبا میں قیام

مدینہ سے تین میل کے فاصلے پر قبا بستی میں انصار کے چند خاندان آباد تھے۔ حوالئی مدینہ پہنچ کر پہلی منزل آپ نے قبا میں کی اور کلثوم بن الہدم کو شرف میزبانی حاصل ہوا۔ انصار ہر طرف سے جوق در جوق آتے اور جوش عقیدت سے سلام عرض کرتے۔ آپ نے وہاں چودہ دن قیام کیا اور ایک چھوٹی سی مسجد تعمیر کی یہ اسلام میں سب سے پہلی مسجد تھی۔ یہی مسجد ہے جس کا قرآن نے شاندار الفاظ میں تذکرہ کیا ہے۔

لمسجد اسس علی التقوی (22)

یقیناً وہ مسجد جس کی بنیاد پہلے دن سے تقویٰ پر رکھی گئی ہے

حضرت علیؓ آنحضرت کے روانہ ہونے کے تین دن بعد مکہ سے چلے تھے وہ بھی یہیں آ کر آپ سے ملے۔ قبا میں چودہ دن ٹھہرنے کے بعد آپ مدینہ روانہ ہوئے۔ راستہ بنو سالم کے محلہ میں پہلی نماز جمعہ ادا فرمائی۔ سارا مدینہ استقبال کے لئے ٹوٹ پڑا۔ قبا سے مدینہ تک دو رویہ انصار کی صفیں تھیں۔ ہر قبیلہ سامنے آ کر عرض کرتا تھا حضور یہ جان ہے یہ مال یہ گھر ہے آپ۔ ۔ ۔ ارمت فرماتے دعائے خیر کرتے ہوئے مدینہ پہنچے۔ شہر قریب آ گیا تو جوش وخروش کا یہ عالم تھا کہ پردہ نشین خواتین چھتوں پر نکل آئیں اور یہ کلمات دہرانے لگیں۔

طلع البدر علینا . من ثنیات الوداع

وجب الشکر علینا . ما دعی لله داع (23)

چاند نکل آیا۔ کوہ وداع کی گھاٹیوں سے۔ ہم پر خدا کا شکر واجب ہے۔ جب دعا مانگنے والے دعا مانگیں۔

جب کہ کبنہ نبوی حضرت ابوایوب انصاری کے پاس پہنچا تو شرف میزبانی حاصل کرنے کے لیے باہم سخت کشمکش ہوئی۔ آنحضرت نے فرمایا کہ میری اونٹنی خدا کی طرف سے مامور ہے جہاں جا کر بیٹھ جائے گی وہاں میری قیام گاہ ہوگی۔ آخر یہ دولت حضرت ابوایوب انصاری کے حصہ میں آئی۔ آپ نے سات ماہ تک یہیں قیام کیا۔

22۔ مسجد نبوی کی تعمیر

مدینہ میں قیام کے بعد سب سے پہلے آپ نے اللہ کے گھر کی تعمیر کی طرف توجہ فرمائی۔ صحابہ کے ساتھ مل کر ایک مختصر اور سادہ مسجد تعمیر۔ مسجد کے ایک سرے پر ایک چبوترہ تھا جو صفہ کہلاتا تھا۔ یہ ان لوگوں کے لیے تھا جو اسلام لاتے اور گھر بار نہیں رکھتے تھے۔ مسجد نبوی کی تعمیر ہو چکی تو مسجد سے متصل آپ نے ازواج مطہرات کے لیے مکان بنوائے۔ اس وقت تک حضرت سودہ اور حضرت عائشہ عقد نکاح میں آ چکی تھیں۔ اس لئے دو حجرے بنے جب اور ازواج آ گئیں تو اور مکانات بنتے گئے۔ مکہ سے ہجرت کر کے آنے والے مسلمان بالکل بے سروسامان آئے تھے۔ اگرچہ ان میں سے بہت سے دولت مند تھے لیکن ایسی حالت میں مکہ سے نکلے تھے کہ کوئی شے ساتھ نہ لا سکے۔ اس لیے آنحضرت نے ان کے لئے معقول انتظام کرنے اور

ان کی اجنبیت دور کرنے کے لیے ان میں اور انصار میں رشتہ اخوت قائم کر دیا یعنی ایک ایک مہاجر کو ایک ایک انصار کا بھائی بنا دیا۔ یہ اخوت حقیقی اخوت سے بڑھ گئی۔ اس موقع پر انصار نے جس فیاضی ایثار اور میزبانی کی اعلیٰ مثالیں قائم کیں تاریخ اس کی نظیر لانے سے قاصر ہے۔

23۔ میثاق مدینہ

مدینہ پہنچنے کے بعد آنحضرت ﷺ نے مدینہ میں بسنے والی اقوام نصاریٰ، یہود اور مسلمانوں کے درمیان ایک معاہدہ قلمبند کرایا جو تاریخ میں ''میثاق مدینہ'' کے نام سے مشہور ہوا اور یہ وہ پہلا تحریری دستور ہے جو آج تک تاریخ کے صفحات میں موجود اور محفوظ ہے۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہؒ لکھتے ہیں: دنیا کا سب سے پہلا تحریری دستور آنحضرت ﷺ نے تحریر کروایا''۔ غرض عام قواعد و قوانین ملک کم و بیش تحریری صورت میں ہر جگہ ملتے ہیں لیکن دستور مملکت کو عام قوانین سے علیحدہ تحریری صورت میں لانا اس کی نظیر باوجود بڑی تلاش کے مجھے عہد نبویؐ سے پہلے نہیں مل سکی۔ (24)

یہود کے تین قبیلے۔ بنوقینقاع، بنونضیر اور قریظہ مدینہ کے اطراف میں آباد تھے۔ اس لیے آنحضرت کو ان کی جانب سے خطرات تھے۔ چنانچہ آپ نے ان سے ایک معاہدہ کیا جس کی اہم دفعات یہ تھیں

1۔ کہ خون بہا اور فدیہ کا جو طریقہ پہلے سے چلا آ رہا ہے وہ قائم رہے گا۔
2۔ یہود کو مذہبی آزادی حاصل رہے گی۔ اور وہ مسلمانوں سے دوستانہ تعلقات رکھیں گے۔
3۔ فریقین میں سے جب کسی کو تیسرے فریق سے جنگ کی نوبت آئے تو وہ ایک دوسرے کی مدد کریں گے۔
4۔ کوئی فریق قریش کی امان نہ دے گا۔ جب کوئی بیرونی طاقت مدینہ پر حملہ آور ہو تو دونوں مل کر مدافعت کریں گے۔
5۔ فریقین میں سے جب کوئی تیسری طاقت سے صلح کرے گا تو دوسرا بھی اس صلح میں شریک ہوگا۔ البتہ مذہبی لڑائیاں اس سے مستثنیٰ رہیں گی۔ (25)

ہجرت کے پہلے ہی سال آنحضرت ﷺ نے یہ نوشتہ مرتب فرمایا۔ اس دستور کی اہمیت کو غیر مسلم مورخین نے بھی تسلیم کیا ہے۔ اس دستور کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ شروع دور اسلام میں قرآن کے علاوہ کوئی دوسری

چیز لکھنے کی ممانعت تھی، لیکن اس دستور کو آنحضرت ﷺ نے خود قلمبند کروایا۔

اس معاہدے کی ہر دفعہ پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کسی ایسے مدبر اور ماہر قانون کا تیار شدہ ہے جو حالات کی جزئیات تک سے کلی طور پر واقف ہو۔ آپؐ مدینہ میں نو وارد تھے اور محض اپنے چند ساتھیوں سمیت تشریف لائے تھے۔ مسلمان تو خیر آپ کے تابع تھے ہی دوسرے قبائل اور یہود نے آپ کی سیاسی بالادستی کو کیسے قبول کر لیا۔ مدینہ میں دو بڑے قبیلے اوس وخزرج اکثر برسرپیکار رہتے تھے۔ اگر ان میں کبھی امن پیدا ہو بھی جاتا تو یہود ان میں نیا فتنہ پیدا کر کے تماشائی کا کردار ادا کرتے اور اس طرح اہل مدینہ پر اپنی بالادستی قائم رکھتے تھے۔ اوس وخزرج کے بعض سمجھ دار لوگ یہودیوں کی اس فتنہ پردازی سے نالاں تھے، لیکن ان کے پاس اس کا کوئی علاج نہ تھا۔ کوئی ایسی بااثر شخصیت اُن کے سامنے موجود نہ تھی جو یہ فتنہ دبا سکے۔ ہجرت سے پہلے ان لوگوں نے حج کے موقع پر آپ ﷺ سے ملاقات کی تو آپ ﷺ کی ذات میں اپنی منزل گم گشتہ نظر آئی۔ چنانچہ آپؐ تشریف لائے تو ان لوگوں نے یہود کے فتنہ اور سیاسی دباؤ سے بچنے کے لیے آپ سے اتحاد و تعاون میں عافیت سمجھی۔ ادھر یہود خود ایک وحدت نہ تھے، بلکہ تین بڑے قبائل میں بٹے ہوئے تھے۔ جن کی آپس میں رقابت چلتی تھی۔ چنانچہ میثاق مدینہ کو ان لوگوں نے بیک وقت قبول نہیں کیا۔ یکے بعد دیگرے حالات کے سامنے جوں جوں مجبور ہوتے گئے قبول کرتے گئے۔ آپ ﷺ نے میثاق مدینہ میں چونکہ ہر شخص کی مذہبی آزادی اور عدل وانصاف کے ساتھ ہر ایک کے حقوق کو یکساں طور پر تسلیم کیا تھا، لہذا ان لوگوں کے لیے اس دستاویز کو قبول کرنے کے بغیر کوئی چارہ نہ تھا۔ ''میثاق مدینہ'' صرف اپنے زمانے ہی میں اہمیت کا حامل نہیں بلکہ آنے والے تمام مسلمان حکمرانوں کے لیے بھی اس میں رہنما اصول مہیا کیے گئے ہیں۔

معروف مستشرق نکلسن لکھتے ہیں:

''بظاہر یہ محتاط اور دانشمندانہ اصطلاح ہے، حقیقت میں یہ ایک انقلاب ہے۔ محمد ﷺ نے قبائل کی بے راہ روی پر کھلم کھلا ضرب نہیں لگائی، لیکن اسے ختم کر ڈالا ... ہر چند اس وحدت میں یہودی، مشرکین اور مسلمان شریک تھے لیکن آپ ﷺ اس حقیقت کو سمجھتے تھے کہ اس نوزائیدہ ریاست میں فعال اور بااثر حصہ دار مسلمان ہی ہیں۔ اس حقیقت کو آپ کے مخالفین پہلے نہ دیکھ سکے''۔ (26)

24۔ غزوات نبوی ﷺ کا جائزہ

سرکارِ مدینہ ﷺ کو میدانِ کارزار میں دشمنانِ اسلام سے نبرد آزما بھی ہونا پڑا۔ حضورؐ کی زندگی کا یہ پہلو بھی اپنا انفرادی اور امتیازی مقام رکھتا ہے۔ آپ کی زندگی مقدسہ کے اس پہلو پر اہل علم نے مستقل کتابیں لکھی ہیں۔

''الرسول القائد'' کے مصنف لکھتے ہیں:

''سیرت سے متعلق بہت سی کتابوں کا میں نے امعان نظر سے مطالعہ کیا ہے۔ اس مطالعہ کا نتیجہ یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کی حیاتِ عسکری مجھے بہت زیادہ گراں بہا اور گراں مایہ نظر آئی، تاریخ حربیات میں آپ کا مقام قدیم و جدید تمام سپہ سالاروں اور امیرانِ عساکر سے کہیں زیادہ بلند و بالا ہے، البتہ یہ بات ضرور ہے کہ آپ کی حیاتِ عسکری کے لازوال اور غیر فانی پہلوؤں کو اب تک اُجاگر کرنے کی کوشش نہیں کی گئی...... آپ کی حیاتِ طیبہ کا یہ پہلو جو حد درجہ عظیم اور وقیع ہے، چشم دنیا سے ابھی تک پنہاں ہے یا کم از کم اپنے اصل آب و رنگ کے ساتھ نظروں کے سامنے نہیں آیا''۔(27)

حضور ﷺ کی زندگی کے عسکری پہلو پر نظر ڈالیں تو تین باتیں نمایاں نظر آتی ہیں:

1۔ ایک تو یہ کہ آپ حد درجہ بلند ہمت اور صاحب عزم و ثبات قائد افواج تھے۔
2۔ دوسرے یہ کہ آپ کی ساری جنگیں، حمایت حریت عامہ، نشر اسلام اور ارکان اسلام کی صیانت و حفاظت کے لیے تھیں، نہ کہ اعتصاب واستقلال، ظلم وجور، قتل وغارت اور بندگانِ خدا کی غلامی کے لیے۔
3۔ تیسرے یہ کہ بالعموم تمام سپہ سالاروں کو اپنی قوم کی حمایت اور پشت پناہی حاصل ہوتی تھی، جب کہ آپ کو ایک نئی قوم کی تشکیل کرنا پڑی جس کے اجزاء مختلف مقالات سے حاصل کیے گئے تھے۔

اسلامی تعلیمات کی روشنی میں انسانی جان بہت زیادہ محترم ہے۔ ناگزیر اسباب و وجوہ کے بغیر انسانی جان کی حفاظت کو ہر حال میں لازم قرار دیا گیا ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿قُلْ تَعَالَوْاْ أَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ أَلَّا تُشْرِكُواْ بِهِ شَيْئاً وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَاناً وَلاَ تَقْتُلُواْ أَوْلاَدَكُم مِّنْ إمْلاَقٍ نَّحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَإِيَّاهُمْ وَلاَ تَقْرَبُواْ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَلاَ تَقْتُلُواْ النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ

اللّٰهُ إِلَّا بِالْحَقِّ ذٰلِكُمْ وَصّٰكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ﴾(28)

ترجمہ:۔اے محمد! کہو کہ آؤ! میں تم کو بتلاؤں کہ اللہ نے تم پر کیا کیا حرام کیا ہے۔تم پر واجب ہے کہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو، والدین سے نیک سلوک کرو۔اپنی اولاد کو مفلسی اور تنگدستی کے باعث قتل نہ کرو، ہم جہاں تم کو رزق دیتے ہیں ان کو بھی دیں گے، بدکاریوں کے قریب بھی نہ بھٹکو خواہ وہ چھپی ہوئی ہوں یا کھلی، کسی ایسی جان کو جسے اللہ نے محترم قرار دیا ہے ہلاک نہ کرو، سوائے اس صورت میں کہ ایسا کرنا حق کا تقاضا ہو۔اللہ نے ان باتوں کی تمہیں تاکید کی ہے شاید تم کو کچھ عقل آئے۔

سیّد دو عالم ﷺ نے ہمیشہ انسانی جان کے احترام کی تلقین کی ہے۔صرف دو مثالیں پیش خدمت ہیں:

''انس بن مالک سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، بڑے گناہوں میں سب سے بڑا گناہ اللہ کے ساتھ شریک کرنا ہے، پھر قتل نفس، پھر والدین کی نافرمانی کرنا اور پھر جھوٹ بولنا''۔(29)

ابن عمر سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مومن اپنے دین کی وسعت میں اس وقت تک برابر رہتا ہے جب تک وہ کسی حرام خون کو نہیں بہاتا۔(30)

انسانی معاشرت میں سب سے مقدم اور مقدس شئے انسان کی جان ہے، دنیا کے تمام مہذب قوانین اور شریعتوں میں احترام نفس کا یہ اصول موجود رہا ہے۔اسی اصول کی بنیاد پر انسانی معاشرت منظم ہوتی ہے۔ہوس، جاہ و زر، لسانی اور نسلی تعصبات کی خاطر انسانی خون سے اپنے ہاتھوں کو رنگین کرنا بلاشبہ ایک قبیح فعل ہے، بعثت نبوی ﷺ سے پہلے کی جاہلی تاریخ میں آپ کو یہی کچھ نظر آئے گا۔آنحضرت ﷺ نے فکر انسانی کو نیا رخ دیا۔انسان کا مرنا اور جینا اللہ کے لیے قرار دیا اور اس فکر و عقیدہ کی آبیاری کی کہ مومن کی تلوار صرف اور صرف اعلائے کلمۃ الحق کے لیے بے نیام ہو سکتی ہے۔بے شک جب انسانی جان کا احترام اٹھ جائے، انسانی حقوق پامال ہو رہے ہوں، مخلوق خدا سے باغی ہو جائے تو ایسی حالت میں جنگ جائز ہی نہیں فرض ہو جاتی ہے۔اس وقت انسانیت کی سب سے بڑی خدمت یہی ہوتی ہے کہ ان ظالموں کے خون سے زمین کو سرخ کر دیا جائے اور ان مفسدوں اور فتنہ پردازوں کے شر سے اللہ تعالیٰ کے مظلوم و بے بس بندوں کو نجات دلائی جائے جو شیطان کی امت بن کر اولاد آدم پر اخلاقی روحانی اور مادی تباہی کی مصیبتیں نازل

کرتے ہیں۔ گویا اسلامی نقطہ نظر سے بقول مصنف الرسول القائد:

''جنگ صرف اس صورت میں جائز ہے کہ دعوت اسلام کی آزادی اور امن وامان برقرار رکھنے کے لیے لڑی جائے اور دوران قتل شجاعت و شرافت کے اصولوں کی مراعات ملحوظ خاطر رکھی جائیں''۔(31)

سید دو عالم ﷺ کو ریاست مدینہ کے استحکام کے ضمن میں یہودیوں کی طرف سے کی جانے والی سازشوں سے بھی نبرد آزما ہونا پڑا اور صلح حدیبیہ کے بظاہر تلخ مرحلے کو بھی سر کرنا پڑا۔

صلح حدیبیہ سے تھوڑا سا پہلے کے حالات پر نظر ڈالیں تو ایک اور اہم واقعہ بھی نظر آئے گا جس کی آئندہ پیش آمدہ حالات بالخصوص صلح حدیبیہ کے ضمن میں خصوصی اہمیت ہے۔ بنی قینقاع اور بنی النضیر کے یہودی مضافات مدینہ سے جلاوطنی پر مجبور ہوئے تو وہ مدینہ کے شمال میں خیبر وغیرہ کی یہودی بستیوں میں آباد ہونا شروع ہو گئے اور یوں اب یہ مقامات مسلمانوں کے خلاف سازش کے اڈے بن گئے۔ یہ زمانہ مسلمانوں کے لیے خاصا کٹھن تھا، شمال میں خیبر وغیرہ یہودی قوت کے مرکز تھے۔ شمال مشرق میں فزارہ وغطفان کے قبائل خیبر والوں کے حلیف تھے اور ان کی مسلمانوں سے بنتی نہ تھی اور جب موقع ملتا یہ مسلمان آبادی کو برباد کرنے کے در پے رہتے تھے۔ جنوب میں مکہ تھا، جسکی قوت چاہے معاشی طور پر متاثر ہوئی ہو جنگی حیثیت سے برقرار تھی۔ اب آثار یہ نظر آ رہے تھے کہ جلاوطنان مدینہ کے خلاف کارروائی کریں گے۔ اس تناظر میں جب آپ صلح حدیبیہ اور اس کی شرائط پر غور کریں تو یہ معاہدہ آنحضرت ﷺ کی سیاست خارجہ کا شاہکار نظر آتا ہے۔

اس معاہدے پر غور کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے کمال حکمت عملی سے اس معاہدہ میں باندھ کر ان تینوں فریقوں کو اس بات کا پابند بنا دیا کہ وہ مسلم ریاست پر متحد حملہ آور نہ ہوں۔ ڈاکٹر حمید اللہ لکھتے ہیں:

''حدیبیہ میں قریش کو یہودیوں کے متعلق غیر جانبدار رہنے پر آمادہ کر دینا وہ زبردست سیاسی اور سفارتی (ڈپلومیٹک) کامیابی تھی کہ اس کے متعلق قرآن مجید کا دیا ہوا نام ''فتح مبین'' ذرہ بھی مبالغہ آمیز نظر نہیں آتا ہے''۔(32)

معاہدہ حدیبیہ میں عرب کے دیگر قبائل کو اپنی مرضی پر چھوڑ دیا گیا تھا کہ وہ جس کا حلیف بننا چاہیں بن جائیں۔

معاہدہ حدیبیہ کی رو سے ان میں سے کسی کو بھی دوسرے پر ہاتھ اٹھانے کا حق نہ تھا لیکن قریش اور اس کے حلیف قبیلہ نے معاہدہ کی پاسداری نہ کی۔ بنو بکر نے خزاعہ کے آدمیوں پر حملہ کیا۔ انہوں نے حرم میں پناہ لینا چاہی مگر وہاں بھی خون بہایا گیا، اس حملے میں قریش نے اپنے حلیف قبیلہ کی اسلحہ و افراد کے ساتھ مدد کی۔ اس صورت حال کی اطلاع دینے کے لیے خزاعہ کا ایک وفد بارگاہ رسالت مآب ﷺ میں حاضر ہوا اور جملہ حالات بیان کیے۔ آنحضرت ﷺ کو قریش کی طرف سے یہ بدعہدی بہت ناگوار گزری اور آنحضرت ﷺ نے ایک قاصد کو مکہ روانہ کیا اور حسب ذیل تین شرطیں پیش کیں اور قریش کو اختیار دیا کہ ان میں سے جون سی شرط چاہیں قبول کر لیں۔

1۔ مقتولوں کا خون بہا دیا جائے۔

2۔ قریش، بنو بکر کی حمایت سے دستبردار ہو جائیں۔

3۔ معاہدہ حدیبیہ کے ٹوٹ جانے کا اعلان کر دیا جائے۔

آنحضرت ﷺ کے قاصد نے جب یہ تین شرائط مکہ والوں کے سامنے پیش کیں تو ان میں سے قرطہ بن عمر نے جواب میں کہا کہ ہمیں تیسری شرط منظور ہے۔ گویا معاہدہ حدیبیہ فسخ کرنے کا اعلان کر دیا جائے۔ یہ جواب پا کر آنحضرت ﷺ کا قاصد عازم مدینہ ہو گیا تو قریش کو خیال آیا کہ ہم نے کیا کیا؟ انہیں اپنے جواب پر بہت پچھتاوا ہوا۔ تلافی اور تجدید معاہدہ کے لیے ابوسفیان مدینہ طیبہ پہنچا، آنحضرت ﷺ نے تجدید معاشدہ سے صاف انکار کر دیا۔ ابوسفیان کے واپس جانے کے بعد آنحضرت ﷺ نے صحابہ کرام کو جنگی تیاریوں کا حکم دیا مگر ساتھ ان تیاریوں کو مخفی رکھنے کا حکم بھی دیا۔ ایک صحابی حاطب بن ابی بلتعہ نے مکہ والوں کو خبردار کرنے کی کوشش کی۔ اس سلسلے میں ایک خط مکہ جانے والی ایک خاتون کے سپرد کیا جو بعض قریشی سرداروں کے نام تھا، خط کا مضمون حسب ذیل تھا:

''اے گروہ قریش! رسول اللہ ﷺ رات کی مانند تم پر ایک ہولناک لشکر لے کر آنے والے ہیں جو سیلاب کی طرح بہتا ہو گا، خدا کی قسم اگر رسول اللہ ﷺ بلا لشکر کے خود تن تنہا بھی تشریف لے جائیں تو اللہ تعالیٰ ضرور آپ کی مدد فرمائے گا اور فتح و نصرت کا جو وعدہ خدا نے آپ سے کیا ہے وہ ضرور پورا کرے گا''۔(33)

آنحضرت ﷺ کے حکم سے حضرت علیؓ، حضرت زبیرؓ اور حضرت مقدادؓ اس عورت کے تعاقب میں روانہ ہوئے اور راستے میں جا لیا، اس عورت نے یہ خط اپنے بالوں میں چھپا رکھا تھا۔ آنحضرتؐ نے خط کی وصولی کے بعد حاطب بن

ابی بلتعہ کو طلب فرمایا اور پوچھا کہ یہ کیا ماجرا ہے۔ حاطب نے عرض کیا "یا رسول اللہ! آپ مواخذہ میں عجلت نہ فرمائیں" یا رسول اللہ! قریش سے میری کوئی قرابت نہیں، فقط حلیفانہ تعلقات ہیں۔ میرے اہل وعیال آج کل مکہ میں ہیں جن کا کوئی مددگار نہیں۔ بخلاف مہاجرین کے کہ مکہ میں ان کی قرابتیں ہیں، قرابتوں کی وجہ سے ان کے اہل وعیال محفوظ ہیں، اس لیے میں نے چاہا کہ جب قریش سے میری کوئی قرابت نہیں تو ان کے ساتھ کوئی احسان کروں جس کے صلے میں وہ میرے اہل وعیال کی حفاظت کریں۔ خدا کی قسم میں نے دین سے مرتد ہو کر اور اسلام کے بعد کفر سے راضی ہو کر ہرگز یہ کام نہیں کیا۔ میری غرض فقط وہی تھی جو میں نے عرض کی"۔ (34) آنحضرت ﷺ نے حقیقت حال بیان کر دینے پر حاطب کو معاف فرما دیا۔

رمضان ۸ ہجری کو آپ ﷺ کی قیادت میں دس ہزار جاں نثاروں کا لشکر مکہ روانہ ہوا۔ آنحضرت ﷺ نے انتہائی رازدارانہ طریقے سے یہ سفر کیا۔ مکہ سے ایک منزل دور مرالظہر ان پر پہنچ کر آنحضرت ﷺ نے آگ روشن کرنے کا حکم صادر فرمایا۔ ابوسفیان، حکیم بن حزام اور بدیل بن ورقاء صورت حال معلوم کرنے کے لیے آئے۔ ابو سفیان پر حضرت عباسؓ کی نظر پڑ گئی اور وہ اسے حضور ﷺ کی بارگاہ میں لے آئے۔ حضرت عمرؓ نے ابوسفیان کو دیکھا تو بے قابو ہو گئے، حضور ﷺ سے اجازت چاہی کہ ابوسفیان کا سر قلم کر دیا جائے مگر حضرت عباسؓ کی سفارش پر آپ ﷺ نے ابوسفیان کو معاف فرما دیا۔

لشکر اسلام جب مکہ کی جانب بڑھا تو آنحضرت ﷺ نے حضرت عباسؓ سے فرمایا کہ وہ ابوسفیان کو لے کر کسی بلند جگہ کھڑے ہو جائیں تاکہ ابوسفیان افواج اسلام کا نظارہ کر سکے۔ ابوسفیان بلندی پر کھڑا عرب کے مختلف قبائل پر مشتمل اس بحر بیکراں کو مکہ کی طرف بڑھتے دیکھ رہا تھا۔ وہ لوگ اس کے سامنے سے گزر رہے تھے جو اسی مکہ سے بے گھر ہو کر نکلے تھے جن پر تشدد کی شہادت مکہ کے سنگریزے بھی دے رہے تھے۔ مکہ کی گرم ریت پر لیٹ کر احد احد کے نعرے بلند کرنے والے بلال آج لشکر اسلام میں موجود تھے۔ دس برس کی شبانہ روز جسمانی اور روحانی کاوشوں کے بعد مکہ کا جلاوطن آج فاتحانہ انداز میں مکہ میں داخل ہو رہا تھا۔ آج سے دس سال پہلے جب اس نے اس سرزمین سے ہجرت کی تو ایک رفیق ہجرت ساتھ تھا۔ آج دس ہزار سے زائد قدسی صفت جاں نثار اس کے ساتھ تھے لیکن آنحضرت ﷺ کا مکہ میں داخلہ کسی جبار فاتح کی طرح نہیں تھا آپ کا یہ فاتحانہ داخلہ نبی اور ایک بادشاہ کے داخلے میں فرق کو نمایاں کر رہا تھا۔ آپ عجز و انکسار کے ساتھ حرم میں جب داخل ہوئے تو انکسار سے گردن اس قدر جھکی ہوئی تھی کہ ریش مبارک کجاوہ کی لکڑی سے مس کر رہی تھی، اس موقع پر آپ نے درج

ذیل خطبہ ارشاد فرمایا:

''اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔اس کا کوئی شریک نہیں۔اس نے اپنا وعدہ سچا کیا۔اپنے بندے کی امداد کی اور سارے گروہوں کو اکیلے ہی شکست دی۔خبردار! ہر قسم کا خواہ وہ خون کا مطالبہ ہو یا مال کا وہ میرے ان پاؤں کے نیچے ہے۔البتہ بیت اللہ کی دربانی اور حاجیوں کو پانی پلانے کی زحمت کے مناصب جوں کے توں ہیں۔اے گروہ قریش! آج کے دن اللہ نے تم سے جاہلیت کا غرور لیا اور آباء واجداد کے بل پر بڑھائی غلط قرار دے دی، سارے انسان آدم کی اولاد ہیں اور آدم مٹی سے بنا ہے''۔(35)

اکابر قریش اور دیگر لوگ آنحضرت ﷺ کے سامنے موجود تھے۔ان کا اپنا کیا انہیں یاد تھا۔وہ سوچ رہے تھے کہ ابھی جاں نثاران مصطفیٰ آپ کا اشارہ پاتے ہی ان کے جسم وروح کے رشتے کو منقطع کر دیں گے لیکن رحمۃ للعالمین کی زبان وحی ترجمان حرکت میں آتی ہے اور یہ الفاظ ادا ہوتے ہیں:

﴿لاتَثْرِيبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ، اذْهَبُوا، فَأَنْتُمُ الطُّلَقَاءُ﴾(36)

آج تم پر کوئی مواخذہ نہیں، جاؤ تم سب آزاد ہو۔اس عفو عام میں سے آٹھ آدمیوں کو مستثنیٰ قرار دیا گیا تھا اور ان کے خون کو مباح قرار دیا گیا تھا۔یہ آٹھ افراد حسب ذیل ہیں:

(1) عبداللہ بن خطل، (2، 3) قرتنی اور قریبہ (دونوں لونڈیاں تھیں)، (4) حویرث، (5) مقیس بن صبابہ، (6) عبداللہ بن سعد بن ابی سرح، (7) سارہ، (8) عکرمہ بن ابی جہل۔

عبداللہ بن خطل کو قتل کر دیا گیا۔قرتنی اور قریبہ میں سے ایک ماری گئی اور دوسری کی درخواست پر اسے معاف کر دیا گیا۔سارہ قتل کر دی گئی۔مقیس بن صبابہ اور حویرث کو بھی قتل کر دیا گیا۔عبداللہ بن ابی سرح کو حضرت عثمان کی سفارش پر اور عکرمہ کو اس کی اپنی درخواست پر معاف کر دیا گیا۔فتح مکہ کے بعد قبائل جوق در جوق حلقہ اسلام میں داخل ہونا شروع ہو گئے۔ عمرو بن سلمہ مشہور صحابی کا کہنا ہے: عرب قریش کے قبول اسلام کا انتظار کر رہے تھے، وہ کہتے تھے کہ محمد رسول اللہ ﷺ کو ان کی قوم پر چھوڑ دو، اگر محمدؐ ان پر غالب آ گئے تو بلاشبہ وہ سچے پیغمبر ہیں، پس جب مکہ فتح ہوا تو ہر قبیلہ نے اسلام کی طرف پیش قدمی کی۔فتح مکہ نے مشرکین کی کمر توڑ دی تھی مگر تا حال دو قبیلے ہوازن اور ثقیف اپنی طاقت پر نازاں تھے۔انہیں اپنی جنگی مہارت پر بڑا اعتماد تھا، ان کا کہنا تھا کہ اہل اسلام کو اب تک جن قبائل سے واسطہ پڑا ہے وہ مرد میدان نہ تھے۔اب جب ہمارے ساتھ

مقابلہ ہوگا تو انہیں معلوم ہو جائے گا۔

آپ ﷺ بارہ ہزار کی جمعیت کے ساتھ حنین کی جانب بڑھے، اس سے پہلے کبھی مسلمانوں کی اتنی بڑی جمعیت کسی غزوہ میں شریک نہ ہوئی تھی۔ چنانچہ بعض صحابہ کرام کی زبان سے یہ جملہ نکل گیا کہ آج ہم پر کون غالب آ سکتا ہے، عام حالات میں یہ جملہ کوئی قابل گرفت جملہ نہیں ہے مگر وہ قدسی صفت علمبرداران توحید جنہوں نے بارگاہ مصطفی ﷺ میں توحید کا درس پڑھا تھا، جنہوں نے معرکہ بدر میں مٹھی بھر جماعت کو ایک لشکر جرار پر غالب آتے دیکھا ان کی زبان پر کثرت تعداد کا یہ فخر یہ جملہ آیا تو بارگاہ الٰہی میں ناگوار گزرا۔ چنانچہ پہلے حملے میں تو مشرکین پسپا ہوئے لیکن پلٹ کر جو حملہ کیا تو مسلم فوج کے پاؤں اکھڑ گئے، مولانا شبلی لکھتے ہیں:

''تیروں کا مینہ برس رہا تھا، بارہ ہزار فوجیں ہوا ہو گئیں تھیں لیکن ایک پیکر مقدس پا بر جا تھا، جو تنہا ایک فوج ایک ملک ایک اقلیم ایک عالم بلکہ مقصود کائنات تھا (ﷺ)''۔(37)

سرور عالم ﷺ نے یہ کیفیت دیکھی تو بلند آواز میں پکارا ''یا معشر الانصار'' (اے انصار کے لوگو) جواب میں آواز آئی، یا رسول اللہ ﷺ ہم حاضر ہیں۔ آپ اپنی سواری سے اتر پڑے اور جلال سے ارشاد فرمایا:

انا النبی لا کذب انا ابن عبدالمطلب(38)

میں پیغمبر ہوں یہ جھوٹ نہیں ہے۔ میں عبدالمطلب کا بیٹا ہوں۔

حضرت عباسؓ نے بلند آواز سے مہاجرین و انصار کو پکارا، ان کی آواز سنتے ہی مسلمان پلٹ پڑے اور پھر بدر و احد کے غازی اس سرفروشی کے ساتھ لڑے کہ کفار کو میدان چھوڑنے پر مجبور کر دیا۔ غزوہ حنین کا تذکرہ قرآن مجید میں ان الفاظ میں مذکور ہے۔

و یوم حنین اذ اعجبتکم کثرتکم فلم تغن عنکم شیئا و ضاقت علیکم الارض بما رحبت ثم ولّیتم مدبرین. ثم انزل اللہ سکینتہ علی رسولہ و علی المؤمنین و انزل جنود الم تروھا و عذّب الذین کفروا و ذالک جزآء الکافرین.(39)

ترجمہ:۔ اور حنین کے دن جب کہ تمہاری کثرت نے تم کو خود پسندی میں ڈال دیا، پس وہ کثرت تمہارے کچھ کام نہ

آئی اور زمین باوجود وسیع ہونے کے تم پر تنگ ہوگئی اور پھر تم پشت پھیر کر بھاگے، اس کے بعد اللہ نے خاص تسکین اتاری اپنے رسول ﷺ پر اور اہل ایمان کے قلوب پر اور ایسے لشکر اتارے جن کو تم نے نہیں دیکھا اور کافروں کو سزا دی اور یہی سزا ہے کافروں کی۔

حنین میں کفار کی شکست خوردہ فوج کا کچھ حصہ طائف میں اور کچھ اوطاس میں جمع ہوگیا۔ اوطاس والوں کی خبر گیری کے لیے آپ نے ابوموسیٰ اشعری کو ایک چھوٹی سی فوجی جماعت کے ساتھ روانہ کیا۔ لشکر کفار کا رئیس درید قتل ہوا اور فوج بھاگ نکلی، طائف کا بنفس نفیس آپ ﷺ نے محاصرہ کیا، محاصرہ بیس روز تک جاری رہا۔ اس اثناء میں طائف کے گرد و نواح کے لوگوں کی اکثریت حلقہ اسلام میں داخل ہوگئی۔ چنانچہ آپ ﷺ نے بے فکر ہو کر محاصرہ اٹھالیا۔

9ھ میں آنحضرت ﷺ کو اطلاع ملی کہ شام میں مسلمانوں سے جنگ کے لیے ایک زبردست فوج تیار کی جارہی ہے اور ہرقل نے بھی چالیس ہزار کا ایک لشکر جرار بغرض تعاون روم سے روانہ کر دیا ہے چنانچہ آنحضرت ﷺ نے پیش قدمی کا فیصلہ فرمایا۔ رجب ۹ھ کو آنحضرت ﷺ انیس ہزار جاں نثاروں کے ساتھ شام کی جانب روانہ ہوئے۔ حضرت علیؓ کو مدینہ میں چھوڑا گیا۔ تبوک پہنچ کر معلوم ہوا کہ حملے کی خبر غلط تھی، تاہم بیس روز تک آپ ﷺ نے تبوک میں قیام فرمایا۔ آپ کی اس بروقت پیش قدمی اور تبوک میں قیام نے شامیوں کے حوصلے بہت پست کر دیئے۔ تبوک کی مہم سے عصبیت جاہلیہ اور کفر و شرک کی تحریک بھی بری طرح متاثر ہوئی۔ اس کا مستقبل تاریک ہوگیا اور مولانا مودودی کے الفاظ میں:

''تبوک کی بلا جنگ فتح نے عرب میں ان لوگوں کی کمر توڑ دی جو اب تک جاہلیت قدیمہ کے بحال ہونے کی آس لگائے بیٹھے تھے۔ خواہ اعلانیہ مشرک ہوں یا اسلام کے پردے میں منافق بنے ہوئے ہوں۔ اس آخری مایوسی نے ان میں سے اکثر و بیشتر کے لیے اس کے سوا کوئی چارہ کار نہ رہنے دیا کہ اسلام کے دامن میں پناہ لیں اور اگر خود نعمت ایمانی سے بہرہ ور نہ بھی ہوں تو کم از کم آئندہ نسلیں بالکل اسلام میں جذب ہو جائیں۔ اس کے بعد ایک برائے نام اقلیت شرک و جاہلیت میں ثابت قدم رہ گئی۔ وہ اتنی بے بس ہوگئی تھی کہ اس اصلاحی انقلاب کی تکمیل میں کچھ بھی مانع نہ ہوسکتی تھی۔ جس کے لیے اللہ نے اپنے رسول ﷺ کو بھیجا تھا''۔ (40)

مدینہ کے دوران حضور ﷺ نے کل سترہ غزوات میں حصہ لیا۔ ۲۲ سرایا تھے، تقریباً ۸۸ گشتی دستے وقتاً فوقتاً ارسال فرمائے۔ لیکن اس ساری مہم میں چودہ سو افراد کا خون بہا۔ سارے غزوات و سرایا میں چار سو سے کچھ کم ہی صحابہؓ نے جام شہادت نوش کیا اور نو سو سے کچھ زائد کافر مارے گئے۔

25- صلح حدیبیہ

مسلمانوں کو مکہ چھوڑے ہوئے چھ برس گزر چکے تھے۔ مکہ ان کا قدیم اور محبوب وطن تھا۔ چنانچہ صحابہ کرام کے اس شوق اور ادائے عمرہ کی غرض سے ذیقعدہ 6ھ میں آں حضرت ﷺ نے عمرہ کا ارادہ کیا۔ آپؐ کے ساتھ ۱۴۰۰ اصحابہ تھے۔ اس خیال سے کہ اہل مکہ کو جنگ کا شبہ نہ ہو جائے۔ آپؐ نے مدینہ ہی سے احرام باندھ لیا اور قربانی کے جانور ساتھ لے لیے۔ آپ نے مسلمانوں کو حکم دے دیا کہ کوئی شخص ہتھیار باندھ کر نہ چلے صرف تلوار ساتھ ہو وہ بھی نیام کے اندر رہے۔ مکہ کے قریب پہنچ کر آپ نے احتیاطاً ایک خزاعی کو مکہ کے حالات دریافت کرنے کے لیے بھیجا۔ اس نے واپس آ کر اطلاع دی کہ قریش جنگی تیاریوں میں مصروف ہیں اور انہوں نے قبائل کو جمع کر کے کہہ دیا ہے کہ محمد مکہ میں کبھی نہیں آ سکتے۔ مزید برآں قریش نے خالد بن ولید کی قیادت میں دو سو سواروں کا ایک دستہ مسلمانوں کا راستہ روکنے کے لیے روانہ کر دیا۔ آنحضرتؐ نے راستہ بدل کر مکہ کی نچلی جانب حدیبیہ کے مقام پر پڑاؤ ڈالا۔ خالد بن ولید نے واپس جا کر قریش کو اطلاع دی۔ آپؐ نے صحابہؓ سے مشورہ فرمایا تو سب نے بوقت ضرورت جنگ کا مشورہ دیا لیکن آپ حرام مہینوں میں کعبہ کی حرمت توڑنا نہ چاہتے تھے چنانچہ آپؐ نے صلح کی گفت وشنید کو ترجیح دی۔

قبیلہ خزاعہ مسلمانوں کا حلیف تھا اس کے رئیس بدیل بن ورقا نے آنحضرت کو جا کر خبر دی کہ قریش مسلمانوں کو مکہ میں داخل نہ ہونے دیں گے۔ آپ نے فرمایا قریش سے جا کر کہہ دو ہم لڑنے کے لیے نہیں آئے ہیں بلکہ عمرہ کی غرض سے آئے ہیں۔ جنگ نے قریش کو تباہ کر دیا ہے اس لیے ان کے لیے بہتر ہے کہ وہ صلح کا معاہدہ کر لیں اور اگر وہ راضی نہیں تو میں اس وقت تک لڑوں گا کہ میری گردن الگ ہو جائے اور خدا کو جو فیصلہ کرنا ہو کر دے۔ بدیل نے جا کر قریش کو پیغام پہنچا دیا۔ حضورؐ کی یہ شرائط سن کر ان کی جماعت کے ایک معمر اور جہاں دیدہ شخص عروہ بن مسعودؓ نے کہا کہ محمدؐ نے بڑی معقول شرطیں پیش کی ہیں مجھ کو اجازت دو کہ میں جا کر خود معاملہ طے کروں۔ قریش کو ان پر پورا اعتماد تھا اس لیے انہوں نے قریش کی طرف سے آنحضرتؐ کے پاس جا کر گفتگو کی اور کہا محمدؐ! فرض کرو تم نے قریش کا استیصال کر دیا تو دنیا میں اس کی کوئی مثال نہیں ملی کہ کسی شخص نے اپنی قوم کو خود اپنے ہاتھوں سے تباہ کر دیا ہو اور اگر لڑائی کا رخ بدلا تو تمھارے ساتھ جو بھیڑ ہے گرد کی طرح اُڑ جائے گی۔ لیکن عروہ نے وہاں جو کچھ سنا اور دیکھا اس کے بارے میں اس نے قریش سے آ کر بیان کیا کہ میں نے قیصر وکسریٰ

نجاشی کے دربار دیکھے لیکن یہ عقیدت اور وارفتگی کہیں نہیں دیکھی جو محمد ﷺ کے ساتھیوں میں ان کے ساتھ ہے۔

اس کے بعد آنحضرت ﷺ نے مصالحت کی گفتگو کے لیے خراش بن امیہ کو بھیجا۔ قریش نے ان کی سواری کا اونٹ مار ڈالا اور ان کو قتل کرنا چاہا لیکن ان کے قبیلے کے لوگوں نے انہیں بچا لیا۔ قریش کی سرکشی کے بعد قریش نے مسلمانوں پر حملہ کرنے کے لیے ایک دستہ بھیجا مگر وہ گرفتار کر لیا گیا۔ گو یہ سخت شرارت تھی لیکن رحمت عالم نے اس کو چھوڑ دیا اور معافی دے دی۔ قریش کے اس غیر معقول رویہ کے باوجود آپ نے ایک مرتبہ پھر مصالحت کی کوشش کی اور حضرت عثمانؓ کو قریش کے پاس بھیجا۔ قریش نے ان کو نظر بند کر دیا لیکن یہ افواہ مشہور ہو گئی کہ عثمان قتل کر دیے گئے ہیں۔

26۔ بیعتِ رضوان

یہ خبر آنحضرتؐ کو پہنچی تو آپ کو سخت صدمہ ہوا۔ آپؐ نے فرمایا کہ "خون عثمان کا قصاص لینا فرض ہے۔" یہ کہہ کر آپ ببول کے ایک درخت کے نیچے بیٹھ گئے اور تمام صحابہ سے جانبازی کی بیعت لی جس کا مفہوم یہ تھا کہ جب تک جان میں جان ہے شکست تسلیم نہیں کریں گے۔ اس بیعت میں آپ نے اپنے بائیں ہاتھ کو حضرت عثمان کا ہاتھ قرار دیا اور ان کی طرف سے خود بیعت کی۔ یہ بیعت اسلام کی تاریخ میں خاص اہمیت کی حامل ہے اور بیعت رضوان کے نام سے مشہور ہے۔ سورۃ الفتح میں اس کا ذکر ہے۔

﴿لقد رضی اللّٰہ عن الْمؤمنین اذ یبایعونک تحت الشجرۃ﴾ (۴۸:۱۸)

خدا مسلمانوں سے راضی تھا جب کہ وہ تیرے ہاتھ پر درخت کے نیچے بیعت کر رہے تھے۔

بیعت کے بعد معلوم ہوا کہ قتل کی خبر غلط تھی لیکن اس بیعت نے قریش کو صلح کی گفتگو کے لیے آمادہ کر دیا۔ قریش نے اپنے خطیب سہیل بن عمرو کو صلح کی گفتگو کے لیے بھیجا اور طویل رد و قدح کے بعد بالآخر چند شرطوں پر اتفاق ہو گیا۔

1۔ مسلمان اس سال بغیر عمرہ کے واپس چلے جائیں۔

2۔ اگلے سال آئیں اور صرف تین دن قیام کریں۔

3۔ ہتھیار لگا کر نہ آئیں۔ صرف تلوار ساتھ لائیں اور وہ بھی نیام میں۔

4۔ مکہ میں جو مسلمان پہلے سے مقیم ہیں انہیں ساتھ نہ لے جائیں اور اگر کوئی مدنی مسلمان مکہ میں ٹھہرنا چاہے تو اسے نہ روکیں۔

5۔ اہلِ مکہ میں سے کوئی شخص مدینہ چلا جائے تو واپس کر دیا جائے لیکن اگر کوئی مسلمان مکہ میں جائے تو واپس نہیں کیا جائے گا۔

6۔ قبائل عرب کو اختیار ہوگا کہ فریقین میں سے جس کے ساتھ چاہیں ہو جائیں۔

7۔ دس سال تک مسلمان اور قریش آپس میں جنگ نہیں کریں گے۔

معاہدے کی تمام شرائط بالکل یک طرف تھیں اور ان پر عمل درآمد اور بھی بعید از انصاف۔ ابھی معاہدے کی کتابت ہو رہی تھی کہ سہیل کا اپنا بیٹا ابو جندلؓ جو قبول اسلام کے باعث مکہ میں طرح طرح کے مصائب برداشت کر رہا تھا بھاگ کر وہاں آ پہنچا۔ انہیں دیکھ کر باپ نے کہا کہ پابندی عہد کا یہ پہلا موقع ہے۔ آپ نے فرمایا کہ ابھی معاہدہ پر دستخط نہیں ہوئے اس لیے ابو جندل کو ہمارے ساتھ جانے دو لیکن اس نے صلح ختم کرنے کی دھمکی دے دی۔ آپؐ نے مجبور ہر کر ابو جندل کو حوالے کر دیا۔ صحابہ کرام ابو جندل کی حالتِ زار دیکھ کر اور ان کی دردانگیز فریاد سن کر تڑپ اٹھے۔ لیکن آنحضرتؐ نے انہیں صبر کی تلقین کی اور فرمایا کہ اللہ ضرور کوئی صورت نکالے گا۔ صلح کے بعد آپ نے قربانی کے اونٹ ذبح کر کے بال ترشوائے اور احرام کھولا۔

صلح حدیبیہ کو خدا نے فتح مبین سے تعبیر کیا۔

﴿انا فتحنالک فتحا مبینا﴾ (42)

ہم نے تجھ کو کھلی ہوئی فتح عطا کی۔

بعد کے واقعات نے ثابت کر دیا کہ یہ واقعی فتح مبین تھی۔ اور اس کے نتائج مسلمانوں کے لیے انتہائی اطمینان بخش تھے۔ صلح سے پہلے مسلمان اور کافر ملتے جلتے نہ تھے اس کے بعد دونوں میں آمد و رفت شروع ہوئی۔ خاندانی اور تجارتی تعلقات کی وجہ سے قریش مدینہ منورہ آتے تو مسلمانوں سے بھی ملاقات ہوتی۔ ہر مسلمان اسلام کی سچی تصویر تھا۔ ان کے اخلاق، حسنِ عمل، نیکوکاری اور پاکیزہ سیرت کے باعث خود بخود کفار کے دل اسلام کی طرف کھنچنے لگے اور اسلام نہایت سرعت سے پھیلنے لگا۔ چنانچہ صلح حدیبیہ سے لے کر فتح مکہ تک جس کثرت سے کفار اسلام میں داخل ہوئے اس سے پہلے کبھی نہ ہوئے تھے۔

27۔ سلاطین کو دعوتِ اسلام

صلح حدیبیہ کے بعد جب آنحضرت کو کسی قدر اطمینان حاصل ہوا تو آپ نے قیصرِ روم، کسریٰ ایران، عزیز مصر، نجاشی ش، رؤسائے یمامہ، والیٔ شام اور والی بصریٰ کے نام دعوتِ اسلام کے خطوط بھیجے۔ قیصرِ روم نے خط پا کر حکم دیا کہ اس کی حدودِ سلطنت میں عرب کا کوئی شخص مل جائے تو اسے حاضر کیا جائے۔ اتفاق سے ابوسفیان تجارت کے سلسلہ میں شام کے شہر غزہ میں موجود تھا۔ اسے لے جا کر پیش کیا گیا۔ قیصر نے اس سے اسلام اور آنحضرتؐ کے حسب و نسب تعلیمات، اخلاق و کردار اور متبعین کے متعلق چند سوالات کیے۔ ابوسفیان شدید ترین دشمنِ اسلام ہونے کے باوجود جھوٹ بولنے کی جرأت نہ کر سکا اور صحیح صحیح جوابات دے دیے۔ یہ جوابات سن کر قیصر کو آپ کی صداقت کا یقین ہو گیا۔ اس نے ابوسفیان سے کہا کہ اگر تمھارے جوابات صحیح ہیں تو وقت آنے والا ہے جب کہ میری قدم گاہ تک اس کا قبضہ ہو جائے گا۔ مجھے معلوم تھا کہ ایک پیغمبر آنے والا ہے لیکن یہ خیال نہ تھا کہ وہ عرب میں ظاہر ہو گا۔ اگر میں وہاں جا سکتا تو اس کے قدم دھوتا، قیصر کے ان خیالات کو سن کر اس کے درباری بہت برہم ہوئے۔ یہ حالت دیکھ کر قیصر تاج و تخت کی طمع میں اسلام کی دولت سے محروم رہ گیا۔

ان تبلیغی خطوط میں عرب کے طرزِ تحریر کے مطابق خدا کے نام کے بعد آنحضرت کا نام اور پھر مکتوب الیہ کا نام ہوتا۔ خسرو پرویز شاہ ایران اس اندازِ تحریر سے آشنا نہ تھا۔ اس نے خط دیکھتے ہی اپنی تحقیر سمجھ کر سخت برہم ہو کر کہا۔ "میرا غلام ہو مجھے یوں لکھتا ہے۔" نامہ مبارک کو چاک کر ڈالا اور ایران کے یمنی گورنر کو لکھا کہ "عرب کے مدعی نبوت کو پکڑ کر میرے دربار میں بھیج دو۔" اس نے دو آدمی مدینہ بھیجے۔ انہوں نے آنحضرتؐ سے جا کر کہا کہ "شہنشاہ عالم نے تم کو طلب کیا ہے۔ اگر اس حکم کی تعمیل نہ کرو گے تو تم کو اور تمھارے ملک کو برباد کر ڈالے گا۔" آپؐ نے انہیں بتایا کہ کسریٰ کو قتل کر دیا گیا ہے اور یمن کے گورنر کی طرف یہ پیغام دیا کہ اسلام کی حکومت کسریٰ کے پایہ تخت تک پہنچے گی۔" گورنر یمن خسرو پرویز کی خبر سن کر بہت حیران ہوا لیکن چند روز کے بعد خسرو کے بیٹے شیرویہ کی طرف سے ایک حکم موصول ہوا جس سے اس خبر کی تصدیق ہو گئی اور گورنر یمن اس حد تک متاثر ہوا کہ مسلمان ہو گیا۔ (43)

مقوقس عزیزِ مصر نے جواب دیا کہ مجھے معلوم تھا کہ ایک پیغمبر آنے والا ہے لیکن میں سمجھتا تھا کہ وہ شام میں

ظاہر ہوگا۔ میں نے آپ کے قاصد کو احترام سے ٹھہرایا آپ کے لیے دو قبطی لڑکیاں (ماریہ اور سیرین) لباس اور خچر تحفۃً بھیجتا ہوں۔

شاہ حبش نجاشی مسلمانوں کی ہجرتِ حبشہ کے زمانے سے اسلام سے متاثر ہو چکا تھا۔ چنانچہ جب اس کے پاس نامہ مبارک پہنچا تو اس کے احترام میں تخت سے نیچے اتر آیا۔ اس کو آنکھوں سے لگایا اور جعفر طیار کے ہاتھوں پر اسلام قبول کیا اور آنحضرت کو لکھ بھیجا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ خدا کے پیغمبر اور رسول ہیں۔ (44)

28۔ فتح مکہ

آنحضرت کا سب سے مقدم فریضہ خانہ کعبہ کو بتوں کی آلائش سے پاک کرنا اور اس میں توحید کا علم بلند کرنا تھا۔ لیکن قریش کی دشمنی اور عرب کی عام مخالفت کے باعث اب تک اس کا موقع نہ آیا تھا۔ صلح حدیبیہ کے باعث چند روز امن وامان ہو گیا لیکن معاہدۂ حدیبیہ بھی قریش سے نبھا نہ سکا۔ معاہدۂ حدیبیہ کی رو سے قبائل عرب میں سے خزاعہ آنحضرتؐ کے حلیف ہو گئے تھے۔ اور بنو بکر قریش کے۔ اور از روئے معاہدہ ان میں سے کسی کو دوسرے پر ہاتھ اٹھانے کا حق نہ تھا لیکن بنو بکر نے حرم میں بنو خزاعہ کو قتل کیا اور قریش نے ان کی مدد کی۔ خزاعہ کے چالیس افراد کا وفد حضورؐ کو صورتِ حال سے آگاہ کرنے اور مدد مانگنے کے لیے مدینہ گیا۔ آنحضرت کو واقعات سن کر سخت رنج ہوا اور آپؐ نے قریش کے پاس قاصد بھیجا اور تین شرطیں پیش کیں کہ ان میں سے کوئی ایک منظور کی جائے۔

1۔ مقتولوں کا خوں بہا دیا جائے۔
2۔ قریش بنو بکر کی حمایت سے الگ ہو جائیں۔
3۔ اعلان کر دیا جائے کہ حدیبیہ کا معاہدہ ٹوٹ گیا۔

ان شرائط کے جواب میں قرطہ بن عمر نے قریش کی جانب سے کہا کہ "صرف تیسری شرط منظور ہے۔" لیکن قاصد کے چلے جانے کے بعد قریش کو ندامت ہوئی اور ابوسفیان کو تجدیدِ معاہدہ کے لیے مدینہ دوڑایا لیکن آپ نے معاہدہ کی تجدید نہ فرمائی۔ ابوسفیان نے حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ کو درمیان میں ڈالنا چاہا مگر انہوں نے انکار کر دیا۔ آخر حضرت علیؓ کے مشورے سے حرم

میں تجدید معاہدہ کا اعلان کر کے لوٹ گیا۔(45)

ابوسفیان کے واپس جانے کے بعد آنحضرت نے مکہ کی تیاریاں شروع کیں، معاہد قبائل کو ساتھ لیا اور رمضان ۸ھ میں دس ہزار جانثاروں کے ساتھ مکہ روانہ ہوئے۔قریب پہنچ کر مکہ سے ایک منزل اوپر مرالظہر ان میں منزل کی اور مسلمانوں نے آنحضرتؐ کے حکم سے الگ الگ آگ روشن کی۔قریش مسلمانوں کی آمد خبر سن چکے تھے۔انہوں نے تحقیق کے لیے ابوسفیان، حکیم بن حزام اور بدیل بن ورقاء کو بھیجا۔ یہ لوگ پتہ چلاتے ہوئے مرالظہر ان تک جا پہنچے۔ ابوسفیان پر حضرت عباس کی نظر پڑ گئی۔انہوں نے حق دوستی ادا کرتے ہوئے اسے ساتھ لیا اور آنحضرتؐ کی خدمت میں پہنچے۔لیکن راستہ میں حضرت عمرؓ کی نظر پڑ گئی۔اور وہ اسے دیکھ کر بے قابو ہو گئے۔آنحضرتؐ کی خدمت میں عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! کفر کے استیصال کا وقت آ گیا ہے لیکن حضرت عباسؓ نے جان بخشی کرا دی۔(46) ابوسفیان کے پچھلے تمام اعمال، اسلام کی دشمنی اور قبائل عرب کا اشتعال اس امر کا تقاضا کر رہے تھے کہ ان کا خون مباح کر دیا جائے لیکن رحمۃ للعالمین نے ان کے تمام گناہوں پر قلم عفو پھیر دیا۔

لشکرِ اسلام جب مکہ کی طرف بڑھا تو آنحضرتؐ نے حضرت عباس سے ارشاد فرمایا کہ ابوسفیان کو افواجِ الٰہی کا نظارہ کرانے کے لیے ایک بلند مقام پر کھڑا کر دو۔قبائلِ عرب کا سیلاب مکہ کی طرف بڑھ رہا تھا۔ہر قبیلہ کا دستہ الگ الگ تھا۔تمام قبائل کے پرچم یکے بعد دیگرے گزرتے تھے۔ابوسفیان ان کی ہیبت سے سہا جاتا تھا۔سب سے آخر میں کوکبۂ نبوی نمودار ہوا اور ٹھیک آٹھ برس کے بعد آنحضرتؐ مسلمانوں کے ساتھ اس سرزمین میں فاتحانہ داخل ہوئے جس سے انتہائی بے کسی کی حالت میں محروم کیے گئے تھے۔

قریش دس ہزار فوج کو دیکھ کر سراسیمہ ہو گئے لیکن آنحضرتؐ نے اعلان کرا دیا کہ جو شخص ہتھیار ڈال دے گا یا دروازہ بند کر دے گا یا خانہ کعبہ میں داخل ہو جائے گا یا ابوسفیان کے گھر چلا جائے گا وہ مامون ہے۔

اس کی بعد آنحضرتؐ حرم کعبہ میں تشریف لے گئے جس میں مشرکین نے 260 بت نصب کر رکھے تھے۔آنحضرتؐ نے انہیں لکڑی سے گرانا شروع کر دیا اور ساتھ ہی یہ آیات تلاوت فرماتے۔

﴿جاء الحق و زهق الباطل ان الباطل كان زهوقا﴾ (47)

حق آ گیا اور باطل بھاگ گیا' باطل بھاگنے والا ہی تھا۔

خانہ کعبہ کے اندر جس قدر بت تھے سب نکال دیئے گئے۔ حضرت عمرؓ نے اندر جا کر جس قدر تصویریں تھیں وہ بھی مٹا دیں۔ شرک کی آلائشوں سے تطہیر کے بعد آپ حضرت بلالؓ اور طلحہؓ کی معیت میں اندر داخل ہوئے اور نماز ادا فرمائی۔ پھر قریش مکہ کے سامنے خطبہ ارشاد فرمایا:۔

اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اس کا کوئی شریک نہیں۔ اس نے اپنا وعدہ سچا کیا۔ اپنے بندے کی امداد کی اور سارے گروہوں کو اکیلے ہی شکست دی۔ خبردار! ہر قسم کا مطالبہ خواہ وہ خون کا مطالبہ ہو یا مال کا وہ میرے ان پاؤں کے نیچے ہے (یعنی منسوخ ہے) البتہ بیت اللہ کی دربانی اور حاجیوں کو پانی پلانے کی خدمت جوں کے توں ہیں۔ اے گروہ قریش! آج کے دن اللہ نے تم سے جاہلیت کے غرور چھین لیا اور آباء و اجداد کے بل پر بڑائی غلط قرار دی۔ سارے انسان آدم کی اولاد ہیں اور آدم مٹی سے تھے۔ (48)

آپ نے اہلِ مکہ سے سوال کیا کہ اے اہلِ مکہ! تمہارا کیا خیال ہے۔ میں تمھارے ساتھ کیا سلوک کرنے والا ہوں؟ مکہ کے سردار اگرچہ اپنی بداعمالیوں سے آگاہ تھے لیکن رحمۃ للعالمین کے مزاج شناس تھے۔ بول اٹھے:۔

اخ كريم و ابن اخ كريم

آپ شریف بھائی اور شریف برادرزادہ ہیں۔

آپ نے فرمایا:۔

لا تثريب عليكم اليوم اذهبوا فانتم الطلقاء (49)

آج تم پر کوئی مواخذہ نہیں جاؤ تم سب آزاد ہو۔

اس کے بعد آپ نے چند اشتہاری مجرموں کے نام گنوائے کہ ان کے علاوہ باقی سب کو امان ہے۔ یہ وہ لوگ تھے جو کسی قتل کے سلسلہ میں مطلوب تھے یا اسلام قبول کر کے مرتد ہو گئے تھے۔ ان میں سے بھی کئی ایک کو بعد میں معاف کر دیا گیا۔ آنحضرت مقام صفا میں ایک بلند مقام پر تشریف فرما تھے۔ کفار جوق در جوق آتے اور مسلمان ہوتے۔

29۔ عام الوفود

عرب کے بیشتر قبائل اس انتظار میں تھے کہ قریش اور مدینہ کی اسلامی ریاست کے درمیان جو فیصلہ ہو اس کے مطابق وہ اپنا طرزِ عمل ڈھال لیں۔ فتح مکہ کے بعد قبائل عرب کا ذہن اسلام کے بارے میں بالکل صاف ہو گیا تھا اور غزوۂ تبوک میں مسلمانوں کی نمایاں کامیابی نے ان لوگوں کی امیدوں کو خاک میں ملا دیا جو قیصرِ روم کے ہاتھوں اسلام کے خاتمے کے خواب دیکھ رہے تھے۔ چنانچہ عرب کے قبائل تیزی سے اسلام کی طرف مائل ہونے لگے۔ پہل ان قبائل نے کی جو اسلام کی پاکیزہ تعلیمات سے متاثر تھے لیکن مزاحم قوتوں سے ڈرتے تھے لیکن رفتہ رفتہ تقریباً تمام قبائل دائرہ اسلام میں داخل ہو گئے۔ یہ قبائل اپنے وفود مدینہ منورہ بھیجتے تھے جو اسلام کے بارے میں سوالات کرتے اور اطمینان کرنے کے بعد آنحضرتؐ کے ہاتھ پر بیعت کرتے۔ 9ھ میں ایسے بے شمار وفود مدینہ آئے۔ اس لیے اس سال کو عام الوفود کہا جاتا ہے۔(50)

30۔ حجۃ الوداع

جب اسلام سارے عرب میں پھیل چکا۔ خدا کی بھٹکی ہوئی مخلوق اپنے اصلی مرکز پر آ چکی۔ اسلام کے عقائد اور اعمال، شریعت کے اصول و فروغ کی تکمیل ہو چکی، حکومت الٰہیہ کا قیام عمل میں آ چکا اور سارے عالم کی راہنمائی کے لیے ایک جماعت تیار ہو چکی۔ ان حالات میں اللہ تعالیٰ نے سورۂ النصر نازل فرمائی جس میں آنحضرت کو اشارۃً آگاہ کیا گیا تھا کہ آپ کا کام اب مکمل ہو گیا ہے۔ چنانچہ آپ نے وصال سے پہلے تعلیمات اسلامیہ کو سارے عرب میں پہنچانے کے لیے حج کا ارادہ فرمایا۔ اعلان کر دیا گیا کہ اس سال آنحضرتؐ خود حج کی قیادت فرمائیں گے اس لیے تمام عرب سے مسلمان میں شریک ہوں۔ ۲۶ ذی قعدہ ۱۰ھ کو آپؐ مدینہ منورہ سے روانہ ہوئے۔ ذوالحلیفہ پہنچ کر احرام باندھا۔ فرزندان توحید کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر آپ کے ہمرکاب تھا۔ فضا میں لبیک اللھم لبیک کی صدائے دلنواز بلند ہوتی تو

دشت و جبل گونج اٹھتے تھے۔ آپ ہر مرحلہ پر لوگوں کو مناسک حج کی تعلیم دیتے ہوئے مکہ کی جانب بڑھتے گئے اور وہاں پہنچ کر خالص سنت ابراہیمی کے مطابق حج ادا کیا۔ اس دوران میں آپ نے صفا و مروہ میں مختصر خطبے دیے لیکن 9 ذوالحجہ کو آپ نے عرفات کے مقام پر جو خطبہ دیا وہ اسلامی تعلیمات کا نچوڑ اور عطر ہے۔ اس خطبہ میں آپؐ نے نہایت جامعیت کے ساتھ اہم معاشرتی اور مذہبی احکام یاد دلائے۔ حقوق اللہ اور حقوق العباد پوری وضاحت سے بیان فرمائے۔ عورتوں اور غلاموں کے حقوق پر زور دیا۔ جاہلیت کے تنازعات کی جڑ کاٹ دی۔ سود حرام قرار دیا اور معاشرے میں اخوت و مساوات کی فضا پیدا کرنے کی تلقین فرمائی۔ اس خطبہ کے اہم نکات یہ ہیں۔

لوگو! میری بات غور سے سنو، میرا خیال ہے کہ شاید اس سال کے بعد اس جگہ پر تم سے نہ مل سکوں اور نہ شاید اس سال کے بعد (آئندہ) حج کر سکوں۔ اے لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور تمہارے بہت سے خاندان اور قبیلے بنا دیئے، تاکہ تم پہچانے جاسکو، یعنی باہم ایک دوسرے کو شناخت کر سکو اور خدا کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو زیادہ پرہیز گار ہے۔ عربی کو عجمی پر اور عجمی کو عربی پر کوئی برتری نہیں ہے اور نہ کسی کالے کو کسی گورے پر، اور گورے کو کالے پر کوئی فضیلت حاصل ہے۔ فضیلت اور برتری صرف پرہیز گاری کی بناء پر ہے۔

سب لوگ آدم علیہ السلام کی اولاد ہیں اور آدم مٹی سے پیدا کیے گئے ہیں۔ خبردار! خون یا مال کا ہر وہ دعوی جس کے لوگ مدعی ہیں وہ میرے قدموں تلے ہے۔ (میں اسے باطل قرار دیتا ہوں) مگر بیت اللہ کی نگرانی اور حاجیوں کو پانی پلانے کی خدمت حسب دستور رہے گی۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا۔

اے گروہ قریش! قیامت کے دن ایسا نہ ہو کہ تم دنیا کا بوجھ اپنی گردنوں پر اٹھائے ہوئے آؤ اور لوگ آخرت کا سامان لے کر آئیں۔ (یاد رکھو) اگر ایسا ہوا تو میں تمہیں اللہ کے عذاب سے نہ بچا سکوں گا۔

خبردار! زمانہ جاہلیت (قبل از اسلام) کی تمام رسمیں میرے قدموں کے نیچے روندی گئی ہیں، زمانہ جاہلیت کے تمام خون (خواہ وہ کسی کے بھی ہوں) سب معاف ہیں، اس سلسلے میں سب سے پہلے اپنے ہی خاندان کا ایک خون جو کہ ربیعہ بن الحارث کے بیٹے کا ہے، معاف کرتا ہوں۔

لوگو! تمہارے اموال اور تمہاری عزت و آبرو قیامت تک ایک دوسرے پر حرام ہیں جس طرح تمہارے پر اس دن، اس مہینے اور اس شہر کی حرمت واجب ہے اور تم سب عنقریب اپنے پروردگار سے جا ملو گے جہاں تم سے تمہارے

اعمال کا محاسبہ ہوگا۔

اے لوگو! تمہاری عورتوں پر تمہارے کچھ حقوق ہیں اور اسی طرح تم پر تمہاری عورتوں کے حقوق ہیں۔ تمہارا ان پر یہ حق ہے کہ وہ کسی ایسے آدمی کو تمہارے بستر پر نہ بیٹھنے دیں جسے تم پسند نہ کرتے ہو نیز ان پر تمہارا یہ حق ہے کہ وہ کھلی بے حیائی کا کوئی کام نہ کریں، لیکن اگر وہ ایسا کریں تو تمہارے رب نے تمہیں یہ اجازت دی ہے کہ ان کے سونے کی جگہ اپنے سے الگ کر دو، (اگر اس پر بھی باز نہ آئیں) پھر تمہیں اجازت ہے کہ ایسی ہلکی مار مارو جس سے بدن پر نشان نہ پڑیں اور اگر وہ اپنی نازیبا حرکتوں سے باز آجائیں تو حسب دستور ان کا کھانا اور کپڑے تمہارے ذمے ہیں۔

خبردار! کسی عورت کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ اپنے شوہر کے مال میں سے اس کی اجازت کے بغیر کسی کو کچھ دے، عورتوں کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنے کے لیے ہمیشہ پابند رہو، کیونکہ وہ تمہاری زیر نگرانی ہیں، اور اس حیثیت میں نہیں کہ اپنے معاملات خود چلا سکیں۔ عورتوں کے معاملے میں اللہ سے ڈرتے رہو۔ تم نے ان کو اللہ تعالیٰ کی امانت کے طور پر حاصل کیا ہے اور اللہ کے کلمات کے ذریعے ان کو اپنے لیے جائز و حلال کیا ہے۔

لوگو! اللہ تعالیٰ نے (میراث کا قانون نازل کر کے) ہر حقدار کو اس کا حق دے دیا ہے اس لیے اب کسی وارث کے حق میں کوئی وصیت جائز و نافذ نہیں، بچے کا نسب اسی مرد سے ثابت ہوگا جس کی وہ بیوی ہے، جس نے بدکاری کی اس کے لیے سزا ہے (بچہ اس کا نہیں کہلائے گا اور ان کا حساب کتاب اللہ کے ذمے ہے)۔ جس نے اپنے باپ کے علاوہ کسی کی طرف نسبت کی یا کسی غلام نے اپنے کو کسی دوسرے مالک کی طرف منسوب کیا اس پر خدا کی لعنت ہے۔

قرض ادا کیا جائے گا، عاریت واپس کی جائے، ضامن تاوان کا ذمہ دار ہے، خبردار! جرم کرنے والا خود اپنے جرم کا ذمہ دار ہے۔ باپ کے جرم کا ذمہ دار بیٹا نہیں، اور بیٹے کے جرم کا ذمہ دار باپ نہیں۔

کسی شخص کے لیے بھائی کی کوئی چیز لینا جائز نہیں، البتہ اس صورت میں جائز ہے کہ وہ خوشدلی کے ساتھ دے، پس تم لوگ اپنے اوپر ظلم و زیادتی نہ کرو۔

لوگو! ہر مسلمان، دوسرے مسلمان کا بھائی ہے اور سب مسلمان آپس میں ایک دوسرے کے بھائی بھائی ہیں۔

تمہارے غلام، تمہارے غلام ہیں تم جو کچھ کھاتے ہو ان کو بھی کھلاؤ اور جو خود پہنتے ہو وہیا نہیں پہناؤ۔

خبردار! میرے بعد گمراہ (یا کافر) نہ ہو جانا کہ ایک دوسرے کی گردنیں مارنے لگو۔ جس شخص کے پاس کسی کی امانت ہو اس پر لازم ہے کہ وہ امانت والے کو ٹھیک ٹھاک طریقے سے لوٹا دے۔

اگر کوئی نکٹا اور سیاہ فام حبشی بھی تمہارا امیر بنا دیا جائے اور وہ کتاب اللہ (قرآن مجید) کے مطابق تمہاری قیادت کرے تو تم پر اس کی اطاعت لازم ہے۔

اے لوگو! میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے اور تمہارے بعد کوئی نئی امت نہیں ہے۔

میں تم میں ایک نعمت چھوڑے جا رہا ہوں، اگر تم مضبوطی سے اسے تھامے رہو گے تو کبھی گمراہ نہ ہو گے اور وہ نعمت اللہ کی کتاب (قرآن مجید) ہے۔

لوگو! مذہب میں غلو اور مبالغہ سے بچو، کیونکہ تم سے پہلے بہت سی قومیں مذہب میں غلو کے سبب برباد ہوئیں۔

اے لوگو! اب شیطان اس بات سے مایوس ہو چکا ہے کہ اس سرزمین پر اس کی پرستش ہو گی، لیکن عبادات کے سوا دوسرے معاملات میں اپنے پست افعال کے ذریعے اس کی فرمانبرداری کی گئی تو یہ اس پر بھی راضی رہے گا پس تم اپنے دین کو اس سے بچا کر رکھنا۔

خبردار! اپنے رب کی عبادت کرتے رہو، پنج وقتہ نمازوں کی پابندی کرو، ماہ رمضان کے روزے رکھو۔ اپنے اموال کی خوش دلی کے ساتھ زکوٰۃ ادا کرتے رہو، اپنے رب کے گھر (بیت اللہ) کا طواف کرو، اپنے امراء کے حکم کی پیروی کرو، اپنے رب کی جنت میں داخل ہو جاؤ گے۔

اے لوگو! نسئی کفر کی زیادتی کا سبب ہے، اس کے ذریعے کفار گمراہ ہوتے ہیں۔ وہ ایک سال حرام مہینوں کو حلال کر لیتے ہیں اور دوسرے سال انہی کو حرام قرار دے لیتے ہیں تاکہ اس حرام مہینوں کی گنتی پوری کریں لیکن اب زمانہ اپنی اس ابتدائی حالت پر لوٹ آیا ہے جس دن اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان کو پیدا فرمایا تھا۔ اللہ کے نزدیک سال کے بارہ مہینے ہوتے ہیں جن سے چار مہینے حرمت والے ہیں، تین مہینے مسلسل ہیں (ذی قعدہ، ذی الحجہ، محرم) اور ایک ماہ رجب ہے جو جمادی الثانی اور شعبان کے درمیان واقع ہے۔

خبردار! جولوگ یہاں موجود ہیں وہ میری بات ان لوگوں تک پہنچا دیں جو یہاں موجود نہیں ہیں کیونکہ بہت سے لوگ جن کو میرا پیغام پہنچے گا وہ ان لوگوں سے زیادہ اسے محفوظ رکھنے والے ہوں گے جو اس وقت سننے والے ہیں۔

تم لوگوں سے میرے متعلق بھی پوچھا جائے گا بتاؤ، تم میرے بارے میں کیا کہو گے؟ حاضرین نے (یک زبان ہوکر) عرض کیا! ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ ﷺ نے امانت کو ادا کر دیا۔ اللہ کا پیغام پہنچا دیا اور نصیحت کر دی پھر آپ نے یہ ہدایت بھی فرمائی کہ جولوگ وہاں موجود نہ تھے انہیں وہ پیغام پہنچا دیا جائے رسول اللہ ﷺ نے اپنی انگلی آسمان کی جانب بلند فرما کر تین مرتبہ فرمایا۔ اے اللہ تو گواہ رہنا!۔ (51)

31۔ وفات

ماہ صفر 11ھ میں آنحضرت کو دردِ سر کی شکایت ہوئی۔ 19 صفر کو آپؐ جنت البقیع میں تشریف لے گئے اور پھر شہدائے احد کے لیے دعا فرمائی۔ واپس لوٹے تو طبیعت زیادہ ناساز ہوگئی۔ بیماری کی حالت میں بھی آپ ازراہِ عدل باری باری سے ازواج مطہرات کے گھروں پر بسر فرماتے تھے۔ جب مرض زیادہ بڑھا تو ان سے اجازت لے کر حضرت عائشہؓ کے یہاں مستقل قیام فرمایا۔

جب تک طاقت رہی نماز مسجد میں ادا فرماتے رہے۔ آخری نماز مغرب کی تھی جو آپؐ نے پڑھائی۔ اس کے بعد آپؐ کے حکم سے حضرت ابوبکرؓ صدیق نماز پڑھاتے تھے۔ جب بھی افاقہ محسوس کرتے مسجد میں جاتے اور حضرت ابوبکرؓ کے پہلو میں بیٹھ کر نماز ادا فرماتے۔ ایک روز ظہر کے وقت طبیعت میں قدرے سکون ہوا تو غسل فرما کر حضرت علیؓ اور حضرت عباسؓ کے سہارے مسجد میں تشریف لے گئے۔ حضرت ابوبکرؓ کے پہلو میں بیٹھ کر نماز پڑھائی اور نماز کے بعد خطبہ دیا جو آپؐ کی زندگی کا آخری خطبہ تھا۔ اس میں آپ نے صراحت کی۔ ''اللہ نے ایک بندے کو اختیار دیا ہے کہ خواہ وہ دنیا کی نعمتوں کو قبول کرے یا خدا کے پاس جو انعامات ہیں انہیں حاصل کرے۔ اس نے خدا کے پاس کی چیزیں قبول کی۔''

خطبہ سے فارغ ہونے کے بعد حضرت عائشہؓ کے حجرے میں تشریف لے گئے اور متفرق تعلیمات کا سلسلہ آخر وقت

تک جاری رہا۔ مرض کی حالت یکساں نہ تھی۔ کبھی شدت ہو جاتی تھی۔ کبھی افاقہ نظر آتا تھا۔ ۱۲ ربیع الاول کو اتنا سکون ہوا کہ آپؐ نے صبح کی نماز کے وقت حجرہ مبارک کا پردہ اٹھا کر دیکھا لوگ نماز میں مشغول تھے۔ یہ منظر دیکھ کر آپؐ نے تبسم فرمایا لیکن جوں جوں سورج بلند ہوتا گیا دنیا پر تاریکی چھانے کا وقت قریب آتا گیا۔ بار بار غشی ہونے لگی۔ اسی دوران میں آپؐ نے مسواک فرمائی۔ سہ پہر کے وقت سانس اکھڑ گئی اور زبان سے رک رک کر نکلا:

الصلوٰۃ وما ملکت ایمانکم

نماز اور غلام!

پاس ہی پانی کی لگن رکھی ہوئی تھی۔ اس میں بار بار ہاتھ ڈال کر چہرہ پر ملتے تھے۔ اسی دوران میں ہاتھ اٹھا کر تین مرتبہ فرمایا:۔

بل الرفیق الاعلیٰ

اب اور کوئی نہیں وہی رفیق اعلیٰ درکار ہے۔

یہ کہتے کہتے روح عالم قدس میں پہنچ گئی۔ (52)

خود آزمائی

1۔ حضور اکرم ﷺ کی مکہ زندگی کے اہم واقعات بیان کریں۔

2۔ بعثت نبویؐ اور آپ کی دعوت پر نوٹ لکھیں۔

3۔ مدنی عہد نبوتؐ کے نمایاں واقعات بیان کریں۔

غزوات نبوی ﷺ کے بارے میں جامع نوٹ لکھیں۔

خطبہ حجۃ الوداع کے اہم نکات قلم بند کریں۔

لازمی کتب برائے مطالعہ

1۔ علامہ شبلی نعمانی، سیرت النبیؐ

2۔ ڈاکٹر خالد علوی، انسان کامل

3۔ مولانا صفی الرحمٰن مبارک پوری، الرحیق المختوم

ماخذ و مصادر

1۔ مسلم ، الجامع الصحیح کتاب الفضائل باب فضل نسب النبی

2۔ البخاری الجامع الصحیح کتاب الفضائل باب مبعث النبی

3۔ ابن هشام السیرة النبویة جلد ۱ ص ۱۶۸

4۔ ابوالفداء جلد ا ص ۱۱

5۔ ابن ہشام، السیرۃ النبویہ جلد ۲ ص ۱۹۷

6۔ امام حاکم، مستدرک حاکم، جلد ۲ ص ۲۲۰

7۔ زرقانی، شرح مواہب اللدنیہ جلد ا ص ۸۰۔

8۔ مستدرک حاکم جلد ا ص ۴۵۸

9۔ العلق ۹۶:۱ تا ۴

10۔ البخاری الجامع الصحیح کتاب بدالوحی باب بدءالوحی

11۔ ابن ہشام، السیرۃ النبویہ جلد ا ص ۲۸۱

12۔ الحجر ۱۵:۹۴

13۔ ابن حجر، اصابہ، ذکر حارث بن ابی ہالہ

14۔ ابن ہشام، السیرۃ النبویہ جلد ا ص ۳۶۶

15۔ ابن ہشام، السیرۃ النبویہ جلد ا ص ۳۵۶، ۳۶۲

16۔ ابن ہشام، السیرۃ النبویہ جلد ۲ ص ۱۴

17۔ ابن سعد، الطبقات الکبری، جلد ا ص ۲۱۱

18۔ ابن سعد، الطبقات الکبری، جلد ا ص ۲۱۱

19۔ ابن سعد، الطبقات الکبری، جلد ا ص ۲۱۷

20۔ البخاری الجامع الصحیح کتاب الفضائل باب الہجرت

21۔ التوبۃ ۹:۴۰

22۔ التوبۃ ۹:۱۰۸

23۔ ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ جلد ۲ ص ۱۳۸

24۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ، عہد نبویؐ میں نظام حکمرانی ص ۷۵

25۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ، عہد نبویؐ میں نظام حکمرانی ص ۷۵

26۔ نکلسن، لٹریری ہسٹری آف عربز (عربوں کی ادبی تاریخ) ص ۱۷۳

27۔ محمود شیت خطاب، الرسول القائد، (دار المکتبہ الاحیاء، بغداد۔ ۱۹۶۰ء) ص ۵

28۔ القرآن۔ الانعام۔ ۱۵۱

29۔ مسلم، کتاب الایمان باب بیان الکبائر و اکبرھا، ج ا ص ۶۴

30۔ مسند احمد، ج ۲ ص ۹۴

31۔ الرسول القائد ص ۱۹

32۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ، رسول اکرم کی سیاسی زندگی، (دار الاشاعت، کراچی۔ ۱۹۸۴ء) ص ۱۱۴

33۔ ابن حجر، فتح الباری، جلد ۷، ص ۳۰۱

34۔ ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ، ج ۲ ص ۷۷۶

35۔ ابن ہشام، ج ۴، ص ۸۴

36۔ علامہ شبلی نعمانی، سیرت النبی، ج ا ص ۱۹۳

37۔ علامہ شبلی نعمانی، سیرت النبی، ج ا ص ۵۹۱

38۔ البخاری الجامع ... ص ۱۹۴

39۔ القرآن،۹:۲۵۔۲۶

40۔ مودودی، ابوالاعلیٰ، تفہیم القرآن، ج ۲، ص ۱۷۱

41۔ الفتح ۱۸:۴۸

42۔ الفتح ۱:۴۸

43۔ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، جلد ا ص ۲۲۰

44۔ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، جلد ا ص ۲۵۸

45۔ ابن ہشام، السیرۃ النبویہ جلد ۴ ص ۳۱

46۔ البخاری الجامع الصحیح کتاب المغازی باب این رکز النبی الرایہ یوم الفتح

47۔ بنی اسرائیل ۸۱:۱۷

48۔ ابن ہشام، السیرۃ النبویہ جلد ۴ ص ۸۴

49۔ ابن ہشام، السیرۃ النبویہ جلد ۴ ص ۵۲

50۔ ابن ہشام، السیرۃ النبویہ جلد ۴ ص ۲۰۵ تا ۲۴۵

51۔ ابن ہشام، السیرۃ النبویہ جلد ۴ ص ۲۰۵ تا ۲۵۲

52۔ البخاری الجامع الصحیح کتاب المغازی باب این رکز النبی الرایہ یوم الفتح

اس یونٹ کا بنیادی مواد، انسان کامل، از ڈاکٹر خالد علوی سے اخذ و تلخیص پر مبنی ہے۔ اور اس میں بعض مقامات پر اضافہ کیا گیا ہے اور حواشی اور حوالہ جات بڑھائے گئے ہیں۔

یونٹ نمبر 4

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اخلاق کریمانہ

تالیف

ڈاکٹر محمد سجاد

نظر ثانی

پروفیسر ڈاکٹر محمد باقر خان خاکوانی

علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد

فہرست عنوانات

یونٹ کا تعارف:

اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر جو بے حساب و بے شمار احسانات فرمائے ہیں ان میں سب سے بڑا احسان یہ ہے کہ ان کی اصلاح وفلاح کے لیے نبوت ورسالت کا مقدس ومبارک سلسلہ جاری فرمایا۔ انبیاء ومرسلین کی آمد کا یہ سلسلہ آپ ﷺ پر ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ختم ہوا۔ سرکار دو عالم حضرت محمد ﷺ سے پہلے ہر زمانے میں اور ہر ملک میں خدا تعالیٰ کے پیغمبر اور رسول آئے۔ وہ اپنی اپنی قوموں کے سامنے اپنی زندگی نمونہ کے طور پر پیش کرتے رہے۔ تا کہ ان کی قوم فلاح اور کامیابی حاصل کرے۔ اور آخر میں آنحضرت ﷺ کو رحمت عالم بنا کر بھیجا گیا تا کہ وہ تمام عالم کے لئے دنیا میں اپنی زندگی کا نمونہ ہمیشہ کے لئے چھوڑ جائیں۔

سرکار دو عالم ﷺ سے پہلے انبیاء اکرام میں سے ہر ایک نے اپنے اپنے وقت میں اپنی اپنی قوموں کے سامنے اس زمانہ کے مناسب حال، اخلاق عالیہ اور صفات کاملہ کا ایک نہ ایک بلند ترین معجزانہ نمونہ پیش کیا۔ کسی نے صبر، کسی نے ایثار، کسی نے قربانی، کسی نے جوش توحید، کسی نے ولولہ حق، کسی نے عفت، کسی نے زہد، غرض ہر ایک نے دنیا میں انسان کی پر پیچ زندگی کے راستہ میں روشنی کا ایک ایک مینار قائم کر دیا۔ جس سے صراط مستقیم کا پتہ لگ سکے۔ مگر ضرورت تھی ایک ایسے مینار اور راہبر کی جو اس سرے سے لے کر دوسرے سرے تک پوری راہ کو اپنی ہدایات اور عملی مثالوں سے روشن کر دے۔ یہ راہنما سلسلہ انبیاء علیہ السلام کے آخری فرد حضرت محمد ﷺ ہیں آپؐ کے متعلق قرآن مجید نے کہا۔

﴿إِنَّا أَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّ مُبَشِّرًا وَّ نَذِيْرًا وَ دَاعِيًا إِلَى اللّٰهِ بِإِذْنِهِ وَ سِرَاجًا مُّنِيْرًا﴾

سرکار دو عالم ﷺ دنیا کے آخری پیغمبر بنا کر بھیجے گئے تھے جس کے بعد کوئی دوسرا نبی آنے والا نہ تھا۔ آپ ﷺ ایسی شریعت دے کر بھیجے گئے جو کامل واکمل ہے کیونکہ آپ ﷺ کی تعلیم دائمی وجود رکھنے والی تھی، اس لئے آپ ﷺ کی ذات پاک کو مجموعہ کمال اور دولت بے زوال بنا کر بھیجا گیا۔ کیونکہ سرکار دو عالم ﷺ کی حیات طیبہ کو تمام نسل انسانی کے لئے نمونہ بنا کر بھجیا گیا تھا۔

اس لئے آپ ﷺ کے اخلاق میں، استقامت عمل، حسن خلق، حسن معاملہ، عدل وانصاف، جود وسخا، مہمان نوازی،

ایثار، گداگری سے نفرت، صدقہ سے پرہیز، تحفے قبول کرنا، کسی کا احسان قبول نہ کرنا، عدم تشدد، عیب جوئی اور مداح کی ناپسندیدگی، سادگی، امارت پسندی اور دکھاوے سے پرہیز، مساوات، تواضع، بے جا تعظیم اور مداح کی ناپسندیدگی، شرم وحیاء اپنے ہاتھ سے کام کرنا، عزم واستقلال، شجاعت، راست گفتاری، ایفائے عہد، زہد وقناعت، عفوودرگزر، کفار ومشرکین، اور دشمنوں (یہود وانصاریٰ سے حسن سلوک اور دعائے خیر۔ غریبوں کے ساتھ محبت وشفقت، بچوں پر شفقت، مستورات کے ساتھ نیک برتاؤ، حیوانات پر رحم، رحمت ومحبت عام، رقیق القلبی، عیادت کرنا، لطف طبع، اولاد سے محبت، ازواج مطہرات کے ساتھ حسن سلوک، اس کے علاوہ سرکار دو عالم ﷺ کے اخلاق کریمانہ کی صفات کا شمار ناممکن اور دشوار ہے۔

اس یونٹ میں آپ کے اخلاق کریمانہ میں سے چند ایک کی مثالیں پیش کر رہے ہیں۔

یونٹ کے مقاصد:

امید ہے کہ اس یونٹ کے مطالعہ کے بعد آپ اس قابل ہو جائیں گے کہ

1۔ اخلاق کا معنی ومفہوم جان سکیں۔
2۔ رسول اکرم ﷺ کی سیرت اور اخلاق عالیہ کے بارے میں جان سکیں۔
3۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کے اخلاق کریمانہ کے بارے میں جو ارشادات فرمائے ہیں ان سے آگاہ ہو سکیں۔
4۔ رسول اللہ ﷺ کی عملی اور اخلاقی زندگی سے سبق حاصل کر سکیں۔

تمام مذاہب وادیان کی اساس و بنیاد اخلاق پر ہے، اور اس کارگاہ حیات اور ہستی میں جتنے بھی انبیاء کرام مبعوث ہوئے اور جتنے بھی مذہبی راہنما ہوئے سب کی تعلیم یہی تھی کہ کسی کے ساتھ بھلائی کرنا اچھا کام ہے اور کسی کے ساتھ زیادتی کرنا قابل مذمت فعل ہے۔ انصاف نیکی ہے اور ظلم بدی، کسی ضرورت مند کی مدد کرنا باعث اطمینان قلب ہے اور کسی کو پریشان کرنا ایک ناقابل معافی جرم ہے۔

1۔ خلق کی تعریف

اخلاق خلق کی جمع ،لغت میں خُلُق سیرت باطن کو اور خَلق ظاہری صُورت کو کہتے ہیں (1)

ماہرین اخلاق کے نزدیک خَلق ظاہری پیدائش کا نام ہے اور خُلُق باطنی پیدائش کا، اور ظاہری اعضاء کے مقابل باطنی اعضاء میں جو انسانی کمالات کی کیفیتیں رکھی گئیں ہیں اسی کا نام خُلق ہے۔

امام فخرالدین رازی لکھتے ہیں۔

اَلْخُلُقُ مَلَكَةٌ نَّفسَانِيَّةٌ يَّسْهَلُ عَلَى الْمُتَّصِفِ بِهَا الْاِتْيَانُ بِالْاَفْعَالِ الْجَمِيْلَةِ(2)

خُلُق وہ ملکہ نفسانیہ ہے کہ جسے وہ ملکہ حاصل ہو اس کے لیے اچھے کام کرنا آسان ہو جاتا ہے۔

"فن تہذیب الاخلاق" میں خلق کی تعریف یوں کی گئی ہے۔

"نفس کی وہ کیفیت جو انسان کو سوچ و بچار کے بغیر اعمال وافعال پر قادر بنا دیتی ہے، اس فن کے لحاظ سے یہ ایک ملکہ کا نام ہے جو کبھی فطری اور طبعی ہوتا ہے اور کبھی کسبی ہوتا ہے"

امام غزالی فرماتے ہیں۔

"خُلق نفس کی اس ہیت راسخہ کا نام ہے جس سے تمام اخلاق، افعال بلا تکلف صادر ہوں۔ اگر افعال عقلاً وشرعاً عمدہ اور قابل تعریف ہوں تو اس ہیت کو خُلق نیک اور اگر برُے اور قابل مذمت ہوں تو اس کو خُلق بد کہتے ہیں (3)

حضور علیہ ﷺ کی بعثت سے قبل بھی بڑے بڑے معلمین اخلاق گزرے ہیں جنہیں دو جماعتوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے

پہلی جماعت: انبیاء علیہ اسلام کی ہے جنہوں نے بھی اپنی تعلیمات کا ماخذ حکم خداوندی کو قرار دیا۔

دوسری جماعت: حکماء کی ہے جن کی تعلیمات میں تحقیقات کا ذکر تو ملتا ہے مگر بحث ونظر سے آگے عمل کا درجہ صفر ہے۔

اللہ تعالیٰ نے تمام حضرات انبیاء علیہ اسلام کو نبوت سے سرفراز فرما کر انہیں اپنی اپنی امتوں کیلئے رحمت اور اخلاق کا پیکر بنا کر دنیا میں مبعوث فرمایا۔ لیکن سرکار دو عالم ﷺ اپنے محاسن اخلاق کی وجہ سے دیگر فضائل کی طرح انبیاء کرام سے اپنی صفت مقدس میں سب سے ممتاز نظر آتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کے اخلاق کے متعلق فرماتے ہیں۔

﴿وَاِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ﴾(4)

ترجمہ:۔ "اور بے شک آپ اخلاق کے اعلیٰ درجہ پر فائز ہیں"

عقائد اور عبادات کے بعد تعلیمات نبوی کا تیسرا باب اخلاق ہے۔ سرکار دو عالم ﷺ کی ذات گرامی نے ہی حسن اخلاق اور انسانی تعلقات کے آہنگ وتوازن پر اتنا زور دیا کہ اپنی بعثت کا مقصد ہی تکمیل مکارم اخلاق قرار دیا۔

آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

اِنَّمَا بُعِثْتُ لِاُ تَمِّمَ مَکَارِمَ الْاَخْلَا قِ (5)

میری بعثت کا مقصد ہی اخلاق حسنہ کی تکمیل وترویج اور اخلاق رذیلہ کی بیخ کنی ہے۔ سرکار دو عالم کی تعلیم میں حکم خداوندی نے عقلی دقیقہ رسی، فرمان الٰہی اور اخلاق نکتہ وری، امر ربانی اور فطرت، پھر کتاب اور حکمت دونوں کی آمیزش ہے۔ اور آج کرہ زمین میں جہاں کہیں بھی حسن اخلاق کی کوئی کرن ہے تو وہ محمد ﷺ کے ہی مطلع نور سے چھن کر نکل رہی ہے۔ کیونکہ

1۔ آپ کی زندگی کو کوئی پہلو پردہ میں نہیں

2۔ محمد ﷺ کی ہر زبانی تعلیم کے مطابق اسکی عملی مثال بھی سامنے موجود ہے۔ (عملیت)۔

3۔ محمد ﷺ کی اخلاق زندگی میں یہ جامعیت ہے کہ وہ انسانوں کے ہر گروہ کے لئے اپنے اندر اتباع اور پیروی کا سامان رکھتی ہے (جامعیت)۔

معلم اعظم ﷺ کی شان اس حیثیت سے بھی بلند ہے کہ آپ نے جو کچھ کہا سب سے پہلے خود اس کو کر کے دکھایا۔ آپؐ کا جو قول تھا وہی آپؐ کا عمل تھا۔ سرکار دو عالم ﷺ اپنی تعلیم کا آپ نمونہ تھے۔ اور جو کچھ لوگوں سے فرماتے تھے خود اس کا عمل و پیکر بن جاتے تھے۔ بیوی سے بڑھ کر انسان کے اخلاق کا اور کون راز دار ہوسکتا ہے۔ ایک صحابی نے حضرت عائشہ صدیقہؓ سے پوچھا آپ ﷺ کے اخلاق کیا تھے؟ آپ نے فرمایا:

ان النبی کان خلقه القرآن(6)

''سرکار دو عالم ﷺ کا اخلاق اور آپ کی حیات مبارکہ قرآن پاک کی عملی تفسیر تھی''

قرآن پاک نے سب سے آگے بڑھ کر نبی کریم ﷺ کی اخلاقیات بالخصوص قبل از بعثت زندگی کے حالات کو نبوت کی دلیل کے طور پر اس کے معاصرین کے سامنے نقد و تبصرہ کے لئے پیش کرتے ہوئے فرمایا۔

﴿ فَقَدْ لَبِثْتُ فِيْكُمْ عُمُرًا مِّنْ قَبْلِهٖ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴾ (7)

''بے شک آپ نے ان کے درمیا ایک عمر گزاری ہے، کیا یہ عقل نہیں رکھتے؟''

تاریخ ابن کثیر (البدایہ والنہایہ) کے مصنف جو مفسر قرآن بھی ہیں۔

ابن کثیر میں فرماتے ہیں۔

''سرکار دو عالم ﷺ نے نبوت سے قبل چالیس سال ان لوگوں میں گزارے جو ہر قسم کی برائی میں پوری طرح غرق تھے لیکن آپ ﷺ نے ان لوگوں میں زندگی مبارک اس طرح گزاری کہ اتنی مدت میں آپ ﷺ کی زندگی کا ایک لمحہ بھی ایسا نہ تھا۔ جس پر کوئی انگلی اٹھا سکے آپ ﷺ کے ایک ایک وصف کے لوگ شیدائی تھے۔ اور جس پر اہل مکہ رشک کرتے تھے آپ ﷺ کی تمام مقبولیت اور محبوبیت، بلند اخلاقی، اور خوش معاملی اتنی بڑھی ہوتی تھی کہ ہر ہر دل میں آپ ﷺ کے لئے جگہ تھی۔ عام زبانیں آپ ﷺ کو محمد صادق و امین کے نام سے پکارتی تھیں۔ اور کون وہ شخص تھا جو آپ کی بزرگی، صداقت، امانت، نیکی اور بھلائی کا قائل نہ ہوگا''۔(8)

حضرت خدیجہؓ نے صرف سرکار دوعالم کے اخلاق کریمانہ سے متاثر ہو کر آپ ﷺ کو نکاح کا پیغام بھیجا۔ آغاز وحی میں جب سرکار دوعالم ﷺ گھبراہٹ کی حالت میں گھر تشریف لاتے ہیں۔ تو حضرت خدیجہؓ آپ کو ان الفاظ میں تسلی دیتی ہیں۔

''ہرگز نہیں! خدا کی قسم، خدا آپ ﷺ کو کبھی غمگین نہیں کرے گا۔ آپ ﷺ صلہ رحمی کرتے ہیں۔ مقروضوں کا بار جھل اٹھاتے ہیں، ہمیشہ سچ بولتے ہیں، غریبوں کی اعانت کرتے ہیں۔ مہمان نوازی کرتے ہیں۔ حق کی حمایت کرتے ہیں اور مشکل میں لوگوں کے کام آتے ہیں''۔(9)

سرکار دوعالم ﷺ ابھی مکہ ہی میں فرائض نبوی انجام دے رہے تھے کہ حضرت ابوذرؓ غفاری نے اپنے بھائی کو سرکار دوعالم ﷺ کے حالات اور تعلیمات کی تحقیق کے لئے مکہ بھیجا۔ انہوں نے واپس جا کر اپنے بھائی کو جن الفاظ میں اطلاع دی وہ یہ تھے۔

رَاَیْتُهٗ یَاْمُرُ بِمَکَارِمِ الْاَخْلَاقِ (10)

''میں نے آپ ﷺ کو دیکھا ہے کہ آپ حسن اخلاق کی تعلیم دیتے ہیں''۔

حبشہ کی ہجرت کے زمانے میں نجاشی نے جب مسلمانوں کو بلوا کر اسلام کی نسبت معلومات حاصل کرنا چاہیں تو اس وقت حضرت جعفرؓ طیار نے جو تقریر کی تھی وہ سرکار دوعالم ﷺ کے اخلاق کریمانہ کی آئینہ دار ہے۔ آپ نے بادشاہ کو مخاطب کر کے فرمایا!

''اے بادشاہ ہم لوگ جاہلیت میں مبتلا تھے۔ بُت پرست، مردار خور تھے، بدکاری اور قطع رحمی ہمارا شیوہ تھا۔ ہمسایوں سے ہم زیادتی کرتے تھے۔ ہم میں سے طاقتور کمزور کا حق دبا لیتا۔ یہاں تک کہ اللہ نے ہمارے درمیان ایک رسول مبعوث فرمایا۔ جس کے نسب، صدق، امانت اور پرہیز گاری کو ہم خوب پہچانتے ہیں۔ اس نے ہمیں ایک خدا کی طرف بلایا، صرف اس کی عبادت کرنے اور پتھروں، بتوں وغیرہ کو چھوڑنے کے لئے کہا۔ اور اس نے ہمیں حکم دیا کہ سچ بولیں۔ امانت ادا کریں۔ صلہ رحمی کریں۔ ہمسایوں سے اچھا سلوک کریں۔ حرام کاموں اور خون ریزی سے بچیں۔ اس نے ہمیں بے حیائی کے کاموں، جھوٹ بولنے، یتیم کا مال کھانے اور عورت پر جھوٹے الزامات لگانے سے روکا۔ ہم اس پر ایمان لائے۔ اس کی پیروی کی اور اس کی باتوں کو مانا۔ اس پر ہماری قوم نے ہم پر ظلم کرنا شروع کر دیا۔ اس نے ہمیں یہ سچا دین چھوڑ کر بت پرستی کی طرف واپس لوٹنے پر مجبور کیا۔ جب انکا ظلم انتہا کو پہنچ گیا تو پھر ہم آپ کے ملک کی طرف نکل آئے۔ ہم امید رکھتے ہیں کہ آپ کے

ہاں ہم پر ظلم نہ ہوگا،،۔(11)

سید سلیمان ندوی ''خطبات مدراس'' میں یوں رقمطراز ہیں۔

''تاریخ گواہ ہے کہ سرکار دو عالم ﷺ کے دعویٰ نبوت پر تمام قریش نے ناراضگی کا اظہار کیا اور سرکار دو عالم ﷺ کو ہر قسم کی تکالیف پہنچائیں ،لیکن سرکار دو عالم ﷺ کے اخلاق اور اعمال کے خلاف ایک حرف بھی زبان سے نہ نکال سکے''۔(12)

اس طرح قیصر روم کے دربار میں حضرت ابوسفیان (جو ایمان لانے سے قبل سرکار دو عالم ﷺ کے سخت ترین دشمنوں میں سے تھے)۔آپ ﷺ کے اخلاق کریمانہ اور سیرت طیبہ کے متعلق بادشاہ کے استفسار کے جواب میں کہتے ہیں۔

''محمد رسول اللہ ﷺ نے نہ کبھی جھوٹ بولا ہے اور نہ کبھی وعدہ خلافی کی ہے اور وہ لوگوں کو پاک دامنی اختیار کرنے، سچ بولنے اور قرابت داروں کا حق ادا کرنے کا حکم دیتے تھے''(13)

قرآن مجید نے سرکار دو عالم کے اخلاق کریمانہ اور سیرت طیبہ کا یوں ذکر فرمایا ہے۔

﴿يُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ﴾.(14)

''سرکار دو عالم ﷺ کا کام ہی نفوس انسانی کو برائیوں اور نجاستوں کی آلودگیوں سے پاک کرنا ہے''۔

سرکار دو عالم ﷺ کے فرائض میں ایک نفوس انسانی کا تزکیہ ہے۔اذہان وقلوب کی تمام بیماریوں ،نیتوں ،ارادوں کے تمام فسادات کا علاج تزکیہ نفس ہے۔آنحضرت ﷺ نے ایک انتہائی گمراہ ،جاہل ،اور حیوانی صفات واوصاف کی حامل قوم کو تزکیہ نفس کے ذریعے دنیا کی ایک انتہائی بااخلاق ،مہذب ،متمدن ،اور صاحب سیرت قوم بنادیا۔

سید سلیمان ندوی لکھتے ہیں

''اخلاق کے دوسرے معلمین کی درسگاہوں میں صرف ایک ہی فن کے طالب علم پائے جاتے ہیں۔حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تربیت گاہ میں فوجی تعلیم کے علاوہ اور کوئی فن نمایاں نہیں ،حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مکتب میں عفوودرگزر کے سوا کوئی سبق نہیں بدھ کے دربار میں دربدر فقیروں ،بھیک مانگنے والے فقیروں کے سوا کچھ نہیں ،لیکن محمد ﷺ کی درسگاہ میں اعظم

اخلاقی تعلیمات کی ایک عمومی جامعہ ہے۔ جس میں علم وفن کا ہر ایک شعبہ موجود اور ہر مذاق اور ہر جنس کے طالبعلم آتے ہیں اورا پنے اپنے مذاق اور اپنی اپنی استعداد کے مطابق علم کسب کمال کرتے ہیں اور سرکار دو عالم ﷺ کی حیثیت ایک انسان، ایک باپ، ایک شوہر، ایک دوست، ایک کاروباری تاجر، ایک افسر، ایک حاکم، ایک قاضی، ایک سپہ سالار، ایک بادشاہ، ایک استاد، ایک واعظ، ایک مرشد، ایک زاہد و عابد اور آخر ایک پیغمبر کی نظر آتی ہے۔ گویا سرکار دو عالم ﷺ کی اخلاقی تعلیمات ہر انسان کے لئے نمونہ ہے"(15)

2۔ سرکار دو عالم ﷺ کے اخلاق کریمانہ قرآن وحدیث کی روشنی میں

علامہ شبلی نعمانی لکھتے ہیں۔

"مسئلہ اخلاق کی نسبت ایک بڑی غلطی یہ کی گئی ہے کہ صلہ رحم ورفت، اور تواضع وانکساری کو پیغمبرانہ اخلاق کے مظہر قرار دیا گیا، حالانکہ اخلاق وہ چیز ہے، جو زندگی کی ہر شئے میں اور واقعات کے ہر پہلو میں نمایاں ہوتی ہے، دوست و دشمن، عزیز و بیگانہ صغیر و کبیر، مفلس و تونگر، صلح و جنگ، خلوت وجلوت، غرض ہر جگہ اور ہر ایک تک دائرہ اخلاق کی وسعت ہے اور سرکار دو عالم ﷺ کے عنوان اخلاق پر اسی حیثیت سے روشنی ڈالنی چاہئے"(16)

2.1 حسن خلق:

سرکار دو عالم ﷺ نہایت نرم مزاج، خوش اخلاق، اور نیک سیرت تھے، آپ کا چہرہ ہنستا تھا۔ وقار ومتانت سے گفتگو فرماتے تھے۔ کسی کی خاطر شکنی نہیں کرتے تھے۔ حضور اکرم ﷺ گھر پر تشریف فرما تھے۔ باہر سے ایک شخص نے حاضر ہونے کی اجازت چاہی آپ ﷺ نے حضرت عائشہؓ سے فرمایا (بئس ابن العشیر ہ) یعنی یہ اپنی برادری میں بد اخلاق ہے۔

اس کے بعد آپ ﷺ نے اس کو اندر آنے کی اجازت دے دی، جب وہ حاضر ہوا تو آپ ﷺ نے اس سے نہایت نرم انداز سے حلاوت آمیز گفتگو فرمائی۔ اس شخص کے جانے پر حضرت عائشہؓ نے پوچھا یا رسول اللہ جب آپ ﷺ نے اس کو اچھا نہیں سمجھتے تھے۔ تو پھر اس کے ساتھ نرمی اور پیار کے ساتھ کلام فرمایا۔ آپ ﷺ نے ام المومنین سے فرمایا۔

اِنَّ شَرَّ النَّاسِ عِنْدَاللّٰهِ مَنْزِلَةً يَوْمَ الْقِيَامَةِ مَنْ تَرَكَهُ النَّاسُ اتِّقَاءَ شَرِّهٖ(17)

''خدا کے نزدیک سب سے بڑا وہ شخص ہے جس کی بدزبانی کی وجہ سے لوگ اس سے ملنا جلنا چھوڑ دیں،،

اللہ تعالی نے بنی کریم ﷺ کی اس خوش خلقی کو اسطرح بیان فرمایا۔

﴿ فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ ﴾ (18)

''ترجمہ:۔جس پر اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے کہ آپ ان کے لئے نرم خو ہیں اور اگر آپ ان کیلئے سخت ہوتے تو یہ لوگ آپ کے اردگرد سے الگ ہو جاتے''

حضور ﷺ کی دس سالہ مدنی زندگی میں ایک لاکھ سے زائد لوگوں کا مسلمان ہو کر مبلغ اسلام بن جانا ایک بہت بڑا تاریخی واقعہ ہے۔اور اس کی ایک بڑی وجہ آپ ﷺ کی نرم خوئی اور متحمل مزاجی ہے جس سے متاثر ہو کر ایک درشت رو اور اکھڑ مزاج قوم اتنے قلیل عرصے میں اس قدر بڑی تعداد میں دائرہ اسلام میں داخل ہوگی۔(19)

2.2 صداقت اور راست گفتاری:

سرکار دو عالم ﷺ کی راست گفتاری اور صداقت کا یہ عالم تھا کہ جب کوہ صفا پر چڑھ کر آپ ﷺ نے اعلان نبوت فرمایا تو لوگوں سے پوچھا تم میرے متعلق کیا جانتے ہو۔ تو سب لوگوں نے کہا آپ ﷺ ایک سچے، دیانت دار، صادق اور امین ہیں ابوجہل کہا کرتا تھا محمد ﷺ میں تم کو جھوٹا نہیں کہتا البتہ جو آپ ﷺ کہتے ہیں میں اس کو سچ نہیں سمجھتا(20) اس طرح قیصر روم کے دربار میں ابوسفیان نے سرکار دو عالم ﷺ کی صداقت اور راست گفتاری کا اقرار کرتے ہوئے کہا کہ محمد ﷺ نے کبھی گناہ کا ارتکاب نہیں کیا۔(21)

2.3 عدل وانصاف:

سرکار دو عالم ﷺ ایک بے مثال عادل اور منصف تھے۔حجر اسود کے نصب کرنے کے وقت جب تلواریں انسانی خون سے پیاس بجھانے کے لئے بے تاب ہوگئیں تو سرکار دو عالم ﷺ کے عدل وانصاف ہی نے انسانی جانوں کو ضائع

ہونے سے بچایا تھا۔ سرکار دو عالم ﷺ کی خدمت میں خاندان مخزوم کی عورت کو چوری کے الزام میں لایا گیا۔ آپ نے سزا مقرر فرمائی، قریش نے آپ ﷺ کی خدمت میں حضرت اسامہ بن زیدؓ کی سفارش کی غرض سے بھیجا تو آپ ﷺ نے فرمایا، تم سے پہلی امتیں صرف اس لئے تباہ ہوئیں کہ وہ اپنے بڑوں کو چھوڑ دیتے تھے اور کمتر درجہ کے لوگوں پر حد جاری کرتے تھے۔ اس کی جگہ اگر میری بیٹی فاطمہؓ بھی چوری کرتی تو میں ضرور اس کے ہاتھ کاٹنے کا حکم دیتا۔ (22)

سرکار دو عالم کے اسی عدل وانصاف کا اثر تھا کہ مسلمان تو ایک طرف یہود بھی جو آپ ﷺ کے شدید ترین دشمن تھے اپنے مقدمات اسی بارگاہ عدالت میں لاتے تھے (23)

2.4 ایفائے عہد:

تاجر کی محاسن اخلاق میں سب سے زیادہ نادر مثال ایفائے عہد اور اتمام وعدہ کی ہوسکتی ہے۔ لیکن اعلان نبوت سے پہلے مکہ کا اُمی تاجر اس اخلاقی نظیر کا بہترین نمونہ تھا۔ ایفائے عہد سرکار دو عالم ﷺ کی ایک ایسی خصوصیت تھی کہ دشمن بھی اس کا اعتراف کرتے تھے۔ قیصر روم کے دربار میں ابوسفیان سے جو سوالات کئے گئے تھے ان میں سے ایک یہ بھی تھا کہ۔ محمد ﷺ نے کبھی بدعہدی بھی کی ہے۔ ابوسفیان کو مجبوراً یہ جواب دینا پڑھا کہ نہیں (24)۔

صلح حدیبیہ میں ایک شرط یہ بھی طے پائی تھی کہ مکہ سے جو مسلمان ہو کر مدینہ جائے گا، اسے اہل مکہ کے حوالے کیا جائے گا۔ عین اسی وقت جب معاہدہ کی شرائط زیر تحریر تھی۔ ابوجندل اہل مکہ کی قید سے بھاگ کر آئے اور حضور ﷺ سے فریادی ہوئے تمام مسلمان اس دردانگیز منظر کو دیکھ کر تڑپ اٹھے لیکن حضور ﷺ نے فرمایا اے ابوجندلؓ صبر سے کام لو ہم بدعہدی نہیں کرسکتے اللہ تعالیٰ عنقریب تمارے لئے کوئی راستہ نکالے گا۔ (25)

2.5 عزم واستقلال:

قرآن مجید میں اولوالعزم من الرسل کہ کر انبیائے کبار کی مدح فرمائی ہے۔ آنحضرت ﷺ چونکہ خاتم الرسل تھے۔ اس لئے خصوصیت کے ساتھ خدا نے یہ وصف آپ ﷺ کی ذات میں ودیعت کیا تھا۔ ابتدا سے انتہا تک اسلام کا ایک ایک کارنامہ سرکار دو عالم ﷺ کے عزم واستقلال کا مظہر اتم ہے۔ سرکار دو عالم ﷺ نے جب اعلان نبوت فرمایا تو کفار مشرکین

کی طرف سے ایذا رسانیاں انتہا کو پہنچ گئیں۔ اس موقع پر آپ ﷺ نے اپنے عم محترم کو فرمایا۔

''اے چچا اگر کفار میرے دائیں ہاتھ پر سورج اور بائیں ہاتھ پر چاند بھی رکھ دیں تو تب بھی اعلان حق سے باز نہیں آؤں گا''(26)

واقعہ ہجرت، غزوہ احد و حنین میں آپ ﷺ نے جس پامردی کا مظاہرہ کیا وہ آپ ﷺ کے عزم و استقلال اور مستقل مزاجی کا بین ثبوت ہے۔ سرکار دو عالم ﷺ کا کفار کی دنیا کے جاہ و دولت کی ترغیبات کو ٹھکرا دینا بھی آپ کے عزم و استقلال کا حصہ ہے۔ جب آپ ﷺ نے اعلان توحید کیا تو قریش نے آپ ﷺ کے ساتھ کیا کیا نہ کیا، جسم مبارک پر صحن حرم کے اندر نجاست ڈالی گئی۔ راستہ میں کانٹے بچھا دیے گئے۔ آپ ﷺ اور آپ ﷺ کے خاندان کا مقاطعہ کیا گیا۔ آخر آپ ﷺ کے قتل کی سازش ہوئی۔ یہ سب کچھ مگر صبر و استقلال کا دامن آپ ﷺ کے ہاتھ سے نہ چھوٹا۔ ہجرت کے وقت غار ثور میں پناہ لیتے ہیں۔ کفار آپ ﷺ کا تعاقب کرتے ہوئے غار کے منہ تک پہنچ جاتے ہیں۔ ابو بکر گھبرا اٹھتے ہیں کہ یا رسول اللہ ہم دو ہی ہیں۔ لیکن ایک تسکین سے بھری آواز آتی ہے۔ ابو بکر ہم دو نہیں ہیں

﴿لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا﴾.(27)

تم غم مت کرو بے شک اللہ ہمارے ساتھ ہے۔

اعتماد کا یہ عالم ہے کہ مدینہ پہنچ کر جب ہر طرف یہود اور منافقین اور قریش کی غارت گروں کا ڈر تھا۔ لوگ حضرت ﷺ کے مسکن کا راتوں کو پہرہ دیتے تھے، کہ یہ آیت نازل ہوئی

﴿وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ﴾(28)

اسی وقت خیمے سے باہر نکل کر پہرے کے سپاہیوں سے فرمایا۔ لوگوں واپس جاؤ مجھے چھوڑ دو میری حفاظت کا ذمہ خود خدا نے لے لیا ہے

2.6 جود و سخا:

حضرت نبی کریم ﷺ کی سخاوت کا جوہر تمام نسل انسانی کی سخاوت سے نمایاں، ممتاز، منفرد اور نرالا ہے۔ حضرت ابن عباس فرماتے ہیں۔

کان رسول اللہ ﷺ اجود الناس بالخیر (29)

''رسول اللہ خیر و بھلائی اور جود وسخا میں تمام انسانیت سے بہتر تھے،،

تاریخ کے آئینے میں حضور کریم ﷺ کی سخاوت غیر محدود نظر آتی ہے۔ آپ ﷺ نے مخالفین اغیار بلکہ دشمنان جان تک کو اپنے جذبہ جود وسخا سے مستفیض فرمایا۔ ایک شخص نے آپ ﷺ سے گزارش کی فلاں دو پہاڑوں کے درمیان بکریوں کے جتنے ریوڑ ہیں مجھ کو عنایت کیجئے آپ ﷺ نے اس کو وہ سب دے دیئے۔ آپ ﷺ کی فیاضی سے متاثر ہو کر وہ اپنے قبیلے سے یہ کہنے پر مجبور ہو گیا، بھائیو اسلام قبول کر لو محمد ﷺ تو اتنا دیتے ہیں کہ اپنے فقر وافلاس کی بھی پرواہ نہیں کرتے (30)

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ تمام لوگوں سے زیادہ سخی تھے، اور سب سے زیادہ سخاوت آپ ﷺ رمضان المبارک میں کیا کرتے تھے۔ تمام عمر کسی کے سوال کے جواب میں نہیں کا لفظ نہیں فرمایا۔ لوگوں کے لئے عام حکم تھا کہ جو مسلمان قرض چھوڑ کر مر جائے اسکی اطلاع مجھے دو کہ میں اسکا قرض ادا کروں۔ اور اگر اس نے ترکہ چھوڑا ہے تو اسکے حقدار اسکے وارث ہوں گے۔ (31)

آپ ﷺ فرمایا کرتے تھے۔

انما انا قاسم و خازن واللہ یعطی. (32)

حضرت ابوذرؓ فرماتے ہیں کہ ایک رات کو میں آپ ﷺ کے ساتھ سفر کر رہا تھا۔ راہ میں آپ ﷺ نے فرمایا:

ابوذرؓ اگر احد کا یہ پہاڑ میرے لئے سونا ہو جائے تو میں کبھی نیند نہ کروں گا کہ تین راتیں گزر جائیں اور اس میں سے ایک دینار بھی میری پاس رہ جائے البتہ یہ کہ کسی قرض کے ادا کرنے کے لئے کچھ رکھ چھوڑ دوں (33)

سرکار دو عالم ﷺ کی سخاوت کی اس سے بڑھ کر اور کیا مثال ہو سکتی ہے۔ کہ آپ ﷺ مرض الموت میں ہیں بیماری کی سخت تکلیف ہے نہایت ہی بے چینی میں ہیں۔ لیکن اسی وقت یاد آتا ہے کہ کچھ اشرفیاں گھر میں پڑی ہیں، حکم ہوتا ہے کہ انہیں خیرات کر دو کیا محمد ﷺ اپنے رب سے اس طرح ملے گا کہ اسکے پیچھے اس کے گھر میں اشرفیاں پڑی ہوں۔ (34)

2.7 غلاموں سے حسن سلوک:

عرب میں باندی، غلام خاندان کا جزو لاینفک ہوتے تھے۔ انکی حالت بہت بری تھی۔ اور جن کا کوئی پرسان حال نہ

تھا۔حضور ﷺ نے اپنے بے مثال اسوہ حسنہ سے انسانیت کی جبین سے غلامی کے داغ کو مٹانے کی بھرپور کوشش فرمائی۔سرکار دو عالم ﷺ غلاموں سے خصوصی شفقت فرماتے تھے۔اور آپ ﷺ کی خدمت میں جو غلام آتے تھے انکو ہمیشہ آزاد فرمادیتے تھے۔لیکن ان پر آپ ﷺ کی شفقت کا یہ عالم تھا کہ وہ حضور اکرم ﷺ کے احسان وکرم سے آزاد نہیں ہو سکتے تھے۔زید بن حارث جو آپ ﷺ کے غلام تھے آپ ﷺ نے انکو آزاد کر کے والدین کے ساتھ جانے کی اجازت دے دی لیکن وہ آستانہ رحمت پر باپ کے ظل عاطفت کو ترجیح نہ دے سکے اور جانے سے قطعاً انکار کر دیا(35)

سرکار دو عالم ﷺ کو غلاموں کا اس قدر خیال تھا کہ آپ ﷺ یہ بھی پسند نہیں کرتے تھے کہ لوگ اپنے غلاموں کو میرا غلام کہہ کر پکاریں، پھر غلاموں سے شفقت کا یہ عالم ہے کہ سب سے آخری جو نصیحت فرمائی اس میں یہ بھی ہے غلاموں کے معاملے سے اللہ سے ڈرو۔سرکار دو عالم ﷺ نسل انسانی کے لئے آزادی کا پیغام بن کر تشریف لائے۔چنانچہ آپ ﷺ نے غلاموں کی آزادی کے لئے قرآنی احکامات کی روشنی میں بہت سے گناہوں اور خطاؤں کی معافی وتلافی کا ذریعہ غلاموں کی آزادی کو قرار دیا۔اسطرح قسم اور ظہار کا کفارہ بھی غلام کی آزادی مقرر کر کے غلاموں کی آزادی کی ترغیب دلوائی۔سرکار دو عالم ﷺ کے ان اقدامات کا یہ اثر ہوا کہ صحابہ کرام نے ہزاروں کی تعداد میں غلاموں کو آزاد فرمایا۔سرکار دو عالم ﷺ نے غلاموں کو عزت وشرف بھی بخشا، چنانچہ زید بن حارث کی شادی اپنی پھوپھی زاد بہن حضرت زینبؓ سے کر دی۔اور اپنی زندگی کے آخری دنوں میں انہی کے بیٹے اسامہ بن زیدؓ کو اس عظیم الشان لشکر کا سردار بنایا جس میں ابوبکر وعمرؓ جیسے صحابہ شامل تھے۔کنیزوں کے ساتھ آپ ﷺ کا برتاؤ اتنا کریمانہ تھا کہ جو خواتین آپ ﷺ کی کنیزی میں آتیں آپ ﷺ انکو آزاد کر کے ان سے نکاح فرمالیا۔

2.8 عاجزی وانکساری:

سرکار دو عالم ﷺ کی عاجزی وانکساری کا یہ عالم تھا کہ ایک دفعہ ایک شخص نے آپ ﷺ کو خیر البریۃ کہہ کر مخاطب کیا۔آپ ﷺ نے فرمایا وہ ابراہیم علیہ السلام تھے فرمایا مجھ کو انبیاء پر فضیلت نہ دو(36)

فتح مکہ کے موقع پر آنحضرت کی تواضع اور انکساری کا منظر اور زیادہ نمایاں ہو جاتا ہے۔شہر مکہ میں داخل ہوتے ہیں تو تواضعاً سر کو اتنا جھکا دیتے ہیں کہ سر مبارک کجاوے سے آکر لگ جاتا ہے(37)۔

پھر کعبہ کے اندر پہنچ کر بھی آپ نے عاجزی وانکساری ہی کی شان دکھائی۔ اور اس عظیم الشان کامیابی کے موقع پر اپنی عقل وتدبر، عزم واستقلال پر ناز کرنے کے بجائے خدا قادر کے سامنے نہایت عجز وانکساری سے اپنی پیشانی مبارک کو زمین پر رکھ دیتے ہیں۔(38)

2.9 عفوو درگزر:

سیرت طیبہ کے اس پہلو کو جب ہم دیکھتے ہیں تو آپ ﷺ والکاظمین الغیظ والعافین عن الناس کی عملی تصویر نظر آتے ہے۔ ہجرت کے دوران سراقہ بن جعثم جو سرکار دو عالم ﷺ کے قتل کے خیال سے آپ ﷺ کا تعاقب کرتا ہے۔ آپ ﷺ نہ صرف اسے معاف کر دیتے ہیں بلکہ ہمیشہ کے لئے امان لکھوا دیتے ہیں (40)

دشمنوں سے انتقام لینے کا سب سے بڑا موقع فتح مکہ کا دن تھا۔ لیکن جب آپ ﷺ کے سامنے وہ لوگ جنہوں نے آپ ﷺ کو اور آپ ﷺ کے صحابہ کو سخت اذیتیں دی تھیں۔ حرم کے صحن میں جہاں آپ ﷺ کو گالیاں دی گئیں۔ آپ ﷺ پر نجاستیں ڈالی گئی اور آپ ﷺ کے قتل کی تجویز منظور ہوئی قریش کے تمام سردار مفتوحانہ کھڑے تھے۔ ان میں وہ بھی تھے جو اسلام کو مٹانے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگایا کرتے تھے۔ وہ بھی تھے جو آپ ﷺ کو جھٹلایا کرتے تھے۔ وہ بھی تھے جنہوں نے آپ ﷺ پر تیر پھینکے تھے، اور آپ پر تلواریں چلائی تھیں۔ اور وہ بھی تھے جنہوں نے آپ ﷺ کے عزیزوں اور پیروکاروں کا ناحق خون کیا تھا، آج یہ سب مجرم سرنگوں تھے۔ سوال ہوتا ہے اے قریش بتاؤ تمارے ساتھ کیا سلوک کریں، جواب ملتا ہے محمد ﷺ تو ہمارا شریف بھائی اور بھتیجا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے، آج میں وہ ہی کہتا ہوں جو یوسفؑ نے اپنے بھائیوں سے کہا تھا

لاتثریب علیکم الیوم و انتم الطلقاء(40)

سرکار دو عالم ﷺ نے حضرت حمزہؓ کے قاتل وحشی اور پھر ہندہ جس نے حضرت حمزہؓ کا کلیجہ چبایا تھا کو بھی معاف فرما دیا عفو عام کی اس معجزانہ مثال کو دیکھ کر وہ پکار اٹھتی ہے۔ اے محمد ﷺ آج سے پہلے آپکے خیمے سے زیادہ کسی خیمے سے مجھے نفرت نہ تھی لیکن آج تمہارے خیمے سے زیادہ کسی کا خیمہ مجھے محبوب نہیں (41)

انتقام کی رسم جاہلیت قدیم کا مایہ ناز شعار قومی تھا۔ سرکار دو عالم ﷺ نے اسکو مٹانے کے لئے سب سے پہلے اپنے خاندان سے آغاز فرما کر ابن ربعیہ بن الحارث کا خون معاف فرمایا۔ سرکار دو عالم ﷺ کے عفو درگزر کا یہ عالم تھا کہ ابوسفیان فتح

مکہ کے موقع پر جب حضرت عباسؓ کے ساتھ آپ ﷺ کے سامنے آیا۔ رحمت عالم ﷺ کا عفو عام ابوسفیان سے کہتا ہے ڈر کا کوئی نہیں محمد رسول اللہ ﷺ انتقام کے جذبے سے بالاتر ہیں۔ پھر حضور ﷺ اسکو نہ صرف معاف فرمادیتے ہیں بلکہ یوں فرماتے ہیں۔ من دخل دار ابی سفیان کان امنا(42)

2.10 صلہ رحمی:

سرکار دو عالم ﷺ صلہ رحمی کا بہت خیال رکھا کرتے تھے۔ اسی صلہ رحمی کا خیال تھا کہ سرکار دو عالم ﷺ نے اپنی دعوت کا آغاز اپنے رشتہ داروں سے کیا کرتے اور انکی طرف سے ایذا رسانی کے باوجود انکے لئے دعا فرمائی۔

2.11 خدمت خلق:

نبی کریم ﷺ خدمت خلق میں بے نظیر نمونہ چھوڑا ہے بعد از نبوت کی زندگی تو پوری بے کسوں اور بیواؤں کی امداد اور مجبور افراد معاشرہ کی دادرسی آپ ﷺ کا شیوہ تھا۔ اس سلسلے میں سرکار دو عالم ﷺ نے امیر غریب کا فرق مٹایا۔ غلاموں کے ساتھ حسن سلوک فرمایا۔ یتیموں اور بیواؤں کی بہبود کے لئے اصول متعین کئے انکی جائداد اور انکے اموال کے تحفظ کا انتظام کیا آپ ﷺ کے اس طرز عمل سے پورا معاشرہ دار الشفقت بن گیا۔ خدمت خلق، عوام دوستی، اور فلاح انسانیت کی ایک زندہ مثال سرکار دو عالم ﷺ کی حلف الفضول میں شریک ہونا ہے جس میں یہ طے پایا تھا کہ مظلوموں کی مدد کی جائے گی۔ اور ظالموں کو ظلم سے روکا جانے لگا۔ (43)

2.12 رحمت وشفقت:

محسن انسانیت ﷺ تمام جہانوں کے لئے رحمت بن کر آئے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

﴿وَمَا اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ﴾(44)

اور آپ کو تمام جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا۔

سرکار دو عالم ﷺ کے اسوہ پاک اور حیات طیبہ میں شفقت ومہربانی کا جذبہ حد درجہ اتم معراج کمال تک پہنچا ہوا تھا۔

اللہ تعالیٰ نبی کریم ﷺ کی صفت رحمت وشفقت کے متعلق فرماتے ہیں۔

﴿لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِّنْ أَنفُسِكُمْ عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيصٌ عَلَيْكُم بِالْمُؤْمِنِينَ رَءُوفٌ الرَّحِيمٌ﴾(45)

ترجمہ:۔ بے شک تمہارے پاس رسول آئے جو تم میں سے ہیں۔تمہارا مشقت میں پڑنا ان کیلئے سخت اذیت کے باعث ہوتا ہے جو کہ تمہارے لئے مہربان ہیں اور مومن کیلئے رؤف ورحیم ہیں۔

اس آیت پاک میں اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کے ان ترحمانہ جذبات کا ذکر فرمایا جو تمام بنی نوع انسان کے ساتھ تھے۔ چنانچہ فرمایا:،اے لوگوں تمہارا تکلیف اور مصیبت میں پڑھنا اور مصیبت اٹھانا اور قبول حق سے انکار کرنا اور جہالت وگناہ گاری پر ڈٹے رہنا رسول ﷺ پر شاق گزرتا ہے اور تمہاری بھلائی اور خیر خواہی کا وہ حریص ہے۔بنی نوع انسان کے ساتھ یہی خیر خوائی تمہاری دعوت وتبلیغ اور نصیحت پر اس کو آمادہ کرتی ہے اور جو لوگ۔ اسکی دعوت کو سن لیتے ہیں وہ انکے ساتھ شفقت اور مہربانی سے پیش آتا ہے"۔

سرکار دو عالم ﷺ انسانوں پر رحمت وشفقت کا اس قدر خیال رکھا کرتے تھے کہ ایک صحابی نے آپ ﷺ سے غزوہ احد کے دوران کفار کے لئے بددعا کرنے کی درخواست کی تو فرمایا:

میں دنیا میں لعنت کے لئے نہیں آیا ہوں، بلکہ میں تو رحمت بن کر آیا ہوں۔

بیواؤں یتیموں،اور ضعیفوں پر آپ ﷺ کی شفقت ورحمت کا یہ حال تھا کہ انکو سہارا دیتے،انکی خبر گیری فرماتے اور انکا بوجھ اٹھا کر انکے گھروں تک پہنچائے۔آپ ﷺ کی شفقت ومہربانی سے دشمن بھی محروم نہ تھے۔غزوہ بدر کے بعد سرکار دو عالم ﷺ نے قیدیوں کے کراھنے کی آواز سن کر رات بھر سو نہ سکے۔اس طرح میدان جنگ میں عورتوں۔بچوں،بیماروں کو قتل کرنے سے منع فرمایا۔آپ ﷺ کی شفقت صرف انسانوں تک ہی خاص نہ تھی بلکہ حیوانات پر بھی آپ ﷺ رحم فرماتے تھے۔

2.13 مساوات اور احترام آدمیت:

محسن انسانیت کے ظہور سے پہلے غلام جانوروں کی طرح بکتے تھے۔لیکن حضور ﷺ نے حبشی غلام سیدنا بلال ؓ کو کعبے کی چھت پر کھڑے ہو کر اذان دینے کا عظیم اعزاز بخش کر، رنگ ونسب کے بتوں کو پاش پاش کر دیا۔اور عملاً اعلان فرمادیا

کہ انسان کی تکریم اور تعظیم کا معیار رنگ ونسب یا مال ودولت نہیں بلکہ تقویٰ اور ایمان ہے۔

سرکار دو عالم ﷺ نے لوگوں کو مساوات کی تعلیم دی۔عرب میں سب سے زیادہ ذلیل غلام سمجھے جاتے تھے، آپ ﷺ نے مساوات، اخوت انسانی ،اور جس انسان کی برابری کی یہ مثال پیش کی کہ ایک غلام کو اپنا متبنیٰ بنایا اور پھر اپنی پھوپھی زاد بہن کو جو قریش کے شریف خاندان سے تھیں اپنے غلام سے بیاھا۔

وہ غلام جن کے متعلق عرب میں قبائل کی باہمی شرافت کی زیادتی وکمی کا اس درجہ لحاظ تھا کہ لڑائی میں بھی اپنے سے کم رتبہ والے پر تلوار چلانا عار سمجھتے تھے ذلیل خون اسکی تلوار کی شرافت کو ناپاک نہ کردے۔لیکن سرکار دو عالم ﷺ نسل انسانی کی مساوات کا اعلان اس طرح فرماتے ہیں:۔

''اے لوگوں تم سب آدم کی اولادھو اور آدم مٹی سے بنے تھے، کسی کالے کو گورے پر اور گورے کو کالے پر عجمی کو عربی پر اور عربی کو عجمی کو عربی پر کوئی فوقیت نہیں،،(46)

اسی طرح حجتہ الوداع کے موقعے پر بھی سرکار دو عالم ﷺ کی ناقہ کی مہار پکڑنے اور چہرہ انور پر سایہ کرنے کا شرف بھی دو غلاموں کو حاصل ہوا۔اس طرح سرکار دو عالم ﷺ نے بتایا کہ کوئی شخص خاندانی ،اور نسلی وقار کی بناء پر ترجیحی سلوک کا مستحق نہیں ہوسکتا اور وہ صرف اپنی صلاحیتوں کی بناء پر قابل قدر ہے۔

2.14 مہمان نوازی:

مہمان نوازی میں کافر ومسلم کا امتیاز نہ تھا۔ایک دفعہ ایک کافر کو سات بکریوں کا دودھ پلایا گیا۔کبھی ایسا بھی ہوتا کہ مہمان آجائے گھر میں جو کچھ ہوتا سب انکی نذر ہوجاتا اور تمام اہل وعیال فاقہ کرتے۔اصحاب صفہ زیادہ تر آپ ﷺ کے مہمان ہوتے تھے ۔حضرت عائشہؓ سرکار دو عالمؐ کے اخلاق کریمانہ کے متعلق فرماتی ہیں۔حضور ﷺ کسی کو برا بھلا نہ کہتے تھے۔برائی کا بدلہ برائی سے نہیں دیتے تھے۔بلکہ معاف کردیتے تھے، گناہوں سے کوسوں دور رہتے تھے، غلام ،لونڈی اور عورتوں سے حسن سلوک کرتے تھے ۔حضرت علی فرماتے ہیں۔آپ ﷺ ہنس مکھ، طبیعت کے نرم اور اخلاق کے نیک تھے۔طبیعت میں فروانی تھی، سخت مزاج نہ تھے۔کوئی برا کلم زبان سے نہیں نکالتے تھے۔اور لوگوں کے عیب اور کمزوریوں کو چھپایا کرتے تھے۔کوئی برا کلمہ زبان سے نہیں نکالتے تھے لوگوں کے عیب نہیں دکھاتے تھے۔بلکہ دلوں پر مرہم رکھتے تھے۔کہ آپ ﷺ رؤف الرحیم تھے۔

حضرت ھندؓ فرماتے ہیں آپ ﷺ کی طبیعت میں نرمی تھی ،سخت مزاج نہ تھے ۔کسی کا دل نہیں دکھاتے تھے کسی کی عزت کے خلاف کوئی بات نہیں کرتے تھے ۔جیسا کھانا سامنے آجاتا کھالیتے ۔اور اس کو کبھی برا بھلا نہ کہتے ،آپ ﷺ کو اپنے ذاتی معاملے میں کبھی غصہ نہیں آتا تھا۔نہ کسی سے بدلہ اور انتقام لیتے تھے اور نہ کسی کی دل شکنی کرتے تھے(47)

2.15 زہد و قناعت:

غزوات اور فتوحات کی وجہ سے مال و اسباب کی کمی نہ تھی ،مگر وہ سب غیروں کے لئے تھا اپنے لئے نہ تھا بلکہ وہی فقر و فاقہ تھا۔آپ ﷺ کی وفات کے بعد حضرت عائشہؓ کہا کرتی تھیں حضور اس دنیا سے تشریف لے گئے مگر دو وقت بھی آپ ﷺ نے سیر ہو کر کھانا نہیں کھایا۔اور جب آپ ﷺ نے وفات پائی تو گھر میں اس دن کے کھانے کے لئے تھوڑے سے جو کے سوا کچھ نہ تھا۔اور چند سیر جو کے بدلے آپ ﷺ کی زرہ یہودی کے پاس رہن تھی ۔فرمایا کرتے تھے میرا اس دنیا سے اتنا ہی تعلق ہے جتنا ایک مسافر کا جو سفر کے دوران کہیں سایہ میں آرام کرتا ہے اور پھر آگے بڑھ جاتا ہے غزوہ احزاب کے دوران ایک دفعہ صحابہ نے آپ ﷺ کی خدمت میں فاقہ کشی کی شکایت کی اور پیٹ کھول کر دکھایا کہ پیٹ پر ایک ایک پتھر بندھا ہے۔ آپ ﷺ نے شکم مبارک کھولا تو ایک کے بجائے دو پتھر بندھے نظر آئے۔

اسلام خود اپنے پیغمبر کو اپنی کتاب کا عملی مجسمہ ،نمونہ اور پیکر بنا کر پیش کرتا ہے تمام دنیا میں فخر صرف اسلام کے پیغمبر کو حاصل ہے کہ وہ تعلیم اور اصول کے ساتھ اپنے عمل سے اپنی مثال پیش کرتے ہیں ،اسی لئے خود اللہ تعالی نے فرمایا

﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾(48)

ترجمہ:۔بے شک تمہارے لئے رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں بہترین نمونہ ہے۔

خود آزمائی:

1۔ اخلاق سے کیا مراد ہے بیان کیجئے۔

2۔ قرآن مجید میں اخلاق کی کیا تعلیمات دی گئی ہیں نشاندہی کریں

3۔ رسول اکرم ﷺ کے اخلاق کریمانہ پر جامع نوٹ لکھیں

لازمی کتب برائے مطالعہ:

1۔ علامہ سید سلیمان ندوی۔ سیرت النبی، جلد ششم

2۔ قاضی سلیمان سلمان منصور پوری، رحمۃ للعلمین، جلد سوم

3۔ مولانا صفی الرحمن مبارک پوری، الرحیق المختوم

ماخذ و مصادر

1۔ عبدالحق محدث دہلوی، مدارج النبوۃ ج۱ص۳۰
2۔ امام فخر الدین رازی، مفاتیح الغیب ، جلد۸ص۱۸۵
3۔ امام غزالی، احیاء العلوم الدین
4۔ القلم ۶۸:۴
5۔ مالک بن انس، الموطاء
6۔ مسلم۔ الجامع الصحیح. کتاب صلاۃ المسافرین و قصرھا. باب جامع صلاۃ اللیل حدیث نمبر۱۲۳۳
7۔ یونس ۱۰:۱۶
8۔ ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم تفسیر سورہ فرقان۔
9۔ البخاری، الجامع الصحیح، کتاب بد الوحی باب بد الوحی۔ حدیث نمبر ۳
10۔ البخاری ، الجامع الصحیح، کتاب المناقب باب اسلام ابی ذر الغفاری۔ حدیث نمبر۳۵۷۲
11۔ امام احمد بن حنبل، المسند ، مسند اھل البیت، حدیث جعفر بن ابی طالب، حدیث نمبر۱۶۴۹
12۔ سید سلیمان ندوی، خطبات مدراس
13۔ البخاری، الجامع الصحیح، کتاب الشھادات باب من امر بانجاز الوعد. حدیث نمبر۲۴۸۴
14۔ آل عمران ۳:۱۶۴
15۔ سید سلیمان ندوی، سیرت النبی جلد۲
16۔ البخاری، الجامع الصحیح، کتاب الاداب باب لم یکن النبی فاحشا و لامتفحشا۔ حدیث نمبر۵۵۷۲
17۔ آل عمران ۳: ۱۵۸
18۔ سید سلیمان ندوی، سیرت النبی جلد۲
19۔ البخاری، الجامع الصحیح، کتاب المناقب باب علامات النبوۃ فی الاسلام . حدیث نمبر۳۳۶۰
20۔ البخاری، الجامع الصحیح، کتاب الشھادات باب من امر بانجاز الوعد . حدیث نمبر۲۴۸۴
21۔ البخاری، الجامع الصحیح، کتاب المناقب باب ذکر اسامۃ نب زید . حدیث نمبر۳۴۵۳
22۔ مسلم، الجامع الصحیح، کتاب الحدود، حدیث نمبر۳۲۱۲
23۔ البخاری، الجامع الصحیح، کتاب الشھادات باب من امر بانجاز الوعد . حدیث نمبر۲۴۸۴

24. ابن ہشام، السیرۃ النبویہ، جلد اص
25. ابن ہشام، السیرۃ النبویہ، جلد اص
26. التوبۃ ۹:۴۰
27. المائدۃ ۵:۶۷
28. البخاری، الجامع الصحیح، کتاب بدالوحی باب بد الوحی . حدیث نمبر ۵
29. مسلم، الجامع الصحیح ، کتاب الفضائل، باب حدیث نمبر ۴۲۷۵
30. البخاری، الجامع الصحیح، کتاب بدالوحی باب بد الوحی . حدیث نمبر ۵
31. البخاری، الجامع الصحیح، کتاب العلم باب . حدیث نمبر ۶۹
32. البخاری، الجامع الصحیح، کتابالرقاق باب قول النبی ما احب ان لی مثل احد ذھبا. حدیث نمبر ۵۹۶۴
33. سید سلیمان ندوی، سیرت النبیؐ
34. ابن ہشام، السیرۃ النبویہ، جلد اص
35. مسلم، الجامع الصحیح ، کتاب الفضائل، باب فضائل ابراھیم حدیث نمبر ۴۳۶۷
36. ڈاکٹر حمید اللہ، عہد نبوی کے میدان جنگ ص ۵۰۔
37. سید سلیمان ندوی، سیرت النبی جلد
38. مسلم، الجامع الصحیح ، کتاب الاشربہ ، باب جواز شرب اللبن حدیث نمبر ۳۷۵۰
39. بیھقی ، السنن الکبری. جلد ۹ ، ص ۱۱۸
40. بن ھشام ، السیرۃ النبویه
41. امام احمد بن حنبل، المسند ، حدیث نمبر ۱۰۵۲۶
42. ابن سعد، الطبقات الکبری.
43. الانبیاء: ۱۰۷
44. التوبة
45. امام احمد بن حنبل، المسند ، حدیث نمبر ۲۲۳۹۱
46. امام ترمذی ، شمائل ترمذی، حضور کے اخلاق وشمائل کی تفصیلات کے لیے ملاحظہ ہو۔
47. الاحزاب

یونٹ نمبر 5

حضرت ابوبکر صدیقؓ، سیرت، خلافت اور کارنامے

تالیف

ڈاکٹر محمد سجاد

نظر ثانی

محی الدین ہاشمی

علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد

فہرست عنوانات

۔۔۔ کا تعارف:

اللہ تعالی نے رسول اکرم ﷺ کو خاتم النبیین بنا کر بھیجا۔ آپ ﷺ پر اپنی کتاب قرآن حکیم نازل کی۔ آپ ﷺ نے اللہ تعالی کا پیغام لوگوں تک پہنچایا، اس پیغام خداوندی کے اولین مخاطبین وہ خوش بخت اصحاب تھے جنھوں نے آنحضور ﷺ کی دعوت پر لبیک کہا اور ایمان لائے، یہ پاکیزہ، صالح اور مخلص جماعت صحابہ کرام رضوان اللہ علیھم اجمعین کہلائے۔ اللہ تعالی نے آپ کے اصحاب کے فضائل و مناقب میں فرمایا ہے۔

﴿مَحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَ الَّذِيْنَ مَعَهٗ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ﴾

محمد اللہ کے رسول ہیں اور جو لوگ آپ کے ساتھ ہیں کفار پر سخت ہیں اور آپس میں بڑے مہربان ہیں۔

اس مبارک جماعت نے اللہ کے نبی کی دعوت کو قبول کیا، اللہ کے کلمہ کو بلند کیا، اللہ تعالی کی رضا کے لیے اپنا گھر بار قربان کیا، اور اپنی جانوں کے نذرانے پیش کیے، اللہ اور رسول کی اطاعت واتباع کی، اللہ تعالی نے انہی اصحاب مہاجرین و انصار اور اصحاب رسول ﷺ کی تعریف میں فرمایا ہے، رضی اللہ عنہ ورضواعن، یعنی اللہ تعالی ان سے راضی ہے اور وہ اللہ تعالی سے راضی ہیں۔

اسی سعادت مند اور مبارک جماعت میں سے سب سے افضل بعد الانبیاء کی ذات حضرت ابوبکرؓ صدیق کی ہے۔ رسول اللہ ﷺ پر آپ سب سے پہلے بلا جھجک اسلام لائے، ہر آن اور ہر دم آپ کے رفیق تھے۔ آپ ﷺ کے ہر کام میں شریک، آپ کے سب سے بڑے مزاج شناس اور اسلام کے سب سے بڑے عالم تھے۔ انھوں نے اسلام کے لیے اپنا تن، من اور دھن قربان کر دیا، اسی بنا پر آپ ﷺ کو سب سے زیادہ محبوب تھے۔ بعثت نبویؐ سے قبل حضرت ابوبکرؓ صدیق کا آنحضور ﷺ سے خصوصی تعلق تھا، اسلام لانے کے بعد مستقل صحبت نبوی میسر آئی، مکہ میں دعوت اسلام میں پیش پیش رہے، غار ثور اور ہجرت مدینہ میں آپ ﷺ کی معیت کا شرف حاصل ہوا۔ آپ کی بیماری میں نماز کی امامت کا شرف بھی حاصل ہوا۔

رسول اکرم ﷺ کے وصال کے بعد حضرت ابوبکرؓ صدیق مسلمانوں کے خلیفہ چنے گئے۔ حضرت ابوبکرؓ صدیق نے کل دو برس تین ماہ اور گیارہ دن حکومت کی۔ آپ نے اس مختصر مدت میں عظیم کارنامے انجام دیئے۔ ان میں سب سے اہم

اسلامی ریاست اور حکومت کا تحفظ و استحکام ہے۔ اسلام میں حضرت ابوبکرؓ صدیق کا مقام و مرتبہ کیا ہے؟ اس کا اندازہ حضرت عبداللہ بن مسعود کے اس قول سے ہوسکتا ہے کہ

"لقد قمنا بعد رسول الله ﷺ مقاماً کنا نهلک فیه لولا ان الله مَنَّ علینا بابی بکرٍ"

یعنی ہم سب رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد ایسے حالات میں گھر گئے تھے کہ اگر اللہ نے ابوبکر کے ذریعہ ہم پر احسان نہ کیا ہوتا تو ہم ہلاک ہو جاتے۔

آپ کے عہد خلافت میں اسلامی ریاست مستحکم ہوئی، ارتداد کا خاتمہ ہوا، مانعین زکوۃ کی سرکوبی کی گئی۔ جھوٹے مدعیان نبوت کا خاتمہ کیا گیا۔ اسلامی فتوحات کی بنیاد رکھی گئی، ریاست کے انتظامی اداروں کی تشکیل کی گئی، اسلامی ادبیات کے ماخذ و مصادر یعنی قرآن حکیم اور سنت نبوی کی تدوین ہوئی، تبلیغ و اشاعت اسلام کی کوششیں کیں، بعض غلط عقیدوں کی اصلاح کی، بدعتوں پر روک لگائی۔

اس یونٹ میں خلافت صدیق کے اہم واقعات اور آپ کی سیرت و کارناموں پر بحث کی گئی ہے۔

یونٹ کے مقاصد:

امید ہے اس یونٹ کے مطالعہ کے بعد آپ اس قابل ہو جائیں گے کہ

1۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ ذاتی احوال آثار سے آگاہ ہوسکیں۔

2۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ کی دین اسلام کے لیے خدمات کا جائزہ لے سکیں۔

3۔ المتنبون، مرتدین اور منکرین زکوۃ کے خلاف حضرت ابوبکرؓ صدیق کے اقدامات کا جائزہ لے سکیں۔

1۔ حضرت ابوبکرؓ صدیق کی سیرت اور کارنامے

1.1 حالات زندگی:

آپ کا نام عبداللہ ہے، ابوبکر کنیت ہے۔ صدیق اور عتیق لقب ہے۔ عتیق کا لقب رسول اللہ ﷺ نے عطا فرمایا تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا ،، انت عتیق اللہ من النار،، اے ابوبکر تم کو اللہ نے دوزخ سے آزاد کر دیا ہے۔ صدیق کا لقب واقع معراج کے موقع پر عطا ہوا۔ حضور اکرم ﷺ نے حضرت جبرائیل سے کہا کہ اس واقع کی تصدیق کون کرے گا؟ تو انہوں نے کہا ،، الصدیق ابوبکر،، (1) باپ کا نام عثمان بن عامر ہے اور ان کی کنیت ابوقحافہ ہے۔ ماں کا نام سلمیٰؓ بنت صخر ہے اور ام الخیر کنیت ہے۔ آپ کی والدہ حضرت ام الخیر سلمی قدیم الاسلام خاتون ہیں۔ انہوں نے چھ نبوت میں اسلام قبول کیا۔ اس وقت رسول اللہ ﷺ دار ارقم میں تشریف فرما تھے۔ (2) آپ کے والد ابوقحافہ نے فتح مکہ کے موقع پر اسلام قبول کیا۔ آپ قریش کی شاخ ''بنی تیم'' سے ہیں اور چھٹی پشت میں، مرہ پر آپ کا سلسلۂ نسب رسول اللہ ﷺ سے جا ملتا ہے۔ آپ اپنے والدین کے اکلوتے بیٹے تھے۔ رسول کریم ﷺ کی ولادت باسعادت سے دو سال بعد مکہ میں ۵۷۳ء میں آپ کی ولادت ہوئی۔ (3)

1.2 خاندان ابوبکرؓ:

حضرت ابوبکر صدیقؓ نے کئی شادیاں کیں۔ اسلام سے پہلے آپ نے بنی عامر بن لوئی کے خاندان میں قتیلہ بنت عبدالعزیٰ سے شادی کی۔ ان سے ایک صاحبزادہ عبداللہ اور ایک صاحبزادی اسماءؓ پیدا ہوئی۔ اسماء کی شادی حضرت زبیر بن العوامؓ سے ہوئی۔ حضرت عبداللہؓ بن زبیر ان ہی کے فرزند تھے۔ اسی زمانہ میں آپ نے دوسری شادی بنی کنانہ کے خاندان میں ام رومان بنت عامر سے کی۔ ان سے ایک صاحبزادہ عبدالرحمٰن اور ایک صاحبزادی حضرت عائشہ صدیقہؓ پیدا ہوئیں۔

اسلام کے بعد آپ نے خاندان خشعم میں اسماء بنت عمیسؓ سے شادی کی۔ یہ حضرت جعفرؓ بن ابی طالب کی بیوہ تھیں۔ ان سے ایک صاحبزادہ محمد پیدا ہوئے۔ اسی زمانہ میں آپ نے خاندان خزرج میں حبیبہ بنت خارجہ سے شادی کی۔ ان سے حضرت ابوبکرؓ کی وفات کے بعد ایک صاحبزادی ام کلثوم پیدا ہوئیں۔

اسلام سے پہلے ہی حسنِ اخلاق، دیانت وامانت اور خاندانی وجاہت میں آپ امتیازی حیثیت رکھتے تھے۔ آپ ایک دولت مند تاجر تھے اور اپنی دولت سے ضرورتمندوں اور محتاجوں کو فائدہ پہنچاتے رہتے تھے۔ جاہلیت کے زمانے میں خون بہا کا مال آپ ہی کے پاس جمع ہوتا تھا (۴) آپ ''علم الانساب'' کے بھی بہت بڑے عالم تھے۔ ان ذاتی خوبیوں اور حسن اخلاق کا ہی نتیجہ تھا کہ آپ رسول اکرم ﷺ کے قریبی احباب میں شامل تھے۔ اور بچپن سے ہی آپ ﷺ سے دوستی تھی۔ آپ کے اخلاق کے بارے میں ابن الدغنہ نے قریش کے سرداروں سے جو بات اس وقت کہی تھی۔ جب آپ ہجرت حبشہ کے ارادے سے گھر سے نکلے تھے۔ اس میں آپ کی انسان دوستی، صلہ رحمی، غریبوں اور ضرورت مندوں کی خدمت کا ذکر تھا۔ اس نے کہا تھا۔

اتخرج رجلا یکسب المعدوم و یصل الرحم ومحمل الکل و یقری الضیف ویعین علی نوائب الحق(5)

(کیا تم ایسے شخص کو نکال رہے ہو جو غریبوں کو کپڑے پہناتا ہے، صلہ رحمی کرتا ہے، معذوروں کا سہارا ہے، مہمانوں کی خدمت کرتا ہے، اور مصیبت میں لوگوں کی مدد کرتا ہے۔)

جب حضور ﷺ کا سینہ نبوّت کے نور سے معمور کیا گیا تو سب سے پہلے آزاد مردوں میں اس روشنی کو آپ نے ہی قبول کیا۔ چنانچہ خود حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے:۔

''میں نے جس کسی کو اسلام کی دعوت دی اس کی طرف سے کچھ نہ کچھ جھجک ضرور محسوس ہوئی مگر ابوبکرؓ ذرا نہ جھجکے''(6)

1.3 دعوتِ اسلام:

حضرت ابوبکرؓ صدیق نے مسلمان ہونے کے ساتھ ہی اسلام کی دعوت وتبلیغ کیے لیے جدوجہد شروع کردی۔ آپؓ نے پیغمبر خدا کی رفاقت کا حق پوری طرح ادا کیا۔ حضورؐ جن قبیلوں، جن بستیوں اور جن میلوں میں خدا کا پیغام سنانے تشریف لے جاتے، حضرت ابوبکرؓ آپ ﷺ کے ہمراہ ہوتے۔ خود حضرت ابوبکرؓ اپنے طور پر اس فرض کو ادا کرنے میں بھی کوئی کسر نہ اٹھا رکھتے۔ بہت سے جلیل القدر صحابہ جن میں حضرت عثمانؓ بن عفّان، حضرت زبیرؓ بن عوام، حضرت طلحہؓ بن عبیداللہ، حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف، حضرت سعد بن وقاصؓ شامل ہیں، آپ ہی کے تعلق اور اثر سے مشرف بہ اسلام ہوئے۔ (7) جب کفار

مکہ کے غلاموں نے اسلام قبول کرنا شروع کیا اور کافروں نے انہیں اس جرم میں دردناک تکلیفیں پہنچائیں تو حضرت ابو بکرؓ ہی تھے جنہوں نے اپنے روپے سے انہیں خرید خرید کر کافروں کے پنجہ ظلم سے نجات دلائی۔ ایسے اصحاب میں حضرت بلال بن رباحؓ، حضرت عامرؓ بن فہیرہ، حضرت ابوفکیہہؓ اور خواتین میں حضرت لبینہؓ، زنیرہ، نہدیہ، ام عبیس شامل ہیں۔ (8)

1.4 ہجرتِ حبشہ:

کفارِ مکہ نے جب مسلمانوں پر ظلم ڈھانے شروع کیے اور مجبور ہو کر انہوں نے حبشہ کی طرف ہجرت کرنے کا ارادہ کیا تو حضرت ابو بکرؓ نے بھی رسول اللہ ﷺ سے اجازت چاہی اور حبشہ کی طرف روانہ ہوئے۔ جب آپ مقام "برک الغماد" میں پہنچے تو قارہ کے سردار "ابن الدغنہ" سے ملاقات ہوئی۔ ابن الدغنہ نے پوچھا۔ ابو بکر! کہاں کا ارادہ ہے۔ آپ نے فرمایا۔ مکہ والوں نے جلاوطن کر دیا ہے۔ کسی دوسرے ملک جا رہا ہوں جہاں آزادی کے ساتھ اپنے خدا کی عبادت کر سکوں۔" ابن الدغنہ نے کہا۔ "ابو بکر! تم جیسا آدمی جلاوطن نہیں کیا جا سکتا۔ تم مفلسوں کی امداد کرتے ہو، مصیبت زدوں کے کام آتے ہو، مسافروں کی مہمانداری کرتے ہو۔ میں تمہیں اپنی ذمہ داری پر واپس لے چلوں گا۔ حضرت ابو بکرؓ واپس چلے آئے اور ابن الدغنہ نے اعلان کر دیا کہ ابو بکرؓ میری پناہ میں ہیں انہیں کوئی نہ ستائے۔

کافروں نے کہا ہم ابو بکرؓ سے کچھ نہ کہیں گے مگر ان سے کہہ دو کہ وہ خاموشی کے ساتھ عبادت کر لیا کریں۔

کچھ دن تو حضرت ابو بکرؓ نے اس شرط پر عمل کیا مگر پھر ان کی آزاد طبیعت اعلانِ حق پر اس پابندی کو گوارا نہ کر سکی۔ چنانچہ انہوں نے کھلم کھلا تبلیغی فرائض ادا کرنے شروع کر دیے۔ جب ابن الدغنہ نے شکایت کی تو صاف کہہ دیا کہ "مجھے تمہاری پناہ کی ضرورت نہیں ہے۔ میرے لیے اللہ کی پناہ کافی ہے۔ (9)

1.5 ہجرت مدینہ:

جب مکہ کے کافروں نے اسلام کی روشنی کو قبول کرنے سے انکار ہی نہیں کیا بلکہ اس روشنی کو بجھانے کا بھی پکا ارادہ کر لیا تو رسول اللہ ﷺ نے حکم خداوندی کے مطابق مدینہ منورہ کا عزم فرمایا۔ ایک دن آپ ﷺ نے اپنے رفیق و غمگسار سے اپنے اس ارادہ کا اظہار فرمایا تو حضرت ابو بکرؓ نے عرض کیا یا رسولؐ اللہ! کیا مجھے بھی ساتھ چلنے کی اجازت ہے؟ حضورؐ نے فرمایا "ہاں تیار ہو جاؤ"۔

حضرت ابوبکرؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ! میں نے تو اس دن کی تمنا میں پہلے ہی سے دو اونٹنیاں تیار کر رکھی ہیں''۔

اس تاریخی سفر کا تمام انتظام حضرت ابوبکرؓ کے گھر سے ہوا۔ حضرت عائشہؓ اور حضرت اسماءؓ نے سامان سفر درست کیا۔ حضرت اسماءؓ نے اپنا کمر بند کھول کر دو ٹکڑے کئے اور ایک ٹکڑے سے توشہ دان باندھا اور ''ذوالنطاقین'' کا خطاب حاصل کیا۔ عبداللہ بن ابی بکرؓ مکہ کے حالات کی اطلاع پہنچانے پر مقرر ہوئے اور حضرت ابوبکرؓ کے غلام عامر بن فہیرہ کے سپرد یہ خدمت ہوئی کہ وہ بکریاں لے کر غار ثور چلے آیا کریں اور تازہ دودھ پلایا کریں۔(10)

رسول اللہ ﷺ نے حضرت علیؓ کو اپنے بستر پر لٹا کر اور حضرت ابوبکرؓ کو اپنے ساتھ لے کر مکہ سے اندھیری رات میں چپکے سے باہر نکلے اور غار ثور پر جا کر پہلی منزل کی۔ جب کافروں کو معلوم ہوا کہ ان کی سازش ناکامیاب رہی ہے تو انہوں نے آپ ﷺ کی تلاش میں چاروں طرف آدمی دوڑائے۔ کچھ لوگ تلاش کرتے کرتے عین غار کے منہ پر پہنچ گئے۔ حضرت ابوبکرؓ گھبرانے لگے اور عرض کیا یا رسول اللہ اگر کافر نیچے کی طرف نظر ڈالیں گے ہمیں دیکھ لیں گے۔ حضورؐ نے بڑے اطمینان کے ساتھ فرمایا۔ اے ابوبکر! غم نہ کرو خدا ہمارے ساتھ ہے۔ قرآن مجید نے اس واقعہ کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے:۔

﴿اِلَّا تَنْصُرُوْهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللّٰهُ اِذْ اَخْرَجَهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ثَانِيَ اثْنَيْنِ اِذْ هُمَا فِي الْغَارِ اِذْ يَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا﴾(11) التوبة :40

''اگر تم رسول اللہ کی مدد نہ کرو گے (تو نہ سہی) اللہ نے تو اس کی اس وقت مدد کی ہے جب اسے کافروں نے اس کے رفیق کے ساتھ نکال دیا تھا۔ وہ (رسول) ان دو (رسول اکرم اور ابوبکر صدیق) میں دوسرے تھے جب وہ دونوں غار میں تھے اور وہ (رسول) اپنے ساتھی سے کہہ رہے تھے غم نہ کرو خدا ہمارے ساتھ ہے۔''

اس طرح رسول اللہ ﷺ اپنے یارِ غار کے ساتھ دن کو چھپتے ہوئے اور رات کو سفر کرتے ہوئے مدینہ منورہ پہنچے۔ اور تاریخ اسلام میں فتح صداقت اور غلبہء حق کے باب کا آغاز ہوا۔

1.6 غزوات میں شرکت:

ہجرت کے بعد جب کفار سے لڑائیوں کا سلسلہ جاری ہوا تو حضرت ابوبکرؓ تمام لڑائیوں میں شامل ہوئے اور اپنی بہادری اور جان نثاری کا پوار پورا ثبوت دیا۔ بعض اتفاقی اسباب سے غزوۂ احد اور غزوۂ حنین میں مسلمانوں کو کچھ نقصان پہنچا

اور اسلامی لشکر کے بعض سپاہیوں سے انسانی کمزوریاں ظاہر ہوئیں لیکن لشکر اسلام کا یہ بہادر جرنیل اپنی جگہ پہاڑ کی طرح جما رہا اور رسول اللہ ﷺ کی رفاقت کا پورا پورا حق ادا کیا۔

غزوۂ تبوک کے موقع پر گھر میں جو کچھ موجود تھا لاکر اپنے آقا کے قدموں میں ڈال دیا اور جب حضورؐ نے پوچھا اے ابوبکرؓ تم نے کچھ بال بچوں کے لیے بھی چھوڑا تو نہایت بے پرواہی کے ساتھ جواب دیا کہ

''ان کے لیے اللہ اور رسول کافی ہیں'' (12)۔

1.7 امارت حج:

فتح مکہ کے بعد اگلے سال رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابوبکرؓ کو اپنا قائم مقام اور امیر الحج بنا کر روانہ فرمایا۔ حضرت ابو بکرؓ نے امیر الحج کی حیثیت سے مسلمانوں کی قیادت کی اور خطبہ دیا۔ اور حضرت علیؓ آپ کے ساتھ تھے انھوں نے رسول اللہ ﷺ کا وہ تاریخی اعلان پڑھ کر سنایا کہ اس سال کے بعد کوئی مشرک حج نہیں کرے گا۔ (13)

1.8 امامت جماعت:

رسول اللہ ﷺ کی علالت شروع ہوئی اور ضعف جب بڑھ گیا تو آپ کے لیے حجرہ اقدس سے نکل کر مسجد میں آئے اور نماز کی امامت کرانا دشوار ہوا، تو آپ نے حضرت ابوبکرؓ صدیق کو حکم دیا کہ وہ نماز پڑھائیں۔ آپ نے کل سترہ نمازیں حیات نبوی ﷺ میں پڑھائیں۔ دنیا سے رخصت کے دن، نماز فجر کے وقت حضور ﷺ نے حجرہ شریفہ کا پردہ اٹھایا۔ آپ نے دیکھا کہ مسلمان حضرت ابوبکرؓ کی امامت میں کامل اتحاد و اطمینان کے ساتھ اپنا دینی فرض ادا کر رہے ہیں تو بے اختیار مسکرا دیئے اور پھر پردہ کھینچ لیا۔ (14)

رسول اکرم ﷺ کے وصال کی خبر آپ کے جان نثاروں پر بجلی بن کر گری۔ وہ کسی صورت اپنے آقا و مولیٰ کی جدائی کے تصور کے لیے بھی تیار نہ تھے۔ حضرت عمرؓ تو تلوار کھینچ کر کھڑے ہو گئے اور فرمانے لگے جو یہ کہے گا کہ رسول اللہ ﷺ کا وصال ہو گیا میں اس کی گردن اڑا دوں گا۔ حضرت ابوبکرؓ اس روز رسول کریم ﷺ کے مرض میں تخفیف دیکھ کر مقام ''سُنح'' تشریف لے گئے تھے۔ جب واپس آئے اور یہ ہنگامہ دیکھا تو حضرت عمرؓ سے کہا کہ تم بیٹھ جاؤ۔ مگر جب وہ نہ مانے تو الگ اپنی

تقریر شروع کر دی۔ صحابہ کا مجمع آپ کی آواز کی طرف ڈھل گیا۔

آپ نے فرمایا۔

''جو لوگ محمد ﷺ کی عبادت کرتے تھے انہیں معلوم ہونا چاہیئے کہ آپ ﷺ کا تو وصال ہو گیا۔ لیکن جو لوگ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے تھے انہیں معلوم ہونا چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ زندہ ہے اور وہ کبھی نہ مرے گا پھر یہ آیت پڑھی:۔

﴿''وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ، اَفَاِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰى اَعْقَابِكُمْ﴾ (۱۵)

''محمد ﷺ ایک رسول ہی تو ہیں جن سے پہلے بہت سے رسول گزر چکے ہیں تو کیا اگر وہ وفات پا جائیں یا شہید ہو جائیں تو تم اسلام سے الٹے پاؤں پھر جاؤ گے''۔

آپ کی اس تقریر نے جادو کا کام کیا اور صحابہؓ فرماتے ہیں کہ ہمیں ایسا معلوم ہوا گویا یہ آیت آج ہی نازل ہوئی ہے۔

2۔ خلافت صدیقی کے اہم کارنامے

حضرت ابوبکرؓ صدیق نے دو برس تین ماہ اور گیارہ دن حکومت کی۔ اس مختصر مدت میں انھوں نے عظیم کارنامے انجام دیئے۔ ان میں سب سے اہم اسلامی حکومت اور ریاست کا تحفظ و استحکام ہے۔ دوسرا قریبی ممالک یا جزیرہ نمائے عرب کے باہر اسلامی فتوحات کے آغاز کا کارنامہ ہے۔ تیسرا دینی خدمات پر مشتمل ہے چوتھا خلافت اسلامی کا عظیم ترین اور بے مثال ادارہ قائم کرنا ہے۔

2.1 لشکر اسامہؓ بن زید کی روانگی:

رسول اکرم ﷺ نے اپنی وفات سے کچھ ہی پہلے رُومیوں سے ''جنگ موتہ'' کا انتقام لینے کے لیے ایک لشکر کی تیاری کا حکم دیا تھا اور اس لشکر کا سردار حضرت زید ابن حارثہؓ (جو جنگِ موتہ میں شہید ہوئے تھے) کے بیٹے حضرت اُسامہؓ کو مقرر فرمایا تھا۔ اس لشکر میں اکثر بڑے بڑے صحابہ حضرت ابوبکرؓ و حضرت عمرؓ وغیرہ شامل تھے۔ لیکن ابھی یہ لشکر روانہ نہیں ہوا تھا کہ رسول اکرم ﷺ بیمار ہو گئے اور پھر آپ کا وصال ہو گیا۔

رسول اکرم ﷺ کے دنیا سے تشریف لے جاتے ہی عرب میں ارتداد کی وبا پھیل گئی۔ نو مسلم قبیلے جن کے دلوں میں نورِ ایمان کی چمک پورے طور پر منعکس نہیں ہوئی تھی۔ ایک ایک کر کے مرتد ہونے لگے۔ یہ وقت اسلام کے لیے بڑا نازک تھا۔ بعض صحابہ نے مشورہ دیا کہ کچھ عرصہ کے لیے لشکرِ اُسامہؓ کی روانگی ملتوی کر دی جائے اور پہلے مرتدین سے نمٹ لیا جائے۔ لیکن حضرت ابوبکرؓ نے اس مشورہ کو قبول نہ کیا۔ آپ نے فرمایا: ''میں اس جھنڈے کو نہیں کھول سکتا جسے رسول اللہ ﷺ نے خود اپنے مبارک ہاتھوں سے باندھا ہو''۔

پھر بعض صحابہؓ نے عرض کیا کہ ''اسامہؓ کی بجائے جو ایک نوعمر اور ناتجربہ کار شخص ہیں کسی اور کو سردار بنا دیجیئے۔'' آپ نے غصہ ہو کر فرمایا۔ ''جسے خدا کے رسول ﷺ نے سردار بنایا ہو مجھے اسے معزول کرنے کا کیا حق ہے؟''(۱۶)

غرض حضرت ابوبکرؓ نے لشکرِ اسامہؓ کو روانگی کا حکم دیا اور اسے رخصت کرنے کے لیے خود کچھ دور تک تشریف لے گئے اس طرح کہ اسامہ گھوڑے پر سوار تھے اور حضرت ابوبکرؓ ساتھ ساتھ پیدل چل رہے تھے۔ اسامہؓ نے عرض کیا کہ اے خلیفۃ الرسول آپ بھی سوار ہو جائیں ورنہ مجھے اجازت دیجیے کہ میں بھی پیدل ہو جاؤں''۔ حضرت ابوبکرؓ نے جواب دیا۔

''خدا کی قسم دونوں باتوں میں سے ایک بھی نہیں ہو سکتی۔ کیا حرج ہے اگر میں خدا کے راستہ میں تھوڑی دور تک اپنا پاؤں غبار آلود کر لوں جبکہ غازی کے ہر قدم کے بدلے سات سو نیکیاں لکھی جاتی ہیں''۔(۱۷)

''لشکرِ اسامہ'' میں حضرت عمرؓ بھی شامل تھے اور ان کا خلیفۃ المسلمین کے مشیر کی حیثیت سے مدینہ میں رہنا ضروری تھا اس لیے حضرت ابوبکرؓ نے اپنی ضرورت ظاہر کر کے اسامہؓ سے درخواست کی کہ وہ انہیں چھوڑ دیں۔ اسامہؓ نے اجازت دے دی۔ یہ بھی حقیقت میں ذاتِ نبوت ﷺ کی تعظیم تھی۔ حضرت ابوبکرؓ کا نقطۂ نظر یہ تھا کہ اسامہؓ اس ذاتِ مقدس کی طرف سے مامور ہیں جن کا اقتدار میرے اقتدار سے بالا ہے۔ لہٰذا مجھے ان کے اختیارات میں دخل دینے کا حق نہیں۔ جب حضرت ابوبکرؓ سے اسامہؓ جدا ہونے لگے تو آپ نے انہیں بیش قرار نصیحتیں فرمائیں جن میں سے چند یہ ہیں:۔

1۔ دیکھو! خیانت نہ کرنا۔

2۔ دھوکا نہ دینا۔

3۔ مال نہ چھپانا

4۔ کسی کے اعضاء کو نہ کاٹنا

5۔ بوڑھوں، بچوں اور عورتوں کو قتل نہ کرنا۔

6۔ کھجور کے درختوں کو نہ جلانا

7۔ پھل والے درختوں کو نہ کاٹنا

8۔ اور کھانے کی ضرورت کے سوا کسی بکری، گائے یا اونٹ کو نہ کاٹنا۔

9۔ تمہارا گزر ایک قوم پر ہوگا جو دنیا کو چھوڑ کر اپنی خانقاہوں میں بیٹھی ہوگی تم اس سے تعرض نہ کرنا''۔(18)

لشکر اسامہ یکم ربیع الثانی ۱۱ھ کو مدینہ سے روانہ ہوا''شام'' کے پاس قضاعہ کی بستیوں کو تاخت و تاراج کیا اور چالیس روز کے بعد فتح وظفر کے واپس آیا۔

لشکر اسامہؓ کی یہ مہم اسلام کے لیے بے حد مفید ثابت ہوئی۔ منافقین اور مرتدین کہنے لگے کہ مسلمانوں کی طاقت میں کوئی کمی نہیں آئی ہے۔ ورنہ وہ اتنی دور اتنے قوی دشمن کے مقابلہ کے لیے اپنی فوج نہ بھیجتے۔ چنانچہ بہت سے مرتد قبیلے ڈر کر پھر اسلام میں داخل ہو گئے۔

2.2 ردہ جنگیں ۱۲۔۱۱ھ:

فتنۂ ارتداد کے اسباب:

رسول اللہ ﷺ کی وفات ہوتے ہی عرب کے بعض حصوں میں ارتداد کی طوفانی ہوائیں چلنے لگیں اور ضعیف الایمان لوگوں کے دلوں میں ایمان کی روشنی بجھنے لگی۔ اس فتنہ کی وجوہ حسب ذیل تھیں:۔

1۔ اسلام سے پہلے عرب مختلف گروہوں میں بٹے ہوئے تھے۔ اسلام نے ان گروہوں کو ملا کر ایک ملت بنا دیا۔ مگر چونکہ وہ برسہا برس سے اس کے عادی نہ تھے اس لیے انہوں نے اس نظام کو اپنی آزادی کے لیے ایک زنجیر سمجھا اور اسے توڑ کر نکل بھاگنے کی فکر کرنے لگے۔

2۔ قرآن کریم نے حکومت اسلامی کے شعبہء مالیات کے لیے''زکوۃ'' کو بنیاد ٹھہرایا۔ زکوۃ اسلام کے اصول کے مطابق امیروں سے لی جاتی ہے اور غریبوں پر صرف کی جاتی ہے اور اس کا مقصد قوم میں دولت کے توازن کو برقرار رکھنا ہے۔ مگر اسے بھی ایک بار سمجھا گیا اور اس بار کو اتار پھینکنے کی کوشش کی جانے لگی۔

3۔ شراب عربوں کی گھٹی میں پڑی ہوئی تھی جوان کا دل پسند کھیل تھا اور زنا ایک مرغوب تفریح۔ اسلام کے قانون نے ان سب برائیوں پر کڑی بندشیں قائم کر دیں جو ان لوگوں پر گراں گزریں۔ یہ امراض ان لوگوں کے دلوں میں پیدا ہوئے جو مرکز اسلام سے دور نجد، یمن وغیرہ کے علاقوں میں رہتے تھے۔ رسول کریم ﷺ کی صحبت انہیں نصیب نہیں ہوئی تھی۔ اسلام کی شوکت کو دیکھ کر ان کی گردنیں ضرور خم ہوگئی تھیں۔ مگر دلوں میں خضوع کی کیفیت پیدا نہیں ہوئی تھی چنانچہ قرآن کریم نے خود ان لوگوں کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے۔

"قَالَتِ الْاَعْرَابُ اٰمَنَّا قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا وَ لٰكِنْ قُوْلُوْۤا اَسْلَمْنَا وَ لَمَّا یَدْخُلِ الْاِیْمَانُ فِیْ قُلُوْبِكُمْ (19)

"دیہاتی عرب کہتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے اے رسول کہہ دیجئے کہ تم ایمان نہیں لائے بلکہ یوں کہو کہ ہم مطیع ہو گئے ہیں ابھی ایمان تمہارے دلوں میں داخل نہیں ہوا۔"

پھر اس پر طرہ یہ ہوا کہ خدا کے سچے نبی کی کامیابی کو دیکھ کر عرب میں بہت سے جھوٹے نبوت کے دعوے دار پیدا ہو گئے۔ انہوں نے سوچا کہ نبوت کا دعویٰ بھی دنیاوی ترقی کا ایک اچھا ذریعہ ہو سکتا ہے۔

الف) مرتدین کے طبقات:

عہد صدیقی میں اسلام دشمن عناصر کو عام طور سے تین طبقوں یا گروں مین تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

1۔ زکوۃ ادا نہ کرنے والے جن کو "مانعین زکوۃ" کہا جاتا ہے۔
2۔ جھوٹے نبی (المتنبون) اور
3۔ مرتد افراد اور علاقے۔

یہ تینوں گروں الگ تھلگ کام کرنے کے باوجود آخر کار ایک ہو گئے اور ان کا ایک دوسرے سے گٹھ جوڑ اسلام کے خلاف رہا۔ صرف مرتدین کا ایک گروہ ایسا تھا جو اسلام چھوڑ کر پرانے مذہب پر لوٹ گیا تھا اور اس نے جھوٹے نبیوں کو نہیں مانا تھا۔

1۔ مانعین زکوۃ:

اسلامی تاریخ کے سے معلوم ہوتا ہے کہ بدوی مسلمانوں میں سے کچھ لوگ زکوۃ وصدقات کو جرمانہ سمجھ کر ادا کرتے

تھے۔ اور کچھ یہ سوچ کر کہ رسول اللہ ﷺ کے بعد زکوۃ دینا ضروری نہیں اور اسلامی ریاست اتنی متحد نہیں رہی، ان قبیلوں نے اسلامی ریاست کو زکوۃ وصدقات دینے سے انکار کر دیا۔ ان میں عبس وذبیان، کنانہ، غطفان اور خاص کر ان کے کچھ خاندان و طبقات نے مدینہ منورہ اپنے نمائندے بھیج کر خلیفہء اسلام سے درخواست کی کہ ان کو زکوۃ کی ادائیگی سے معاف کر دیا جائے۔ باقی اسلامی احکامات پر وہ عمل کرتے رہیں گے۔ مگر حضرت ابوبکر صدیق نے انکار کر دیا کیوں کہ اسلام کے ایک رکن کا انکار پورے اسلام کا انکار ہے

جب آپ نے صحابہ کرام سے مشورہ کیا تو بعض صحابہ نے عرض کیا وقت بہت نازک ہے۔ جو لوگ صرف زکوۃ ادا کرنے سے ہی انکار کرتے ہیں ان کے ساتھ نرمی کی جائے۔ مگر حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا۔

''خدا کی قسم! اگر کوئی ایک بکری کا بچہ دینے سے بھی جو رسول اللہ کو دیا جاتا تھا انکار کرے گا تو میں اس کے خلاف بھی جہاد کروں گا۔''(20)

جوں ہی حضرت اسامہؓ واپس آئے آپ نے مدینہ میں انہیں اپنا قائم مقام بنا کر عبس اور ذبیان کے قبیلوں کے مقابلہ کے لیے نکل کھڑے ہوئے۔ ان قبائل نے شکست کھائی اور ان کی چراگاہیں مسلمان مجاہدین کے گھوڑوں کے لیے وقف کر دی گئیں۔

حضرت ابوبکر کے ان اقدامات نے مانعین زکوۃ کے حوصلے پست کر دیئے۔ ان میں سے بہت سے لوگوں نے پھر زکوۃ ادا کر کے پورے اسلام کو مان لیا، ان سے سبق سیکھ کر دوسرے قبیلوں کے مانعین زکوۃ نے بھی توبہ کر لی۔

2۔ جھوٹے نبی (المتنبون):

رسول اکرم ﷺ کی دینی کامیابی کے نتیجے میں جو سیاسی، سماجی، اقتصادی اور تہذیبی کامیابی ملی اس سے متاثر ہو کر بعض قبائل کے سرداروں نے سوچا وہ بھی نبوت کا دعوی کر کے اپنے لیے کامیابی حاصل کر لیں، مگر ان کے یہ پر فریب دعوی چند دنوں سے زیادہ نہیں چل سکے۔ ایسے چار اشخاص تھے جن میں ایک عورت بھی تھی ان کے نام مع ان کے قبیلوں اور علاقوں کے حسب ذیل ہیں:۔

1۔ اسود عنسی: قبیلہ مذحج، یمن کے علاقے میں حیات نبوی میں مدعی نبوت ہوا، کچھ قبیلوں نے اس کو اپنا سردار بنا لیا۔

2۔ مسیلمہ کذاب: قبیلہ بنو حنفیہ، یمامہ کے علاقے میں اپنے قبیلہ کے علاوہ بعض قریبی قبیلوں کا نبی بن بیٹھا۔

3۔ سجاح بنت الحارث، قبیلہ تمیم و تغلب، یمامہ کے علاقے میں تغلب، ربیعہ، نمر اور شیبان وغیرہ کی نبی بن گئی۔ وہ اصلا عیسائی تھی، بعد میں اس نے مسیلمہ سے شادی کر کے دونوں کا اتحاد اسلام کے خلاف بنالیا۔

4۔ طلیحہ اسدی: قبیلہ بنو اسد، بنو فزارہ، بنو طے اور غطفان کے خاندانوں کا نبی بن بیٹھا۔ اس کا علاقہ مدینہ کے شمال میں تھا۔

3۔ ارتداد کے خلاف صدیقی اقدامات

''ذوالقصہ'' کے باغیوں سے نمٹنے کے بعد حضرت ابوبکر صدیق نے عام مرتدوں اور جھوٹے نبیوں کے مشترکہ خطرے کو ختم کرنے کے لیے، کل اسلامی فوج کو گیارہ دستوں میں تقسیم کیا۔ ہر دستہ کا ایک الگ سردار مقرر کیا اور اسے ایک جھنڈ دیا۔ یہ گیارہ سردار اپنے دستوں کے ساتھ ملک کے مختلف حصوں میں روانہ کئے گئے ان گیارہ سرداروں کے نام یہ ہیں۔

	اسلامی قائد	مہم کا مقام	مرتد اور جھوٹے نبیوں کے قبیلے
1۔	خالدؓ بن ولید مخزومی	بزاخہ اور بطاح	طلیحہ اسدی اور اس کے قبیلے
2۔	عکرمہؓ بن ابی جہل مخزومی	یمامہ	مسیلمہ کذاب اور قبیلہ بنو حنیفہ
3۔	شرحبیلؓ بن حسنہ کندی	یمامہ	مسیلمہ کذاب اور قبیلہ بنو حنیفہ
4۔	مہاجرؓ بن ابی امیہ خزرجی	یمن و حضر موت	اسود عنسی کے خلاف
5۔	حذیفہؓ بن محصن	عمان،	لقیط بن مالک ازدی اور مرتدین کے خلاف
6۔	عرفجہؓ بن ہرثمہ	مہرہ	مہرہ کے مرتدین کے خلاف
7۔	سویدؓ بن المقرن	یمن کے نشیبی علاقے	یمن کے مرتدین کے خلاف
8۔	علاءؓ بن الحضرمی	بحرین	بحرین کے مرتدین کے خلاف
9۔	طریفہؓ بن حاجز سلمی	مدینہ کے شمال اور جنوب میں	بنو سُلیم اور ہوازن
10۔	عمروؓ بن عاص سہمی	عرب کی شمالی سرحد	قضاعہ، ودیعہ بلی وغیرہ کے خلاف
11۔	خالدؓ بن سعید اموی	حمقتان	غسان اور عذرہ کے خلاف

مجاہدین کے ان دستوں کی روانگی سے پہلے حضرت ابوبکرؓ نے مرتدین کے نام ایک عام پیغام بھیجا۔ اس پیغام میں انہیں فتنہ و فساد سے باز آنے اور اسلامی برادری میں دوبارہ داخل ہونے کی دعوت دی اور ان سے وعدہ کیا کہ اگر وہ اس دعوت کو قبول کر لیں گے تو ان سے تعرض نہ کیا جائے گا۔ پھر فوج کے سپہ سالاروں کے نام حسب ذیل ہدایت نامہ جاری فرمایا:۔

''میں مجاہدین اسلام کو ہدایت کرتا ہوں کہ وہ ہر حال میں خدا سے ڈریں حکم خداوندی کی تعمیل میں پوری کوشش کریں۔ جو لوگ حلقہء اسلام سے نکل کر شیطان کے جال میں پھنس گئے ہیں ان کے ساتھ جہاد کریں۔ لیکن تلوار اٹھانے سے پہلے انہیں اسلام کا پیغام پہنچائیں اور ان پر حجت پوری کر دیں۔ اگر وہ اسلام قبول کر لیں تو فوراً ہاتھ روک لیں لیکن اگر انکار کریں تو ان پر حملہ کر دیں یہاں تک کہ کفر سے باز آ جائیں۔ مرتدین جب دوبارہ داخلِ اسلام ہو جائیں تو اسلامی فوج کا سردار انہیں آگاہ کر دے کہ ان کے ذمہ اسلام کے کیا کیا فرائض ہیں؟ اور مسلمانوں پر ان کے کیا کیا حقوق ہیں؟ ان کے فرائض کو ان سے پورا کرایا جائے اور ان کے حقوق ادا کیے جائیں۔ امیر لشکر اپنے ساتھیوں کو جلد بازی اور فساد سے روکے۔ دشمنوں کی بستی میں اندھا دھند نہ گھس جائے، خوب دیکھ بھال کر داخل ہو، ایسا نہ ہو کہ مسلمانوں کو نقصان پہنچ جائے۔ سردار فوج کوچ اور قیام کی حالت میں اپنے ماتحتوں کے ساتھ میانہ روی اور نرمی کا برتاؤ کرے، ان کی دیکھ بھال رکھے۔ ان کے ساتھ اچھی طرح پیش آئے اور گفتگو میں نرمی اختیار کرے۔''(21)

اس کے بعد اسلامی فوج کے دستے اپنے تجربہ کار سرداروں کی رہنمائی میں حریفوں کے مقابلہ کے لیے روانہ ہو گئے۔

3.1 طلیحہ اسدی کے خلاف مہم:

طلیحہ اسدی کا تعلق بنی اسد سے تھا۔ حجۃ الوداع سے واپسی کے بعد اس کے دماغ میں نبوت کا خبط سمایا۔ چنانچہ اس نے اپنی قوم میں نبوت کا دعویٰ کر دیا۔ بنی اسد سب اس کے تابع ہو گئے بنی اسد اور بنی طے کے درمیان معاہدہ دوستی تھا۔ لہذا انہوں نے بھی اپنے حلیف کا ساتھ دیا اور قبیلہء غطفان کے بھی بہت سے لوگ ان کے شریک ہو گئے۔ طلیحہ نے اس عظیم الشان فوج کو لے کر نجد میں ''چشمہ بزاخہ'' پر پڑاؤ ڈالا۔

حضرت خالدؓ بن ولید طلیحہ کے مقابلہ کے لیے روانہ ہوئے۔ حضرت عدیؓ بن حاتم طائی جو قبیلہ بنی طے کے سرداروں میں شمار ہوتے تھے اس زمانہ میں مدینہ میں مقیم تھے۔ انہوں نے حضرت ابوبکرؓ سے عرض کیا مجھے اجازت دیجئے کہ

میں اپنے قبیلہ کو سمجھا بجھا کر اس فتنہ سے نکال لوں۔ حضرت ابوبکرؓ نے اجازت دے دی اور حضرت عدیؓ کی کوشش سے ان کے قبیلہ کے تمام آدمی طلیحہ سے علیحدہ ہو گئے اور پھر یہی کوشش انہوں نے قبیلہ جدیلہ میں بھی کی اور یہاں بھی انہیں کامیابی ہوئی۔

اب حضرت خالدؓ اپنی فوج کو لے کے چشمہ بُزاخہ پر پہنچے اور طلیحہ کے لشکر سے زبردست مقابلہ ہوا۔ جب طلیحہ کے لشکر میں شکست کے آثار ظاہر ہونے لگے تو بنوغطفان کا سردار عینیہ بن حصن فزاری جو طلیحہ کا مددگار تھا اس کے پاس آیا طلیحہ اس وقت چادر میں لپٹا اس طرح بیٹھا تھا گویا اس پر وحی نازل ہو رہی ہے۔ عینیہ نے پوچھا کہیے "جبرائیل کوئی پیغام لائے" طلیحہ بولا ہاں اور پھر ایک مقفیٰ عبارت سنائی جس کا مطلب یہ تھا کہ آخر میں جیت ہماری ہی ہوگی۔ عینیہ نے کہا اے فزارہ یہ شخص کذاب ہے اور پھر اپنے آدمیوں کو لے کر اس کے لشکر سے علیحدہ ہو گیا۔

جب طلیحہ نے دیکھا کہ شکست لازمی ہے تو اپنی بیوی کو ساتھ لے کر شام کی طرف بھاگ گیا اور بعد میں کفر سے توبہ کر کے دوبارہ داخلِ اسلام ہوا۔ حضرت عمرؓ فاروق کے دورِ خلافت میں مدینہ آیا، بعد ازاں طلیحہ نے فتوحات عراق کے موقع پر بہت بہادری دکھائی اور اپنے گناہ کا کفارہ ادا کرنے کی کوشش کی۔ (22)

3.2 مالک بن نویرہ کے خلاف مہم:

رسول اکرم ﷺ نے بنی تمیم میں پانچ امیر مقرر فرمائے تھے۔ جب حضور ﷺ کی وفات ہوئی تو ان میں سے بعض مرتد ہو گئے اور بعض اسلام پر قائم رہے۔ مرتد ہونے والوں میں "مالک بن نویرہ" بھی تھا اس نے زکوٰۃ روک لی اور قبیلے کے مسلمانوں کے ساتھ جنگ شروع کر دی۔ بنی تمیم میں ابھی خانہ جنگی ہو ہی رہی تھی کہ بنی تغلب کی ایک عورت "سجاح" ادھر سے گزری۔ یہ عورت پہلے نصرانی تھی۔ آنحضرتؐ کے ... سال کے بعد اس پر بھی نبوت کا جنون سوار ہوا اور بنو تغلب اور بنو ہذیل کے عیسائی عرب اس کے ساتھ ہو گئے۔ یہ اپنے ساتھیوں کو لے کر مدینہ پر حملہ کے ارادہ سے نکلی تھی راستہ میں جب بنی تمیم کی بستیوں پر گزر ہوا تو اس نے بن نویرہ کے پاس پیغام دوستی بھیجا۔ مالک بن نویرہ نے اس پیغام کو قبول کر لیا اور اسے مشورہ دیا کہ وہ مدینہ پر حملہ سے پہلے بنی تمیم کے مسلمانوں پر حملہ کرے۔ مسلمان اس کے مقابلہ کی طاقت نہ رکھتے تھے بھاگ گئے۔ سجاح اپنی فوج کو لے کر مدینہ کی طرف بڑھنے لگے جب وہ مقام "نباج" میں پہنچی تو وہاں بنی تمیم ہی کی ایک اور جماعت سے اس کا مقابلہ ہوا۔ ان لوگوں نے اس کے کچھ آدمیوں کو قید کر لیا۔ آخر میں اس شرط پر صلح ہو گئی کہ سجاح ان کے آدمیوں کو چھوڑ دے اور وہ اس کے آدمیوں کو اور مدینہ کا ارادہ چھوڑ کر واپس چلی جائے چنانچہ سجاح ناکام یمامہ کی طرف لوٹ گئی۔

اس دوران میں بنی تمیم کے مرتدین کو خدا نے ہدایت دی اور انہوں نے دوبارہ اسلام قبول کر لیا۔ مگر مالک بن نویرہ ابھی کوئی فیصلہ نہ کر سکا تھا اس نے اپنے ساتھیوں کو لے کر مقام بطاح میں پڑاؤ ڈال دیا۔ خالد بن ولیدؓ جب طلیحہ کے مقابلہ سے فارغ ہوئے تو انہوں نے مالک بن نویرہ کے مقابلہ کا ارادہ کیا۔ مالک بن نویرہ نے اپنے ساتھیوں کو منتشر کر دیا۔ خالدؓ بن ولید نے اپنے ساتھیوں کو بھیج کر مالک بن نویرہ اور اس کے ساتھیوں کو گرفتار کرالیا۔ آپ نے مالک بن نویرہ کے قتل کا حکم دیا اور اس کی بیوی سے شادی کر لی۔

بعض مسلمانوں نے حضرت عمرؓ سے کہا کہ مالک بن نویرہ نے گرفتاری سے پہلے اپنی بستی میں اذان دلوادی تھی اس لیے خالد بن ولیدؓ نے اسے قتل کرا کر زیادتی کی ہے۔ خالد بن ولیدؓ سے مالک بن نویرہ کا قصاص لینا چاہیئے۔ خالد بن ولیدؓ نے جواب دیا کہ مالک بن نویرہ نے قتل کے خوف سے اذان دلوائی تھی۔

حضرت ابوبکرؓ نے فیصلہ کیا کہ خالدؓ سے چونکہ واقعہ کی تاویل میں غلطی ہوئی ہے اس لیے ان سے قصاص نہیں لیا جاتا اور مالک بن نویرہ کا خون بہا اپنی طرف سے ادا کر دیا۔ آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ ''اللہ کی تلوار کو جسے اس نے کافروں پر چمکایا ہے میں روپوش کرنے والا کون ہوں۔'' (23)

3.3 مسیلمہ کذّاب کے خلاف مہم:

قبیلہ بنی حنیفہ کا ایک وفد ۹ھ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں اسلام قبول کرنے کے لیے حاضر ہوا تھا۔ اس وفد میں ایک شخص ''مسلیمہ بن ثمامہ'' بھی تھا۔ مسیلمہ نے کہا میں اس شرط پر اسلام لاؤں گا کہ محمد ﷺ اپنے بعد مجھے اپنا خلیفہ بنا دیں۔ رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ میں اس وقت کھجور کی ایک ٹہنی تھی۔ آپؐ نے فرمایا اگر تو اسلام کے عوض کھجور کی یہ ٹہنی بھی مجھ سے مانگے گا تو میں نہ دوں گا۔ میں دیکھ رہا ہوں کہ تو وہی کاذب ہے جس کے متعلق مجھے خواب میں پہلے ہی خبر دی جا چکی ہے۔

اس طرح جب مسیلمہ مایوس ہو کر اپنے وطن یمامہ لوٹا اور آنحضرت ﷺ کی بیماری کی خبر سنی تو نبوت کا دعویٰ کر دیا اور کہا کہ میں نبوت میں محمدؐ کا شریک بنا دیا گیا ہوں۔ پھر اس نے حضورؐ کی خدمت میں ایک خط بھیجا۔ خط کا مضمون یہ تھا:۔ (24)

''مسیلمہ رسول اللہ کی طرف سے محمدؐ رسول اللہ کے نام''

سلام علیک! میں نبوت میں آپ کے ساتھ شریک کر دیا گیا ہوں لہذا آدھی دنیا آپ کی ہے اور آدھی میری، لیکن مجھے آپ سے انصاف کی امید نہیں''۔

حضورﷺ نے اس خط کا یہ جواب دیا:۔

''محمدؐ رسول اللہ کی طرف سے مسیلمہ کذاب کے نام

سلام علی من اتبع الهدی اما بعد

اِنَّ الْاَرْضَ لِلّٰهِ یُوْرِثُهَا مَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَ الْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِیْنَ.(25)

''درحقیقت زمین خدا کی ہے اپنے بندوں میں سے وہ جسے چاہتا ہے زمین کا وارث بناتا ہے اور انجام کار کامیابی خدا سے ڈرنے والوں کی ہے''۔

رسول اللہﷺ کی وفات کے بعد حضرت ابوبکرؓ نے عکرمہ بن ابی جہل کو اس کے مقابلہ کے لیے روانہ کیا اور شرحبیل بن حسنہ کو ان کے پیچھے ان کی مدد کو بھیجا اور انہیں حکم دیا کہ شرحبیل کا انتظار کریں۔ عکرمہ نے شرحبیل کا انتظار کیے بغیر مسیلمہ پر حملہ کر دیا اور شکست کھائی۔ حضرت ابوبکرؓ کو جب واقعہ کی خبر پہنچی تو بہت ناراض ہوئے اور عکرمہ کو حکم دیا کہ وہ یمن کی طرف جا کر اہل مہرہ کا مقابلہ کریں۔ خالدؓ بن ولید اس وقت بنی تمیم کے مقابلہ سے فارغ ہو چکے تھے آپ نے انہیں مسیلمہ کی سرکوبی کے لیے روانہ کیا اور شرحبیل کو حکم دیا کہ وہ ان کا انتظار کریں۔

مسیلمہ کو جب حضرت خالدؓ کے پہنچنے کی خبر ملی تو وہ اپنی عظیم الشان فوج کو جو چالیس ہزار جوانوں پر مشتمل تھی لے کر مقابلہ کے لیے نکلا۔ دونوں فوجوں میں سخت ہولناک لڑائی ہوئی۔ شروع میں مسلمانوں پر شکست کے آثار ظاہر ہونے لگے تھے اور مسیلمہ کے آدمی خالدؓ بن ولید کے خیمہ تک پہنچ گئے تھے۔ لیکن حضرت خالدؓ نے سنبھل کر حملہ کیا اور دور تک مسیلمہ کے آدمیوں کو دھکیلتے چلے گئے۔ حضرت خالدؓ نے خود مسیلمہ کو مبارزت کے لیے للکارا۔ وہ آیا مگر مقابلہ کی تاب نہ لا کر بھاگا۔ اس کی فوج میں بھی بھگدڑ مچ گئی اور بری طرح شکست کھائی۔ مسیلمہ اپنے کچھ آدمیوں کو لے کر اپنے ایک باغ میں جس کا نام اس نے ''حدیقۃ الرحمٰن'' رکھا تھا چھپ گیا اور باغ کے دروازے بند کرا دیے۔ ایک بہادر انصاری حضرت براءؓ بن مالک نے کہا مجھے باغ کے اندر پھینک دو چنانچہ انہیں پھینک دیا گیا اور انہوں نے تن تنہا مسیلمہ کے پہرہ دار کو قتل کر کے دروازہ کھول دیا۔ اب مسلمان اندر گھس گئے اور مسیلمہ کے ساتھیوں کو موت کے گھاٹ اتارنا شروع کر دیا۔ خود ''مسیلمہ'' بھی ''خدا کی تلوار'' سے نہ بچ سکا۔ مسیلمہ کے قتل کرنے والوں میں حضرت حمزہؓ

کے قاتل وحشی بھی شریک تھے۔ گویا اس طرح انہوں نے اپنے گناہ کا کفارہ ادا کر دیا۔

مسیلمہ کے قتل کے بعد اس کی قوم "بنی حنیفہ" نے مسلمانوں سے نرم شرائط پر صلح کر لی۔ صلح کی تکمیل ہو چکی تھی کہ حضرت ابوبکرؓ کا حکم پہنچا کہ بنی حنیفہ کے تمام سپاہی قتل کر دیئے جائیں مگر حضرت خالد چونکہ ان سے عہد نامہ کر چکے تھے لہذا اسی پر قائم رہے۔ پھر بعد میں بنی حنیفہ کا قبیلہ مسلمان ہو گیا۔

3.4 اسود عنسی کے خلاف مہم:

رسول اکرم ﷺ کے زمانہ میں جب "یمن" فتح ہوا تو آپ نے "باذان فارسی" کو (جو کسریٰ کی طرف سے یمن کے عامل (حاکم) تھے اور اسلام لے آئے تھے) یمن کا عامل مقرر کر دیا۔ ان کا مرکز حکومت صنعاء تھا جب باذان کا انتقال ہوا تو آپ نے یمن کی حکومت متعدد عاملوں میں تقسیم کر دی۔ ان عاملوں میں سے ایک باذان کا بیٹا "شہر" بھی تھا جو صنعاء کا عامل مقرر کیا گیا۔

رسول اللہ ﷺ کی وفات سے کچھ پہلے یمن میں ایک شخص نے جس کا اصلی نام "عبہلہ بن کعب" تھا اور قبیلہ مذحج کی ذیلی شاخ "عنس" سے تعلق رکھتا تھا۔ نبوت کا دعویٰ کیا۔ قبیلہ مذحج کے لوگ اس کے پیرو ہو گئے اور انہوں نے اسود کے ساتھ مل کر نجران پر حملہ کیا۔ اور وہاں سے عامل نجران عمرو بن حزم کو نکال دیا۔ اب اسود اپنی قوم کے سات سو آدمیوں کو لے کر صنعاء پر حملہ آور ہوا۔ اور وہاں کے عامل شہر بن باذان کو قتل کر کے صنعاء پر قبضہ کر لیا۔ اس فتح کے بعد تمام یمن میں اس کی دھوم مچ گئی اور یمن کے بہت سے ضعیف الایمان لوگ اس کے جھنڈے کے نیچے جمع ہو گئے۔

رسول اللہ ﷺ کو جب یہ کیفیت معلوم ہوئی تو آپ نے ابناء الملوک (یمن کی ایرانی فوج جو مسلمان ہو گئی تھی) کے سرداروں اور ابو موسیٰ اور معاذ بن جبل کو لکھا کہ اسود کو جس طرح ہو سکے قتل کر دیا جائے۔

اسود نے شہر بن باذان کو شہید کر کے اس کی بیوی سے شادی کر لی تھی۔ شہر کی بیوی اسود سے سخت متنفر تھی اور وہ اس کے چنگل سے چھٹکارا پانا چاہتی تھی۔ فوج ابنا کے سرداروں "فیروز" اور "داذویہ" نے اس کی مدد سے رات کے وقت اسود کو قتل کر دیا اور صبح ہوتے ہی اسود کے مکان کی چھت پر چڑھ کر اذان دے دی۔ اذان کی آواز سنتے ہی ایک شور مچ گیا اور اسود کے آدمی شہر سے نکل بھاگے اور صنعاء اور عدن کے درمیان منتشر ہو گئے۔ اسود کے قتل سے یمن میں امن و امان برقرار ہو گیا۔ اسلامی

عامل اپنے اپنے مرکزوں میں واپس لوٹ آئے۔

اس فتح کی خبر مدینہ میں جس صبح کو پہنچی اس سے پہلی شام کو رسول ﷺ کی وفات ہو چکی تھی۔ گویا یہ پہلی بشارت تھی جو حضرت ابوبکرؓ کے دور خلافت میں مدینہ پہنچی۔ اسود کی شورش کا کل زمانہ صرف چار مہینے تھا۔

جب رسول اللہ ﷺ کی وفات کی خبر یمن پہنچی تو قیس بن عبد یغوث مرتد ہو گیا اور اس نے اسود کے منتشر ساتھیوں کو اپنے جھنڈے تلے جمع ہونے کی دعوت دی۔ یہ لوگ اس کے ساتھ ہو گئے اور ان کی مدد سے قیس نے صنعاء پر قبضہ کر لیا اور ''ابناء'' کے بال بچوں کو پکڑ کر انہیں جزیروں میں قید کر دیا۔ ابناء کے سردار فیروز کو جب یہ کیفیت معلوم ہوئی تو اس نے ''بنی عقیل'' اور ''بنو عک'' سے مدد طلب کی۔ ان قبیلوں نے مدد دی اور ابناء کے بچوں کو قیس کے آدمیوں کے پنجہ سے نکال لیا اور پھر فیروز کے ساتھ مل کر قیس کے مقابلہ کے لیے روانہ ہوئے۔ اسی دوران میں مہاجر بن ابی امیہ جنہیں حضرت ابوبکرؓ نے اسود کے آدمیوں کے مقابلہ کے لیے راونہ کیا تھا اور عکرمہ بن ابی جہل جو عمان اور مہرہ کی مہم سے فارغ ہو گئے تھے اپنی اپنی فوجوں کو لے کر ابناء کی مدد کو آ پہنچے۔

اسلامی فوجوں نے صنعاء پر قبضہ کر لیا اور قیس اور عمرو بن معدی کرب زبیدی (جو مرتد ہو کر اسود کا ساتھی بن گیا تھا) کو گرفتار کر کے مدینہ روانہ کر دیا۔ مدینہ پہنچ کر انہوں نے اپنے کرتوتوں پر ندامت ظاہر کی اور دوبارہ مسلمان ہو گئے حضرت ابو بکرؓ نے بھی ان کی خطا معاف کر دی اور انہیں آزاد کر دیا۔

3.5 فتنہ بحرین اور اس کا انسداد:

بحرین میں ربیعہ کے بہت سے قبائل عبدالقیس اور بنو بکر بن وائل وغیرہ آباد تھے۔ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں اہل بحرین کا بھی ایک وفد حاضر ہوا تھا اور یہ اسلام لے آئے تھے۔ آنحضرتؐ نے منذر بن ساوی کو ان کا عمل مقرر فرمایا تھا۔

جونہی حضورؐ کی وفات ہوئی منذر بن ساوی کا بھی انتقال ہو گیا اور اہل بحرین مرتد ہو گئے۔ بنو بکر تو ارتداد پر اڑے رہے مگر عبدالقیس اپنے سردار حضرت جارود بن معلیٰ کی بدولت اس فتنہ سے نکل آئے۔ عبدالقیس کے اس طرح دوبارہ مسلمان ہونے کی خبر بنو بکر کے سردار حطم بن ضبیعہ کو پہنچی تو وہ اپنے ساتھیوں کو لے کر ان کے مقابلہ کے لیے نکلا اور ان کا محاصرہ کر لیا۔ حطم بن ضبیعہ کے ساتھ اور بھی بہت سے کفار اور مرتدین لگ لئے تھے۔ حضرت ابوبکرؓ نے علاء بن حضرمی کو حطم کے مقابلہ کے لیے روانہ کیا۔ راستہ میں ثمامہ بن اثال اور قیس بن عاصم بھی بنی حنیفہ اور بنی تمیم کے آدمیوں کو لے کر ان کے ساتھ شامل ہو

گئے۔ حطم کے ساتھیوں میں سے کچھ جزیرہ دارین (خلیج فارس میں بحرین کے قریب ایک جزیرہ ہے) میں جا چھپے۔ مسلمان سمندر میں گھس کر وہیں پہنچے اور انہیں قتل کیا، ان کے علاوہ عمان کے بعض قبائل اور قبیلہ کندہ کے لوگ بھی مرتد ہو گئے تھے۔ حضرت ابوبکرؓ کے بھیجے ہوئے سپہ سالاروں کی ان سے بھی لڑائیاں ہوئی اور ہر جگہ مسلمان ہی فتح یاب ہوئے۔(26)

3.6 فتنہ ارتداد کا خاتمہ:

یہ فتنہء ارتداد اور اس کے انسداد کی مختصر روئداد ہے۔ ان واقعات سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ رسول اکرم ﷺ کی وفات ہوتے ہی عرب میں ارتداد کی جو سہر اٹھی تھی اسے حضرت ابوبکرؓ نے عزمِ راسخ سے دبا دیا۔ درحقیقت رسول اللہ کے بعد اسلام کی حفاظت و اشاعت میں، حضرت ابوبکرؓ کا مسلمانوں پر سب سے بڑا احسان ہے۔ خلافتِ صدیقی کے اس ابتدائی دور میں مسلمان چاروں طرف سے دشمنوں سے گھر گئے تھے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے الفاظ میں ان کی حالت بکریوں کے اس ریوڑ کی سی تھی جو جاڑوں کی ٹھنڈی رات میں بارش کی حالت میں جنگل بیابان میں بغیر چرواہے کے رہ جائے۔ مگر صدیق اکبرؓ کی ایمانی قوت نے دشمنوں کی طاقت کی پرواہ نہ کی اور ان کے سامنے فولادی دیوار بن کر کھڑے ہو گئے۔ اور اللہ تعالی نے آپ کو فتح و نصرت عطا فرمائی۔

4۔ عہدِ صدیقی کی فتوحات

خلافتِ صدیقی کا دوسرا اہم کارنامہ اسلامی فتوحات کے سلسلہ کا آغاز ہے۔ ردّہ جنگوں کے نتیجہ میں بہت سے باغیوں نے قریبی ملکوں ایران، عراق اور شام وغیرہ میں پناہ لے لی۔ ان علاقوں کے حکمرانوں نے اسلام اور اسلامی ریاست سے انتقام لینے کا اچھا موقعہ دیکھا اور ان باغیوں کی مدد کی۔ ان کی مدد سے لیس ہو کر سرحدوں پر حملے کرنے لگے۔ بعض سرحدی مسلم سرداروں اور دوسرے عرب شیوخ نے بھی زیادہ جوش دکھایا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ پڑوسی ملکوں سے جنگوں کا سلسلہ بیک وقت شروع ہو گیا۔ حضرت ابوبکرؓ نے مسلمان اہل رائے اور فوجی ماہروں سے مشورہ کے بعد سرحد پر ہونے والی شرارت کو روکنے کا فیصلہ کر لیا اور ان ملکوں کے خلاف فوجیں بھیجیں۔ مسلمان فوجوں نے بے مثل کامیابیاں حاصل کیں اور فتوحات کا وہ سلسلہ شروع ہوا جو خلیفہء سوم کی شہادت تک جاری رہا۔ ان کی بنا پر اسلامی ریاست جزیرہ نمائے عرب سے نکل کر ان ملکوں میں پھیل گئی۔

4.1 مہمات عراق:

حضرت ابوبکرؓ نے ابتداء محرم ۱۲ھ میں خالدؓ بن ولید کو اسلامی فتوحات کا سنگ بنیاد نصب کرنے کے لیے اس طرف روانہ کیا اور قعقاع بن عمرو کو ان کی مدد کے لیے بھیجا۔ آپ نے انہیں ہدایت کی کہ وہ اپنی مہم کا آغاز رملہ (خلیج فارس پر سلطنت ایران کا سرحدی مقام) سے کریں۔ دوسری طرف عیاض بن غنم کو حکم دیا کہ وہ شمالی عراق کی طرف سے حملہ کریں اور ان کی مدد کے لیے عبد یغوث حمیری کو مقرر کیا اور انہیں ہدایت کی کہ وہ اپنی مہم کا آغاز شمالی عراق کے گاؤں مضیخ سے کریں۔ حضرت ابوبکرؓ نے ان دونوں سپہ سالاروں کو یہ بھی حکم دیا کہ وہ ان مہمات میں کسی مرتد ہونے والے کو ساتھ نہ لیں۔ آپ کو ان لوگوں پر کامل اعتماد نہ تھا اور پھر آپ انہیں ان کی نامناسب حرکت کی سزا بھی دینا چاہتے تھے۔

خالدؓ بن ولید نے اسلامی قاعدہ کے مطابق سرحدِ عراق کے حاکم ہرمز کو خط لکھا جس کا مضمون یہ تھا:۔

"اسلام قبول کر لو محفوظ رہو گے۔ اگر اس سے انکار ہے تو ذمی بن جاؤ اور جزیہ دینا منظور کرو ورنہ تمہیں اپنے ہی آپ کو ملامت کرنا پڑے گی۔ کیونکہ میں تمہارے مقابلہ پر ایک ایسی قوم کو لا رہا ہوں جو موت کی ایسی ہی عاشق ہے جیسے کہ تم زندگی کے"۔

جب دونوں فوجیں مقابلہ پر آئیں تو حضرت خالدؓ نے آگے بڑھ کر "ہرمز" کو مبارزت کے لیے پکارا ہرمز اپنے گھوڑے سے اتر کر مقابلہ کے لیے آیا حضرت خالدؓ نے اسے قتل کر دیا اور ایرانی فوج بھاگ کھڑی ہوئی۔ حضرت خالدؓ بن ولید نے مثنیٰ بن حارثہ کو ایرانی فوج کے تعاقب کے لیے روانہ کیا اور دربارِ خلافت میں فتح کی خوشخبری بھیجی۔

شہنشاہ ایران اردشیر کو اس شکست کی خبر پہنچی تو اس نے مسلمانوں کے مقابلہ کے لیے ایک دوسری فوج بھیجی۔ اس فوج کا سردار قارن تھا۔ قارن نے ہرمز کے بچے کھچے آدمیوں کو ساتھ لیا اور بصرہ کے محل وقوع کے قریب مقام مثنیٰ پر پڑاؤ ڈالا۔

حضرت خالدؓ بھی اپنی فوج لے کر مقابلہ پر پہنچے۔ دونوں طرف سے صف آرائی ہوئی۔ قارن کو اپنی بہادری کا بڑا گھمنڈ تھا۔ اس نے ہرمز کا بدلہ لینے کے لیے مسلمانوں میں سے کسی بہادر کو مبارزت کے لیے پکارا۔ اسلامی فوج میں ایک جوان نکلا اور اسے قتل کر دیا۔ قارن کے قتل ہوتے ہی مسلمانوں نے ایرانیوں پر حملہ کر دیا۔ بے شمار ایرانی قتل ہوئے بہت سے بھاگتے ہوئے نہر میں غرق ہو گئے کچھ کشتیوں میں بیٹھ کر پار اتر گئے۔

شہنشاہِ ایران کو جب اس شکست کی خبر پہنچی تو اس نے ایک ایرانی بہادر اندرزگر کی ماتحتی میں ایک زبردست فوج بھیجی اور پھر اس کے پیچھے ہی ایک دوسرے بہادر بہمن جادویہ کی سرداری میں ایک دوسری فوج روانہ کی ان دونوں ایرانی سرداروں نے مقام ولجہ میں پڑاؤ ڈالا۔

جنگِ وُلجہ:

حضرت خالدؓ کو جب ان فوجوں کے پہنچنے کا حال معلوم ہوا تو آپ بھی آگے بڑھے اور مقابلہ پر پہنچ گئے دونوں فوجوں میں زبردست لڑائی ہوئی اور آخرکار ایرانیوں کو شکست فاش ہوئی۔ اندرزگر تو مارا گیا مگر بہمن جادویہ جان بچا کر نکل بھاگا۔ اس لڑائی میں قبیلہ بکر کے عیسائی عربوں نے بھی ایرانیوں کی مدد کی اور یہ بھی بڑی تعداد میں مارے گئے۔

قبیلہ بکر کے عیسائی عربوں کو اپنے آدمیوں کے قتل سے بہت جوش آیا۔ انہوں نے شہنشاہ ایران کو پیغام بھیجا کہ ہم مسلمانوں سے لڑیں گے۔ ہماری مدد کی جائے۔ شہنشاہ نے بہمن جادویہ کو حکم دیا کہ وہ قبیلہ بکر کے آدمیوں کو ساتھ لے کر دوبارہ مسلمانوں سے لڑے۔ مگر بہمن جادویہ کو ہمت نہ ہوئی۔ اس نے اپنی بجائے ایک دوسرے سردار جابان کو بھیج دیا اور خود دارالسلطنت مدائن کا رخ کیا تاکہ شہنشاہ کو مسلمانوں کے خطرہ کی اہمیت سے صحیح طور پر آگاہ کرے اور آئندہ کے لیے مشورہ طلب کرے لیکن شہنشاہ بیمار تھا اس لیے وہ وہیں ٹھہر گیا۔

جنگِ اُلیس:

جابان اپنی فوج اور بنی بکر کے آدمیوں کو لے کر ابنار کے متصل پہنچا اور مقام الیس میں پڑاؤ ڈال دیا۔ حضرت خالدؓ بھی اپنی فوج لے کر مقابلہ پر پہنچ گئے۔ آپ نے اپنی عادت کے مطابق حریف کے سرداروں میں سے کسی کو مبارزت کے لیے بلایا۔ بنی بکر کا ایک سردار مقابلہ پر آیا اور مارا گیا۔ اس کے بعد مسلمانوں نے ایرانیوں پر عام حملہ کر دیا۔ بڑی گھمسان کی لڑائی ہوئی۔ اس لڑائی میں ایرانی بہت جم کر لڑے کیونکہ انہیں بہمن جادویہ کی کمک کی توقع تھی مگر ابھی سورج ڈھلنے نہ پایا تھا کہ ایرانی اور بکری جی چھوڑ بیٹھے اور بھاگ کھڑے ہوئے اور بھاگتے ہوئے ہزاروں قتل ہوئے۔ یہ واقعہ صفر ۱۲ھ کا ہے۔

فتح حیرہ:

جنگ الیس سے فارغ ہو کر حضرت خالدؓ بن ولید نے حیرہ کا رخ کیا۔ حیرہ عراق کے عربی رئیسوں کا (جو سلطنت

ایران کے باجگزار تھے) صدر مقام تھا۔ حضرت خالدؓ نے حیرہ پہنچنے کے لیے دریا کا راستہ اختیار کیا تھا۔ جب آپ شہر کے قریب پہنچے تو وہاں کا رئیس بھاگ گیا۔ حضرت خالدؓ نے شہر کے مشہور محلات کا محاصرہ کر لیا اور حیرہ کے سرداروں کو اسلام کی دعوت دی۔ مگر انہوں نے اسلام قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ حیرہ کے باشندوں نے جب دیکھا کہ ان مسلمانوں سے مقابلہ کی طاقت نہیں ہے تو اپنے سرداروں کو صلح کرنے پر مجبور کیا۔ چنانچہ عمرو بن عبدالمسیح نے حضرت خالدؓ کے پاس آ کر صلح کی بات چیت کی اور ایک لاکھ نوے ہزار درہم سالانہ جزیہ کی رقم دینی منظور کی۔ سردارانِ حیرہ کے قدیم دستور کے مطابق اسلامی سپہ سالار کی خدمت میں قیمتی تحفے بھی پیش کیے۔ مگر حضرت خالدؓ نے ان سب کو فتح کی خوشخبری کے ساتھ خلیفہ کی خدمت میں بھیج دیا۔ حضرت ابوبکرؓ نے ان تحائف کو جزیہ میں ہی شمار کیا اور تحفہ کی حیثیت سے قبول نہ کیا۔

فتح حیرہ کے بعد حضرت خالدؓ نے مفتوحہ علاقوں کے امن و امان کا بندوبست کیا۔ سرحدات پر نگران افسر مقرر کیے اور خراج و جزیہ کی وصولیابی کے لیے دیانت دار عاملوں کو بھیجا۔ حضرت خالدؓ کا یہ طرزِ عمل دیکھ کر حیرہ کے آس پاس کے علاقہ کے رؤسا نے یہی مناسب سمجھا کہ مسلمانوں سے صلح کر لی جائے۔ چنانچہ فلالیج سے ہرمزتک کے علاقہ کے سرداروں نے حضرت خالدؓ کی خدمت میں حاضر ہو کر بیس لاکھ درہم سالانہ کی رقم پر صلح کر لی۔

فتح انبار و عین التمر :

حضرت خالد بن ولید نے حیرہ پر قعقاع بن عمرو کو اپنا قائم مقام مقرر کیا اور خود انبار کی طرف روانہ ہوئے۔ وہاں شیر زاد حاکم ساباط سے مقابلہ ہوا۔ شیر زاد نے اپنے گرد خندق کھود لی تھی۔ مسلمانوں نے اپنے اونٹوں کو ذبح کر کے خندق کو بھر دیا اسے پار کر گئے۔ جب شیر زاد نے یہ مصیبت دیکھی تو مسلمانوں کی تجویز کردہ شرائط پر صلح کر لی۔

انبار کے بعد حضرت خالد عین التمر کی طرف بڑھے وہاں بہرام چوبین کا بیٹا بہرام ایک زبردست ایرانی لشکر لیے پڑا تھا۔ اس لشکر کے ساتھ ایرانی ماتحت علاقوں کے عرب قبیلوں (نمر، تغلب وغیرہ) کی فوجیں تھیں۔ بہرام نے اس خیال سے کہ لوہے کو لوہا ہی کاٹ سکتا ہے عربوں ہی کو مسلمانوں کے مقابلہ کے لیے بڑھایا۔ مگر حضرت خالدؓ نے ان کے سردار کو گرفتار کر لیا۔ سردار کی گرفتاری سے عرب قبیلے بھاگ کھڑے ہوئے۔ پھر ان کی دیکھا دیکھی ایرانی لشکر میں بھی بھگدڑ پڑ گئی مسلمانوں نے قلعہ پر قبضہ کر لیا اور شکست خوردہ عرب فوج کو قتل کر دیا۔

فتح دومتہ الجندل:

''عین التمر'' میں حضرت خالدؓ کو حضرت عیاض بن غنم کا خط ملا۔ عیاض نے انہیں اپنی مدد کے لیے دومتہ الجندل (شمالی عراق) میں بلایا تھا۔ رسول اکرم ﷺ نے اپنے زمانہء حیات میں حضرت خالد کو دومتہ الجندل کی فتح کیلیے روانہ فرمایا تھا۔ حضرت خالدؓ نے وہاں پہنچ کر وہاں کے حاکم اکیدر بن عبدالملک کو گرفتار کرلیا اور حضور ﷺ کی خدمت میں لے آئے۔ آپ ﷺ نے اس کی جان بخشی فرمائی اور جزیہ ادا کرنے کے وعدہ پر اس کا علاقہ اسی کے سپرد کردیا۔

حضرت ابوبکرؓ کے زمانہ میں اکیدر اور اس کا شریک کار جودی نے عہد شکنی کی اور جزیہ ادا کرنا بند کردیا۔ عیاض بن غنم اپنی مہمات کے سلسلے میں جب وہاں پہنچے تو نصارائے عرب کی بہت بڑی جماعت ودیٰ کی ماتحتی میں ان کے مقابلہ کے لیے جمع ہوگئی۔ مجبوراً انہیں حضرت خالدؓ کو اپنی مدد کے لیے بلانا پڑا۔

حضرت خالدؓ کی آمد کی خبر سن کر اکیدر تو کسی طرف نکل بھاگا مگر جودی نے مقابلہ کیا اور شکست کھائی۔ مسلمانوں نے قلعہ پر قبضہ کرلیا۔ حضرت خالدؓ نے اکیدر کی تلاش میں آدمی بھیجے۔ انہوں نے اسے گرفتار کرلیا اور عہد شکنی کی سزا میں قتل کردیا۔

جنگ فراض:

مقام فراض پر جو جنگ ہوئی وہ خاص طور پر قابل ذکر ہے۔ ایرانیوں، رومیوں اور عربوں کے عظیم الشان لشکر نے مسلمانوں کا مقابلہ کرنے کے لیے بڑے جوش وخروش کے ساتھ نہر فرات کو عبور کیا۔ گھمسان کی لڑائی ہوئی اور آخر کار فتح نے مسلمانوں ہی کے قدم چومے۔ یہ واقعہ ۱۵ ذیقعدہ ۱۲ھ کا ہے۔

اس لڑائی سے فارغ ہوکر حضرت خالدؓ نے عاصم بن عمرو کو فوج کے ساتھ حیرہ واپس جانے کا حکم دیا۔ اپنے متعلق یہ ظاہر کیا کہ میں ساقہ کے ساتھ پیچھے رہوں گا۔ لیکن آپ سیدھے مکہ معظمہ پہنچے اور وہاں حج سے فارغ ہوکر اس قدر جلد واپس لوٹے کہ ابھی ساقہ حیرہ نہ پہنچا تھا۔ چنانچہ آپ ساقہ کے ساتھ شامل ہوکر حیرہ میں داخل ہوئے اور چند ساتھیوں کے علاوہ کسی کو خبر بھی نہ ہوئی کہ آپ یہ طویل سفر کر آئے ہیں۔

4.2 مہمات شام:

۱۳ھ میں حضرت ابوبکرؓ نے شامیوں اور رومیوں کے خطرہ کو مٹانے کے لیے شام و فلسطین کی طرف ایک لشکر بھیجنے کا انتظام کیا۔ آپ نے اس لشکر کو چار حصوں میں تقسیم کیا۔ ہر حصہ کا مستقل سردار مقرر کیا اور اس کے حملہ آور ہونے کے لیے ایک علیحدہ سمت تجویز کی۔

حضرت ابوعبیدہ بن الجراحؓ کو حمص کی طرف، عمرو بن العاصؓ کو فلسطین کی طرف، یزیدؓ بن ابی سفیان کو دمشق کی طرف اور شرجیل بن حسنہ کو اردن کی طرف روانہ کیا گیا۔

ہدایات و نصیحتیں:

خلیفہ اسلام حضرت ابوبکرؓ اس لشکر کو رخصت کرنے کے لیے کچھ دور تک پیدل تشریف لے گئے اور رخصت کرتے وقت سردارانِ لشکر کو بہترین نصیحتیں فرمائیں۔ ان نصیحتوں میں سے کچھ یہ ہیں:۔

1۔ ہر حال میں خدا سے ڈرنا وہ باطن کو بھی اسی طرح دیکھتا ہے جس طرح ظاہر کو۔
2۔ اپنے ماتحتوں سے اچھا سلوک کرنا۔
3۔ جب انہیں نصیحت کرو تو مختصر نصیحت کرنا۔ کیونکہ جب بات لمبی ہوتی ہے تو اس کا ایک حصہ دوسرے کو بھلا دیتا ہے۔
4۔ پہلے اپنے نفس کی اصلاح کرنا۔ دوسرے خود بخود اصلاح پذیر ہو جائیں گے۔
5۔ جب تمہارے پاس دشمن کے سفیر آئیں تو ان کی عزت کرنا۔
6۔ اپنے بھید کو چھپانا تاکہ تمہارا انتظام درہم برہم نہ ہو۔
7۔ ہمیشہ سچی بات کہنا تاکہ صحیح مشورہ ملے۔
8۔ رات کو اپنے ساتھیوں کی مجلس میں بیٹھنا تاکہ تمہیں ہر قسم کی خبریں معلوم ہوں۔
9۔ لشکر میں پہرہ چوکی کا عمدہ انتظام کرنا۔ کبھی کبھی اچانک پہنچ کر پہرہ داروں کے کام کی نگرانی بھی کرتے رہنا۔
10۔ جھوٹوں کی صحبت سے بچنا، سچے اور وفادار ساتھیوں کی صحبت اختیار کرنا۔
11۔ جن سے ملو اخلاص کے ساتھ ملنا اور بزدلی اور خیانت سے بچنا۔

12۔ تم کچھ لوگوں کو دیکھو گے کہ دنیا سے بے تعلق اپنی عبادت گاہوں میں بیٹھے ہیں ان سے ہرگز نہ الجھنا اور انہیں ان کے حال پر چھوڑ دینا۔

اسلامی فوج کے چاروں سردار اپنی اپنی فوج کو لے کر شام کی طرف روانہ ہو گئے۔ حضرت ابوعبیدہؓ نے جابیہ پر، یزید بنؓ ابی سفیان نے بلقاء پر، شرجیلؓ بن حسنہ نے بصرہ پر اور عمروؓ بن عاص نے عربہ پر پہنچ کر اپنا مورچہ قائم کر لیا۔ جب شامیوں اور رومیوں نے دیکھا کہ مسلمانوں نے ان کے ملک کو گھیر لیا ہے تو بہت پریشان، ہوئے اور اپنے شہنشاہ ہرقل قیصر روم سے مدد مانگی۔

ہرقل قیصر روم اس زمانے میں بیت المقدس میں ٹھہرا ہوا تھا اس نے اپنے تمام سرداروں کو جمع کیا اور ان سے کہا:۔

''میرے رائے تو یہ ہے کہ مسلمانوں سے صلح کر لی جائے۔ شام کا آدھا خراج مسلمانوں کو دے دینا اور آدھا اپنے لیے بچا لینا۔ اس سے بہتر ہے کہ شام کا سارا خراج مسلمانوں کے حوالے کر دیا جائے اور روم کے آدھے خراج سے بھی ہاتھ دھونے پڑیں''۔

مگر اس کے سرداروں نے اسکی نصیحت قبول نہ کی اور لڑنے پر اصرار کیا۔ ہرقل بیت المقدس سے روانہ ہو کر حمص آیا اور یہاں اس نے اپنی فوجیں جمع کیں۔ اس کو معلوم ہو چکا تھا کہ اسلامی فوج چار حصوں میں تقسیم ہے اس نے بھی ہر حصہ کے مقابلہ کے لیے الگ الگ فوج اپنے چار سرادروں کی ماتحتی میں راونہ کی۔ یہ فوج تعداد کے لحاظ سے کہیں زیادہ تھی۔

ہرقل کا بھائی تذارق ۹۰ ہزار فوج کے ساتھ عمرو بن عاصؓ کے مقابلہ کے لیے جرجیر بن تودر ۵۰ ہزار فوج کے ساتھ یزید کے مقابلہ کے لیے قیقار بن نسطوس ساٹھ ہزار فوج کے ساتھ ابوعبیدہؓ کے مقابلہ کے لیے اور درا قص ۴۰ ہزار فوج کے ساتھ شرحبیل کے مقابلہ کے لیے روانہ ہوا۔

جب مسلمانوں کو معلوم ہوا کہ ان کی فوج کے ہر حصہ کے مقابلہ کے لیے اس سے کئی کئی گنا رومی فوج آ رہی ہے اور دشمن کی تجویز یہ ہے کہ مسلمانوں کو الگ الگ پیس ڈالا جائے تو انہوں نے عمروؓ بن عاص سے مشورہ طلب کیا۔

عمرو بن عاص نے کہا میری رائے یہ ہے کہ ہم سب کو یکجا ہو جانا چاہیے۔ اس صورت میں ہم تعداد کی کمی کی وجہ سے ہرگز مغلوب نہ ہو سکیں گے۔ سب نے عمرو بن عاص کا مشورہ کو پسند کیا اور دربارِ خلافت سے اجازت طلب کی۔

حضرت ابوبکرؓ نے اجازت دے دی اور یہ بھی لکھ بھیجا کہ ''مسلمان تعداد کی کمی کی سبب کبھی مغلوب نہیں ہو سکتے۔ ہاں اگر وہ گناہوں میں گھر گئے تو مغلوب ہو جائیں گے لہذا انہیں گناہوں سے بچنا چاہیے''۔

ہرقل کو جب معلوم ہوا کہ اسلامی فوج یکجا ہوگئی ہے تو اس نے بھی اپنی فوج کو یکجا ہونے کا حکم دیا۔ چنانچہ رومی فوج نے وادی یرموک کے کنارے مقام واقوصہ میں اپنا مورچہ جمالیا۔ حضرت ابوبکرؓ کے حکم کے مطابق اسلامی فوجیں آمنے سامنے پڑی رہیں۔ اور کسی کو دوسرے پر حملہ کرنے کی جرأت نہ ہوئی۔ رومیوں کی پوزیشن بھی مضبوط تھی کیونکہ ان کے سامنے دریا تھا اور پس پشت پہاڑ اور ان کی تعداد بھی زیادہ۔ لہذا مسلمانوں نے دربار خلافت میں درخواست کی کہ ان کو مدد بھیجی جائے۔ وہاں سے حضرت خالد بنؓ ولید کو حکم ہوا کہ وہ عراق کی مہم کو چھوڑ کر شام راونہ ہو جائیں۔ حضرت خالدؓ نے مثنیٰ بن حارثہ کو عراق میں اپنا قائم مقام بنایا اور دس ہزار فوج لے کر نہایت تیزی کے ساتھ یرموک کی طرف روانہ ہوگئے۔ اب اسلامی فوج کی کل تعداد ۳۶ ہزار ہوگئی اور رومی فوج کی کل تعداد دو لاکھ چالیس ہزار۔

جنگ یرموک:

حضرت خالدؓ نے دیکھا کہ رومی تعداد کے لحاظ سے بہت زیادہ ہیں اور پھر جنگی اصول کے مطابق اپنی فوجوں کو ترتیب دیئے ہوئے ہیں۔ مسلمان تعداد کے اعتبار سے ان سے کم ہیں اور پھر جتنے ہیں وہ بھی ایک جھنڈے تلے نہیں۔ اس صورت میں اندیشہ تھا کہ لڑائی بہت طول کھینچے اور پھر بھی دشمن کو نقصان نہ پہنچایا جا سکے۔ اس لیے آپ نے اسلامی لشکر کے سرداروں کو جمع کیا اور یہ تقریر فرمائی:۔

''یہ لڑائی ایک عظیم الشان مذہبی لڑائی ہے، آج ہمیں فخر اور نافرمانی کا خیال دل سے نکال دینا چاہیئے اور خالص اللہ کے لیے اپنی کوششیں صرف کر دینی چاہئیں۔ دیکھو دشمن تنظیم و ترتیب کے ساتھ میدان جنگ میں موجود ہے اور تم متفرق و منتشر ہو۔ تمہارا یہ انتشار تمہارے لیے دشمن کے حملہ سے زیادہ نقصان پہنچانے والا ہے اور دشمن کے لیے اس کی مدد سے زیادہ مفید ہے۔ بہتر یہ ہے کہ ساری فوج ایک امیر کی کمان میں دے دی جائے اور امارت فوج کو باری باری تقسیم کر لیا جائے۔ ایک دن ایک سردار امیر ہو اور دوسرے دن دوسرا۔ اگر یہ رائے پسند ہے تو آج مجھے امیر بن جانے دو''۔

اسلامی فوج کے سرداروں نے حضرت خالدؓ کی رائے کو پسند کیا اور انہیں امیر لشکر تسلیم کر لیا۔

اسلامی فوج کی تنظیم:

رومی بڑی آن بان کے ساتھ میدان میں صف آرا ہوئے۔ حضرت خالدؓ بن ولید نے اسلامی فوج کو بھی اس طرح ترتیب دیا کہ پہلے کبھی ترتیب نہ دی گئی تھی۔ آپ نے کل فوج کو ۴۰ دستوں پر تقسیم کیا کچھ دستے قلب میں رکھے۔ ان کا سردار حضرت ابوعبیدہؓ کو مقرر کیا۔ کچھ دستے میمنہ پر رکھے ان کا سردار عمرو بنؓ عاص اور شرجیل بن حسنہ کو مقرر کیا۔ کچھ دستوں پر قعقاع بن عمرو اور مذعور بن عدی وغیرہ کو سردار مقرر کیا۔ آپ نے ہر ہر دستے پر جس میں تقریباً ایک ایک ہزار سپاہی تھے الگ الگ افسر مقرر کئے۔ یہ افسر قلب، میمنہ ومیسرہ کے سرادروں کے ماتحت تھے۔ ابوسفیان نقیب لشکر مقرر ہوئے۔ یہ ساری فوج میں پھر پھر کر تقریر کرتے تھے اور سپاہیوں کو جوش دلاتے تھے۔ جب دنوں فوجیں آمنے سامنے آئیں تو اسلامی فوج میں سے ایک شخص نے کہا۔ ''رومی کس قدر زیادہ ہیں اور مسلمان کس قدر کم''! حضرت خالدؓ نے سنا تو فرمایا۔ یوں کہو۔ ''مسلمان کس قدر زیادہ ہیں اور رومی کس قدر کم''۔

اور پھر اس شخص سے کہا۔

''زیادتی اور کمی کوئی چیز نہیں فتح وشکست اصل چیز ہے۔''

آخر کار لڑائی چھڑی اور تلواروں سے تلواریں ٹکرانے لگیں۔ حضرت خالدؓ خود قلب کے دستوں کو لے کر دشمن کی صفوں میں جا گھسے اور دشمن کی سوار فوج اور پیدل فوج کے درمیان حائل ہو گئے۔ دشمن کے سوار مسلمانوں کے حملوں کو برداشت نہ کر سکے اور بھاگ کھڑے ہوئے۔ مسلمانوں نے انہیں بھاگنے کا راستہ دے دیا۔ اب پیدل فوج رہ گئی۔ حضرت خالدؓ اپنے دستوں کو لے کر اس پر ٹوٹ پڑے۔ رومیوں نے محسوس کیا کہ گویا ان پر دیوار گر پڑی ہے۔ بھاگنے کا ارادہ کیا مگر جاتے کہاں پیچھے پہاڑ تھا۔ بدحواسی کے عالم میں دریا کی طرف پلٹے اور غرق ہو گئے۔

طبری کے بیان کے مطابق اس دریا میں غرق ہونے والوں کی تعداد ایک لاکھ بیس ہزار ہے۔ تلوار کے ہاتھوں موت کے گھاٹ اترنے والوں کا شمار اس کے علاوہ ہے۔ مسلمان کل تین ہزار شہید ہوئے۔ ابتداء میں جب رومی فوج نے مسلمانوں پر حملہ کیا تو بعض اسلامی دستوں کے قدم اکھڑنے لگے تھے۔ مگر عکرمہؓ بن ابی جہل اور ان کے بیٹے عمرو بن عکرمہ نے اس وقت بڑی جانبازی کا ثبوت دیا۔ عکرمہ نے چلا کر کہا:۔

''میں نے ہر میدان میں رسول اکرم ﷺ کے ساتھ جنگ کی ہے بھلا میں آج پیٹھ دکھا سکتا ہوں میرے ہاتھ پر کون بیعتِ موت کرنے کے لیے تیار ہے''۔

حارث بن ہشام اور ضرار بن ازور وغیرہ چار سو جانبازوں کی آواز پر میدان میں نکل آئے اور حضرت خالدؓ کے خیمہ کے سامنے اس بہادری کے ساتھ لڑے کہ دشمن کا منہ پھیر دیا۔ دوسرے دن صبح کو عکرمہؓ اور عمرو بن عکرمہؓ کو حضرت خالدؓ کے پاس لایا گیا۔ یہ زخموں سے چور تھے اور دم توڑ رہے تھے۔ حضرت خالدؓ نے ایک کا سر ران پر اور دوسرے کا اپنی پنڈلی پر رکھا اور ان کے چہرے سے گرد وصاف کرتے اور حلق میں پانی ٹپکاتے رہے۔ اسی حالت میں ان دونوں کی روحیں قفس عنصری سے پرواز کر گئیں۔ رحمہ اللہ تعالیٰ۔

اس لڑائی میں مسلمان عورتوں نے بھی اپنا ایک الگ دستہ بنا کر مردانگی کے جوہر دکھائے۔ یہ لڑائی ''جنگ یرموک'' کے نام سے مشہور ہے اور تاریخ اسلامی میں ایک اہم حیثیت رکھتی ہے اس لڑائی میں فتح حاصل کرنے کے بعد شام میں مسلمانوں کے قدم جم گئے اور پھر وہ آگے بڑھتے ہی چلے گئے۔

جنگ یرموک ابھی جاری ہی تھی کہ مدینہ سے قاصد ایک خط لے کر آیا۔ اس خط میں لکھا تھا کہ خلیفۃ المسلمین حضرت ابوبکرؓ کا انتقال ہو گیا ہے اور حضرت عمرؓ ان کے جانشین مقرر ہوئے ہیں۔ خط میں یہ بھی لکھا تھا کہ نئے خلیفہ نے حضرت خالدؓ کو معزول کر کے ان کی جگہ ابوعبیدہؓ بن الجراح کو سالارِ افواج اسلامیہ مقرر کیا ہے۔

یہ خط سب سے پہلے حضرت خالدؓ ہی کے ہاتھ میں پہنچا۔ اسے پڑھ کر وہ ذرا بھی بددل نہ ہوئے۔ خاموشی کے ساتھ حضرت ابوعبیدہؓ کو خبر دے دی کہ اب آپ میرے سردار ہیں اور میں آپ کا ماتحت اور اس خبر کو عام طور پر شہرت نہ دی کہ کہیں فوج میں بددلی اور ہراس نہ پھیل جائے۔

کسی نے آپ سے پوچھا کہ ''معزولی کی خبر سے اپ کے حملوں کی سختی میں ذرا فرق نہ آیا''۔ آپ نے جواب دیا کہ:

''میں خدا کے لیے لڑ رہا تھا نہ کہ عمرؓ کے لیے''۔ (27)

حضرت ابوبکر کی بیماری اور وفات:

۷ جمادی الاخر ۱۳ھ کو حضرت ابوبکرؓ بخار میں مبتلا ہوئے۔ پندرہ روز تک برابر بخار کا سلسلہ جاری رہا۔ آخر کار ۲۱

جمادی الاخر ۱۳ھ کی شام کو ۶۳ سال کی عمر میں انتقال فرمایا۔ حضرت عائشہؓ کے حجرۂ مبارکہ میں رسول اللہ ﷺ کے پہلو میں دفن ہوئے۔ آپ کی خلافت کی مدت دو سال تین مہینے گیارہ روز ہوئی۔

وفات کے وقت آپ نے وصیت فرمائی کہ میری زمین فروخت کر کے وہ روپیہ ادا کر دیا جائے جو میں نے وظیفۂ خلافت کی صورت میں وصول کیا ہے۔ چنانچہ اس کی تعمیل کی گئی۔ کفن کے متعلق فرمایا کہ ''جو کپڑا اس وقت میرے بدن پر ہے اسی کو دھو کر اس میں کفنا دینا۔ حضرت عائشہؓ نے کہا۔

''ابا جان یہ تو پرانا ہے''۔ آپ نے جواب دیا ''میرے لیے یہی پھٹا پرانا کافی ہے''۔

آپ کی وفات کے بعد حضرت عمرؓ نے چند دوسرے کابر صحابہؓ کے ساتھ بیت المال کا جائزہ لیا۔ وہاں صرف ایک دینار پایا گیا جب بیت المال کے خزانچی سے پوچھا گیا کہ شروع سے اب تک خزانہ خلافت میں کتنا روپیہ داخل ہوا ہوگا؟ تو اس نے جواب دیا دو لاکھ دینار۔

حضرت ابوبکرؓ کا اصول یہ تھا کہ جو کچھ آئے فوراً تقسیم کر دیا جائے۔ رسول اکرم ﷺ کے طریقہ کے مطابق مال جمع رکھنا آپ پسند نہ فرماتے تھے۔ حضرت ابوبکرؓ ایک ہوش مند مدبر، تجربہ کار مفکر اور باہمت سپہ سالار تھے آپ کی خلافت آپ کے اس خطبہء خلافت کی عملی تفسیر تھی۔

''اے لوگو! جو شخص تم میں سب سے زیادہ کمزور ہے وہ میرے لیے سب سے زیادہ قوی ہے جب تک کہ میں اسے اس کا حق نہ دلا دوں اور جو شخص تم میں سب سے زیادہ قوی ہے وہ میرے نزدیک سب سے زیادہ کمزور ہے جب تک کہ میں اس سے دوسروں کا حق نہ لے لوں۔ اے لوگو! میں رسول اللہ کا پیرو ہوں خود کوئی نئی بات پیدا کرنے والا نہیں جب تک میں راہِ حق پر رہوں میری مدد کرو اور جب اس راہ سے ہٹوں تو مجھے سیدھی راہ پر ڈال دو''۔

خود آزمائی:

1۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے حالات زندگی اور سیرت پر نوٹ لکھیں۔

2۔ عہد صدیقی میں جھوٹی نبوت کا دعویٰ کرنے والے کون کون لوگ تھے۔

3۔ فتنہ ارتداد اور منکرین زکوۃ کے خلاف اقدامات صدیقی کا جائزہ لیں۔

لازمی کتب برائے مطالعہ

1۔ مولانا سعید احمد اکبر آبادی: صدیق اکبرؓ

2۔ پروفیسر علی محسن صدیقی: الصدیقؓ

3۔ مولانا حبیب الرحمٰن شیروانی: سیرۃ الصدیقؓ

4۔ حسنین ہیکل: الصدیق ابوبکرؓ

5۔ مفتی زین العابدین سجاد میرٹھی و تاریخ ملت جلد ا
مفتی انتظام اللہ شہابی

6۔ حاجی معین الدین ندوی: خلفائے راشدین

ماخذ و مصادر

1- محمد بن سعد، الطبقات الکبری، جلد۳ص ۱۶۹

2- ابن اثیر، اسد الغابہ، ترجمہ ام الخیر سلمی

3- طبری، امام ابن جریر الطبری، تاریخ الرسل والملوک، جلد۳ص ۴۲۷

4- طبری، امام ابن جریر الطبری، تاریخ الامم والملوک، جلد۳ص ۲۷

5- البلاذری، انساب الاشراف، دار المعارف، ۱۹۵۹ء جلد اص ۲۰۶

6- ابن ہشام، السیرۃ النبویہ، ج اص ۲۵۰

7- ابن ہشام، السیرۃ النبویہ، ج اص ۲۵۰

8- البلاذری، انساب الاشراف، جلد اص ۱۶۵

9- البخاری، الجامع الصحیح، کتاب الحوالات، باب جوار ابی بکر فی عہد النبی، حدیث نمبر ۲۱۳۴

10- ابن کثیر، السیرۃ النبویہ، ہجرت مدینہ

11- التوبۃ: ۴۰

12- دارمی کتاب الزکاۃ باب الرجل یتصدق بجمیع ماعندہ

13- بوداؤد، السنن، کتاب المناسک، باب الخطبۃ یوم الرویۃ حدیث نمبر ۲۹۴۳

14- لبخاری، الجامع الصحیح، کتاب الاذان، باب حد المریض ان یشھد الجماعۃ، حدیث نمبر ۶۲۴

15- آل عمران ۳:۱۴۴

16- طبری، امام ابن جریر الطبری، تاریخ الامم والملوک، جلد۳ص ۲۲۵

17۔ طبری، امام ابن جریر الطبری، تاریخ الامم والملوک، جلد ۳، ص ۲۲۷

18۔ ابن ہشام، ج ۲ ص ۳۰۶

19۔ الحجرات ۱۴:۴۹

20۔ امام مالک الموطا، ص ۳۰۵

21۔ طبری، امام ابن جریر الطبری، تاریخ الامم والملوک، جلد ۳، ص ۲۴۸

22۔ تاریخ ملت ج ۱ ص ۱۶۸ تا ۱۸۰

23۔ تاریخ ملت ج ۱ ص ۱۶۸ تا ۱۸۰

24۔ بن ہشام، السیرۃ النبویہ، ج ۱ ص ۲۵۰

25۔ الاعراف ۷: ۱۲۸

26۔ تاریخ ملت ج ۱ ص ۱۶۸ تا ۱۸۰ (اخذ و تلخیص)

27۔ تاریخ ملت ج ۱ ص ۱۸۸ تا ۲۰۵ (اخذ و تلخیص)

یونٹ نمبر 6

حضرت عمر فاروقؓ، سیرت، خلافت اور کارنامے

تالیف

ڈاکٹر محمد سجاد

نظر ثانی

محی الدین ہاشمی

علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد

فہرست عنوانات

یونٹ کا تعارف:

حضرت عمرؓ بن خطاب کا تعلق خاندان قریش کے ایک اہم خاندان بنو عدی سے تھا۔ اپنی قابلیت اور لیاقت کی بنا پر قریشی اشرافیہ میں بلند مقام پر فائز تھے۔ فنون حرب سے واقف اور پڑھے لکھے تھے۔ جب رسول اللہ ﷺ نے اللہ کے دین کی دعوت دی اور لوگ مسلمان ہونے لگے تو حضرت عمرؓ مسلمانوں کے سخت مخالف ہو گئے۔ حضور اکرم ﷺ نے اللہ تعالیٰ سے دعا فرمائی کہ!

اے اللہ عمر بن خطاب کے ذریعے اسلام کی نصرت فرما،

اللہ تعالیٰ نے آپ کی یہ دعا قبول فرمائی اور حضرت عمرؓ ایمان کی دولت سے مستفیض ہوئے۔ آپ کے اسلام لانے سے مسلمانوں کو اکرام و اعزاز ملا۔ ایمان لانے کے بعد آپ کی تمام سرگرمیوں کا مرکز و محور رسول اللہ ﷺ کی ذات تھی۔ مکی عہد نبوت میں حضور کے ساتھ رہے، ہجرت مدینہ کے بعد تمام غزوات میں آپ ﷺ کے ساتھ شریک رہے، رسول اللہ ﷺ نے آپ کے فضائل و مناقب میں فرمایا۔

''بے شک عمر بن خطاب جنتی ہیں''۔

ایک اور موقع پر آپ ﷺ نے فرمایا۔

''اگر میرے بعد نبی کوئی ہوتا تو وہ عمر بن خطاب ہوتے، میں آخری نبی ہوں میرے بعد کوئی نبی نہیں''۔

حضرت ابو بکرؓ کے علاوہ رسول اللہ ﷺ کے دوسرے خسر تھے۔ اور آپؐ کے ہمہ وقت کے رفیق، حضورؐ آپ پر بہت اعتماد کرتے تھے۔ امت اسلامیہ میں آپ تیسرے عظیم شخص شمار ہوتے ہیں۔ حضرت ابو بکرؓ کے زمانہ خلافت میں ان کے مشیر رہے، اور ان کے بعد دوسرے خلیفہ بنے۔ آپ کا عہد خلافت اسلام کی فتح و نصرت اور اشاعت و توسیع کا عہد ہے۔ آپ نے اسلامی ریاست کو مزید منظم کیا۔ نئے نئے اداروں کی تشکیل کی ریاست کو کئی صوبوں اور ضلعوں میں تقسیم کیا، فوج کی تشکیل ہوئی، عاملین اور والیوں کے تقرر کے لیے اصول و ضوابط وضع کیے گئے۔ احتساب کا مکمل نظام بنایا گیا، نئے شہر بنائے گئے، تہذیب تمدن میں ترقی ہوئی،

خلافت فاروقی میں بعض نئے کام ہوئے جن کو عام طور سے ''اولیات عمر،، کہا جاتا ہے۔ جن کی تعداد چالیس یا

پچاس تک ہے، ان میں سن ہجری کا آغاز، خلیفہ کے لیے امیر المومنین کا لقب اختیار کرنا، مردم شماری، نہریں کھدوئیں، سڑکیں بنوائیں، برید کا انتظام، وقف کا طریقہ کی ایجاد، مکاتیب کا قیام، تنخواہیں مقرر کیں، غیرہ

حضرت عمر فاروقؓ اسلام کے مجسم پیکر تھے، ان میں اللہ کا خوف اور محبت رسول ﷺ کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ قرآن وسنت کی پابندی کرتے تھے۔ آپ نے انتہائی سادہ زندگی بسر کی، عوام اور رعایا کی خبر گیری میں ہمیشہ مشغول رہے۔

اس یونٹ میں آپ کے احوال وآثار اور آپ کے عہد خلافت کا اجمالی جائزہ لیا گیا ہے۔

یونٹ کے مقاصد:

امید ہے کہ اس یونٹ کی مطالعہ کے بعد آپ اس قابل ہو جائیں گے کہ

1۔ حضرت عمر فاروقؓ کے حالاُت زندگی کے بارے میں جان سکیں۔
2۔ عہد فاروقیؓ کی فتوحات کا مطالعہ کر سکیں۔
3۔ حضرت عمر فاروقؓ کے نظام حکومت کے بارے میں جان سکیں۔
4۔ حضرت عمر فاروقؓ کی سیرت وکردار سے آگاہ ہو سکیں۔

1۔ نام ونسب اور خاندان

عمر نام، ابو حفص کنیت، فاروق لقب ہے۔ والد کا نام خطاب اور والدہ کا نام حنتمہ تھا۔ پورا سلسلۂ نسب یہ ہے، عمر بن الخطاب بن نفیل بن عبدالعزیٰ بن رباح بن عبداللہ بن قرط بن رزاح بن عدی بن کعب بن لوی بن فہر بن مالک (۱) چونکہ عدی کے دوسرے بھائی مرہ تھے جو رسول اللہ ﷺ کے اجداد سے ہیں، اس لحاظ سے حضرت عمرؓ کا سلسلۂ نسب رسول اللہ ﷺ کی آٹھویں پشت میں جا کر مل جاتا ہے۔

آپؓ کا خاندان عہد جاہلیت میں بھی نہایت ممتاز تھا، آپ کے جد اعلیٰ عدی عرب کے باہمی منازعات میں ثالث مقرر ہوا کرتے تھے، اور قریش کو کسی قبیلہ کے ساتھ کوئی ملکی معاملہ پیش آ جاتا تو سفیر بن کر جایا کرتے تھے، اور یہ دونوں منصب عدی کے خاندان میں نسلاً بعد نسل چلے آ رہے تھے، آبائی خاندان کی طرح حضرت عمرؓ ماں کی طرف سے بھی نہایت معزز خاندان سے تعلق رکھتے تھے،

حضرت عمرؓ ولادت نبوی سے بارہ برس بعد پیدا ہوئے۔ بچپن کا زمانہ مکی سماج کے رسم ورواج کے مطابق گزارا۔ شباب کا آغاز ہوا تو نسب دانی، سپہ گری، پہلوانی اور خطابت میں مہارت پیدا کی، خصوصاً شہسواری میں کمال حاصل کیا، اسی زمانہ میں انہوں نے لکھنا پڑھنا بھی سیکھ لیا تھا۔ عرب میں لوگوں کا ذریعۂ معاش زیادہ تر تجارت تھا، اس لیے آپ نے بھی یہی شغل اختیار کیا اور اسی سلسلہ میں دور دراز ممالک کا سفر کیا اور اس طریقہ سے خودداری، بلند حوصلگی، تجربہ کاری اور معاملہ فہمی کی لازوال دولت حاصل کی، یہی وجہ تھی کہ حضرت عمرؓ قبول اسلام سے پہلے ہی تمام عرب میں روشناس ہو گئے تھے، اور قریش نے ان کی قابلیت کے جوہر دیکھ کر سفارت کے منصب پر مامور کر دیا تھا۔ قبائل میں جب کوئی پیچیدگی پیدا ہو جاتی تھی تو آپ ہی سفیر بن کر جاتے تھے اور اپنے غیر معمولی فہم تدبر اور تجربہ سے اس عقدہ کو حل کرتے تھے (۲)

آپ کی عمر ستائیس سال تھی جب مکہ کی گھاٹیوں سے توحید کی صدا بلند ہوئی، حضرت عمرؓ کے لیے یہ آواز نہایت مانوس تھی، اس لیے سخت برہم ہوئے، یہاں تک کہ جس کی نسبت معلوم ہو جاتا کہ یہ مسلمان ہو گیا ہے، اس کے دشمن بن جاتے، ان کے خاندان کی ایک کنیز مسلمان ہو گئی تھی، اس کو اس قدر مارتے کہ مارتے مارتے تھک جاتے، اس کے سوا اور جس جس پر قابو چلتا تھا زدوکوب سے دریغ نہیں کرتے تھے۔

2۔ قبول اسلام

قریش مکہ میں سے عمر بن ہشام (ابو جہل) اور عمر بن خطاب، اسلام اور بانی اسلام کی دشمنی میں سب سے زیادہ سرگرم تھے، اس لیے آنحضرت ﷺ نے خصوصیت کے ساتھ انہیں دونوں کے لیے اسلام کی دعا فرمائی۔

" اللھم اعز الاسلام با حد ھذین الرّجلین الیک بابی جھل بن ھشام او بعمر بن الخطاب (3)

یعنی خدایا اسلام کو ابو جہل بن ہشام یا عمر بن الخطاب سے معزز کر

اس دعا کا اثر یہ ہوا کہ کچھ دنوں کے بعد جو اسلام کا سب سے بڑا دشمن تھا، سب سے بڑا دوست اور سب سے بڑا جان نثار ہو گیا، یعنی حضرت عمرؓ کا دامن دولت ایمان سے بھر گیا۔ تاریخ وسیر کی کتابوں میں حضرت عمرؓ کی تفصیلات اسلام میں اختلاف ہے۔ ایک مشہور واقعہ ہے کہ جب حضرت عمرؓ اپنی انتہائی سختیوں کے باوجود ایک شخص کو بھی اسلام سے بدل نہ کر سکے، تو آخر کار مجبور ہو کر (نعوذ باللہ) خود بانی اسلام ﷺ کے قتل کا ارادہ کیا، اور تلوار کمر سے لگا کر سیدھے رسول اللہ ﷺ کی طرف چلے، راہ میں نُعیم بن عبداللہ مل گئے اور ان کے تیور دیکھ کر پوچھا خیر تو ہے؟ بولے محمد ﷺ کا فیصلہ کرنے جاتا ہوں، انہوں نے کہا "پہلے اپنے گھر کی تو خبر لو، خود تمہاری بہن اور بہنوئی اسلام لا چکے ہیں" فوراً پلٹے اور بہن کے ہاں پہنچے، وہ قرآن پڑھ رہی تھیں ان کی آہٹ پا کر چپ ہو گئیں اور قرآن کے اجزا چھپا لیے، لیکن آواز ان کے کانوں میں پڑ چکی تھی، بہن سے پوچھا یہ کیا آواز تھی؟ بولیں کچھ نہیں، انہوں نے کہا میں سن چکا ہوں تم دونوں مرتد ہو گئے ہو، یہ کہہ کہ بہنوئی سے دست و گریبان ہو گئے اور جب ان کی بہن بچانے کو آئیں تو ان کی بھی خبر لی یہاں تک کہ ان کا جسم لہولہان ہو گیا، لیکن اسلام کی محبت پر ان کا کچھ اثر نہ ہوا۔ بولیں کہ "عمرؓ جو بن آئے کر و لیکن اسلام اب دل سے نہیں نکل سکتا"۔

ان الفاظ نے حضرت عمرؓ کے دل پر خاص اثر کیا، بہن کی طرف محبت کی نگاہ سے دیکھا، ان کے جسم سے خون جاری تھا، دیکھ کر اور بھی رقت ہوئی، فرمایا تم لوگ جو پڑھ رہے تھے مجھ کو بھی سناؤ، فاطمہ نے قرآن کے اجزاء سامنے لا کر رکھ دیے۔ اٹھا کر دیکھا تو یہ سورہ تھی،

﴿سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ﴾ (4)

زمین اور آسمان میں جو کچھ ہے سب خدا کی تسبیح پڑھتے ہیں وہ غالب اور حکمت والا ہے۔

ایک ایک لفظ پر ان کا دل مرعوب ہوتا جاتا تھا، یہاں تک کہ جب اس آیت پر پہنچے

﴿آمَنُوا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِ﴾(5)

خدا پر اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ

تو بے اختیار پکار اٹھے،

اشهد ان لا اله الا الله واشهد ان محمد عبده ورسوله

یہ وہ زمانہ تھا کہ رسول اللہ ﷺ ارقم کے مکان میں جو کوہ صفا کے نیچے واقع تھا پناہ گزین تھے، حضرت عمرؓ نے آستانہ مبارک پر پہنچ کر دستک دی، چونکہ شمشیر بکف تھے صحابہ کو تردد ہوا، لیکن حضرت امیر حمزہؓ نے کہا آنے دو "مخلصانہ آیا ہے تو بہتر ہے ورنہ اسی کی تلوار سے اس کا سر قلم کر دوں گا" حضرت عمرؓ نے اندر قدم رکھا تو رسول اللہ ﷺ نے خود آگے بڑھے، اور ان کا دامن پکڑ کے فرمایا "کیوں عمر کس ارادہ سے آئے ہو؟" نبوت کی پر جلال آواز نے ان کو کپکپا دیا۔(6)

حضرت عمرؓ کے مسلمان ہو جانے سے اسلام کی تاریخ میں ایک نیا دور شروع ہو گیا، اس وقت تک چالیس یا اس سے کم وبیش آدمی دائرہ اسلام میں داخل ہو چکے تھے، لیکن وہ نہایت بے بسی و مجبوری کے عالم میں تھے، علانیہ فرائض مذہبی ادا کرنا تو درکنار اپنے کو مسلمان ظاہر کرنا بھی خطرہ سے خالی نہ تھا، اور کعبہ میں نماز پڑھنا تو بالکل ناممکن تھا۔ حضرت عمرؓ کے اسلام لانے سے دفعتاً حالت بدل گئی، انہوں نے علانیہ اپنے اسلام کا اظہار کیا۔ آپؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ، اب تو کعبہ میں نماز ادا کی جائیگی۔ حضرت عمرؓ کی خواہش پر رسول اللہ ﷺ مسلمانوں کی دو صفوں کو لے کر جن میں سے ایک کے لیڈر حضرت عمرؓ تھے اور دوسری کے حضرت حمزہؓ کعبہ میں تشریف لائے اور نماز باجماعت ادا کی (7)

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا،

مازلنا اعزه منذ اسلم عمر(8)

یہ پہلا موقع تھا کہ حق، باطل کے مقابلہ میں سر بلند ہوا اور حضرت عمر کو اس صلہ میں دربار نبوت سے فاروق کا لقب مرحمت کیا گیا۔

3۔ ہجرت

حضرت عمرؓ ۶ نبوی میں اسلام لائے تھے، اور ۱۳ نبوی میں ہجرت ہوئی، اس طرح گویا انھوں نے اسلام لانے کے بعد تقریباً ۶۔۷ برس تک قریش کے مظالم برداشت کئے جب مسلمانوں کو مدینہ کی جانب ہجرت کی اجازت ہوئی تو حضرت عمرؓ بھی اس سفر کے لیے آمادہ ہوئے، اور بارگاہ نبوت سے اجازت لے کر چند آدمیوں کے ساتھ مدینہ کی طرف روانہ ہوئے اور اس شان کے ساتھ روانہ ہوئے کہ پہلے مسلح ہو کر مشرکین کے مجمعوں سے گذرتے ہوئے خانہ کعبہ پہنچے، نہایت اطمینان سے طواف کیا، نماز پڑھی، پھر مشرکین سے مخاطب ہو کر کہا کہ جس کو مقابلہ کرنا ہو وہ مکہ سے باہر نکل کر مقابلہ کر لے، لیکن کسی کی ہمت نے یاری نہ کی، اور وہ مدینہ کی طرف روانہ ہو گئے۔

آنحضرت ﷺ نے مدینہ تشریف لانے کے بعد غریب الوطن مہاجرین کے رہنے سہنے کا اس طرح انتظام کیا کہ ان میں اور انصار میں برادری قائم کر دی، اس رشتے کے قائم کرنے میں فرق مراتب کا خاص طور پر لحاظ رکھا گیا تھا، یعنی جو مہاجر جس رتبہ کا تھا اسی حیثیت کے انصاری سے اس کی برادری قائم کی گئی تھی، چنانچہ حضرت عمرؓ کے برادر اسلام حضرت عتبان بن مالکؓ قرار پائے تھے جو قبیلۂ بنی سالم کے معزز رئیس تھے۔

4۔ غزوات میں شرکت

حضرت عمرؓ بدر سے تبوک تک تمام غزوات میں رسول اللہ ﷺ کے شانہ بشانہ لڑے۔ مدینہ میں سب سے پہلا معرکہ بدر کا پیش آیا، حضرت عمرؓ اس معرکہ میں رائے، تدبر، جانبازی اور پامردی کے لحاظ سے ہر موقع پر رسول اللہؐ کے دست و بازو رہے، بدر کا میدان مسلمانوں کے ہاتھ رہا۔ مشرکین کے کم وبیش ستر آدمی مارے گئے اور تقریباً اسی قدر گرفتار ہوئے، چونکہ ان میں سے قریش کے اکثر بڑے بڑے معزز سردار تھے اس لیے بحث پیدا ہوئی کہ ان کے ساتھ کیسا سلوک کیا جائے، رسول اللہ ﷺ نے تمام صحابہ سے رائے لی، لوگوں نے مختلف رائیں دیں، حضرت ابو بکرؓ کی رائے ہوئی کہ فدیہ لے کر چھوڑ دیا

جائے، حضرت عمرؓ نے اختلاف کیا اور کہا کہ ان سب کو قتل کر دینا چاہیے،

آنحضرت ﷺ کی شان رحمۃ للعالمین نے حضرت ابوبکرؓ کی رائے پسند کی اور فدیہ لے کر چھوڑ دیا، مگر اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی حضرت عمرؓ کی رائے کو درست قرار دیا۔ (9)

واقعۂ بدر کے بعد شوال ۳ھ میں غزوہ احد کا معرکہ پیش آیا، اس میں ایک طرف تو قریش کی تعداد تین ہزار تھی جس میں دو سو سوار اور سات سو زرہ پوش تھے، ادھر غازیانِ اسلام کی کل تعداد صرف سات سو تھی جس میں سو زرہ پوش اور دو سو سوار تھے، ۷ شوال ہفتہ کے دن لڑائی شروع ہوئی آنحضرت ﷺ نے عبداللہ بن جبیرؓ کو پچاس تیر اندازوں کے ساتھ فوج کے عقب میں متعین کر دیا تھا کہ ادھر سے کفار حملہ نہ کرنے پائیں۔

مسلمانوں نے مشرکین کی صفیں تہ و بالا کر دیں، کفار شکست کھا کر بھاگے اور غازیان دین مال غنیمت جمع کرنے میں مصروف ہو گئے تیر اندازوں نے سمجھا کہ اب معرکہ ختم ہو چکا، اس خیال سے وہ بھی مال غنیمت جمع میں مصروف ہو گئے، تیر اندازوں کا اپنی جگہ سے ہٹنا تھا کہ خالد نے (جو اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے) دفعۃً عقب سے زور شور کے ساتھ حملہ کر دیا، یہاں تک کہ کفار نے خود ذات اقدس ﷺ پر یورش کر دی، اور اس قدر تیروں اور پتھروں کی بارش کی کہ آپ کے دندانِ مبارک شہید ہو گئے، پیشانی پر زخم آیا، اور اس کے ساتھ آپ ایک گڑھے میں گر پڑے اور لوگوں کی نظروں سے چھپ گئے۔

جنگ کا زور شور جب کسی قدر کم ہوا تو آنحضرت ﷺ اپنے تیس فدائیوں کے ساتھ پہاڑ پر تشریف لائے، اسی اثنا میں خالدؓ کو ایک دستۂ فوج کے ساتھ اس طرف بڑھتے ہوئے دیکھ کر فرمایا کہ خدایا یہ لوگ یہاں تک نہ آنے پائیں، حضرت عمرؓ نے چند مہاجرین اور انصار کے ساتھ آگے بڑھ کر حملہ کیا اور ان لوگوں کو ہٹا دیا۔

ابوسفیان سالار قریش درہ کے قریب پہنچ کر پکارا کہ اس گروہ میں محمد ہیں؟ آنحضرت ﷺ نے اشارہ کیا کہ کوئی جواب نہ دے، ابوسفیان نے پھر حضرت عمرؓ اور ابوبکرؓ کا نام لے کر کہا یہ اس مجمع میں ہیں یا نہیں؟ اور جب کسی نے کچھ جواب نہیں دیا تو بولا کہ ضرور یہ لوگ مارے گئے، حضرت عمرؓ سے نہ رہا گیا پکار کر کہا او دشمن خدا! ہم سب زندہ ہیں! ابوسفیان نے کہا اے ہبل بلند ہو، رسول اللہ ﷺ نے حضرت عمرؓ سے فرمایا جواب دو، اللہ اعلیٰ و اجل، یعنی خدا بلند و برتر ہے۔ (10)

غزوۂ احد کے بعد ۳ھ میں حضرت عمرؓ کو یہ شرف حاصل ہوا کہ ان کی صاحبزادی حضرت حفصہؓ رسول اللہ ﷺ کے نکاح میں آئیں۔ ۴ھ میں بنونضیر کو ان کی بدعہدی کے باعث مدینہ سے جلا وطن کیا گیا، اس واقعہ میں بھی حضرت عمر شریک رہے، ۵ھ میں غزوۂ خندق پیش آیا، آنحضرت ﷺ نے مدینہ سے باہر نکل کر خندق تیار کرائی، دس ہزار کفار نے خندق کا محاصرہ کیا، وہ لوگ کبھی کبھی خندق میں گھس کر حملہ کرتے تھے، اس لیے آنحضرت ﷺ نے خندق کے ادھر ادھر کچھ کچھ فاصلہ پر اکابر صحابہ کو معین کر دیا تھا کہ دشمن ادھر سے نہ آنے پائیں، ایک حصہ پر حضرت عمرؓ معین تھے، چنانچہ یہاں ان کے نام کی ایک مسجد آج بھی موجود ہے، ایک دن کافروں کے مقابلہ میں ان کو اس قدر مصروف رہنا پڑا کہ عصر کی نماز قضا ہوتے ہوتے رہ گئی، چنانچہ آنحضرت کے پاس آ کر عرض کی کہ آج کافروں نے نماز پڑھنے تک کا موقع نہ دیا، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میں نے بھی اب تک عصر کی نماز نہیں پڑھی۔ مختصر یہ کہ کامل ایک ماہ کے محاصرہ کے بعد مسلمانوں کے ثبات واستقلال کے آگے کافروں کے پاؤں اکھڑ گئے اور یہ میدان بھی غازیوں کے ہاتھ رہا۔

۶ھ میں رسول اللہ ﷺ نے زیارت کعبہ کا ارادہ فرمایا اور اس خیال سے کہ کسی کو لڑائی کا شبہ نہ ہو حکم دیا کہ کوئی ہتھیار باندھ کر نہ چلے، ذوالحلیفہ پہنچ کر حضرت عمرؓ کو خیال ہوا کہ دشمنوں میں غیر مسلح چلنا مصلحت نہیں؟ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے ان کی رائے کے موافق مدینہ سے اسلحہ منگوالیا، مکہ کے قریب پہنچ کر معلوم ہوا کہ قریش نے عہد کر لیا ہے کہ مسلمانوں کو مکہ میں قدم نہ رکھنے دیں گے، چونکہ رسول اللہ ﷺ کو لڑنا مقصود نہیں تھا، اس لیے مصالحت کے خیال سے حضرت عثمانؓ کو سفیر بنا کر بھیجا، قریش نے ان کو روک رکھا، اور جب کئی دن گذر گئے تو خبر مشہور ہوئی کہ وہ شہید کر دیے گئے، رسول اللہ ﷺ نے یہ خبر سن کر صحابہ سے جو تعداد میں چودہ سو تھے، ایک درخت کے نیچے جہاد پر بیعت لی، چنانچہ قرآن مجید میں ہے۔

﴿لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ﴾ (11)

حضرت عمرؓ نے بیعت سے پہلے ہی لڑائی کی تیاری شروع کر دی تھی ہتھیار سج رہے تھے کہ خبر ملی کہ آنحضرت ﷺ بیعت لے رہے ہیں، اسی وقت بارگاہ نبوت میں حاضر ہوئے اور جہاد کے لیے دست اقدس پر بیعت کی (12)

قریش مصر تھے کہ رسول اللہ ﷺ اس سال مکہ میں داخل نہیں ہو سکتے، آخر بڑے ردوقدح کے بعد ایک معاہدہ پر طرفین رضامند ہو گئے، اس معاہدہ میں ایک شرط یہ بھی تھی کہ اگر قریش کا کوئی آدمی رسول اللہ ﷺ کے ہاں چلا جائے تو اس کو قریش کے پاس واپس کر دیا جائے گا لیکن اگر مسلمانوں کا کوئی شخص قریش کے ہاتھ آ جائے تو ان کو نہ واپس کرنے کا اختیار ہو

گا۔ حضرت عمرؓ کی غیور طبیعت اس شرط سے نہایت مضطرب ہوئی، اور خود سرور کائنات ﷺ کے دربار میں حاضر ہوکر دریافت کیا کہ جب ہم حق پر ہیں تو باطل سے اس قدر دب کر کیوں صلح کرتے ہیں، آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ میں خدا کا پیغمبر ہوں اور خدا کے حکم کے خلاف نہیں کرتا، اس کے بعد حضرت ابوبکرؓ کی خدمت میں بھی یہی گفتگو کی اور انھوں نے بھی یہی جواب دیا، بعد کو حضرت عمرؓ کو اپنی اس گفتگو پر ندامت ہوئی اور اس کے کفارے میں کچھ خیرات کی (13)

الغرض معاہدۂ صلح لکھا گیا، حضرت عمرؓ نے بھی اس پر اپنے دستخط ثبت کیے، رسول اللہ ﷺ نے مدینہ کا قصد کیا، راہ میں سورۂ فتح نازل ہوئی، حضرت عمرؓ کو بلا کر سنایا اور کہا کہ آج ایسی سورہ نازل ہوئی ہے، جو مجھ کو دنیا کی تمام چیزوں سے زیادہ محبوب ہے (14)

۷ ھ میں واقعۂ خیبر پیش آیا، یہودیوں نے بڑے بڑے مضبوط قلعے بنا لیے تھے جن کا مفتوح ہونا آسان نہ تھا، پہلے حضرت ابوبکرؓ سپہ سالار ہوئے، ان کے بعد حضرت عمرؓ اس خدمت پر مامور ہوئے، لیکن یہ فخر تو حضرت علیؓ کے لیے مقدر ہو چکا تھا، غرض حضرت علیؓ کے ہاتھ سے مرحب مارا گیا اور خیبر فتح ہو گیا آنحضرت ﷺ نے خیبر کی زمین مجاہدوں کو تقسیم کردی، چنانچہ ایک ٹکڑا ثمغ نامی حضرت عمرؓ کے حصہ میں آیا، انھوں نے اس کو راہ خدا میں وقف کردیا، اور اسلام کی تاریخ میں یہ پہلا وقف تھا جو عمل میں آیا۔

آنحضرت ﷺ نے دس ہزار مجاہدین کے ساتھ رمضان ۸ ھ میں مکہ پر حملہ کیا اور نہایت جاہ و جلال کے ساتھ فاتحانہ داخل ہوئے اور باب کعبہ پر کھڑے ہوکر نہایت فصیح و بلیغ تقریر کی، پھر حضرت عمرؓ کو ساتھ لے کر مقام صفا پر لوگوں سے بیعت لینے کے لیے تشریف لائے، لوگ جوق جوق آتے تھے اور بیعت کرتے جاتے تھے، حضرت عمرؓ آنحضرت ﷺ کے قریب لیکن کسی قدر نیچے بیٹھے تھے، جب عورتوں کی باری آئی تو چونکہ آنحضرت ﷺ بیگانہ عورتوں کے ہاتھ کو مس نہیں کرتے تھے، اس لیے حضرت عمرؓ کو اشارہ کیا کہ تم ان سے بیعت لو چنانچہ تمام عورتوں نے انھیں کے ہاتھ پر آنحضرت ﷺ سے بیعت کی۔

فتح مکہ کے بعد اسی سال ہوازن کی لڑائی پیش آئی جو غزوۂ حنین کے نام سے مشہور ہے حضرت عمرؓ اس جنگ میں بھی نہایت ثابت قدمی اور پامردی کے ساتھ شریک کارزار رہے، پھر ۹ ھ میں یہ خبر مشہور ہوئی کہ قیصر روم عرب پر حملہ آور ہونا چاہتا ہے، چنانچہ آنحضرت نے تمام صحابہ کو تیاری کا حکم دیا اور جنگی تیاریوں کے لیے زر و مال سے اعانت کی ترغیب دلائی، اکثر صحابہ نے بڑی بڑی رقمیں پیش کیں، حضرت عمرؓ نے اس موقع پر تمام مال و اسباب میں سے نصف لاکر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں

پیش کیا (15) غرض اسلحہ اور سامان رسد مہیا ہو جانے کے بعد مجاہدین نے مقام تبوک کا رخ کیا یہاں پہنچ کر معلوم ہوا کہ خبر غلط تھی اس لیے چند روز قیام کے بعد سب لوگ واپس آ گئے۔

حضرت ابو بکر صدیقؓ کی خلافت صرف سوا دو برس رہی، ان کے عہد میں جس قدر بڑے بڑے کام انجام پائے سب میں حضرت عمرؓ شریک رہے، قرآن شریف کی ترتیب کا کام خاص ان کے مشورہ اور اصرار سے عمل میں آیا، غرض حضرت ابو بکر صدیق کو اپنے عہد خلافت میں تجربہ ہو گیا تھا کہ منصب خلافت کے لیے عمر فاروقؓ سے زیادہ کوئی شخص موزوں نہیں ہو سکتا، چنانچہ انھوں نے وفات کے قریب اکابر صحابہ سے مشورہ لے کر ان کو اپنے بعد خلیفہ نامزد کیا اور بلا کر مفید اور مؤثر نصیحتیں کیں جو حضرت عمرؓ کے لیے نہایت عمدہ دستور العمل ثابت ہوئیں۔

5۔ خلافت اور فتوحات

حضرت ابو بکر صدیقؓ نے ترسٹھ برس کی عمر میں اواخر جمادی الثانی دوشنبہ کے روز وفات پائی اور حضرت عمر فاروقؓ مسند آرائے خلافت ہوئے، خلیفہ سابق کے عہد میں مدعیان نبوت، مرتدین عرب اور منکرین زکوۃ کا خاتمہ ہو کر فتوحات ملکی کا آغاز ہو چکا تھا، یعنی ۱۲ ہجری میں عراق پر لشکر کشی ہوئی، اور حیرہ کے تمام اضلاع فتح ہو گئے، اس طرح ۱۳ ہجری میں شام پر حملہ ہوا اور (اسلامی فوجیں سرحدی اضلاع میں پھیل گئیں، ان مہمات کا آغاز ہی تھا کہ خلیفہ وقت نے انتقال کیا، حضرت عمرؓ نے عنان خلافت ہاتھ میں لی تو ان کا سب سے اہم فرض انہی مہمات کو تکمیل تک پہنچانا تھا۔

5.1 مہمِ عراق:

حضرت عمرؓ نے خلافت کی ذمہ داری سنبھالی تو سب سے پہلے مہمِ عراق کے طرف متوجہ ہوے، بیعت خلافت کے لیے اطراف و دیار سے بے شمار آدمی آئے تھے، اس موقع کو غنیمت سمجھ کر مجمع عام میں جہاد کا وعظ کیا۔ حضرت عمرؓ نے کئی دن تک وعظ کہا لیکن کچھ اثر نہ ہوا، آخر چوتھے دن ایسی پر جوش تقریر کی کہ حاضرین کے دل ہل گئے، مثنیٰ شیبانی نے کہا کہ ''مسلمانو! میں نے مجوسیوں کو آزما لیا ہے، وہ مرد میدان نہیں ہیں، ہم نے عراق کے بڑے بڑے اضلاع فتح کر لیے ہیں اور عجمی اب ہمارا لوہا

ن گئے ہیں، اس طرح قبیلہ ثقیف کے سردار ابو عبید ثقفی نے جوش میں آ کر کہا "انا لھذا" یعنی اس کے لیے میں ہوں۔ ابو عبید کی بیعت نے تمام حاضرین کو گرما دیا اور ہر طرف غلغلہ اٹھا کہ ہم بھی حاضر ہیں، حضرت عمرؓ نے مدینہ اور اس کے مضافات سے ایک ہزار اور دوسری روایت کے مطابق پانچ ہزار آدمی انتخاب کیے اور ابو عبید کو سپہ سالار مقرر کر کے روانہ کیا۔

حضرت ابو بکرؓ کے عہد میں عراق پر جو حملہ ہوا اس نے ایرانیوں کو بیدار کر دیا تھا، چنانچہ پوران دخت نے جو صغیر السن یزدگرد شاہِ ایران کی نائب تھی فرخ زاد گورنر خراسان کے بیٹے رستم کو جو نہایت شجاع اور مدبر تھا دربار میں طلب کر کے وزیر جنگ بنایا اور تمام اہل فارس کو اتحاد و اتفاق پر آمادہ کیا، نیز مذہبی حمیت کا جوش دلا کر نئی روح پیدا کر دی، اس طرح دولت کیانی نے پھر وہی قوت پیدا کر لی جو ہرمز د پرویز کے زمانہ میں اس کو حاصل تھی۔

رستم نے ابو عبید کے پہنچنے سے پہلے ہی اضلاع فرات میں غدر کرا دیا اور جو مقامات مسلمانوں کے قبضہ میں آ چکے تھے وہ ان کے قبضہ سے نکل گئے۔ پوران دخت نے ایک اور زبردست فوج رستم کی اعانت کے لیے تیار کی اور نرسی و جابان کو سپہ سالار مقرر کیا، یہ دونوں دو راستوں سے روانہ ہوئے، جابان کی فوج نمارق پہنچ کر ابو عبید کی فوج سے برسر پیکار ہوئی اور بری طرح شکست کھا کر بھاگی، ایرانی فوج کے مشہور افسر جوشن شاہ اور مردان شاہ مارے گئے۔ جابان گرفتار ہوا، مگر اس حیلے سے بچ گیا۔

ابو عبید نے جابان کو شکست دینے کے بعد سقاطیہ میں نرسی کی فوج گراں سے مقابلہ کیا اور شکست دی اس کا اثر یہ ہوا کہ قرب و جوار کے تمام رؤسا خود بخود مطیع ہو گئے، نرسی و جابان کی ہزیمت سن کر رستم نے مردان شاہ کو چار ہزار کی جمعیت کے ساتھ ابو عبید کے مقابلہ میں روانہ کیا، ابو عبید نے باوجود افسرانِ فوج کے شدید اختلاف کے فرات سے پار اتر کر نبرد آزمائی کی، اُس پار کا میدان تنگ اور ہموار تھا، نیز عربی دلاوروں کے لیے ایران کے کوہ پیکر ہاتھیوں سے یہ پہلا مقابلہ تھا، اس لیے مسلمانوں کو سخت ہزیمت ہوئی اور نو ہزار فوج میں سے صرف تین ہزار باقی بچی۔

حضرت عمرؓ کو اس شکست نے نہایت برافروختہ کیا، انہوں نے اپنے پر جوش خطبوں سے تمام قبائل عرب میں آگ لگا دی، عام جوش کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ نمر و تغلب کے سرداروں نے جو مذہباً عیسائی تھے اپنے قبائل کے مسلمانوں کے ساتھ شرکت کی اور کہا کہ آج عرب و عجم کا مقابلہ ہے، اس قومی معرکہ میں ہم بھی قوم کے ساتھ ہیں، غرض حضرت عمرؓ نے ایک فوج گراں کے ساتھ حضرت جریر بجلی کو میدان رزم کی طرف روانہ کیا، یہاں مثنیٰ نے بھی سرحد کے عربی قبائل کو جوش دلا کر ایک زبردست فوج تیار کر لی تھی۔

پوران دخت نے ان تیاریوں کا حال سن کر فوج خاص میں سے بارہ ہزار جنگ آزما بہادر منتخب کر کے مہران ابن مہرویہ کے ساتھ مجاہدین کے مقابلہ کے لیے روانہ کیے حیرہ کے قریب دونوں حریف صف آرا ہوئے، ایک شدید جنگ کے بعد عجمیوں میں بھاگڑ پڑ گئی مہران بنی تغلب ایک نوجوان کے ہاتھ سے مارا گیا مثنیٰ نے پل کا راستہ روک دیا اور اس قدر آدمیوں کو تہِ تیغ کیا کہ کشتوں کے پشتے لگ گئے، اس فتح کے بعد مسلمان عراق کے تمام علاقوں میں پھیل گئے۔

پایہ تخت ایران میں یہ خبریں پہنچیں تو ایرانی قوم میں ایک زبردست انقلاب کا خیال پیدا ہو گیا، پوران دخت معزول کی گئی، یزدگرد جو سولہ سال کا نوجوان اور خاندان کیانی کا تنہا وارث تھا تختِ سلطنت پر بٹھایا گیا، اعیان و اکابر ملک نے باہم متفق و متحد ہو کر کام کرنے کا ارادہ کیا، تمام قلعے اور فوجی چھاؤنیاں مستحکم کر دی گئیں، اسی کے ساتھ کوشش کی گئی کہ مسلمانوں کے مفتوحہ مقامات میں بغاوت پھیلائی جائے، ان انتظامات سے سلطنت ایران میں نئی جان پیدا ہو گئی اور تمام مفتوحہ مقامات مسلمانوں کے ہاتھوں سے نکل گئے۔

مثنیٰ مجبور ہو کر عرب کی سرحد میں ہٹ آئے، اور ربیعہ و مضر کے قبائل کو جو اطراف عراق میں پھیلے ہوئے تھے ایک تاریخ معین تک علم اسلامی کے نیچے جمع ہونے کے لیے طلب کیا، نیز دربارِ خلافت کو اہل فارس کی تیاریوں سے مفصل طور پر مطلع کیا۔

حضرت عمرؓ نے ایرانیوں کی تیاری کا حال سن کر حضرت سعد بن وقاصؓ کو جو بڑے رتبہ کے صحابی اور رسول اللہؐ کے ماموں تھے۔ بیس ہزار مجاہدین کے ساتھ مہم عراق کی تکمیل پر مامور کیا، اس فوج کی اہمیت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ اس میں تقریباً ستر وہ صحابی تھے جو سرورِ کائناتؐ کے ساتھ غزوۂ بدر میں جو ہر شجاعت دکھا چکے تھے۔ تین سو وہ جو بیعۃ الرضوان میں شریک تھے، نیز اسی قدر وہ بزرگ تھے جو فتحِ مکہ میں موجود تھے اور سات سو ایسے تھے جو خود صحابی نہ تھے لیکن ان کی اولاد ہونے کا فخر رکھتے تھے۔

حضرت سعد بن وقاصؓ نے شراف پہنچ کر پڑاؤ کیا، مثنیٰ آٹھ ہزار آدمیوں کے ساتھ مقام ذی قار میں اس عظیم الشان کمک کا انتظار کر رہے تھے، لیکن اسی اثنا میں ان کا انتقال ہو گیا، اس لیے ان کے بھائی شراف آ کر حضرت سعد وقاصؓ سے ملے اور مثنیٰ نے جو ضروری مشورے دیے تھے ان سے بیان کیے۔

حضرت عمرؓ نے ایام جاہلیت میں نواحِ عراق کی سیاحت کی تھی اور وہ اس زمین کے چپہ چپہ سے واقف تھے، اس

لیے انھوں نے خاص طور پر ہدایت کر دی تھی کہ فوج کا جہاں پڑاؤ ہو وہاں کے مفصل حالات لکھ کر آئیں، سعد بن وقاصؓ نے اس مقام کا نقشہ، لشکر کا پھیلاؤ، فرودگاہ کی حالت اور رسد کی کیفیت سے ان کو اطلاع دی، اس کے جواب میں دربار خلافت سے ایک مفصل فرمان آیا جس میں فوج کی نقل و حرکت، حملہ کا بندوبست، لشکر کی ترتیب اور فوج کی تقسیم کے متعلق مفصل ہدایتیں درج تھیں۔ اسی کے ساتھ حکم دیا گیا کہ شراف سے بڑھ کر قادسیہ کو میدانِ کارزار قرار دیں۔ اور اس طرح مورچے جمائیں کہ فارس کی زمین سامنے ہو اور عرب کا پہاڑ محافظت کا کام دے، حضرت سعدؓ نے دربار خلافت کی ہدایت کے مطابق شراف سے بڑھ کر قادسیہ میں اپنا مورچہ جمایا اور نعمان بن مقرن کے ساتھ چودہ نامور اشخاص کو منتخب کر کے دربار ایران میں سفیر بنا کر بھیجا کہ شاہ ایران اور اس کے رفقا کو اسلام کی ترغیب دیں لیکن جو لوگ دولت و حکومت کے نشہ میں مخمور تھے وہ خانہ بدوش عرب اور ان کے مذہب کو کب خاطر میں لاتے تھے؟ سفارت گئی اور ناکام واپس آئی۔

اس واقعہ کے بعد کئی ماہ تک دونوں طرف سے سکوت رہا، رستم ساٹھ ہزار فوج کے ساتھ ساباط میں پڑا تھا، اور یزدگرد کی تاکید کے باوجود جنگ سے جی چرا رہا تھا، مجبور ہو کر رستم کو مقابلہ کے لیے بڑھنا پڑا، اور ایرانی فوجیں ساباط سے نکل کر قادسیہ کے میدان میں خیمہ زن ہوئیں۔

رستم قادسیہ پہنچ کر بھی جنگ کو ٹالنے کی کوشش کرتا رہا، اور اس نے مدتوں سفراء کی آمد و رفت اور نامہ و پیام کا سلسلہ جاری رکھا لیکن مسلمانوں کا آخری اور قطعی جواب یہ ہوتا تھا کہ اگر اسلام یا جزیہ منظور نہیں ہے تو تلوار سے فیصلہ ہوگا، رستم جب مصالحت کی تمام تدبیروں سے مایوس ہو گیا تو سخت برہم ہوا اور اس نے قسم کھا کر کہا ''آفتاب کی قسم اب تمام عرب کو ویران کر دوں گا''۔

5.2 جنگ قادسیہ

رستم نے فوج کو کمر بندی کا حکم دیا اور خود تمام رات جنگی تیاریوں میں مصروف رہا، صبح کے وقت قادسیہ کا میدان عجمی سپاہیوں سے آدمیوں کا جنگل نظر آنے لگا، جس کے پیچھے پیچھے ہاتھیوں کے کالے کالے پہاڑ عجیب خوفناک سماں پیدا کر رہے تھے، دوسری طرف مجاہدین اسلام کا لشکر جرار صف بستہ کھڑا تھا، اللہ اکبر کے نعروں میں جنگ شروع ہوئی، دن بھر ہنگامۂ محشر برپا رہا شام کو جب بالکل تاریکی چھا گئی تو دونوں حریف اپنے اپنے خیموں میں واپس آئے قادسیہ کا یہ پہلا معرکہ تھا اور عربی میں اس کو یوم الارماث کہتے ہیں۔

قادسیہ میں دوسرے دن کی جنگ معرکۂ اغواث کے نام سے مشہور ہے شام کی چھ ہزار فوج عین معرکہ کے وقت پہنچی، حضرت عمرؓ کے قاصد بھی جن کے ساتھ بیش قیمت تحائف تھے عین جنگ کے وقت پہنچے اور پکار کر کہا "امیر المومنین نے یہ انعام ان لوگوں کے لیے بھیجا ہے جو اس کا حق ادا کریں" اس نے مسلمانوں کے جوش وخروش کو اور بھی بھڑکا دیا تمام دن جنگ ہوتی رہی، مسلمان دو ہزار اور ایرانی دس ہزار مقتول ومجروح ہوئے لیکن فتح وشکست کا کچھ فیصلہ نہ ہوا۔

تیسرا معرکہ یوم العماس کے نام سے مشہور ہے، اس میں مسلمانوں نے سب سے پہلے کوہ پیکر ہاتھیوں سے نجات حاصل کرنے کی کوشش کی، کیونکہ ایرانیوں کے مقابلہ میں مجاہدین اسلام کو ہمیشہ اس کالی آندھی سے زیادہ نقصان پہنچتا تھا، اگرچہ قعقاع نے اونٹوں پر سیاہ جھول ڈال کر ہاتھی کا جواب ایجاد کرلیا تھا تاہم یہ کالے دیو جس طرف جھک پڑتے تھے صف کی صف پس جاتی تھی، آخرکار مسلمانوں نے ہاتھیوں کی سونڈوں کو بے کار کردیا جس سے وہ بھاگ گئے۔

اب بہادروں کو حوصلہ آزمائی کو موقع ملا، دن بھر ہنگامۂ کارزار گرم رہا، رات کے وقت بھی اس کا سلسلہ جاری رہا، اور اس زور کا رن پڑا کہ نعروں کی گرج سے زمین دہل اٹھتی تھی، اسی مناسبت سے اس رات کو لیلۃ الہریر کہتے ہیں، رستم پامردی اور استقلال کے ساتھ مقابلہ کرتا رہا، لیکن جب زخموں سے چور چور ہوگیا تو بھاگ نکلا اور ایک نہر میں کود پڑا کہ تیر کر نکل جائے۔ ہلال نام ایک سپاہی نے تعاقب کیا اور ٹانگیں پکڑ کر نہر سے باہر کھینچ لایا، پھر تلوار سے کام تمام کردیا رستم کی زندگی کے ساتھ سلطنت ایران کی قسمت کا بھی فیصلہ ہوگیا، ایرانی سپاہیوں کے پاؤں اکھڑ گئے، مسلمانوں نے دور تک تعاقب کرکے ہزاروں لاشیں میدان میں بچھادیں۔

قادسیہ کے معرکوں نے خاندان کسریٰ کی قسمت کا آخری فیصلہ کردیا، مسلمانوں نے قادسیہ سے بڑھ کر آسانی کے ساتھ بابل، کوثی، بہرہ شیر اور خود نوشیروانی دارالحکومت مدائن پر قبضہ کرلیا، ایرانیوں نے مدائن سے نکل کر جلولاء کو اپنا فوجی مرکز قرار دیا اور رستم کے بھائی حرزاد نے اپنے حسن تدبیر سے ایک بڑی زبردست فوج جمع کرلی، سعد نے ہاشم بن عتبہ کو جلولاء کی تسخیر پر مامور کیا، جلولاء چونکہ نہایت مستحکم مقام تھا، اس لیے مہینوں کے محاصرے کے بعد مفتوح ہوا۔

تسخیر عراق کے بعد حضرت عمرؓ کی دلی خواہش تھی کہ جنگ کا سلسلہ منقطع ہوجائے چنانچہ وہ فرمایا کرتے تھے کہ کاش ہمارے اور فارس کے درمیان آگ کا پہاڑ ہوتا کہ نہ وہ ہم پر حملہ کرسکتے نہ ہم ان پر چڑھ کر جاسکتے، لیکن ایرانیوں کو عراق سے نکل جانے کے بعد کسی طرح چین نہیں آتا تھا، چانچہ یزدگرد نے معرکۂ جلولاء کے بعد مرو میں اقامت اختیار کرکے نئے

سرے سے حکومت کے ٹاٹھ لگائے اور تمام ملک میں فرامین ونقیب بھیج کر لوگوں کو عربوں کی مقاومت پر آمادہ کیا۔

حضرت عمرؓ نے نعمان بن مقرن کو تیس ہزار کی جمعیت کے ساتھ اس ایرانی طوفان کو آگے بڑھ کر روکنے کا حکم دیا، نہاوند کے قریب دونوں فوجیں سرگرم پیکار ہوئیں اور اس زور کا رن پڑا کہ قادسیہ کے بعد ایسی خونریز جنگ کوئی نہیں ہوئی تھی، یہاں تک کہ اس جنگ میں خود اسلامی سپہ سالار نعمان شہید ہو گئے، ان کے بھائی نعیم بن مقرن نے علم ہاتھ میں لے کر بدستور جنگ کو جاری رکھا، رات ہوتے ہوتے عجمیوں کے پاؤں اکھڑ گئے، مسلمانوں نے ہمدان تک تعاقب کیا، اس لڑائی میں تقریباً تیس ہزار عجمی قتل ہوئے، نتائج کے لحاظ سے مسلمانوں نے اس کا نام فتح الفتوح رکھا،

5.3 فتوحاتِ شام

ممالک شام میں سے اجنادین، بصری اور دوسرے چھوٹے چھوٹے مقامات عہد صدیقی فتح ہو چکے تھے، حضرت عمرؓ مسند آرائے خلافت ہوئے تو دمشق محاصرہ کی حالت میں تھا، حضرت خالد سیف اللہؓ نے رجب ۱۴ھ میں اپنے خاص حسن تدبیر سے اس کو مسخر کیا۔

رومی دمشق کی شکست سے سخت برہم ہوئے اور ہر طرف سے فوجیں جمع کر کے مقام جیان میں مسلمانوں کے مقابلہ کے لیے جمع ہوئے، مسلمانوں نے ان کے سامنے فحل میں پڑاؤ ڈالا۔ عیسائیوں کی درخواست پر معاذ بن جبل سفیر بن کر گئے، لیکن مصالحت کی کوئی صورت نہ نکلی، آخرکار ذوقعدہ ۱۴ھ میں فحل کے میدان میں نہایت خوفناک معرکے پیش آئے، خصوصاً آخری معرکہ نہایت سخت تھا، لیکن میدان مسلمانوں کے ہاتھ رہا۔

دمشق اور اردن مفتوح ہو جانے کے بعد مسلمانوں نے حمص کا رخ کیا، راہ میں بعلبک حماۃ، شیرز اور معرۃ النعمان فتح کرتے ہوئے حمص پہنچے اور اس کا محاصرہ کر لیا، حمص والوں نے ایک مدت تک مدافعت کرنے کے بعد مصالحت کر لی، ابو عبیدہ سپہ سالار اعظم نے عبادہ بن صامت کو وہاں متعین کر کے لاذقیہ کا رخ کیا اور ایک خاص تدبیر سے اس کے مستحکم قلعوں پر قبضہ کر لیا۔

حمص کی فتح کے بعد اسلامی فوجوں نے خاص ہرقل کے پایہ تخت انطاکیہ کا رخ کیا، لیکن بارگاہ خلافت سے حکم پہنچا کہ اس سال آگے بڑھنے کا ارادہ نہ کیا جائے، اس لیے فوجیں واپس آ گئیں۔

5.4 میدان یرموک:

دمشق، حمص، اور لاذقیہ کی پیہم اور متواتر ہزیمتوں نے قیصر کو سخت برہم کیا اور وہ نہایت جوش و خروش کے ساتھ مسلمانوں کے مقابلہ میں اپنی شہنشاہی کا پورا زور صرف کرنے پر آمادہ ہوا، چنانچہ اس کی کوشش سے انطاکیہ میں فوجوں کا ایک طوفان امنڈ آیا۔

حضرت ابوعبیدہؓ نے اس طوفان کو روکنے کے لیے افسروں سے مشورہ لے کر تمام ممالک مفتوحہ کو خالی کر کے دمشق میں اپنی قوت مجتمع کی اور ذمیوں سے جو کچھ جزیہ وصول کیا گیا تھا سب واپس کر دیا کیونکہ اب مسلمان ان کی حفاظت سے مجبور تھے، اس واقعہ کا عیسائیوں اور یہودیوں پر اس قدر اثر ہوا کہ وہ روتے تھے اور جوش کے ساتھ کہتے تھے کہ خدا تم کو جلد واپس لائے۔

حضرت عمرؓ کو مسلمانوں کے مفتوحہ مقامات سے ہٹ کر چلے آنے کی خبر ملی تو پہلے بہت رنجیدہ ہوئے لیکن جب معلوم ہوا کہ تمام افسروں کی یہی رائے تھی تو فی الجملہ تسلی ہوئی اور فرمایا کہ خدا کی اسی میں مصلحت ہوگی، سعید بن عامرؓ کو ایک ہزار کی جمعیت کے ساتھ مدد کے لیے روانہ کیا۔ اردن کے حدود میں یرموک کا میدان ضروریات جنگ کے لحاظ سے نہایت با موقع تھا، اس لیے اس عظیم الشان کارزار کے لیے اسی میدان کو منتخب کیا گیا، رومیوں کی تعداد دو لاکھ تھی اس کے مقابلہ میں مسلمانوں کی تعداد صرف تیس بتیس ہزار تھی لیکن سب کے سب یگانہ روزگار تھے، اس فوج کی اہمیت کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ تقریباً ایک ہزار بزرگ تھے جنہوں نے رسول اللہ کا جمال مبارک دیکھا تھا اور سو وہ تھے جو غزوۂ بدر میں حضور خیر الانام ﷺ کے ہمرکاب رہ چکے تھے، اسی طرح دوسرے مجاہدین بھی ایسے قبائل سے تعلق رکھتے تھے جو اپنی شجاعت اور سپہ گری میں نظیر نہیں رکھتے تھے۔

یرموک کا پہلا معرکہ بے نتیجہ رہا، پانچویں رجب ۱۵ھ کو دوسرا معرکہ پیش آیا، رومیوں کے جوش کا یہ عالم تھا کہ تیس ہزار آدمیوں نے پاؤں میں بیڑیاں پہن لی تھیں کہ بھاگنے کا خیال تک نہ آئے، ہزاروں پادری اور بشپ ہاتھوں میں صلیب لیے آگے آگے تھے اور حضرت عیسیٰ کا نام لے کر جوش دلاتے تھے، غرض رومیوں نے بڑے جوش سے حملہ کیا، لیکن انجام کار مسلمانوں کی ثابت قدمی اور پامردی کے آگے ان کے پاؤں اکھڑ گئے، تقریباً ایک لاکھ عیسائی قتل ہوئے، مسلمانوں کی طرف تین ہزار کا نقصان ہوا، قیصر کو اس ہزیمت کی خبر ملی تو حسرت و افسوس کے ساتھ شام کو الوداع کہہ کر قسطنطنیہ کی طرف روانہ ہوگیا، حضرت عمرؓ نے مژدۂ فتح سنا تو اسی وقت سجدہ میں گر کر خدا کا شکر ادا کیا۔

oooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooo

فتح یرموک کے بعد اسلامی فوجیں تمام اطرافِ ملک میں پھیل گئیں اور چھوٹے چھوٹے مقامات نہایت آسانی کے ساتھ فتح ہو گئے۔

5.5 بیت المقدس:

فلسطین کی مہم پر حضرت عمرو بن العاصؓ مامور ہوئے تھے انھوں نے نابلس، لد، عمواس، بیت جبرین وغیرہ بڑے شہروں پر قبضہ کر کے ۱۶ھ میں بیت المقدس کا محاصرہ کیا، اس اثنا میں حضرت ابوعبیدہؓ بھی اپنی مہمات سے فارغ ہو کر شریک ہو گئے، عیسائیوں نے کچھ دنوں کی مدافعت کے بعد مصالحت پر آمادگی ظاہر کی اور مزید اطمینان کے لیے خواہش ظاہر کی کہ خود امیر المؤمنین یہاں آئیں اور اپنے ہاتھ سے معاہدہ لکھیں لیکن حضرت عمرؓ کو خبر دی گئی تو انھوں نے اکابر صحابہ سے مشورہ کر کے حضرت علیؓ کو نائب مقرر کیا اور رجب ۱۶ھ میں مدینہ روانہ ہو گئے۔ حضرت عمرؓ نہایت سادگی کے ساتھ مدینہ سے روانہ ہو کر جابیہ پہنچے، یہاں افسروں نے استقبال کیا اور دیر تک قیام کر کے بیت المقدس کا معاہدہ صلح ترتیب دیا، پھر وہاں سے روانہ ہو کر بیت المقدس میں داخل ہوئے، پہلے مسجد تشریف لے گئے، پھر عیسائیوں کے گرجا کی سیر کی۔ نماز کا وقت ہوا تو عیسائیوں نے گرجا میں نماز پڑھنے کی اجازت دی، لیکن حضرت عمرؓ نے اس خیال سے کہ آئندہ نسلیں اس کو حجت قرار دے کر مسیحی معبد میں دست اندازی نہ کریں باہر نکل کر نماز پڑھی۔ بیت المقدس سے واپسی کے وقت حضرت عمر نے تمام ملک کا دورہ کیا، سرحدوں کا معائنہ کر کے ملک کی حفاظت کا انتظام کیا اور بخیر وخوبی مدینہ تشریف لائے۔

5.6 فتوحاتِ مصر:

حضرت عمرو بن العاصؓ نے اصرار کے ساتھ فاروق اعظمؓ سے اجازت لے کر چار ہزار فوج کے ساتھ مصر پر حملہ کیا، اور فرما، بلبیس، ام دنین وغیرہ کو فتح کرتے ہوئے فسطاط کے قلعہ کا محاصرہ کر لیا اور حضرت عمرؓ کو امدادی فوج کے لیے لکھا، انھوں نے دس ہزار فوج اور چار افسر بھیجے، افسروں کے نام یہ ہیں، زبیر بن العوامؓ، عبادہ بن صامتؓ، مقداد بن عمرؓ، مسلمہ بن مخلدؓ، حضرت عمرو بن عاصؓ نے حضرت زبیرؓ کو ان کے رتبہ کے لحاظ سے افسر بنایا، سات مہینے کے بعد حضرت زبیرؓ کی غیر معمولی شجاعت سے قلعہ مسخر ہوا، وہاں سے فوجیں اسکندریہ کی طرف بڑھیں، مقام کریون میں ایک سخت جنگ ہوئی۔ یہاں بھی عیسائیوں کو شکست ہوئی اور مسلمانوں نے اسکندریہ پہنچ کر دم لیا اور ایک عرصہ کے محاصرہ کے بعد اس کو بھی فتح کر لیا، حضرت عمرؓ نے مژدہ فتح سنا تو سجدہ میں گر پڑے اور خدا کا شکر ادا کیا (16) فتح اسکندریہ کے بعد تمام مصر پر اسلام کا سکہ بیٹھ گیا اور بہت

سے قبطی برضا و رغبت حلقہ بگوش اسلام ہوئے۔

5.7 شہادت

مغیرہ بن شعبہؓ کے ایک پارسی غلام فیروز نامی نے جس کی کنیت ابولولو تھی حضرت عمرؓ سے اپنے آقا کے بھاری محصول مقرر کرنے کی شکایت کی چونکہ شکایت بے جا تھی، اس لیے حضرت عمرؓ نے توجہ نہ کی، اس پر وہ سخت ناراض ہوا، اور صبح کی نماز میں خنجر لے کر اچانک حملہ کر دیا اور متواتر چھ وار کیے، حضرت عمرؓ زخم سے گر پڑے اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے نماز پڑھائی۔

حضرت عمرؓ کو اس حادثہ میں ایسا زخم کاری لگا تھا کہ اس سے جانبر نہ ہو سکے، لوگوں کے اصرار سے انھوں نے چھ شخصوں کو منصبِ خلافت کے لیے نامزد کیا۔ ان میں سے کسی کو اس منصب کے لیے منتخب کر لیا جائے، ان لوگوں کے نام یہ ہیں، علیؓ، عثمانؓ، زبیرؓ، طلحہؓ، سعد وقاصؓ، عبدالرحمٰن بن عوفؓ، اس مرحلہ سے فارغ ہونے کے بعد حضرت عائشہؓ سے رسول اللہ ﷺ کے پہلو میں مدفون ہونے کی اجازت لی۔

مہاجرین، انصار، اعراب اور اہل ذمہ کے حقوق کی طرف توجہ دلائی، اس کے بعد اپنے صاحبزادہ عبداللہ کو وصیت کی مجھ پر جس قدر قرض ہو اگر وہ میرے متروک مال سے ادا ہو سکے تو بہتر ہے، ورنہ خاندانِ عدی سے درخواست کرنا اور اگر ان سے نہ ہو سکے تو کل قریش سے، لیکن قریش کے سوا اور کسی کو تکلیف نہ دینا، غرض اسلام کا سب سے بڑا ہیرو ہر قسم کی ضروری وصیتوں کے بعد تین دن بیمار رہ کر محرم کی پہلی تاریخ، ہفتہ کے دن ۲۴ ہجری میں واصلِ بحق ہوا اور اپنے محبوب آقا ﷺ کے پہلو میں ہمیشہ کے لیے میٹھی نیند سو رہا۔

5.8 ازواج اولاد:

حضرت عمرؓ نے مختلف اوقات میں متعدد نکاح کیے ان کے ازواج کی تفصیل یہ ہے: زینب ہمشیرہ عثمان بن مظعون مکہ میں مسلمان ہو کر مریں۔ قریبہ بنت ابی امیۃ المخزومی، مشرکہ ہونے کے باعث ان کو طلاق دے دی تھی، ملیکہ بنت جرول، مشرکہ ہونے کی وجہ سے ان کو بھی طلاق دے دی، جمیلہ کسی وجہ سے ان کو بھی طلاق دے دی، عاتکہ بنت زیدان کا نکاح پہلے عبداللہ بن ابی بکرؓ سے ہوا تھا پھر حضرت عمرؓ کے نکاح میں آئیں، ام کلثوم، رسول اللہ کی نواسی اور حضرت فاطمہؓ کی بیٹی تھیں، حضرت عمرؓ نے خاندانِ نبوت سے تعلق پیدا کرنے کے لیے ۱۷ھ میں چالیس ہزار مہر پر نکاح کیا۔ حضرت عمرؓ کی اولاد میں

حضرت حفصہؓ اس لحاظ سے سب سے ممتاز ہیں کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے ازواج مطہرات میں داخل تھیں، حضرت عمرؓ نے اپنی کنیت بھی ان ہی کے نام پر رکھی تھی، اولاد ذکور کے نام یہ ہیں۔ عبداللہ، عبیداللہ، عاصم، ابوشحمہ، عبدالرحمٰن، زید، مجیر، ان سب میں عبداللہ، عبیداللہ اور عاصم اپنے علم و فضل اور مخصوص اوصاف کے لحاظ سے نہایت مشہور ہیں (17)

6۔ عہد فاروقی کا نظام سلطنت

6.1 شورائیت:

حضرت عمرؓ کی خلافت شورائی طرز حکومت تھی یعنی تمام ملکی وقومی مسائل مجلس شوریٰ میں پیش ہو کر طے پاتے تھے، اور بحث و مباحثہ کے بعد اتفاق آراء یا کثرت رائے سے تمام امور کا فیصلہ کرتے تھے، اس مجلس کے ممتاز اور مشہور ارکان یہ ہیں، حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ، حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ، حضرت معاذ بن جبلؓ، حضرت ابی بن کعبؓ، حضرت زید بن ثابتؓ۔ مجلس شوریٰ کے علاوہ ایک مجلس عام بھی تھی جس میں مہاجرین وانصار کے علاوہ تمام سرداران قبائل شریک ہوتے تھے، یہ مجلس عموماً نہایت اہم امور کے پیش آ جانے پر طلب کی جاتی تھی ورنہ روزمرہ کے کاروبار میں مجالس شوریٰ کا فیصلہ کافی ہوتا تھا، ان دونوں مجلسوں کے سوا ایک تیسری مجلس بھی تھی جس کو ہم مجلس خاص کہہ سکتے ہیں، اس میں صرف مہاجرین صحابہ شریک ہوتے تھے۔

مجلس شوریٰ کے انعقاد کا عام طریقہ یہ تھا کہ منادی ''الصلوٰۃ جامعۃ'' کا اعلان کرتا تھا لوگ مسجد میں جمع ہو جاتے تھے تو حضرت عمرؓ دو رکعت نماز پڑھ کر مسئلہ بحث طلب کے متعلق مفصل خطبہ دیتے تھے، اس کے بعد ہر ایک کی رائے دریافت کرتے تھے۔

6.2 صوبوں اور ضلعوں کی تقسیم:

نظام حکومت میں سب سے پہلا کام ملک کا صوبوں اور ضلعوں میں تقسیم کرنا ہے، اسلام میں سب سے پہلے حضرت عمرؓ نے اس کی ابتداء کی اور تمام ممالک مفتوحہ کو آٹھ صوبوں پر تقسیم کیا، مکہ، مدینہ، شام، جزیرہ، بصرہ، کوفہ، مصر، فلسطین، ان

صوبوں کے علاوہ تین صوبے اور تھے۔ خراسان، آذربائیجان، فارس ہر صوبہ میں مفصلۂ ذیل بڑے بڑے عہدہ دار رہتے تھے۔ والی یعنی حاکمِ صوبہ، کاتب یعنی میر منشی، کاتب دیوان، یعنی فوجی محکمہ کا میر منشی، صاحب الخراج یعنی کلکٹر، صاحب احداث یعنی افسرِ پولیس، صاحب بیت المال یعنی افسرِ خزانہ، قاضی یعنی جج، چنانچہ کوفہ میں عمار بن یاسرؓ والی عثمان بن حنیف کلکٹر، عبداللہ بن مسعودؓ افسرِ خزانہ، شریح قاضی، عبداللہ بن الخزاعی کاتب دیوان تھے۔

بڑے بڑے عہدہ داروں کا انتخاب عموماً مجلس شوریٰ میں ہوتا تھا، حضرت عمرؓ کسی لائق راستباز اور متدین شخص کا نام پیش کرتے تھے اور چونکہ حضرت عمرؓ میں فطری طور پر جوہر شناسی کا مادہ ودیعت کیا گیا تھا، اس لیے ارباب مجلس عموماً ان کے حسنِ انتخاب کو پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھتے تھے اور اس شخص کے تقرر پر اتفاق رائے کر لیتے تھے، چنانچہ نہاوند کی عظیم الشان مہم کے لیے نعمان بن مقرن کا اسی طریقہ سے انتخاب ہوا تھا۔

6.3 احتساب:

خلیفۂ وقت کا سب سے بڑا فرض حکام کی نگرانی اور تمام قوم کے اخلاق وعادات کی حفاظت ہے، حضرت عمرؓ اس فرض کو نہایت اہتمام کے ساتھ انجام دیتے تھے، وہ اپنے ہر عامل سے عہد لیتے تھے کہ ترکی گھوڑے پر سوار نہ ہوگا، باریک کپڑے نہ پہنے گا، چھنا ہوا آٹا نہ کھائے گا، دروازے پر دربان نہ رکھے گا، اہل حاجت کے لیے دروازہ ہمیشہ کھلا رہے گا۔ اسی کے ساتھ اس کے مال واسباب کی فہرست تیار کرا کے محفوظ رکھتے تھے اور جب کبھی کسی عامل کی مالی حالت میں غیر معمولی ترقی ہوتی تھی تو جائزہ لے کر آدھا مال بٹا لیتے تھے۔ اور بیت المال میں داخل کر لیتے تھے۔

حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ جو بصرہ کے گورنر تھے ان کی شکایتیں گذریں کہ "انھوں نے اسیرانِ جنگ میں سے ساٹھ رئیس زادے منتخب کر کے اپنے لیے رکھ چھوڑے ہیں، دوسری شکایت یہ تھی کہ انھوں نے کاروبارِ حکومت زیاد بن سفیان کے سپرد کر رکھا ہے، تیسری شکایت یہ تھی کہ ان کے پاس ایک لونڈی ہے جس کو نہایت اعلیٰ درجہ کی غذا بہم پہنچائی جاتی ہے۔ حالانکہ عام مسلمانوں کو اس قسم کی غذا میسر نہیں آ سکتی" حضرت عمرؓ نے ابوموسیٰ اشعری سے مواخذہ کیا تو انھوں نے دو اعتراضوں کا تشفی بخش جواب دیا، لیکن تیسری شکایت کا کچھ جواب نہ دے سکے، چنانچہ لونڈی ان کے پاس سے لے لی گئی۔

حضرت سعد بن وقاصؓ نے کوفہ میں ایک محل تعمیر کرایا جس میں ڈیوڑھی تھی، حضرت عمرؓ نے اس خیال سے کہ اس سے

اہل حاجت کو روکا جاتا تھا۔ حضرت عمرؓ نے محمد بن مسلمہ کو حکم دیا کہ جا کر ڈیوڑھی میں آگ لگا دیں، چنانچہ اس حکم کی پوری تعمیل ہوئی اور سعد خاموشی سے دیکھتے رہے۔

عیاض بن غنم عامل مصر کی نسبت شکایت پہنچی کہ وہ باریک کپڑے پہنتے ہیں اور ان کے دروازہ پر دربان مقرر ہے، حضرت عمرؓ نے محمد بن مسلمہ کو تحقیقات پر مامور کیا۔ محمد بن مسلمہ نے مصر پہنچ کر دیکھا تو واقعی دروازہ پر دربان تھا اور عیاض باریک کپڑے پہنے تھے، اسی ہیئت اور لباس میں ساتھ لے کر مدینہ آئے۔ حضرت عمرؓ نے ان کا باریک کپڑا اتروایا اور بالوں کا کرتا پہنا کر جنگل میں بکری چرانے کا حکم دیا۔ عیاض کو انکار کی مجال نہ تھی مگر بار بار کہتے تھے کہ اس سے مر جانا بہتر ہے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ یہ تو تمہارا آبائی پیشہ ہے۔ اس میں عار کیوں ہے؟ غرض عیاض نے دل سے توبہ کی اور جب تک زندہ رہے، اپنے فرائض نہایت خوش اسلوبی سے انجام دیتے رہے۔

6.4 محکمہ پولیس:

ملک میں امن و امان قائم کرنے کے لیے حضرت عمرؓ نے ایک مستقل محکمہ پولیس کا قائم کیا، اس کے افسر کا نام صاحب الاحداث تھا، حضرت ابو ہریرہؓ کو بحرین کا صاحب الاحداث بنایا تو ان کو خاص طور پر ہدایت کی کہ امن و امان قائم رکھنے کے علاوہ احتساب کی خدمت بھی انجام دیں، احتساب کے متعلق جو کام ہیں مثلاً دوکاندار ناپ تول میں کمی نہ کریں، کوئی شخص شاہراہ پر مکان نہ بنائے، جانوروں پر زیادہ بوجھ نہ لادا جائے، شراب علانیہ نہ بکنے پائے وغیرہ۔ ان تمام امور کا کافی انتظام تھا اور صاحبان احداث (افسران پولیس) اس خدمت کو بھی انجام دیتے تھے۔ عہد فاروقی سے پہلے عرب میں جیلخانوں کا نام ونشان نہ تھا۔ حضرت عمرؓ نے اول مکہ معظمہ میں صفوان بن امیہ کا مکان چار ہزار درہم پر خریدا اور اس کو جیلخانہ بنایا، پھر اور اضلاع میں بھی جیلخانے بنوائے۔ جلاوطنی کی سزا بھی حضرت عمرؓ ہی کی ایجاد ہے، چنانچہ ابو محجن ثقفی کو بار بار شراب پینے کے جرم میں ایک جزیرہ میں جلاوطن کر دیا تھا۔

6.5 بیت المال:

خلافت فاروقی سے پہلے مستقل خزانہ کا وجود نہ تھا، بلکہ جو کچھ آتا اسی وقت تقسیم کر دیا جاتا تھا۔ ابن سعد کی ایک روایت سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت ابو بکرؓ نے ایک مکان بیت المال کے لیے خاص کر لیا تھا لیکن وہ ہمیشہ بند پڑا رہتا تھا، اور

اس میں کچھ داخل کرنے کی نوبت ہی نہیں آتی تھی، چنانچہ ان کی وفات کے وقت بیت المال کا جائزہ لیا گیا تو صرف ایک درہم نکلا۔ حضرت عمرؓ نے تقریباً ۱۵ھ میں ایک مستقل خزانہ کی ضرورت محسوس کی اور مجلس شوریٰ کی منظوری کے بعد مدینہ منورہ میں بہت بڑا خزانہ قائم کیا، دارالخلافہ کے علاوہ تمام اضلاع اور صوبہ جات میں بھی اس کی شاخیں قائم کی گئیں اور ہر جگہ اس محکمہ کے افسر جداگانہ مقرر ہوئے، مثلاً اصفہان میں خالد بن حارث اور کوفہ میں عبداللہ بن مسعودؓ خاص خزانہ کے افسر تھے۔ صوبجات اور اضلاع کے بیت المال میں جس قدر رقم ہو جاتی تھی وہ وہاں کے سالانہ مصارف کے بعد اختتام سال پر صدر خزانہ یعنی مدینہ منورہ کے بیت المال میں منتقل کر دی جاتی تھی، صدر بیت المال کی اہمیت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ دارالخلافہ کے باشندوں کی جو تنخواہیں اور وظائف مقرر تھے صرف اس کی تعداد سالانہ تین کروڑ درہم تھی۔ بیت المال کے حساب کتاب کے لیے مختلف رجسٹر بنائے، نیز اس وقت تک کسی مستقل سن کا عرب میں رواج نہ تھا۔ حضرت عمرؓ نے ۱۶ھ میں سنہ ایجاد کر کے یہ کمی بھی پوری کر دی۔

6.6 تعمیرات:

اسلام کا دائرہ جس قدر وسیع ہوتا گیا، اسی قدر تعمیرات کا کام بھی بڑھتا گیا، حضرت عمرؓ کے عہد میں اس کے لیے کوئی مستقل صیغہ نہ تھا، تاہم صوبہ جات کے عمال اور حکام کی نگرانی میں تعمیرات کا کام نہایت منتظم اور وسیع طور پر جاری تھا، ہر جگہ حکام کے بود و باش کے لیے سرکاری عمارتیں تیار ہوئیں، رفاہِ عام کے لیے سڑک، پل اور مسجدیں تعمیر کی گئیں، فوجی ضروریات کے لحاظ سے قلعے، چھاؤنیاں اور بارکیں تعمیر ہوئیں، مسافروں کے لیے مہمان خانے بنائے گئے، خزانہ کی حفاظت کے لیے بیت المال کی عمارتیں تیار ہوئیں، حضرت عمرؓ تعمیرات کے باب میں نہایت کفایت شعار تھے، لیکن وہ بیت المال کی عمارتیں عموماً شاندار اور مستحکم بنواتے تھے۔ چنانچہ کوفہ کے بیت لمال کو روز بہ نامی ایک مشہور مجوسی معمار نے بنایا تھا اور اس میں خسروانِ فارس کی عمارت کا مسالہ استعمال کیا گیا تھا۔

مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ میں جو خاص باہمی تعلق ہے اس کے لحاظ سے ضروری تھا کہ ان دونوں شہروں کے درمیانی فاصلے کو سہل اور آرام دہ بنا دیا جائے۔ حضرت عمرؓ نے ۱۷ھ میں اس کی طرف توجہ کی اور مدینہ سے لے کر مکہ تک ہر ہر منزل پر چوکیاں، سرائیں، اور چشمے تیار کرائے

6.7 نئے شہروں کی آباد کاری:

مسلمان جب عرب کی گھاٹیوں سے نکل کر شام وایران کے چمن زار میں پہنچے تو ان کو یہ ممالک ایسے خوش آئیند نظر آئے کہ انھوں نے وطن کو خیر باد کہہ کر یہیں طرح اقامت ڈال دی اور نہایت کثرت سے نو آبادیاں قائم کیں، حضرت عمرؓ کے عہد میں جو جو شہر آباد ہوئے ان کی ایک اجمالی فہرست درجِ ذیل ہے۔

i) بصرہ:

۱۴ھ میں عتبہ بن غزوان نے حضرت عمرؓ کے حکم سے اس شہر کو بسایا تھا، ابتدا میں صرف آٹھ سو آدمیوں نے یہاں سکونت اختیار کی لیکن اس کی آبادی بہت جلد ترقی کر گئی۔ یہاں تک کہ زیاد بن سفیان کے عہدِ حکومت میں صرف ان لوگوں کی تعداد جن کے نام فوجی رجسٹر میں درج تھے اسی ہزار اور ان کی آل اولاد ایک لاکھ بیس ہزار تھی۔ بصرہ اپنی علمی خصوصیات کے لحاظ سے مسلمانوں کا مایۂ ناز شہر رہا ہے۔

ii) کوفہ:

حضرت سعد بن وقاصؓ نے امیر المؤمنین کے حکم سے قدیم فرماں روائے عراق عرب کے پایۂ تخت کو آباد کیا۔ چالیس ہزار آدمیوں کی آبادی کے لائق مکانات بنوائے گئے۔ حضرت عمرؓ نے اس شہر کے بسانے میں غیر معمولی دلچسپی ظاہر کی تھی، یہاں تک کہ شہر کی وضع اور ساخت کے متعلق بھی خود ہی ایک یادداشت لکھ بھیجی تھی۔ اس میں حکم تھا کہ شارع ہائے عام چالیس چالیس ہاتھ چوڑی ہوں اور اس کے گھٹ کر ۳۰، ۳۰ ہاتھ اور ۲۰، ۲۰ ہاتھ رکھی جائیں۔ جامع مسجد کی عمارت اس قدر وسیع بنائی گئی تھی کہ اس میں چالیس ہزار آدمی آسانی سے نماز ادا کر سکتے تھے۔ مسجد کے سامنے دو سو ہاتھ لمبا ایک وسیع سائبان تھا اور سنگِ رخام کے ستونوں پر قائم کیا گیا تھا۔ یہ شہر حضرت عمرؓ ہی کے عہد میں اس عظمت وشان کو پہنچ چکا تھا کہ وہ اس کو راس اسلام فرمایا کرتے تھے علمی حیثیت سے بھی ہمیشہ ممتاز رہا ہے۔ امام نخعی، حماد، امام ابو حنیفہ اور امام شعبی اسی معدن کے لعل و گہر تھے۔

iii) فسطاط:

دریائے نیل اور جبلِ مقطم کے درمیان ایک میدان تھا۔ حضرت عمرو بن العاصؓ فاتحِ مصر نے اثنائے جنگ میں یہاں پڑاؤ

گیا، اتفاق سے ایک کبوتر نے ان کے خیمہ میں گھونسلا بنالیا، عمرو بن العاص نے کوچ کے وقت قصداً اس خیمہ کو چھوڑ دیا کہ اس مہمان کو تکلیف نہ ہو۔ مصر کی کامل تسخیر کے بعد انھوں نے حضرت عمرؓ کے حکم سے اسی میدان میں ایک شہر آباد کیا چونکہ خیمہ کو عربی میں فسطاط کہتے ہیں۔ اس لیے اس شہر کا نام فسطاط قرار پایا۔ فسطاط نے بہت جلد ترقی کرلی اور تمام مصر کا صدر مقام ہو گیا۔

iv) موصل:

پہلے ایک گاؤں کی حیثیت رکھتا تھا۔ حضرت عمرؓ نے اس عظیم الشان شہر کی ہرثمہ بن عرفجہ نے بنیاد رکھی اور ایک جامع مسجد تیار کرائی اور چونکہ یہ مشرق ومغرب کو باہم پیوست کرتا ہے اس لیے اس کا نام موصل رکھا گیا۔

v) جیزہ:

فتح اسکندریہ کے بعد عمروؓ بن العاص نے اس خیال سے کہ رومی دریا کی طرف سے حملہ نہ کرنے پائیں، تھوڑی سی فوج لب ساحل مقرر کر دی تھی۔ ان لوگوں کو دریا کا منظر ایسا پسند آ گیا کہ وہاں سے ہٹائے نہ ہٹے۔ حضرت عمرؓ نے ان لوگوں کی حفاظت کے لیے ۲۱ھ میں ایک قلعہ تعمیر کرادیا اور اس وقت سے یہاں ایک مستقل نوآبادی کی صورت پیدا ہوگئی۔

6.8 فوجی انتظامات:

اسلام جب رومن امپائر سے بھی زیادہ وسیع سلطنت کا مالک ہوگیا اور قیصر وکسریٰ کے عظیم الشان ممالک اس کے ورثہ بن گئے تو اس کو ایک منتظم اور با اصول فوجی سسٹم کی ضرورت محسوس ہوئی، حضرت عمرؓ نے اس کی طرف توجہ کی اور انھوں نے تمام ملک کو فوج بنانا چاہا، لیکن چونکہ ابتداء میں ایسی تعمیم ممکن نہ تھی، اس لیے پہلے قریش اور انصار سے آغاز ہوا اور مخرمہ بن نوفلؓ، جبیر بن مطعمؓ، عقیلؓ بن ابی طالب، کے متعلق یہ خدمت سپرد کی گئی کہ قریش وانصار کا ایک رجسٹر تیار کریں جس میں ہر شخص کا نام ونسب تفصیل سے درج ہو، غرض حضرت عمرؓ کی ہدایت کے مطابق رجسٹر تیار ہوا اور حسب حیثیت تنخواہیں مقرر ہوئیں، نیز ان کی بیوی بچوں کے گزارے کے لیے وظائف مقرر ہوئے، چنانچہ مہاجرین اور انصار کی بیویوں کی تنخواہ ۲۰۰ سے ۴۰۰ درہم تک اور اہل بدر کی اولاد ذکور کی تنخواہ دو ہزار درہم سالانہ مقرر ہوئی، اس موقع پر قابل لحاظ امر یہ ہے کہ جن لوگوں کی جو تنخواہیں مقرر ہوئی ان کے غلاموں کی بھی وہی تنخواہ مقرر ہوئی، اس سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ فاروق اعظم نے

مساوات کا کیسا سبق سکھایا تھا۔

حضرت عمرؓ نے کچھ دنوں کے بعد اس نظام کو قریش و انصار سے وسعت دے کر تمام قبائل عرب میں عام کر دیا۔ کل ملک کی مردم شماری کی گئی اور ہر ایک عربی النسل کی علی قدر مراتب تنخواہ مقرر ہوئی، یہاں تک کہ شیر خوار بچوں کے لیے بھی وظائف کا قاعدہ جاری کیا گیا۔ گویا عرب کا ہر ایک بچہ اپنے یوم ولادت ہی سے اسلامی فوج کا ایک سپاہی تصور کر لیا جاتا تھا۔

حضرت عمرؓ کو فوج کی تربیت کا بہت خیال تھا، انھوں نے نہایت تاکیدی احکام جاری کیے تھے کہ ممالک مفتوحہ میں کوئی شخص زراعت یا تجارت کا شغل اختیار نہ کرنے پائے کیونکہ اس سے ان کے سپاہیانہ جوہر کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ تھا، سرد اور گرم ممالک پر حملہ کرتے وقت موسم کا بھی خاص لحاظ رکھا جاتا تھا کہ فوج کی صحت اور تندرستی کو نقصان نہ پہنچے۔

قواعد کے متعلق حضرت عمرؓ چار چیزوں کے سیکھنے کی سخت تاکید کرتے، تیرنا، گھوڑے دوڑانا، تیر لگانا، اور ننگے پاؤں چلنا۔ ہر چار مہینے کے بعد سپاہیوں کو رخصت دی جاتی تھی کہ وطن جا کر اپنے اہل وعیال سے ملیں۔ چنانچہ ایک بار اس میں تاخیر ہوئی تو فوج خود واپس چلی آئی۔ جفاکشی کے خیال سے حکم تھا کہ اہل فوج رکاب کے سہارے سے سوار نہ ہوں، نرم کپڑے نہ پہنیں، دھوپ کھانا نہ چھوڑیں، حماموں میں نہ نہائیں۔

موسم بہار میں فوجیں عموماً سرسبز وشاداب مقامات میں بھیج دی جاتی تھی۔ اسی طرح بارکوں اور چھاؤنیوں کے بنانے میں ہمیشہ عمدہ آب وہوا کا لحاظ رکھا جاتا تھا۔ کوچ کی حالت میں حکم تھا کہ فوج جمعہ کے دن مقام کرے اور ایک شب و روز قیام رکھے کہ لوگ دم لے لیں۔

حضرت عمرؓ نے حسب ذیل مقامات کو فوجی مرکز قرار دیا تھا، مدینہ، کوفہ، بصرہ، موصل، فسطاط، دمشق، حمص، اردن، فلسطین، ان مقامات کے علاوہ تمام اضلاع میں فوجی بارکیں اور چھاؤنیاں تھیں، جہاں تھوڑی تھوڑی فوج ہمیشہ متعین رہتی تھی۔

7۔ مذہبی خدمات

مذہبی خدمات سلسلہ میں سب سے بڑا کام اشاعتِ اسلام ہے۔ حضرت عمرؓ کو اس میں بہت انہماک تھا۔ حکام کو ہدایت تھی کہ جنگ سے پہلے لوگوں کو محاسن اسلام دکھا کر شریعت کی دعوت دی جائے۔ اس کے علاوہ انھوں نے تمام مسلمانوں کو اپنی تربیت اور ارشاد سے اسلامی اخلاق کا مجسم نمونہ بنا دیا تھا، وہ جس طرف گذر جاتے تھے لوگ ان کی اخلاقی تفوق کو دیکھ کر خود بخود اسلام کے گرویدہ ہو جاتے تھے، رومی سفیر اسلامی کیمپ میں آیا تو سالار فوج کی سادگی اور بے تکلفی دیکھ کر خود بخود اس کا دل اسلام کی طرف کھنچ آیا اور وہ مسلمان ہو گیا۔ مصر کا ایک رئیس مسلمانوں کے حالات ہی سن کر اسلام کا گرویدہ ہوا اور آخر دو ہزار کی جمیعت کے ساتھ مسلمان ہو گیا۔

عربی قبائل جو عراق و شام میں آباد ہو گئے تھے وہ نسبتہً آسانی کے ساتھ اسلام کی طرف مائل کیے جا سکتے تھے۔ حضرت عمرؓ کو ان لوگوں میں تبلیغ کا خاص خیال تھا۔ چنانچہ اکثر قبائل معمولی کوشش سے حلقہ بگوشِ اسلام ہو گئے۔ مسلمانوں کے فتوحات نے بھی بہت سے لوگوں کو اسلام کی صداقت کا یقین دلا دیا۔ چنانچہ معرکہ قادسیہ کے بعد ویلم کی چار ہزار عجمی فوج نے خوشی سے اسلام قبول کر لیا، اسی طرح فتح جلولاء کے بعد بہت سے رؤسا، برضا و رغبت مسلمان ہو گئے جن میں بعض کے نام یہ ہیں، جمیل بن بصیری، بسطام بن ترسی، رفیل فیروزان۔ عراق کی طرح شام و مصر میں بھی نہایت کثرت سے لوگ مسلمان ہو گئے تھے۔ فسطاط میں ایک بڑا محلہ نو مسلمانوں سے آباد کیا گیا تھا۔ غرض حضرت عمرؓ کے عہد میں نہایت کثرت سے اسلام پھیل گیا تھا۔ صرف یہی نہیں بلکہ انھوں نے دین حنیف کی آئندہ اشاعت کے لیے راستہ بھی صاف کر دیا تھا۔

7.1 قرآن حکیم کی تعلیم و اشاعت:

اشاعت اسلام کے بعد سب سے بڑا کام خود مسلمانوں کی مذہبی تعلیم و تلقین اور شعار اسلامی کو رواج عام دینا تھا۔ اس کے متعلق حضرت عمرؓ کے مساعی کا سلسلہ حضرت ابوبکرؓ ہی کے عہد سے شروع ہوتا ہے یعنی قرآن مجید جو اساس اسلام ہے حضرت عمرؓ کے اصرار سے عہد صدیقی میں مرتب کیا گیا تھا۔ اس کے بعد انھوں نے اپنے عہد میں اس کے درس و تدریس کا

رواج دیا۔ معلمین اور حفاظ اور مؤذنوں کی تنخواہیں مقرر کیں۔ حضرت عبادہ بن الصامتؓ، حضرت معاذ بن جبلؓ، اور حضرت ابوالدرداؓ کو جو حفاظِ قرآن اور صحابۂ کبار میں سے تھے، قرآن مجید کی تعلیم دینے کے لیے ملک شام میں روانہ کیا۔ قرآن شریف کو صحت کے ساتھ پڑھنے پڑھانے کے لیے تاکیدی احکام روانہ کیے۔ ابن الانباری کی روایت کے مطابق ایک حکمنامہ کے الفاظ یہ ہیں:

تعلموا اعراب القرآن کما تعلمون حفظه

غرض حضرت عمرؓ کے مساعی جمیلہ سے قرآن کی تعلیم ایسی عام ہو گئی تھی، کہ ناظرہ خوانوں کا تو شمار نہیں حافظوں کی تعداد بھی ہزاروں تک پہنچ گئی تھی، چنانچہ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ نے ایک خط کے جواب میں لکھا تھا کہ "صرف میری فوج میں تین سو حفاظ ہیں۔

7.2 حدیث نبوی:

اصولِ اسلام میں قرآن کے بعد حدیث کا رتبہ ہے، حضرت عمرؓ نے اس کے متعلق جو خدمات انجام دیں ان کی تفصیل یہ ہے:

احادیث نبوی کو نقل کرا کے حکام کے پاس روانہ کیا کہ عام طور پر اس کی اشاعت ہو، مشاہیر صحابہ کو مختلف ممالک میں حدیث کی تعلیم کے لیے بھیجا، چنانچہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کو ایک جماعت کے ساتھ کوفہ روانہ کیا، اسی طرح عبداللہ بن مغفل، عمران بن حصین اور معقل بن یسار کو بصرہ بھیجا، حضرت عبادہ بن الصامتؓ اور حضرت ابوالدرداؓ کو شام کی طرف روانہ کیا۔

اگرچہ محدثین کے نزدیک تمام صحابہ عدول ہیں لیکن حضرت عمرؓ اس نکتہ سے واقف تھے کہ جو چیزیں خصائص بشری ہیں ان سے کوئی زمانہ مستثنیٰ نہیں ہو سکتا، چنانچہ انھوں نے روایت قبول کرنے میں نہایت چھان بین اور احتیاط سے کام لیا، ایک دفعہ حضرت عمرؓ کسی کام میں مشغول تھے حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ آئے اور تین دفعہ سلام کر کے واپس چلے گئے، حضرت عمرؓ کام سے فارغ ہوئے تو ابو موسیٰؓ کو بلا کر دریافت کیا کہ تم واپس کیوں چلے گئے تھے، انھوں نے جواب دیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ تین دفعہ اذن مانگو اگر اس پر بھی اجازت نہ ملے تو واپس جاؤ حضرت عمرؓ نے فرمایا اس روایت کا ثبوت دو ورنہ میں تم کو سزا دوں گا، حضرت ابوموسیٰ نے حضرت سعیدؓ کو شہادت میں پیش کیا۔ حضرت عباسؓ کے مقدمہ میں ایک حدیث پیش کی گئی تو حضرت عمرؓ نے تائیدی ثبوت طلب کیا۔

جب لوگوں نے تصدیق کی تو فرمایا مجھ کو تم سے بدگمانی نہ تھی بلکہ صرف اطمینان مقصود تھا۔

حضرت عمرؓ لوگوں کو کثرت روایت سے بھی نہایت سختی کے ساتھ منع فرماتے تھے۔ چنانچہ جب قرظہ بن کعب کو عراق کی طرف روانہ کیا تو خود دور تک ساتھ گئے اور سمجھایا کہ دیکھو تم ایسے ملک میں جاتے ہو۔ جہاں قرآن کی آواز گونج رہی ہے ایسا نہ ہو کہ تم ان کی توجہ کو قرآن سے ہٹا کر احادیث کی طرف مبذول کرادو۔ حضرت ابوہریرہ نہایت کثرت سے روایتیں بیان کرتے تھے۔ ایک دفعہ لوگوں نے ان سے پوچھا کہ آپ حضرت عمرؓ کے عہد میں بھی اس طرح روایت کر سکتے تھے؟ انھوں نے کہا کہ اگر اس زمانہ میں ایسا کرتا تو دُرے کھاتا۔

8۔ حضرت عمر فاروقؓ کی سیرت

8.1 عدل وانصاف:

خلافت فاروقی کا سب سے نمایاں وصف عدل وانصاف ہے، ان کے عہد میں بال برابر بھی انصاف سے تجاوز نہیں ہوا، اور شاہ وگدا، شریف ورذیل، عزیز وبیگانہ سب کے لیے ایک ہی قانون تھا، ایک دفعہ عمرو بن العاصؓ کے صاحبزادے عبداللہ نے ایک شخص کو بے وجہ مارا، حضرت عمرؓ نے اسی مضروب سے ان کے کوڑے لگوائے، عمرو بن العاصؓ بھی موجود تھے، دونوں باپ بیٹے خاموشی سے عبرت کا تماشا دیکھتے گیے اور دم نہ مار سکے۔ جبلہ بن ایہم رئیس شام نے کعبہ کے طواف میں ایک شخص کو طمانچہ مارا اس نے بھی برابر کا جواب دیا، جبلہ نے حضرت عمرؓ سے شکایت کی تو انھوں نے جواب دیا کہ جیسا کیا ویسا پایا، جبلہ کو اس جواب سے حیرت ہوئی اور مرتد ہو کر قسطنطنیہ بھاگ گیا۔

حضرت عمرؓ نے لوگوں کی تنخواہیں مقرر کیں تو اسامہ بن زیدؓ جو پہلے غلام تھے ان کی تنخواہ اپنے بیٹے عبداللہؓ سے زیادہ مقرر کی، عبداللہؓ نے عذر کیا۔ واللہ اسامہ کسی بات میں ہم سے فائق نہیں ہیں۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ ہاں لیکن رسول اللہؐ اسامہ کو تجھ سے زیادہ عزیز رکھتے تھے۔

فاروقی عدل وانصاف کا دائرہ مسلمانوں تک محدود نہ تھا بلکہ ان کا ایوان عدل مسلمان، یہودی، عیسائی، سب کے

لیے یکساں تھا، قبیلہء بکر بن وائل کے ایک شخص نے حیرہ کے ایک عیسائی کو مار ڈالا، حضرت عمرؓ نے لکھا کہ قاتل وارثان مقتول کے حوالہ کر دیا جائے، چنانچہ وہ شخص مقتول کے وارث کو جس کا نام حنین تھا سپرد کر دیا گیا اور اس نے اس کو قتل کر ڈالا۔ ایک دفعہ حضرت عمرؓ نے ایک بوڑھے شخص کو گداگری کرتے دیکھا پوچھا تو بھیک کیوں مانگتا ہے؟ اس نے کہا مجھ پر جزیہ لگایا گیا ہے حالانکہ میں بالکل مفلس ہوں، حضرت عمرؓ اس کو اپنے گھر پر لے آئے اور کچھ نقد دے کر مہتمم بیت المال کو لکھا کہ اس قسم کے ذمی مساکین کے لیے بھی وظیفہ مقرر کر دیا جائے واللہ یہ انصاف نہیں ہے کہ ان کی جوانی سے ہم متمتع ہوں اور بڑھاپے میں ان کی خبر گیری نہ کریں۔

8.2 تقویٰ:

اخلاق کی پختگی اور استواری کا اصلی سرچشمہ خشیت الٰہی اور خداوند جل وعلا کی جبروتیت وعظمت کا غیر متزلزل یقین ہے، جو دل خشوع وخضوع اور خوفِ خداوندی سے خالی ہوتا ہے اس کی حقیقت ایک ٹکڑا گوشت سے زیادہ نہیں ہوتی، حضرت عمرؓ خشوع وخضوع کے ساتھ رات رات بھر نمازیں پڑھتے جب صبح ہونے کو آتی تو گھر والوں کو جگاتے اور یہ آیت پڑھتے وامر اھلک بالصلوۃ نماز میں عموماً ایسی سورتیں پڑھتے جس میں قیامت کا ذکر یا خدا کی عظمت وجلال کا بیان ہوتا، اور اس سے اس قدر متاثر ہوتے کہ روتے روتے ہچکی بندھ جاتی، حضرت عبداللہ بن شدادؓ کا بیان ہے کہ میں باوجود یہ کہ پچھلی صف میں رہتا تھا۔ لیکن حضرت عمرؓ یہ آیت انما اشکو بثی و حزنی الی اللہ پڑھ کر اس زور سے روتے تھے کہ میں رونے کی آواز سنتا تھا، قیامت کے مواخذہ پر بہت ڈرتے تھے اور ہر وقت اس کا خیال رہتا تھا۔ ایک بار راہ میں ایک تنکا اٹھا لیا اور کہا کاش میں بھی خس وخاشاک ہوتا، کاش میں پیدا ہی نہ کیا جاتا! کاش! میری ماں مجھے نہ جنتی، غرض حضرت عمرؓ کا دل ہر لمحہ خوفِ خداوندی سے لرزاں وترساں رہتا تھا، آپ فرماتے کہ ''اگر آسمان سے ندا آئے کہ ایک آدمی کے سوا تمام دنیا کے لوگ جنتی ہیں، تب بھی مواخذہ کا خوف زائل نہ ہوگا کہ شائد وہ ایک بدقسمت انسان میں ہی ہوں۔

8.3 حب رسول اور اتباعِ سنت:

تہذیب نفس اور اخلاق حمیدہ سے مزین ہونے کے لیے ہر مسلمان کا فرض ہے کہ اپنے دل میں رسول اکرم ﷺ کی خالص محبت اور اتباعِ سنت کا صحیح جذبہ پیدا کرے، جو دل رسول اللہ ﷺ کی محبت سے خالی اور جو قدم اسوۂ حسنہ کے جادۂ مستقیم

سے منحرف ہے وہ کبھی سعادتِ کونین کی نعمت سے متمتع نہیں ہوسکتا ہے ایک دفعہ حضرت عمرؓ نے بارگاہِ نبوت میں عرض کیا کہ اپنی جان کے سوا حضور تمام دنیا سے زیادہ محبوب ہیں ارشاد ہوا عمر! میری محبت اپنی جان سے بھی زیادہ ہونا چاہیے، حضرت عمرؓ نے کہا اب حضور اپنی جان سے بھی زیادہ عزیز ہیں۔

حضرت عمرؓ جمال نبوت کے سچے شیدائی تھے، ان کو اس راہ میں، جان، مال، اولاد اور عزیز و اقارب کی قربانی سے بھی دریغ نہ تھا، عاص بن ہشام جو حضرت عمرؓ کا ماموں تھا معرکۂ بدر میں خود ان کے ہاتھ سے مارا گیا، اس طرح جب آنحضرتؐ نے ازاوج مطہراتؓ سے ناراض ہوکر علیحدگی اختیار کر لی تو حضرت عمرؓ نے یہ خبر سن کر حاضرِ خدمت ہونا چاہا، بار بار اذن طلب کرنے پر بھی اجازت نہ ملی تو پکار کر کہا ''خدا کی قسم میں حفصہ کی سفارش کے لیے نہیں آیا ہوں اگر رسول اللہ حکم دیں تو اس کی گردن ماردوں۔

حضرت عمرؓ کی محبت کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے وفات پائی تو ان کو کسی طرح اس کا یقین نہیں آتا تھا۔ مسجد نبوی میں حالتِ وارفتگی میں قسمیں کھا کھا کر اعلان کرتے تھے کہ جو کہے گا کہ میرا محبوب آقا دنیا سے اٹھ گیا تو اس کا سر اڑا دوں گا۔ آپ کے وصال کے بعد جب کبھی عہد مبارک یاد آجاتا تو رقت طاری ہو جاتی اور روتے روتے بے تاب ہو جاتے۔ ایک دفعہ سفرِ شام کے موقع پر حضرت بلالؓ نے مسجد اقصیٰ میں اذان دی تو رسول اللہ ﷺ کی یاد تازہ ہوگئی اور اس قدر روئے کہ ہچکی بندھ گئی۔

8.4 زہد وقناعت:

دنیا طلبی اور حرص تمام بداخلاقیوں کی بنیاد ہے، اس لیے حضرت عمرؓ کو اس سے طبعی نفرت تھی، یہاں تک کہ خود ان کے ہمرتبہ معاصرین کو اعتراف تھا کہ وہ زہد وقناعت کے میدان میں سب سے آگے ہیں حضرت طلحہؓ کا بیان ہے کہ قدامتِ اسلام اور ہجرت کے لحاظ سے بہت سے لوگوں کو عمر بن خطابؓ پر فوقیت حاصل ہے، لیکن زہد وقناعت میں وہ سب سے بڑھے ہوئے ہیں۔ صحیح مسلم میں ہے کہ رسول اللہؐ جب حضرت عمرؓ کو کچھ دینا چاہتے تھے وہ عرض کرتے تھے کہ مجھ سے زیادہ حاجت مند لوگ موجود ہیں اور وہ اس عطیہ کے زیادہ مستحق ہیں۔ آنحضرتؐ نے ارشاد فرماتے کہ ''اس کو لے لو پھر تمھیں اختیار ہے، اپنے پاس رکھو یا صدقہ کردو۔ انسان کو اگر بے طلب مل جائے تو لے لینا چاہیے۔

oooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooo

غذا بھی عموماً نہایت سادہ ہوتی تھی، معمولاً روٹی اور روغنِ زیتون دستر خوان پر ہوتا تھا۔ روٹی اکثر گیہوں کی ہوتی تھی لیکن آٹا چھانا نہیں جاتا تھا۔ مہمان یا سفراء آتے تھے تو کھانے کی ان کو تکلیف ہوتی تھی کیونکہ وہ ایسی سادہ اور معمولی غذا کے عادی نہیں ہوتے تھے۔

8.5 تواضع وانکساری:

حضرت عمرؓ کی عظمت وشان اور رعب وداب کا ایک طرف تو یہ حال تھا کہ محض نام سے قیصر وکسریٰ کے ایوان حکومت میں لرزہ پیدا ہو جاتا تھا، دوسری تواضع اور خاکساری کا یہ عالم تھا کہ کاندھے پر مشک رکھ کر بیوہ عورتوں کے لیے پانی بھرتے تھے، مجاہدین کی بیویوں کا بازار سے سودا سلف خرید کر لا دیتے تھے۔ پھر اس حالت میں تھک کر مسجد کے گوشہ میں فرشِ خاک پر لیٹ جاتے تھے۔

ایک دفعہ اپنے ایام خلافت میں سر پر چادر ڈال کر باہر نکلے، ایک غلام کو گدھے پر سوار جاتے دیکھا۔ چونکہ تھک گئے تھے۔ اس لیے اپنے ساتھ بٹھا لینے کی درخواست کی۔ اس کے لیے اس سے زیادہ کیا شرف ہوسکتا تھا فوراً اتر پڑا اور سواری کے لیے اپنا گدھا پیش کیا۔ حضرت عمرؓ نے کہا میں اپنی وجہ سے تمھیں تکلیف نہیں دے سکتا، تم جس طرح سوار تھے سوار ہو میں تمھارے پیچھے بیٹھ لوں گا۔ غرض اسی حالت سے مدینہ کی گلیوں میں داخل ہوئے۔ لوگ امیر المؤمنین کو ایک غلام کے پیچھے دیکھتے تھے اور تعجب کرتے تھے۔

بارہا سفر کا اتفاق ہوا لیکن خیمۂ وخرگاہ کبھی ساتھ نہیں رہا، درخت کا سایہ شامیانہ اور فرشِ خاک بستر تھا۔ سفر شام کے موقع پر مسلمانوں نے اس خیال سے کہ عیسائی امیر المؤمنین کے معمولی لباس اور بے سروسامانی کو دیکھ کر اپنے دل میں کیا کہیں گے سواری کے لیے ترکی گھوڑا اور پہننے کے لیے قیمتی لباس پیش کیا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ خدا نے ہم کو جو عزت دی ہے وہ اسلام کی عزت ہے اور ہمارے لیے یہی بس ہے۔

ایک دن صدقہ کے اونٹوں کے بدن پر تیل مل رہے تھے ایک شخص نے کہا امیر المؤمنین یہ کام کسی غلام سے لیا ہوتا، بولے مجھ سے بڑھ کر کون غلام ہوسکتا ہے جو شخص مسلمانوں کا والی ہے وہ ان کا غلام بھی ہے۔

8.6 رفاہ عامہ:

فاروق اعظم کی زندگی کا حقیقی نصب العین رفاہ عام اور بہبودی بنی نوع انسان تھا۔ ذاتی حیثیت سے بھی ان کا ہر لمحہ خلق اللہ کی نفع رسانی کے لیے وقف تھا۔ ان کا معمول تھا کہ مجاہدین گھروں پر جاتے اور عورتوں سے پوچھ کر بازار سے سودا سلف لا دیتے۔ مقام جنگ سے قاصد آتا تو اہل فوج کے خطوط خود ان کے گھروں میں پہنچا آتے اور جس گھر میں کوئی لکھا پڑھا نہ ہوتا خود ہی چوکھٹ پر بیٹھ جاتے اور گھر والے جو کچھ لکھاتے لکھ دیتے۔ راتوں کو عموماً گشت کرتے کہ عام آبادی کا حال معلوم ہو، ایک دفعہ حضرت عمرؓ گشت کرتے ہوئے مدینہ سے تین میل کے فاصلہ پر مقام حرار پہنچے، دیکھا کہ ایک عورت پکا رہی ہے اور دو تین بچے رو رہے ہیں، پاس جا کر حقیقت حال دریافت کی، اس نے کہا بچے بھوک سے تڑپ رہے ہیں میں نے ان کے بہلانے کو خالی ہانڈی چڑھا دی ہے۔ حضرت عمرؓ اسی وقت مدینہ آئے اور آٹا، گھی، گوشت اور کھجوریں لے چلے۔ حضرت عمرؓ کے غلام اسلم نے کہا میں لیے چلتا ہوں، فرمایا ہاں لیکن قیامت میں میرا بار تم نہیں اٹھاؤ گے، غرض حضرت عمرؓ خود سب سامان لے کر اس عورت کے پاس آئے، اس نے کھانا پکانے کا انتظام کیا، حضرت عمرؓ خود چولہا پھونکتے، کھانا تیار ہوا تو بچے کھا کر خوشی خوشی اچھلنے کودنے لگے، حضرت عمرؓ دیکھتے تھے اور خوش ہوتے تھے۔ ایک دفعہ حضرت عمرؓ رات کو گشت کر رہے تھے کہ ایک بدو کے خیمہ سے رونے کی آواز آئی، دریافت سے معلوم ہوا کہ بدو کی عورت درد زہ میں مبتلا ہے حضرت عمرؓ گھر آئے اور اپنی بی بی ام کلثوم کو ساتھ لے کر بدو کے خیمہ میں آئے، تھوڑی دیر کے بعد بچہ پیدا ہوا ام کلثوم نے پکار کر کہا امیر المؤمنین اپنے دوست کو مبارکباد دیجیے، بدو امیر المومنین کا لفظ سن کر چونک پڑا، حضرت عمرؓ نے کہا کچھ خیال نہ کرو، کل میرے پاس آنا، بچہ کی تنخواہ مقرر کر دوں گا۔

خود آزمائی:

1۔ حضرت عمر فاروقؓ کی سیرت بیان کریں؟

2۔ حضرت عمر فاروقؓ کے عہد خلافت میں جو فتوحات ہوئیں ان پر نوٹ لکھیں؟

3۔ عہد فاروقی کے نظام سلطنت پر روشنی ڈالیں،

لازمی کتب برائے مطالعہ

1۔ علامہ شبلی نعمانی، الفاروقؓ

2۔ حسنین ہیکل، عمرؓ فاروق اعظم

3۔ حاجی معین الدین ندوی، خلفائے راشدین

ماخذ و مصادر

1۔ ابن حجر، اصابہ، ج ۲ ص ۵۱۸

2۔ الاستیعاب، ج ۲ ص ۵۱۸

3۔ ترمذی، الجامع، کتاب الفضائل، باب مناقب عمر

4۔ الحدید: ۱

5۔ الحدید: ۷

6۔ ابن ہشام، السیرۃ النبویہ ج ۱ ص ۳۴۱

7۔ ابن سعد، الطبقات الکبری، ج ۱ ص ۱۹۳

8۔ البخاری، الجامع الصحیح، کتاب المناقب باب مناقب عمر بن الخطاب

9۔ مسلم، الجامع الصحیح، کتاب الجہاد والسیر، باب الامداد بالملائکۃ فی غزوۃ بدر

10۔ البخاری، الجامع الصحیح، کتاب المغازی باب غزوہ احد

11۔ بخاری، الجامع الصحیح، کتاب المغازی باب غزوہ حدیبیہ

12۔ ابن ہشام، السیرۃ النبویہ ج ۱ ص ۳۴۱

13۔ بخاری، الجامع الصحیح، کتاب الشروط باب الشروط فی الجہاد

14۔ بخاری، الجامع الصحیح، کتاب التفسیر سورہ فتح

15۔ دارمی، کتاب الزکاۃ باب الرجل یتصدق بجمیع ماعندہ

16۔ شاہ معین الدین ندوی، خلفائے راشدین، (ص ۶۴ تا ۷۸) کی تلخیص

17۔ ابن سعد، الطبقات الکبری، تذکرہ عمر بن الخطاب

یونٹ نمبر 7

حضرت عثمان غنیؓ، سیرت، خلافت اور کارنامے

تالیف

ڈاکٹر محمد سجاد

نظر ثانی

پروفیسر ڈاکٹر محمد باقر خان خاکوانی

علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد

فہرست عنوانات

یونٹ کا تعارف:

حضرت عثمان بن عفانؓ کا تعلق قبیلہ قریش کے ایک اہم ترین خاندان بنوامیہ سے تھا۔ خاندان بنو ہاشم اور بنوامیہ قریش کے بہت ممتاز خاندان تھے۔ حضرت عثمان، رسول اللہ ﷺ کی حقیقی پھوپھی حضرت ام حکیم کی دختر حضرت اروی بنت کریز کے فرزند تھے۔ اس لحاظ سے آپ کے بھانجے تھے۔ آپ حضرت ابوبکر صدیقؓ کی دعوت پر ایمان لائے۔ دین اسلام کی راہ میں بہت سخت مشکلات سے دوچار ہوئے۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنی منجھلی بیٹی حضرت رقیہؓ کی شادی حضرت عثمان سے کر دی۔

پہلے ہجرت حبشہ کی اور بعد ازاں دونوں میاں بیوی نے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کی، جب حضرت رقیہ کی وفات ہوئی تو رسول اکرم ﷺ نے اپنی دوسری صاحبزادی حضرت ام کلثومؓ سے ان کی شادی کر دی اس لیے آپؓ ذوالنورین کے لقب سے مشہور ہوئے۔ حضرت عثمانؓ بن عفان ممتاز تاجر اور صاحب ثروت تھے۔ آپ نے اپنی دولت اسلام کے لیے وقف کر دی۔ حضور اکرم ﷺ نے آپ کے فضائل و مناقب میں فرمایا:

''آپ اہل جنت میں سے ہیں''۔

بیعت رضوان کے موقع پر رسول اللہ ﷺ نے اپنے ہاتھ کو حضرت عثمانؓ کا ہاتھ قرار دیا تھا، حضرت عثمانؓ بن عفان کی رفاہی اور فلاحی خدمات کی وجہ سے حضور ﷺ نے آپ کو جنت کی خوشخبری سنائی تھی، آپ کا شمار عشرہ مبشرہ صحابہ میں ہوتا ہے۔

صحابہ کرام، حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے بعد انھیں سب سے افضل مانتے تھے، اس لیے حضرت عثمان بنؓ عفان خلیفہ سوم ہوئے۔ آپ کے عہد خلافت میں فتوحات اسلامیہ میں توسیع ہوئی، بری اور بحری نظام عسکری منظم ہوا، علوم وفنون کا ارتقاء ہوا، رفاہی اداروں کا قیام عمل میں آیا، قرآن مجید کی تدوین ہوئی، آپ کے عہد خلافت آخری سالوں میں سبائی تحریک اور عجمی عناصر کی اسلام دشمنی کی وجہ سے فتنہ فساد برپا ہوا، جس کا نتیجہ میں آپ کی شہادت ہوئی، شہادت عثمان کا نتیجہ ہے کہ امت اسلامیہ کا اتحاد پارہ پارہ ہو گیا۔

اس یونٹ کے میں خلیفہ سوم کے عہد کے اہم واقعات کو بیان کیا گیا ہے۔

یونٹ کے مقاصد:

امید ہے کہ اس یونٹ کے مطالعہ کے بعد آپ اس قابل ہو جائیں گے کہ

1۔ حضرت عثمان غنیؓ کے حالات زندگی سے آگاہ ہو سکیں۔
2۔ حضرت عثمان بن عفانؓ کی اسلام کے لیے خدمات کا جائزہ لیں سکیں
3۔ حضرت عثمانؓ کے عہد خلافت میں فتوحات اسلام کا جائزہ لے سکیں۔

1۔　نام ونسب

آپؓ کا نام عثمان ہے۔ ابوعبداللہ اور ابوعمر کنیت ہے، ذوالنورین لقب ہے۔ والد کا نام عفان ہے اور والدہ کا نام اروی۔ آپ کا سلسلۂ نسب یہ ہے:

عثمان بن عفان بن ابی العاص بن اُمیّہ بن عبدشمس بن عبدمناف بن قُصی۔ اس طرح آپ کا سلسلہ پانچویں پشت میں عبدمناف پر رسول اکرم ﷺ کے ساتھ جا ملتا ہے۔ اس کے علاوہ آپ کی نانی بیضاء ام حکیم بنت عبدالمطلب رسول اکرم ﷺ کی پھوپھی ہیں۔ یکے بعد دیگرے رسولِ کریم ﷺ کی دو صاحبزادیاں آپ کے عقد میں آئیں اس لیے آپ ذوالنورین کے لقب سے مشہور ہوئے۔(1)

حضرت عثمانؓ کا خاندان زمانۂ جاہلیت میں بہت معزز سمجھا جاتا تھا۔ قریش کا قومی جھنڈا عقاب اسی خاندان کے پاس تھا۔ آپ کے پردادا اُمیہ بن عبدشمس قریش کے ممتاز سردار اور رئیس تھے۔ حضرت عثمان غنیؓ واقعۂ فیل کے چھٹے سال پیدا ہوئے۔ بڑے ہوئے تو کپڑے کی تجارت اختیار کی۔ اللہ تعالیٰ نے اس پیشہ میں بڑی برکت دی۔ خوب کمایا اور خوب راہِ خدا میں خرچ کیا۔ آپ کے جودوکرم اور حسنِ اخلاق کی وجہ سے قریش میں آپ کو عزّت و محبت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔

1.1　قبول اسلام:

حضرت ابوبکر صدیقؓ نے سب سے پہلے اپنے مخلص دوستوں کو اسلام قبول کرنے کی دعوت دی۔ ان دوستوں میں حضرت عثمانؓ، حضرت زبیرؓ اور حضرت طلحہؓ بھی تھے۔ چنانچہ ان تینوں نے ایک ساتھ دعوتِ حق کو لبیک کہا اور سابقین اولین میں شمار ہوئے۔(2) حضرت عثمانؓ کو یہ شرف حاصل ہوا جو اُن کے مناقب میں سب سے درخشاں ہے۔ کہ رسول اکرم ﷺ نے ان کو اپنی فرزندی میں قبول فرمایا، اور رسول کریم ﷺ کی منجھلی صاحبزادی حضرت رقیہؓ سے آپ کی شادی ہوئی۔

1.2　ہجرت حبشہ:

اسلام قبول کرنے کے بعد حضرت عثمانؓ بھی دوسرے مسلمانوں کی طرح کفار کے مظالم کا شکار ہوئے۔ آپ کے

چچا حکم بن عاص بن امیہ نے آپ کے ہاتھ پاؤں باندھ کر قید کر دیا اور کہہ دیا کہ جب تک تم نئے دین کو نہ چھوڑو گے میں تمہیں نہیں چھوڑوں گا۔

حضرت عثمانؓ جب ان اذیتوں سے بے حد تنگ آ گئے تو قول اقدسؐ کے حکم کے مطابق اپنی بیوی کو ساتھ لے کر حبشہ کی طرف روانہ ہو گئے۔ حضرت عثمانؓ دین کو بچانے کے لیے اپنے گھر بار اور اعزّہ واقربا کو چھوڑ کر نکل جانے والوں میں پہلے شخص تھے۔ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:۔

''خدا ان دونوں میاں بیوی کا نگہبان ہو۔ لوط علیہ السلام کے بعد عثمانؓ پہلے شخص ہیں جنہوں نے اپنی بیوی کے ساتھ ہجرت کی''۔(3)

پھر جب مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کا سلسلہ شروع ہوا تو آپ نے بھی اپنے اہل وعیال کے ساتھ ہجرت فرمائی۔

1.3　غزوات میں شرکت:

آپ نے بھی تمام غزوات میں شریک ہو کر دین کے لیے جان کی قربانی پیش کی۔ البتہ غزوۂ بدر میں آپ اپنی اہلیۂ محترمہ حضرت رقیہؓ کی شدید علالت کے وجہ سے شرکت نہ فرما سکے۔ رسول اکرم ﷺ نے آپ کو حکم دیا تھا کہ مدینہ میں رہ کر حضرت رقیہؓ کی تیمارداری فرمائیں۔ حضرت رقیہؓ کا اسی زمانے میں انتقال ہو گیا۔ رسول اکرمؐ نے حضرت عثمانؓ کو شرکاءِ بدر'' میں شمار کیا۔ سامانِ غنیمت میں سے بھی آپ کو حصہ دیا وار اجرِ آخرت کی بھی بشارت دی۔(4) حضرت عثمانؓ کو رسول اللہ ﷺ کی فرزندی کے فخر سے محروم ہونے کا بڑا غم تھا۔ رسول اکرمؐ نے جب آپ کو بے حد ملول دیکھا تو اپنی دوسری صاحبزادی حضرت ام کلثومؓ سے آپ کی شادی کر دی۔ یہ وہ فخر ہے جو آپ کے سوا کسی اور کو حاصل نہ ہو سکا اور اسی وجہ سے آپؓ ''ذوالنورین'' کے لقب سے مشہور ہوئے۔

6ھ میں جب رسول اکرمؐ نے صحابہ کے ساتھ زیارت کعبہ کے لیے روانہ ہوئے تو مقام حدیبیہ میں پہنچ کر معلوم ہوا کہ کفار قریش آپ کو مکّہ میں داخل نہ ہونے دیں گے۔ آپ نے حضرت عثمانؓ کو کفار سے بات چیت کرنے کے لیے سفیر بنا کر بھیجا۔ کفار نے آپ کو روک لیا اور مسلمانوں میں یہ خبر مشہور ہو گئی کہ آپ کو شہید کر دیا گیا ہے۔ اس خبر سے مسلمانوں میں سخت جوش پیدا ہو گیا۔ رسول اکرم ﷺ نے ایک پیڑ کے نیچے بیٹھ کر صحابہ سے جان کی قربانی کی بیعت لی۔ اس موقعہ پر آپ

نے اپنے ایک ہاتھ کو دوسرے ہاتھ پر رکھ کر حضرت عثمانؓ کی طرف سے یہ بیعت لی اور اپنے دستِ مبارک کو حضرت عثمانؓ کے ہاتھ کا قائم مقام قرار دیا۔(5)

ایک غزوہ کی تیاری کے سلسلہ میں حضور اکرمؐ نے مسلمانوں سے جہاد کی تیاری اور سامان حرب کے لیے چندہ کی اپیل کی۔ اس موقع پر آپ نے ایک ہزار اونٹ اور پچاس گھوڑے پیش کیے اور ایک ہزار دینار کی تھیلیاں لا کر رسول اکرم ﷺ کی گود میں ڈال دیں۔ حضور ﷺ نے ان دیناروں کو الٹتے پلٹتے جاتے تھے اور فرماتے جاتے تھے:۔

حاضر عثمان ما عمل بعد اليوم(6)

''آج کے بعد عثمانؓ کا کوئی کام انہیں نقصان نہ پہنچائے گا''۔

1.4 جود و سخا:

حضرت عثمان نے اپنی دولت اسلام اور مسلمانوں کے لیے خرچ کر دی۔ رسول اقدس ﷺ جب مدینہ تشریف لائے تو مہاجرین کو پانی کی بہم رسانی کی سخت دقت تھی صرف بئر رومہ ہی ایک کنواں تھا جس کا پانی پینے کے لائق تھا مگر اس کا مالک ایک یہودی تھا جو مسلمانوں کو پانی نہ لینے دیتا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔

''کوئی ہے جو بئر رومہ کو خرید کر مسلمانوں کے لیے وقف کر دے اور اس کے عوض جنت کے چشمہ کا مالک ہو''۔

حضرت عثمانؓ نے بیس ہزار درہم میں اسے خرید کر مسلمانوں کے لیے وقف کر دیا۔(7)

اسی طرح جب مسجد نبویؐ میں توسیع کی ضرورت محسوس ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔

''کوئی ہے جو ہماری مسجد میں توسیع کرے''۔

حضرت عثمانؓ نے پانچ ستونوں کی مقدار زمین خرید لی اور مسجد نبوی کی توسیع ہوگئی۔

حضرت عثمانؓ کی یہی شانِ کرم تھی جس نے مسلمانوں کے دلوں کو موہ لیا تھا اور وہ آپ کے گرویدہ تھے۔

حضرت عثمانؓ رسول اکرم ﷺ کے رفیق خاص اور کاتبِ وحی تھے۔ آپؐ نے ان دس حواریوں میں سے تھے جنہیں آپؐ

نے جنّت کی بشارت دی۔(8) آپ ان چھ بزرگوں میں سے تھے جنہیں حضرت عمرؓ نے ''اہل شوریٰ'' تجویز کیا اور خبر دی کہ رسول کریمؐ ان سے خوش دُنیا سے رُخصت ہوئے ہیں۔ حضورؐ نے بعض موقعوں پر آپ کو مدینہ میں اپنا قائم مقام بھی تجویز کیا۔ آپ کی وفات کے بعد آپ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے مشیر خصوصی رہے اور خدماتِ خلافت میں دستِ راست بنے رہے۔

2۔ خلافت و کارنامے

(یکم محرم 24ھ بمطابق 7 نومبر 544ء تا 18 ذی الحجہ 35ھ بمطابق 17 جون 656ء)

حضرت عثمانؓ نے سب سے پہلا کام یہ کیا کہ والیانِ صوبہ، امراء، فوج اور عُمال خراج کے نام فرمان جاری کیے۔ ان فرمانوں میں ہدایت کی گئی تھی کہ عدل و انصاف کے سررشتہ کو نہ چھوڑا جائے۔ آمدنی اور خرچ میں امانت و دیانت سے کام لیا جائے مسلمانوں اور ذمیوں کے درمیان کوئی فرق روا نہ رکھا جائے۔ دشمنوں کے ساتھ مقابلہ کے وقت بھی بدعہدی نہ کی جائے۔ اس کے علاوہ یہ بھی واضح کیا گیا تھا کہ سردارانِ اسلام کی حیثیت محافظ اور نگہبان کی ہے وہ رعیّت کے آقا و مولیٰ نہیں ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ حضرت عمرؓ کی شہادت ایک سازش کا نتیجہ تھی۔ اس سازش میں ابولؤلؤہ کے علاوہ جفینہ اور ہرمزان بھی شریک تھے۔ ابولؤلؤہ نہاوند کا رہنے والا پارسی غلام تھا اور جفینہ حیرہ کا رہنے والا تھا۔

حضرت عبیداللہ بن عمر کو جب اس کی خبر ہوئی تو وہ غصّے میں اپنے جذبات پر قابو نہ رکھ سکے اور جفینہ اور ہرمزان کو قتل کر دیا۔

عبیداللہ کو اس حرکت کے ارتکاب پر گرفتار کر لیا گیا اور حضرت عثمانؓ کی خلافت کے بعد سب سے پہلے یہ مقدمہ پیش ہوا۔

حضرت عثمانؓ نے سب سے پوچھا آپ کی اس معاملہ میں کیا رائے ہے؟ حضرت علیؓ نے کہا ہرمزان اور جفینہ پر صرف عبدالرحمٰن کی شہادت سے جرم ثابت نہیں ہوتا اس لیے عبیداللہؓ بن عمر کو قصاص میں قتل کر دینا چاہیے۔ بعض دوسرے صحابہؓ نے کہا کل عمرؓ شہید ہوئے ہیں آج ان کے صاحبزادے کو قتل کر دیا جائے یہ نہیں ہوسکتا۔

حضرت عثمانؓ نے ہرمزان اور جفینہ کی دیت اپنے پاس سے ادا کر کے اس قضیہ کو ختم کر دیا۔ کیونکہ مقتولین کے ورثاء نہ تھے اور خلیفہ کو ان کے معاملہ میں پورا اختیار حاصل تھا۔ حضرت عثمان کے اس فیصلہ کو بہت پسند کیا گیا۔

oooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooo

3۔ فتوحات

3.1 آذربائیجان و آرمینیا:

رے، آذربائیجان اور آرمنیا کے ممالک کوفہ سے متعلق تھے یہیں سے ان ملکوں کی حفاظت اور مدافعت کے لیے فوجیں روانہ کی جاتی تھیں۔ سعد بن وقاص والیٔ کوفہ کے زمانہ میں عقبہ بن فرقد آذربائیجان کے عامل تھے۔ سعد کی معزولی پر وہ معزول کئے گئے۔ آذربائیجان والوں نے ان کے جاتے ہی علم بغاوت بلند کیا۔ ولید بن عقبہ نے فوجی کارروائی کی اور اہل آذربائیجان نے پھر اطاعت قبول کی۔

حضرت عمرؓ کے عہد خلافت میں سراقہ بن عمرو نے عبدالرحمٰن بن ربیعہ باہلی اور حبیب بن مسلمہ فہری کے ساتھ آرمینیا اور قوقاز کے علاقوں میں حملہ کیا تھا۔ عبدالرحمٰن بن ربیعہ مشرقی آرمینیا کو فتح کرتے ہوئے بحرِ خزر کے کنارے کنارے باب تک پہنچ گئے تھے۔ باب کی فتح کے بعد سراقہ نے اسلامی سرداروں کو آرمینیا کے دوسرے شہروں کو فتح کے لیے روانہ کیا۔ چنانچہ حبیب بن مسلمہ گرجستان کے علاقہ میں بڑھے اور اس کے صدر مقام تفلس کو فتح کر لیا۔ اسی دوران میں سراقہ کا انتقال ہو گیا اور عبدالرحمٰن بن ربیعہ ان کے قائم مقام منتخب ہوئے۔

عبدالرحمٰن نے باب کو صدر مقام بنا کر انتظامات درست کیے اور پھر فتح کے ارادہ سے آگے بڑھے یہاں تک کہ دربند پہنچ گیے۔ پھر آپ تنگنائے دربند کو پار کر کے شمال کے نشیبی علاقوں میں پہنچے اور بلنجر سے دوسو میل آگے پہنچ کر دم لیا۔

عبدالرحمٰن باب میں مقیم ہو گئے تھے۔ آپ موقعہ بموقعہ وہاں سے بلادِ خزر میں حملے کرتے رہتے تھے۔ چنانچہ وہیں خاقانِ خزر سے مقابلہ کرتے ہوئے نہر ترک نہر بلنجر پر شہید ہو گئے۔

عبدالرحمٰن کی شہادت کے بعد مسلمان بلادِ خزر میں نہ ٹھہر سکے اور تمام آرمینیا ان کے ہاتھ سے نکل گیا۔

26ھ میں حضرت عثمانؓ نے سلمان بن ربیعہ (برادر عبدالرحمٰن بن ربیعہ) اور حبیب بن مسلمہ کو دوبارہ ان علاقوں کی فتوحات کے لیے روانہ کیا۔ چنانچہ ان دونوں بہادروں نے آرمینیا اور قوقاز کے تمام علاقوں کو دوبارہ اسلامی جھنڈے کے سایہ میں داخل کر لیا۔

3.2 اناطولیہ و قبرص:

حضرت عثمانؓ کے عہد میں شام کا سارا ملک حضرت معاویہ بن ابی سفیانؓ کے ماتحت تھا۔ چونکہ شام کی سرحد بلاد روم سے ملتی تھی اس لیے حضرت معاویہؓ کی رومیوں سے اکثر جھڑپیں ہوتی رہتی تھیں۔ 25ھ یا 26ھ میں حضرت معاویہ نے اناطولیہ پر حملہ کیا اور شہر عموریہ کو فتح کر لیا۔ شام سے عموریہ تک جس قدر قلعے تھے ان پر قبضہ کر کے شام اور جزیرہ کے مسلمانوں کو ان میں آباد کیا۔ حضرت معاویہؓ اور آگے بڑھنا چاہتے تھے۔ مگر انہیں خشکی کے راستہ مزید پیش قدمی کا موقع نہ ملا۔

انہوں نے اناطولیہ کے ساحلی علاقوں اور بحرِ روم کے جزیروں پر سمندر کے راستہ حملہ کرنے کا ارادہ کیا۔ حضرت معاویہؓ نے جہازوں کا ایک بیڑہ خود تیار کیا اور دوسرا بیڑہ عبداللہ بن ابی سرح گورنر مصر لے کر بڑھے۔ یہ دونوں بیڑے عبداللہ بن قیس حارثی کی رہنمائی میں بحرِ روم کے مشہور جزیرہ قبرص پر لنگر انداز ہوئے۔ اہل قبرص نے سخت مقابلہ کیا۔ لیکن آخر کار ہتھیار ڈال دیئے اور ان شرائط پر صلح کر لی:۔

1۔ اہلِ قبرص مسلمانوں کو سات ہزار دینار سالانہ ادا کریں گے اور اسی قدر رقم وہ رومیوں کو بھی ادا کرتے رہیں گے۔

2۔ مسلمانوں پر اہل قبرص کی حفاظت ضروری نہ ہوگی۔

3۔ اہل قبرص دشمنوں کی نقل و حرکت سے مسلمانوں کو اطلاع دیں گے اور مسلمان اپنے دشمنوں پر حملہ کرتے وقت قبرص کو استعمال کر سکیں گے۔

اس طرح جزیرہ قبرص جو مصر و شام کی حفاظت کے لیے اہم مقام ہے وہ مسلمانوں کے قبضہ میں آ گیا اور بحرِ روم میں اسلامی فوجوں کا بحری مرکز قرار پایا۔ یہ واقعہ ۲۸ھ کا ہے۔

3.3 مصر و بلاد مغرب:

اہل سکندریہ نے رومیوں کے اشارہ سے بغاوت کی۔ حضرت عثمانؓ نے اہل مصر کے مشورہ سے اس بغاوت کو فرو کرنے کے لیے عمروؓ بن عاص کو متعین کیا۔ انہوں نے بڑی دانائی کے ساتھ اس کام کو انجام دیا۔ رومیوں کو شکست فاش ہوئی۔ عمروؓ بن عاص نے ان کے بیڑے کے بہت سے جہازوں پر قبضہ کر لیا اور اسکندریہ کی فصیل کو منہدم کرا دیا۔

اسی سال عبداللہ بن ابی سرح مصر سے طرابلس کی مہم پر روانہ کیے گیے۔ انہوں نے طرابلس کے بہت سے شہروں پر رومیوں کے زیرِ اقتدار تھے قبضہ کرلیا اور پچیس لاکھ دینار پر صلح ہوئی۔

اس دوران میں عبداللہؓ بن ابی سرح اور عمروؓ بن عاص دونوں کا مصر کے انتظامات میں ہاتھ رہا۔ حضرت عثمانؓ چاہتے تھے کہ عمروؓ بن عاص افسرِ فوج رہیں اور عبداللہ افسر مال وخراج لیکن عمرو بن عاص نے اسے منظور نہ کیا اور مصر کا پورا انتظام عبداللہ بن ابی سرح کے ہاتھ میں آ گیا۔ یہ واقعہ ۲۶ھ کا ہے۔

26ھ میں مصر کی ولایت کے مکمل اختیارات تفویض کرنے کے بعد حضرت عثمانؓ نے عبداللہ بن ابی سرح کو بلاد مغرب میں آگے بڑھنے کا حکم دیا۔ اس مہم میں ان کی مدد کے لیے مدینہ سے ایک لشکر روانہ کیا جس میں حضرت ابن عباس، ابن عمر، ابن عمرو بن عاص، ابن جعفر، حسن، حسین، ابن زبیر بھی شامل تھے۔ ''برقہ'' سے عتبہ بن نافع بھی ان کے ساتھ اپنی جمعیت لے کر شریک ہوگیے۔ عبداللہ نے تمام طرابلس میں اپنی فوجیں پھیلا دیں اور افریقہ (تونس) کی طرف بڑھے۔ شہر یعقوبہ کے متصل، افریقیہ شمالیہ کا رومی گورنر جرجیر ایک لاکھ بیس ہزار کی جمعیت کے ساتھ مقابلہ پر آیا۔ دونوں طرف کے بہادر بڑی جرأت کے ساتھ دادِ شجاعت دینے لگے۔ آخر کار عبداللہ بن زبیر نے جرجیر کو قتل کر دیا اور لشکرِ اسلام کو فتح حاصل ہوئی۔

3.4 فارس، خراسان وطبرستان:

فارس، خراسان اور سرحد، سندھ کے علاقے ولایت بصرہ سے متعلق تھے۔ حضرت عمرؓ کے زمانہ سے بصرہ کے گورنر حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ تھے۔ ۲۹ھ میں بصرہ کے بعض شورش پسندوں نے ان کی شکایت کی۔ حضرت عثمانؓ نے انہیں معزول کر کے ان کی جگہ عبداللہ بن عامر کو مقرر کیا۔

اسی سال اہل فارس نے بغاوت کی اور اپنے امیر عبیداللہ بن معمر کو قتل کر دیا۔ ابنِ عامر خود فوج لے کر بڑھے۔ اصطخر پر ہولناک لڑائی ہوئی۔ عبداللہ بن عامر نے منجنیق سے سنگباری کر کے باغیوں کا کچومر نکال دیا اور انہیں عبرتناک سزا دی۔

۳۰ھ میں امیر کوفہ سعید بن عاص ایک فوجِ گراں لے کر جس میں حضرات حسنؓ و حسینؓ، عبداللہ بن عباس، عبداللہ بن عمر، عبداللہ بن عمرو بن عاص، عبداللہ بن زبیرؓ اور حذیفہ بن یمان بھی شریک تھے۔ طبرستان کی طرف روانہ ہوئے۔ دوسری طرف سے عبداللہ بن عامر والی بصرہ نے طبرستان کا رخ کیا۔ لیکن سعید بن عاص نے ان کے پہنچنے سے پہلے جرجان اور طبرستان کو فتح کرلیا۔ (9)

4۔ حضرت عثمانؓ کے عہد میں فتنہ وفساد اور اس کے اسباب

حضرت عثمانؓ کے ابتدائی چھ سال عہد خلافت میں حالات پر امن رہے، فتوحات کی کثرت رہی۔ مالِ غنیمت فراوانی ہوئی، ملک میں زراعت، تجارت میں ترقی ہوئی۔ عمدہ نظم ونسق کی وجہ سے ہر طرف فارغ البالی عام ہوئی۔ دولت مند اور تمول کی کثرت نے نے مسلمانوں میں اس کے وہ لوازم بھی پیدا کر دیے جو ہر قوم میں ایسی حالت میں پیدا ہو جاتے ہیں ا اس قوم کی کمزوری اور انحطاط کے اسباب بن جاتے ہیں۔ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا تھا کہ مجھے تمھارے فقر وفاقہ سے کوئی نہیں بلکہ تمھاری دنیاوی دولت مندی ہی کے خطرات سے ڈرتا ہوں۔ چنانچہ حضرت عثمان کے عہد خلافت میں اس فتنہ اسباب مندرجہ ذیل ہیں:

1۔ عہد عثمانی کے آخری عہد میں صحابہ کرام کی وہ نسل جو تربیت نبوی سے براہ راست مستفید ہوئی تھی۔ ختم ہو چکی تھی اور جو موجود تھے وہ بہت ضعیف اور گوشہ نشین ہو گئے تھے۔ اب ان کی اولاد ہی ان کی جگہ لے رہی تھیں۔ جو ظا ہے زہد تقویٰ، عدل وانصاف اور حق پسندی میں اپنے بزرگوں سے کمتر تھے۔

2۔ مشرق ومغرب میں اسلام کی اشاعت ہوئی اسلامی فتوحات کی وجہ سے سینکڑوں قومیں محکوم اور مفتوم ہوئیں، ا محکومی اور غلبہ نے ان کے اندر انتقام کی آگ پیدا کر دی، جس نے خفیہ انداز میں سازشوں کا جال پھیلایا۔ ا میں سب سے زیادہ کردار ایرانی پارسیوں، مجوسیوں اور یہودیوں کا تھا۔

3۔ حضرت عثمان اموی تھے، اور اپنے عزیز واقارب کے ساتھ صلہ رحمی کرتے تھے۔ اپنے خاندان کے ساتھ ان کے جذبا خیر خواہانہ تھے، اس لیے ان کو فائدہ پہنچانا چاہتے تھے، ذاتی طور پر ان کی امداد کرتے تھے۔ شریر لوگوں نے اس کو پروپیگنڈے کے طور پر پھیلایا کہ حضرت عثمانؓ سرکاری بیت المال سے ان کو یہ مال ودولت دیتے ہیں۔

4۔ یہودیوں کی یہ کوشش تھی کہ دین اسلام میں تفرقہ ڈال دیں۔ ملت اسلامیہ کے اتحاد واتفاق کو پارہ پارہ کر دیں تا اس کی شان وشوکت اور فتح وانقلات کا خاتمہ ہو۔

ان وجوہ واسباب کی بنا پر جب زمین اچھی طرح تیار ہوگئی تو اعداء اسلام کی ایک جماعت نے (جو شوکتِ اسلا

سامنے سرنگوں ہو کر بظاہر حلقہ بگوش اسلام ہو چکی تھی) اپنے عیار سردار عبداللہ بن سبا کی زیر سرکردگی کشتِ ملّت میں اختلاف وافتراق کی تخم پاشی کی۔

حضرت عثمانؓ طبعاً نرم مزاج، با مروت اور رحمدل تھے۔ آپ کے ان جذبات سے ایک طرف آپ کے عزیزوں نے اعلیٰ مناصب میں غیر مناسب فائدہ اٹھایا، دوسری طرف آپ کے مخالفین نے اپنی شورش انگیزیوں میں کوئی مزاحمت نہ پائی۔ اس طرح اختلاف وافتراق کے اس بیج کو پھلنے پھولنے کے لیے مناسب فضا میسر آ گئی اور آخر کار شہادت عثمانی کی صورت میں وہ شجر زقوم پیدا ہوا جس نے ملت اسلامیہ کے ذوقِ صحیح کو برباد کر دیا۔

5۔ عہد عثمانی کے کارنامے

5.1 ملکی نظم ونسق:

حضرت عثمانؓ نے وہی نظم ونسق برقرار رکھا جسے حضرت عمرؓ نے مرتب کیا تھا۔ مزید صوبے بنائے، مرکزی نظام حکومت میں نئے شعبے اور محکمے قائم کیے۔ صوبوں میں انتظامی اور مالیاتی ذمہ داروں میں فرق پیدا کرنے کی حکمت عملی وضع ہوئی۔ دیوان عطامیں اصلاح وترقی کی۔ احتساب کا محکمہ مضبوط کیا، عراق کی زمینوں کی تقسیم کی۔ گورنروں اور افسروں کے کاموں کا جائزہ لینے کے لیے مرکزی نگران بھیجے۔

5.2 بیت المال:

حضرت عثمان کے عہد میں جدید فتوحات کے باعث ملک وسیع ہوا، اور ملکی محاصل نے غیر معمولی ترقی کی، بیت المال کی آمدنی میں اضافہ ہوا۔ اہل وظائف کے وظیفوں میں ایک ایک سو درہم کا اضافہ ہوا۔ اس کے علاوہ بیت المال سے ضرورت مندوں اور ناداروں کو کھانا بھی مقرر کر دیا گیا۔

5.3 تعمیرات:

حضرت عثمانؓ نے اپنے عہد خلافت میں کئی نئی تعمیرات کیں۔ رفاہ عامہ کے لیے سڑک، پل اور مسجدیں تعمیر کی گئیں مسافروں کے لیے مہمان خانے بنائے گئے، راستوں پر سرائیں اور چوکیاں بنائی گئیں۔ مدینہ منورہ کو سیلاب ریلے سے محفوظ رکھنے کے لیے بند مہزور کی تعمیر کی گئی۔ اس کے علاوہ آپ رفاہ عامہ اور فلاح عامہ کے کاموں میں ہمیشہ سب سے آگے ہوتے تھے۔

5.4 مسجد نبوی کی تعمیر و توسیع:

مسجد نبوی کی تعمیر میں حضرت عثمانؓ کا ہاتھ سب سے زیادہ نمایاں ہے، شروع میں جب مسلمانوں کی کثرت کے باعث مسجد نبوی کی وسعت ناکافی ثابت ہوئی تو حضرت عثمانؓ نے قطعہ زمین خرید کر بارگاہ نبوت میں پیش کیا کہ اس سے مسجد کو وسعت دی جائے، پھر حضرت عثمانؓ نے خود اپنے عہد میں اہتمام کے ساتھ اس کو تعمیر کرایا، اس سے اس کی رونق دوبالا ہوگئی۔

5.5 امارت بحریہ:

حضرت عثمانؓ کے عہد خلافت میں بحری فوجی انتظامات کی ابتدا ہوئی، حضرت امیر معاویہؓ کے توجہ دلانے پر آپ نے ایک جنگی بحری بیڑہ تیار کرنے کا حکم دیا اور عبداللہ بن قیس حارثی کو امیر البحر مقرر کیا۔ اس فوجی قوت کے ذریعے رومیوں کو شکست دی گئی اور اسلامی سرحدوں کی حفاظت کے لیے موثر انتظامات کیے گئے۔

5.6 مذہبی خدمات:

حضرت عثمانؓ کی اہم ترین خدمت قرآن کی نشر و اشاعت اور پورے ممالک اسلامی میں اس کے مصاحف کی ترسیل و تعلیم ہے۔ ان کی عام شہرت جامع قرآن کی ہے۔ لیکن قرآن کو عہد نبوی میں جمع اور عہد صدیقی میں مدون کرلیا گیا تھا۔ حضرت عثمانؓ نے مصحف صدیقی کو بنیاد بنا کر ایک صحیح نسخہ تیار کرنے کے لیے ایک مجلس بنائی، اس نے بڑی محنت سے یہ کام کیا اور اسکی سات نقلیں تیار کروائیں، ایک مرکز اور چھ صوبوں کے لیے تیار کرائیں، اس طرح انھوں نے پوری امت اسلامی کو ایک قرآن پر قیامت تک کے لیے متحد و متفق کردیا۔

6۔ حضرت عثمان بن عفانؓ کی سیرت

حضرت عثمان بن عفانؓ فطرتاً پاکیزہ صفت دیانت دار اور راست باز تھے۔ حیاء اور رحم دلی ان کی خاص شان تھی۔ ایام جاہلیت میں بھی وہ ہر قسم کی برائیوں سے محفوظ رہے، اور جب ایمان کے نور سے مستنیر ہوئے تو ان کے اخلاق و کردار میں مزید نکھار پیدا ہوا۔ رسول اللہ ﷺ کی تعلیم و تربیت کی بدولت ان کے اوصاف حمیدہ اور زیادہ نمایاں ہوئے۔

6.1 تقویٰ:

اللہ کا خوف تمام محاسن کا سرچشمہ ہے۔ حضرت عثمانؓ اکثر خوف الٰہی سے آبدیدہ رہتے تھے۔ آپ کو موت، قبر اور آخرت کا خیال اکثر دامن گیر رہتا تھے۔ سامنے سے جنازہ گزرتا تا کھڑے ہو جاتے اور بے اختیار آنکھوں سے آنسو نکل آتے تھے۔ آپ اکثر قبرستان تشریف لے جاتے، خوف آخرت سے اس قدر روتے کہ داڑھی تر ہو جاتی۔

6.2 حب رسولؐ:

حضرت عثمان بن عفانؓ رسول اللہ ﷺ سے بے پناہ محبت کرتے تھے۔ آپ حضورؐ کے ساتھ تمام غزوات میں شریک رہے، جان نثاری کا حق ادا کیا، حضور ﷺ کا ادب و احترام اس قدر ملحوظ تھا کہ جس ہاتھ سے بیعت کی پھر اس کو نجاست یا محل نجاست سے مس نہ ہونے دیا کہ اس میں شان بے ادبی تھی۔ آل رسولؐ اور ازواج مطہراتؓ کا خاص طور سے پاس و خیال تھا۔

6.3 حیاء

حضرت عثمان بن عفانؓ کی خاص صفت حیاء بیان کی گئی ہے۔ رسول اللہ ﷺ خود بھی ان کے شرم و حیا کا پاس و لحاظ فرماتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے آپ کے بارے میں فرمایا۔ عثمان کی حیاء سے فرشتے بھی شرماتے ہیں۔ اسی قسم کا ایک واقعہ حضرت عائشہ بھی بیان کرتی ہیں۔ حضرت عثمانؓ کی حیا کا یہ عالم تھا کہ تنہائی اور بند کمرے میں بھی وہ برہنہ نہیں ہوتے تھے

6.4 ایثار:

حضرت عثمان بن عفانؓ کی زندگی میں یہ اخلاقی صفت سب سے زیادہ نمایاں ہے۔ اسلام لانے کے بعد اپنی ساری دولت اسلام اور مسلمانوں کے لیے وقف کر دی۔ اور ہمیشہ مسلمانوں کو اپنی ذات پر ترجیح دی، مدینہ میں میٹھے پانی کا ایک کنواں تھا اس کو خرید کر مسلمانوں کے لیے وقف کر دیا۔ ایک دفعہ مدینہ میں قحط پڑا، اس وقت آپ کا سامان تجارت آیا تھا، اسی وقت اس کو مسلمانوں میں تقسیم کر دیا۔

خود آزمائی:

1۔ حضرت عثمان بن عفانؓ کے حالات زندگی بیان کریں۔

2۔ حضرت عثمان بن عفانؓ کے عہد خلافت اہم کارناموں پر روشنی ڈالیں۔

3۔ حضرت عثمان بن عفانؓ شہادت کے اسباب بیان کریں

لازمی کتب برائے مطالعہ:

1۔ حاجی معین الدین ندوی، خلفائے راشدین

2۔ تاریخ ملت جلد اول

ماخذ و مصادر

1- ابن حجر، فتح الباری، کتاب المناقب باب مناقب عثمانؓ بن عفانؓ

2- ابن ہشام، السیرۃ النبویہ، جلد ا ص

3- ابن کثیر، البدایہ والنھایہ،

4- ابن ہشام السیرہ النبویہ جلد 1

5- ایضاً

6- الترمذی، کتاب المناقب عن رسول اللہ باب فی مناقب عثمان بن عثمان

7- النسائی، السنن، کتاب الاحباس باب وقف المساجد

8- ابن الاثیر، اسد الغابہ ج ۲ ص ۲۵۷

9- تاریخ ملت ج اول ص ۳۰۳ تا ۳۱۱ اخذ و تلخیص

یونٹ نمبر 8

حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سیرت، خلافت اور کارنامے

تالیف

ڈاکٹر محمد سجاد

نظر ثانی

پروفیسر ڈاکٹر محمد باقر خان خاکوانی

علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد

فہرست عنوانات

یونٹ کا تعارف:

اسلام کے چوتھے خلیفہ حضرت علی بن ابی طالبؓ قریش کے خاندان بنو ہاشم کے ایک ممتاز فرد اور رسولِ اکرم ﷺ کے حقیقی چچا زاد بھائی تھے۔ وہ بعد میں آپ کے سب سے چھوٹے داماد بھی ہوئے کہ آپ نے حضرت فاطمہؓ کی شادی ان سے کر دی تھی۔ حضرت علی اپنے بچپن ہی میں جب کہ ان کی عمر نو دس سال کی تھی' مسلمان ہوئے۔ وہ اولین مسلمانوں میں تھے۔ آپ کے زیرِ کفالت بھی رہے۔ مکہ مکرمہ میں انہوں نے قرآن مجید کی کتابت کی خدمت بھی انجام دی۔۔ ہجرتِ نبوی کے بعد وہ آپ کے بستر میں محوِ خواب رہے اور دشمنوں کے ہاتھوں اپنی جان خطرہ میں ڈالی۔ بعد میں تمام غزوات میں شریک رہے اور اسلام کی عظیم الشان خدمات انجام دیں۔

وہ انتہائی بہادر' فنونِ حرب سے واقف' علم و فضل سے آراستہ اور ذہین و فطین شخص تھے۔ علومِ اسلامی میں قرآن و حدیث پر نظر تو تھی ہی مگر قضا و عدالت میں سب سے فائق تھے۔ بایں ہمہ وہ زاہد و قانع' سادہ زندگی کے پیکر اور سخاوت و فیاضی کے علمبردار تھے۔ آپ ان صحابہ میں سے تھے جنھوں نے رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں ہی پورا قرآن حکیم زبانی یاد کر لیا تھا۔ نہ صرف لفظی طور سے اس کے حافظ تھے۔ بلکہ اس کی ایک ایک آیت کے معنی اور شانِ نزول سے بھی واقف تھے۔ علوم نبوت اور معمولات نبوی کے سب سے بڑے عالم تھے، حلیہ اقدس آپ کی نماز و مناجات اور نوافل سے متعلق سب سے زیادہ روایات حضرت علیؓ سے مروی ہیں جس کی وجہ یہ ہے کہ آپ ہر وقت رفاقت نبوی میں رہتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے آپ کو قضاء کے بعض اصول بھی تعلیم فرمائے۔ آپ نہایت عبادت گذار تھے وہ عبادت میں جس چیز کا التزام کر لیتے تھے اس پر ہمیشہ قائم رہتے تھے۔ انہیں اوصاف کی بنا پر حضرت عثمانؓ کی شہادت کے تیسرے دن ان کو مدینہ منورہ کی غالب اکثریت نے اسلام کا خلیفہ چہارم چنا۔

آپ کی مدت خلافت چار سال اور نو ماہ ہے اس عہد میں آپ کو بہت ساری مشکلات کا سامنا کرنا پڑا، حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد امت کے اندر تفریق پیدا ہوگئی، جس کے نتیجہ میں جنگ جمل اور جنگ صفین ہوئیں، جس میں مسلمانوں کی

ایک بہت بڑی تعداد قتل ہوئی۔ واقع تحکیم کے بعد خوارج کا ظہور ہوا، جس نے مسلمانوں کے اندر خوب خون ریزی کی، حضرت علیؓ بھی ایک خارجی کے ہاتھوں شہید ہوئے۔ اس یونٹ میں ہم سیدنا علیؓ کے حالات زندگی اور آپ کی دین اسلام کی لیے خدمات کو اجاگر کریں گے، نیز آپ کے عہد خلافت کے اہم واقعات بھی بیان کریں گے۔

یونٹ کے مقاصد:

امید ہے کہ اس یونٹ کے مطالعہ کے بعد آپ اس قابل ہو جائیں گے کہ

1۔ سیدنا علی مرتضیٰؓ کے حالات زندگی سے واقف ہو سکیں۔

2۔ حضرت علیؓ کی بہادری اور دین اسلام کے لیے خدمات سے آگاہ ہو سکیں۔

3۔ عہد خلافت علیؓ کے اہم واقعات سے آگاہ ہو سکیں۔

1۔ نام و نسب

آپ کا نام علیؓ ہے۔ ابوالحسن اور ابوتراب کنیت ہے۔ حیدر لقب ہے۔ والد کا نام جناب ابوطالب اور والدہ کا نام فاطمہؓ ہے۔ آپ کا سلسلہ نسب یہ ہے:۔علیؓ بن ابی طالب بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبدِ مناف بن قصی بن کلاب بن مرّہ بن کعب بن لوئی۔ آپ کو رسول اللہ ﷺ کے چچازاد بھائی ہونے کا فخر حاصل تھا۔(1) حضرت علیؓ بعثتِ نبویؐ سے دس سال پہلے پیدا ہوئے تھے۔ آپ کے والد بزرگوار کثیر العیال شخص تھے۔ ان کی مدد کے خیال سے رسول اللہ ﷺ نے حضرت علیؓ کو اپنی آغوشِ تربیت میں لے لیا تھا۔(2)

2۔ قبول اسلام

حضرت علیؓ کی عمر کا دسواں سال تھا کہ رسول اللہ ﷺ نے اعلان نبوت فرمایا۔ ایک دن حضرت علیؓ نے دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ اور ان کی محترم شریکِ زندگی حضرت خدیجۃؓ کبریٰ اللہ کے حضور میں سربسجود ہیں۔ جب یہ دونوں بزرگ نماز سے فارغ ہوئے تو حضرت علیؓ نے پوچھا۔ آپ دونوں یہ کیا کر رہے تھے؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہم خدائے وحدہ لا شریک کی عبادت کر رہے تھے۔ ہم تمہیں بھی اس کی ہدایت کرتے ہیں اور لات و عزیٰ کے سامنے سر جھکانے کی ممانعت کرتے ہیں۔

حضرت علیؓ نے عرض کیا۔ یہ ایک ایسی بات جو میں نے اب تک نہیں سنی۔ میں اپنے والد سے پوچھ کر آپ کو جواب دوں گا۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ علی! ابھی کسی سے اس کا تذکرہ کرنے کی ضرورت نہیں۔ اگر تمہیں تامّل ہے تو تم خود سوچ کر فیصلہ کر لو۔ حضرت علیؓ رات بھر غور و فکر کرتے رہے اور دوسرے دن صبح کو بارگاہِ نبوت میں حاضر ہو کر مشرف باسلام ہوئے۔(3) آپؓ کے ساتھ سب سے پہلے نماز پڑھی۔ آنحضور ﷺ کی دعوت میں اہم کردار ادا کیا، جو لوگ حق و صداقت کی تلاش میں مکہ آتے سیدنا علیؓ ان کی مدد کرتے اور انھیں رسول اللہ ﷺ تک پہنچا دیتے تھے۔

3۔ ہجرت

رسول اللہ ﷺ نے مکہ معظمہ میں تبلیغِ اسلام کا فرض انجام دیا مگر بہت کم تعداد میں لوگ ایمان لائے' قریش نے آپ کو قتل کرنے کا ارادہ کر لیا۔ قریش نے اس دعوت کو قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو کافروں کے ارادے سے مطلع کیا اور مکہ چھوڑ کر مدینہ چلے جانے کا حکم دیا۔ جس رات رسول اللہ ﷺ مدینہ کو روانہ ہو رہے تھے۔ نوجوانِ قریش ننگی تلواریں لے کر کاشانہ نبوت کے چاروں طرف چکر لگا رہے تھے اور آپ کی نقل و حرکت کی نگرانی کر رہے تھے۔ آپؐ نے حضرت علیؓ کو اپنے بستر مبارک پر لٹایا اور حضرت ابوبکر صدیقؓ کے ہمراہ مدینہ کی طرف ہجرت کی۔ رسول اللہ ﷺ کی روانگی کے بعد حضرت علیؓ دو تین روز مکہ میں مقیم رہے۔ رسول اللہ ﷺ کے پاس جن لوگوں کی امانتیں تھیں وہ ان کے سپرد کیں۔ اس کام سے فارغ ہو کر مدینہ کو روانہ ہو گئے۔ (4)

4۔ شادی

ہجرت کے دوسرے سال حضرت علیؓ کو رسول اللہ ﷺ کی دامادی کا شرف حاصل ہوا۔ حضرت فاطمہ زہراؓ حضور ﷺ کی چہیتی صاحبزادی تھیں۔ حضرت ابوبکرؓ و حضرت عمرؓ نے بھی ان کے لیے حضورؐ کو پیغام دیا تھا۔ مگر آپؐ نے عمر کی مناسبت کا خیال فرماتے ہوئے حضرت علیؓ کی درخواست کو منظور فرمایا۔ اس موقع پر رسول اللہ ﷺ نے اپنی بیٹی حضرت فاطمہؓ کو مخاطب کر کے فرمایا۔

"میں نے تمہارا نکاح اپنے اہل بیت کے بہترین فرد سے کر دیا ہے، پھر ان کو بٹھائیں دیں اور ان دونوں پر پانی چھڑکا۔(5)

حضرت علیؓ کی ازدواجی زندگی اگرچہ فقیرانہ تھی مگر دولتِ محبت و اخلاص سے خالی نہ تھی۔ جب تک حضرت فاطمہ زہرا زندہ رہیں آپ نے کوئی دوسری شادی نہ کی۔

oooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooo

5۔ غزوات میں شرکت

حضرت علیؓ بجز غزوۂ تبوک کے تمام غزوات میں شریک ہوئے اور ذوالفقارِ حیدری کے جوہر دکھائے ۔ ۲ھ میں میدانِ بدر میں جب کفر و اسلام کی پہلی معرکہ آرائی ہوئی تو عربی قاعدہ کے مطابق قریش کی صفوں میں سے تین بہادر مبارزہ کے لیے نکلے ۔ اس پر رسول اقدسؐ نے حضرت حمزہؓ حضرت علیؓ اور حضرت عبیدہؓ کو میدان میں بھیجا۔ حضرت علیؓ نے اپنے حریف عتبہ کو قتل کر دیا۔ حضرت علیؓ نے ولید کو تہ تیغ کیا۔ لیکن عبیدہؓ شیبہ کی تلوار سے زخمی ہوئے ۔ یہ دیکھ کر حضرت علیؓ جھپٹ کر عبیدہؓ کی مدد کو پہنچے اور ان کے حریف کو بھی ٹھکانے لگا دیا۔

3ھ کو جنگ اُحد ہوئی جس میں بعض مسلمانوں کی اجتہادی غلطی سے فتح، شکست میں بدل گئی ۔ چونکہ اس لڑائی میں مشہور ہو گیا تھا کہ سرکارِ نامدار شہید ہو گئے ہیں اس لیے بڑے بڑے جاں باز مسلمانوں کے حوصلے پست ہو گئے ۔ مگر حضرت علیؓ ان فدائیوں میں سے تھے جو اس موقع پر بھی ثابت قدم رہے۔ ایک کافر ابو عامر نے ایک گڑھا کھود رکھا تھا۔ رسول اللہ ﷺ کا پائے مبارک اس میں جا پڑا اور آپ گر گئے ۔ حضرت علیؓ نے آپ کا ہاتھ پکڑا اور حضرت ابو بکرؓ و حضرت طلحہؓ نے آپ کو سہارا دے کر نکالا ۔ اب صحابہؓ کو معلوم ہوا کہ حضور ﷺ زندہ و سلامت ہیں۔ جاں نثار آپ ﷺ کو ایک حلقہ میں لے کر پہاڑ پر لے گئے ۔ اس لڑائی میں سرورِ عالم ﷺ کے لبِ مبارک اور رخسارِ پُر انور زخمی ہو گئے تھے اور ایک دانت بھی شہید ہو گیا تھا۔ حضرت علیؓ اپنی ڈھال میں بھر بھر کر پانی لائے اور حضرت فاطمہؓ نے زخم دھو کر اس کی مرہم پٹی کی ۔ جنگ احد میں حضرت علیؓ کو سترہ زخم آئے ۔ (6)

۵ھ میں مدینہ منورہ کے اردگرد بسنے والے یہودیوں کی سازش سے کفارِ قریش کے ایک لشکرِ عظیم نے مدینہ کو آ گھیرا۔ رسولِ اکرم ﷺ نے شہر کی حفاظت کے لیے خندق کھدوائی اور جا بجا بہادر صحابہ کو متعین کیا کہ وہ کافروں کو اندر گھسنے کا موقعہ نہ دیں۔ اس غزوہ میں بھی حضرت علیؓ نے شمشیرِ حیدری کے جوہر دکھائے ۔

غزوۂ خندق میں کامیابی کے بعد آنحضرت ﷺ نے یہودیوں کے فتنہ کی طرف توجہ کی جو مارِ آستین بنے ہوئے تھے۔ پہلے آپ نے بنو قریظہ پر فوج کشی کی۔ اس موقعہ پر علمِ اسلام حضرت علیؓ کے سپرد کیا گیا اور آپ ہی کو مقدمۃ الجیش کا افسر معین کیا گیا۔ چنانچہ آپ نے بنو قریظہ کی گڑھی کو گھیر کر اس پر قبضہ کر لیا اور صحنِ قلعہ میں نماز ادا کی۔

6ھ میں معلوم ہوا کہ بنوسعد یہود خیبر کی مدد کے لیے جمع ہو رہے ہیں آپ نے حضرت علیؓ کو ان کی سرکوبی کے لیے روانہ کیا اور یہ مہم بخیر و خوبی کامیاب ہوئی 7ھ میں رسول اکرم ﷺ نے خیبر کے یہودیوں پر حملہ کرنے کا ارادہ کیا۔ یہ لوگ منافقینِ مدینہ کی مدد سے مدینہ پر غارت گری کا ارادہ کر رہے تھے۔ رسول اللہ ﷺ دو سو میل کا فاصلہ طے فرما کر خیبر پہنچے۔ یہودِ خیبر نے یہاں بڑے بڑے مضبوط قلعے بنا رکھے تھے جنہیں فتح کرنا آسان کام نہ تھا۔ ان قلعوں میں سب سے بڑا قلعہ قموص تھا جس میں یہودیوں کا مشہور سردار مرحب رہتا تھا۔ جب متعدد اکابر صحابہ قلعہ قموص کو فتح کرنے میں ناکام رہے تو آپ نے فرمایا:۔

''میں کل اس شخص کو علم دوں گا جو خدا اور رسول کا محبوب ہے اور خدا اور رسول اس کے محبوب ہیں۔ خدا اس مہم کو اسی کے ہاتھ سر کرائے گا۔'' (7)

دوسرے دن رسول اللہ ﷺ نے حضرت علیؓ کو طلب فرمایا اور آپ کو علَم عطا کیا۔ حضرت علیؓ نے حیرت انگیز شجاعت کے ساتھ مرحب اور اس کے بھائی کو خاک و خون میں تڑپایا اور علَمِ اسلامی قلعہ پر لہرایا۔ 8ھ میں فتح مکہ اور پھر غزوۂ حنین میں بھی حضرت علیؓ پیش پیش تھے۔ فتح مکہ کے موقعہ پر علَم اسلام حضرت علیؓ کے ہاتھ میں تھا اور غزوۂ حنین میں آپ ان ثابت قدم صحابہ میں تھے جن کی نوکِ شمشیر نے نقشہ جنگ کو بگڑنے سے بچالیا۔

9ھ میں شام کے عیسائی بادشاہ کے حملہ کی خبر سن کر آنحضرت ﷺ نے تبوک کا قصد فرمایا۔ چونکہ مدینہ پر غارت گری کا اندیشہ تھا اس لیے آپ نے اپنے اہلِ بیت کی حفاظت کے لیے حضرت علیؓ کو مدینہ میں ہی روک دیا۔ منافقین نے حضرت علیؓ کو طعن دیا کہ رسول اللہ ﷺ نے انہیں اس غزوہ میں شریک کرنا پسند نہیں فرمایا۔ اس پر حضور اکرم ﷺ نے آپ کو تسلی دی اور فرمایا:۔

''اے علی کیا تمہیں پسند نہیں کہ میرے نزدیک تمہارا وہ رتبہ ہو جو موسیٰ کے نزدیک ہارون کا تھا۔'' (8)

6۔ اعلان برأت

9ھ میں مسلمانوں کے اہتمام سے پہلا حج ہوا۔ رسول اکرم ﷺ نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کو امیرِ حج بنا کر بھیجا۔ اس کے بعد سورۂ برأت نازل ہوئی جس میں مشرکین سے مسلمانوں کے عہد ناموں کی تنسیخ کا اعلان تھا۔ عرب کے قاعدہ کے مطابق رسول اللہ ﷺ کا کوئی عزیز ہی ان کی طرف سے اس قسم کا اعلان سنا سکتا تھا۔ حضور ﷺ نے حضرت علی کو منتخب کیا اور اپنی اونٹنی قصواء پر انہیں مکہ روانہ کیا۔ حضرت علیؓ نے جمرہ کے قریب سورۂ برأت کی آیات سنائیں اور اعلان کر دیا کہ آئندہ کوئی مشرک حجِ کعبہ کا قصد نہ کرے۔(9)

7۔ خلافت اور کارنامے

(21 ذی الحجہ 35ھ بمطابق 20 جون 656ء تا 20 رمضان 40ھ 28 جنوری 661ء)

7.1 خطبہ خلافت

حضرت عثمان کی شہادت کے بعد اہل مدینہ کی کثرت نے حضرت علیؓ کے ہاتھ پر بیعت کر لی، جمعہ کا دن تھا آپ منبر پر چڑھے جن لوگوں نے ابھی تک بیعت نہیں کی تھی انھوں نے بیعت کی، اس کے بعد آپ نے ایک فصیح و بلیغ خطبہ دیا جس میں مسلمانوں کو اتفاق و اتحاد کی خاص طور پر تلقین کی۔ آپ کے خطبہ کے بعض جملے یہ ہیں:۔

''اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب کو ہادی بنا کر بھیجا ہے جو خیر وشر کو وضاحت کے ساتھ بتاتی ہے۔ لہذا خیر کو اختیار کیجیے اور شر سے کنارہ کش رہیے۔ خداوند تعالیٰ نے زمین حرم کو محترم قرار دیا ہے۔ مسلمانوں کو اخلاص و محبت اور اتحاد و یگانگت کی بڑی تاکید فرمائی گئی ہے۔ مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے مسلمان محفوظ رہیں بجز اس صورت کے کہ کوئی شرعی حق واجب

ہو۔ خدا کے بندوں سے معاملہ کرتے ہوئے خدا سے ڈرو۔ قیامت کے دن تم سے اراضی اور مواشی کے معاملہ کے متعلق بھی باز پرس کی جائے گی (انسانوں کا تو ذکر کیا ہے) اللہ عزوجل کی اطاعت کرو۔ اس کے احکام سے سرتابی نہ کرو۔ نیکی وقبول کرو اور بدی سے پرہیز کرو۔"(10)

7.2 مطالبہ قصاص

حضرت علیؓ کی بیعت ایسے وقت میں ہوئی جو تاریخ کا انتہائی نازک وقت تھا۔ اور اس کے لیے سخت امتحان تھا جس کے ذمہ حکومت کی سربراہی اور معاشرے کی قیادت و سرپرستی کا بار تھا۔ حضرت علی کی بیعت اس وقت کی جا رہی تھی جب حضرت عثمان کی شہادت کا واقعہ پیش آ چکا تھا۔ اور وہ بھی بے رحمی اور وحشیانہ شکل میں، ان حالات میں قصاص کے مطالبہ کی آواز اٹھتی ہے۔ خطبہ کے بعد صحابہ کی ایک جماعت جس میں حضرت طلحہؓ و زبیر بھی تھے حضرت علیؓ کے پاس آئے اور ان سے کہا:۔

"آپ خلیفہ منتخب ہو چکے اب آپ کا پہلا کام حدودِ شرعیہ کا اجراء ہے لہذا قاتلینِ عثمان سے حضرت عثمانؓ کے خون کا بدلہ لیجئے۔ ہم نے اسی شرط پر آپ کے ہاتھ پر بیعت کی ہے۔" حضرت علیؓ نے فرمایا:۔

"میں خونِ عثمان کو رائیگاں نہ جانے دوں گا لیکن ابھی اس کا موقعہ نہیں ہے۔ آپ دیکھ رہے ہیں کہ ہم مفسدین سے گھرے ہوئے ہیں"۔

خلیفہ چہارم کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی مظلومانہ شہادت کے بعد انتہائی مشکل حالات کا سامنا کرنا پڑا۔ ان کے سامنے سب سے بڑا مسئلہ خلیفہ سوم کے قتل کا قصاص لینا تھا۔ اسی پر امت کا ایک حصہ ان کی بیعت سے گریزاں رہا۔ اس طبقہ کا مطالبہ تھا کہ حضرت علی جب تک حضرت عثمان کے قتل کا قصاص انکے قاتلوں سے نہ لیں گے وہ ان کی بیعت نہ کریں گے۔ قصاص لینے کے مطالبہ میں بعض عظیم صحابۂ کرام جو حضرت علیؓ کے شروع سے حامی رہے تھے۔ جیسے حضراتِ زبیر، سعد بن ابی وقاص اور طلحہ بن عبیدہ اللہ وغیرہ بھی شریک ہوتے گئے بلکہ دو جلیل القدر صحابہ حضرت زبیر اور حضرت طلحہ نے کھلم کھلا قصاص کا مطالبہ کرنا شروع کر دیا۔ بنوامیہ کا خاصا بڑا گروہ مدینہ میں موجود تھا، اس نے اور اس کے ہم نوا انصار نے بھی شدت سے قصاص کا مطالبہ کیا۔

حضرت علی کی مشکل یہ تھی کہ قاتلوں کے خلاف کوئی پکی شہادت نہ تھی۔ اس سے زیادہ اور اصل مشکل یہ تھی کہ حضرت عثمان کے قتل میں ملوث ہونے کے باب میں جن لوگوں کے نام لیے جا رہے تھے وہ ان کے ہاتھ پر بیعت کرنے میں پیش پیش رہے تھے اور ان پر حضرت علی کا کوئی قابو نہیں تھا۔ حضرت علی قصاص کا مطالبہ کرنے والوں سے اپنی یہ مجبوری بیان کرتے تھے مگر کوئی اسے ماننے کے لیے تیار نہ تھا۔

آہستہ آہستہ قصاص کے مطالبہ میں شدت آتی گئی کہ اکابر صحابہ میں سے حضرت زبیرؓ حضرت طلحہ وغیرہ اور بنوامیہ کے تمام ممتاز لوگوں نے اپنے آپ قاتلین عثمان سے قصاص لینے کا فیصلہ کیا کہ وہ حضرت علی کو اس معاملہ میں لاچار پا رہے تھے۔ مدینہ منورہ پر چونکہ ابھی تک باغیوں اور قاتلوں کا قبضہ تھا لہذا وہاں کوئی ایسی تحریک کامیاب نہیں ہو سکتی تھی۔ لہذا ان حضرات نے مکہ مکرمہ کا رخ کیا جہاں ان کی حمایت میں ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ یمن، مکہ اور بصرہ کے گورنروں کے علاوہ کافی سربرآوردہ لوگ شریک ہو گئے۔ مدینہ منورہ جانے کا مطلب تھا حضرت علی کے ساتھ براہ راست تصادم لہذا قصاص کا مطالبہ کرنے والوں نے بصرہ کا رخ کیا تاکہ وہاں کے اور دوسرے لوگوں کی حمایت حاصل کر کے قاتلین عثمان کو خلیفہ اسلام کے قتل ناحق کی عبرتناک اسلامی سزا دی جائے۔

7.3 عثمانی عمال کی معزولی:

حضرت علیؓ نے بطور خلیفہ بعض ایسے اقدامات کیے جن کا براہ راست فائدہ قصاص کا مطالبہ کرنے والوں کو پہنچا اور امت کی مزید تفریق و تقسیم کی صورت میں نکلا۔ انہوں نے حضرت عثمانؓ کے زمانہ کے تمام صوبوں کے گورنروں کو برطرف کر کے اپنے نئے گورنر مقرر کیے۔ عثمانی گورنروں میں معزول کیے جانے والوں میں شام کے گورنر حضرت معاویہؓ بن ابی سفیان اموی اور بصرہ کے گورنر حضرت عبداللہؓ بن عامر اموی بھی تھے۔ ساتھ ہی حضرت علیؓ نے حضرت معاویہؓ سے اپنی بیعت کا مطالبہ بھی کیا۔ بعض خیرخواہ اور دور اندیش صحابہ کرام نے حضرت علیؓ کو ان اقدامات سے خاص کر حضرت معاویہؓ کے خلاف کسی اقدام سے موجودہ حالات میں روکا مگر حضرت علی نے ان کا مشورہ نہ مانا۔

اسی دوران حضرت عثمانؓ کی مظلومانہ شہادت کے واقعات کے ساتھ ساتھ ان کا خون آلود کرتہ اور ان کی اہلیہ حضرت نائلہ کی کٹی ہوئی انگلیاں دمشق میں حضرت معاویہؓ کے پاس پہنچ چکی تھیں۔ انہوں نے خون آلود کرتا اور کٹی ہوئی انگلیاں جامع اموی کے منبر سے آویزاں کر دیں۔ شام کے تمام صحابہ کرام اور اہم سردار پہلے ہی قصاصِ عثمان کا مطالبہ کر رہے تھے۔ اس منظر

نے ایک ہیجان برپا کر دیا۔ حضرت معاویہؓ نے حضرت علیؓ کے قاصد کو روک کر یہ منظر دکھایا اور ان کے بیعت کے مطالبہ کے جواب میں ایک سادہ کاغذ لفافہ میں رکھ کر بھیج دیا۔ حضرت علیؓ نے قاصد سے ماجرا پوچھا تو اس نے بتایا کہ شام کے ساٹھ ہزار شیوخ حضرت عثمانؓ کے خون سے بھرا ہوا کرتا دیکھ کر دھاڑیں مار کر روتے جاتے تھے اور قصاص لینے کی قسم کھاتے جاتے تھے۔ حضرت علیؓ نے قاتلینِ عثمان سے قصاص لینے کے بجائے حضرت معاویہؓ کے خلاف فوجی تیاری شروع کر دی۔

ادھر ماہِ صفر ۳۵ھ/ اگست ۶۵۶ء میں حضرت عائشہؓ اور حضرات زبیرؓ و طلحہ کے زیرِ قیادت قصاصِ عثمان کے معاملہ پر اصلاحی تحریک چلانے والوں نے بصرہ کا رخ کیا۔ راستہ میں جہاں جہاں سے یہ لشکر گذرا' لوگ جوق در جوق شامل ہوتے گئے۔ بصرہ تک پہنچتے پہنچتے اس کی تعداد بیس ہزار تک پہنچ گئی۔ بصرہ کے علوی حاکم عثمانؓ بن حنیف نے ام المومنین اور ان کے اصحاب کو بزور روکنا چاہا مگر حاکم بصرہ کے اپنے ہی لوگ اس کا ساتھ چھوڑ گئے۔ خیر خواہوں نے اس کو بھی جنگ نہ کرنے کا مشورہ دیا مگر وہ نہ مانا اور جنگ میں شکست کھا کر قید ہوا۔ حضرت عائشہؓ کے حکم سے اس کو رہا کر دیا گیا۔ لیکن بصرہ کے اندر موجود حضرت عثمان کے خلاف سازش اور قتل کرنے والوں میں سے کئی آدمی قتل کر دیئے گئے۔ بصرہ پر حضرت ام المومنین کے اصلاح چاہنے والے لشکر کا قبضہ ہو گیا۔

7.4 جنگ جمل 36ھ:

حضرت علیؓ کو بصرہ کے ان حالات کی خبر ملی تو انہوں نے پہلے بصرہ کی طرف کوچ کا فیصلہ کیا۔ کئی بزرگوں اور خوردوں نے جن میں حضرت علی کے بڑے صاحبزادے حضرت حسنؓ بھی شامل تھے' حضرت علیؓ کو مدینہ نہ چھوڑنے کا مشورہ دیا مگر وہ نہ مانے اور بصرہ روانہ ہو گئے۔ ان کے لشکر میں تمام باغی اور حضرت عثمانؓ کے بقیہ قاتل مالک بن اشتر نخعی' محمد بن ابی بکر اور تجیبی وغیرہ شامل تھے۔ اکثر صحابہ کرام نے جن میں حضرت عبداللہؓ بن عمر' حضرت اسامہؓ بن زید' حضرت محمدؓ بن مسلمہ اور حضرت عبداللہ بن سلام وغیرہ ممتاز تھے' کسی گروہ یا فریق کا ساتھ نہ دیا اور اس فتنہ سے الگ رہے۔ لیکن کئی صحابہ کرام جو حضرت علیؓ کے شروع ہی سے حامی تھے' ان کے ساتھ بصرہ گئے۔ کوفہ میں حضرت موسیٰ اشعری لوگوں کو جنگ سے روکتے رہے۔ کوفہ کے ایک بزرگ حضرت قعقاع بن عمرو کی کوششوں سے اصلاح کی صورت پیدا ہوئی اور دونوں فریقوں نے باہمی صلح پر اتفاق کر لیا۔ یہ کئی ماہ کی کوششوں کا نتیجہ تھا۔

حضرت عثمان کے قاتلوں کو احساس ہو گیا کہ اس صلح سے ان کی شامت آ جائے گی۔ پہلے تو دونوں فریقوں کو الگ

الگ بھڑکانے کی کوشش کی مگر جب ناکام رہے تو انہوں نے صبح سے پہلے دونوں فوجوں پر رات کے اندھیرے میں حملہ کر کے جنگ برپا کرادی۔ دونوں لشکر والے یہ سمجھے کہ دوسرے فریق نے غداری کر کے حملہ کر دیا ہے۔ حضرت علیؓ اور حضرت عائشہؓ دونوں ہی روکتے رہے مگر جو جنگ بھڑکائی گئی تھی وہ نہ رک سکی۔ سخت خونریز جنگ ہوئی اور بہت سے مسلمان اس میں شہید ہو گئے۔ ان میں حضرت زبیرؓ حضرت طلحہؓ اور حضرت عبداللہؓ بن عامر وغیرہ شامل تھے۔

حضرت علیؓ نے محسوس کیا کہ جب تک حضرت عائشہ اپنے اونٹ (جمل) پر سوار میدانِ جنگ میں موجود ہیں اس وقت تک جنگ نہیں رک سکتی۔ لہٰذا ان کے اونٹ کو ہٹانے کی کوشش کی گئی۔ ام المومنین کے جاں نثاروں نے اپنی جانیں نچھاور کر دیں لیکن اونٹ کو ہاتھ لگانے نہ دیا۔ بالآخر اونٹ کی کونچیں کاٹ دی گئیں اور حضرت عائشہؓ کو میدان سے ہٹا دیا گیا، اسی بنا پر اس کو جنگ جمل کہتے ہیں، اگرچہ جنگ ختم ہوگئی مگر مسلم امت کو سخت نقصان پہنچا۔

7.5 کوفہ بطور دار الحکومت:

جنگِ جمل کے بعد رجب 36ھ/657ء میں حضرت علیؓ کوفہ پہنچے اور اس کو اپنا پایہ تخت بنایا کچھ تو اس سبب سے کہ مدینہ کے تقدس کو مزید انتشار سے محفوظ رکھا جائے مگر زیادہ تر اس بنا پر کہ حضرت علیؓ کے حامی عراق میں خاص کر کوفہ میں تھے جب کہ بصرہ حضرت عثمانؓ کے حامیوں کو بڑا مرکز تھا۔ صحابہ کرام کا یہ اندیشہ درست نکلا کہ اس اقدام کے نتیجہ میں مدینہ منورہ نے ہمیشہ کے لیے اپنی سیاسی بالادستی، مرکزیت اور قوت کھو دی۔

7.6 انتظامی اقدامات:

حضرت علیؓ نے کوفہ آنے کے بعد نظم و نسق کی طرف توجہ کی اور نئے گورنر مقرر کئے۔ اسی دوران حضرت علیؓ نے پھر حضرت معاویہؓ کو بیعت کرنے کی دعوت دی اور بیعت نہ کرنے کی صورت میں جنگ کی دھمکی دی۔ حضرت معاویہ نے حضرت عمروؓ بن العاص جیسے صحابہ کرام اور دوسرے سرداروں کے مشورے سے یہ مطالبہ ٹھکرا دیا تا آنکہ حضرت عثمانؓ کے قتل کا قصاص لے لیا جائے۔ شام کے سربرآوردہ لوگ پہلے ہی سے قصاصِ عثمان کے سلسلے میں برگشتہ تھے، اشتر نخعی جیسے لوگوں کی فوجِ علی میں موجودگی اور بعد میں ان میں سے کئی کی مختلف گورنریوں پر تقرری نے انکو اور زیادہ بدظن کر دیا۔ وہ حضرت معاویہ کے پرجوش حامی بن گئے۔

7.7 جنگ صفین صفر 37ھ:

حضرت علی کے خطوط کا جب کوئی نتیجہ نہ نکلا تو بالآخر انہوں نے شام پر چڑھائی کا فیصلہ کر لیا۔ حضرت معاویہ ان سے مقابلہ کے لیے بڑھے۔ دونوں فوجوں کا آمنا سامنا شام کے سرحدی میدان صفین میں نہر فرات کے کنارے ہوا۔ تقریباً چھ ماہ تک مصالحت کی کوششوں کا کچھ نتیجہ نہ نکلا۔ بالآخر جنگی جھڑپوں کا سلسلہ جاری ہوا اور دو ماہ تک جاری رہا۔ پھر سخت خونریز جھڑپیں ہوئیں۔ بالآخر صفر ۳۷ھ جولائی ۶۵۷ء میں سخت جنگ ہوئی جو جنگ صفین کے نام سے مشہور ہے۔ اس میں کوئی فیصلہ نہ ہوا۔ آخر کار حضرات معاویہ و عمرو بن العاص کی کوششوں سے خون ریزی بند ہوئی اور فیصلہ قرآن کے سپرد کر دیا گیا۔ یہ مصالحت کی قرارداد ۱۳ صفر ۳۷ھ/ ۳۱ جولائی ۶۵۷ء کو منظور کی گئی۔

حضرت علی نے اپنے فوجیوں کے دباؤ کے تحت تحکیم کا فیصلہ قبول کیا۔ انہوں نے حضرت عبداللہ بن عباس کو اپنا نمائندہ بنانا چاہا مگر ان کے سرداروں نے دباؤ ڈال کر حضرت ابوموسیٰ اشعری کو نمائندہ یا حَکَم مقرر کرا دیا۔ حضرت معاویہ نے حضرت عمرو بن العاص کو اپنی طرف سے حکم بنایا۔ دونوں فریقوں نے تحکیم کا معاہدہ لکھا۔ دونوں حَکَم بعد میں مقررہ مقام دومۃ الجندل میں ملے اور اپنے فیصلے سے لوگوں کو آگاہ کیا کہ امت دونوں علی اور معاویہ کے بجائے کسی تیسرے شخص کو خلیفہ منتخب کر لے۔

اس فیصلے سے حضرت علی کو اتفاق نہیں ہوا۔ نتیجہ یہ کہ تحکیم کا فیصلہ نافذ نہیں ہو سکا۔ اگر چہ حضرت علی کے اکثر حامیوں نے اس کو غیر منصفانہ قرار دیا لیکن ان ہی کے ایک طبقہ نے تحکیم پر راضی ہونے اور جنگ روکنے کے مسئلے پر حضرت علی کے خلاف بغاوت کر دی۔ یہ خوارج یا خارجی کہلائے جو اسلامی جماعت سے نکل گئے تھے۔

7.8 خوارج کی بغاوت:

حضرت علیؓ کے لیے ایک اور مشکل پیدا ہو گئی۔ خارجیوں نے اپنا خلیفہ عبداللہ بن وہب راسبی کو بنا لیا اور حضرت علیؓ کی مخالفت شروع کر دی۔ حضرت معاویہؓ شام واپس لوٹ گئے۔ انہوں نے اپنی خلافت کا اعلان نہیں کیا تاہم وہ عملاً حکمراں اور خلیفہ بن چکے تھے۔ حضرت علیؓ کو خوارج کی طرف فوری توجہ دینی پڑی۔ کوفہ اور بصرہ میں ان کی حضرت علیؓ سے کئی جھڑپیں ہوئیں۔ آخر کار شوال ۳۷ھ/ مارچ ۶۵۸ء میں سخت خون ریز جنگ ہوئی جس میں خوارج کو زبردست شکست ہوئی۔ فتح کے باوجود حضرت علیؓ کی طاقت میں بہت کمی آئی۔

حضرت علیؓ کی طاقت اور سیاسی وفوجی قوت روز بروز کمزور ہوتی گئی۔ اس کی بڑی وجہ ان کے عراقی او کوفی شیعوں کی غداری، کمزوری اور بزدلی تھی۔ حضرت معاویہ نے حضرت عمروؓ بن العاص اولین فاتح مصر کی مدد سے مصر حضرت علیؓ کے گورنر محمد بن ابی بکر سے چھین لیا۔ حضرت علیؓ کے دوسرے مقبوضات پر بھی انہوں نے آہستہ آہستہ قبضہ کرنا شروع کیا۔ اور فلسطین و اردن وغیرہ کے علاوہ عراق کے بعض علاقے بھی چھین لیے بالآخر حضرت علیؓ نے حضرت معاویہ سے ۴۰ھ میں صلح کا معاہدہ کیا جس کے مطابق حجاز، عراق و ایران وغیرہ کے علاقے حضرت علیؓ کے قبضہ میں رہے اور شام و مصر اور مغرب کا پورا علاقہ حضرت معاویہؓ کے زیر تصرف آ گیا۔ اس طرح اسلامی ریاست دو حصوں میں منقسم ہوگئی۔

8۔ حضرت علیؓ کی شہادت 20 رمضان 40

خوارج پوری ملت اسلامیہ کے دشمن تھے مگر خود کو اصل امت سمجھتے تھے۔ ان کے نزدیک امت کے انتشار اور اسلامی ریاست کی شکست و ریخت کے لیے تین آدمی خاص طور سے ذمہ دار تھے۔ چنانچہ انہوں نے ان تینوں حضرت علیؓ حضرت معاویہ اور حضرت عمروؓ بن العاص کو سازش اور منصوبہ کے تحت قتل کرنے کا فیصلہ کیا اور تین قاتلوں کو اس جرم کے لیے متعین کیا۔ ۱۷ رمضان ۴۰ھ/ ۲۵ جنوری ۶۶۱ء کو عبدالرحمٰن بن ملجم نے حضرت علیؓ کو کوفہ کی مسجد کے لیے جاتے ہوئے فجر کے اندھیرے میں حملہ کر کے شدید زخمی کر دیا۔ اسی دن حضرت معاویہؓ اور حضرت عمروؓ بن العاص پر بھی حملہ ہوا لیکن وہ دونوں اتفاق سے بچ گئے۔ تین دن بعد یکشنبہ ۲۰ رمضان کو حضرت علیؓ کی شہادت ہوگئی اور ان کو کوفہ کے قبرستان میں دفن کر دیا گیا۔

9۔ حضرت حسن کی خلافت اور دستبرداری

حضرت علیؓ کی شہادت کے بعد ان کے کوفی حامیوں نے ان کے بڑے فرزند حضرت حسنؓ کو خلیفہ بنایا۔ حضرت حسنؓ صلح جو اور نرم دل انسان تھے اور وہ مسلمانوں کی خونریزی سے سخت متنفر تھے مگر ان کا بس نہ چلتا تھا۔

خلافت ملنے کے بعد وہ ابھی معاملات کو سمجھ ہی رہے تھے کہ حضرت معاویہؓ نے عراق پر فوج کشی کر دی۔ حضرت

حسن کے لیے مقابلہ کے سوا کوئی چارہ نہ رہا مگر ان کی فوج نے ان کا ساتھ نہ دیا۔ بلکہ انہوں نے حضرت حسن پر حملہ کر کے ان کے خیمے کو لوٹ لیا اور ان کو زخمی کر دیا۔ حضرت حسن کو اندازہ ہو گیا کہ مصالحت کے سوا اور کوئی چارہ نہیں۔ لہذا انہوں نے تین شرطوں پر صلح کر لی:۔

1۔ تمام عراقیوں کو معاف کر دیا جائے۔

2۔ علاقہ ابجرد کا پورا خراج حضرت حسنؓ کے لیے ہمیشہ کے لیے مخصوص کر دیا جائے۔

3۔ دو لاکھ درہم سالانہ وظیفہ اور کوفہ کے بیت المال کی ساری رقم دی جائے۔

حضرت معاویہؓ نے یہ تمام شرائط بخوشی قبول کر لیں۔ حضرت حسنؓ نے حضرت معاویہؓ کے حق میں خلافت چھوڑ دی اور ان کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔

10۔ مناقب وفضائل

حضرت علیؓ چونکہ رسول اکرم ﷺ کے خاندان کے ایک رکن تھے اور درس گاہِ نبوت ہی میں ان کی تربیت ہوئی۔ اس لیے کمالاتِ علمی میں آپ کا پایہ بہت بلند ہے۔ رسول اکرم ﷺ نے آپ کے متعلق ارشاد فرمایا:۔

انا مدینة العلم و علی بابها

میں علم کا شہر اور علیؓ اس کا دروازہ، حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ جب ہمیں کوئی شرعی حکم علیؓ کے ذریعہ معلوم ہو جائے تو کسی اور کی طرف رجوع کرنے کی حاجت نہیں رہتی۔ رسول اکرم ﷺ کے زمانے میں آپ کاتبِ وحی اور منشی فرامین تھے۔ حدیبیہ کا مشہور صلح نامہ آپ ہی کے قلم سے لکھا گیا تھا۔ حضور نے یمن میں اشاعتِ اسلام کے بعد آپ کو وہاں کا قاضی مقرر کیا۔ آپ نے اس اہم فرض کو بڑی لیاقت اور ذہانت کے ساتھ انجام دیا۔ عہدِ خلفاءِ ثلاثہ میں بھی آپ کی بصیرتِ علمی نے بہت سے الجھے ہوئے احکام وقضایا کے سلجھانے میں مدد دی۔

رسول اللہ ﷺ فرمایا کرتے تھے:۔

''تم میں سب سے بہتر مقدمات کا فیصلہ کرنے والے علی ہیں۔''

حضرت علیؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں جب مجھے رسول اللہ ﷺ نے یمن بھیجا اس وقت میں کمسن تھا، میں نے عرض کیا آپ مجھے ان لوگوں میں بھیج رہے ہیں جن کے آپس میں جھگڑے ہوں گے اور مجھے فیصلہ چکانے اور فیصلہ کرنے کا کوئی تجربہ نہیں آپ نے فرمایا: اللہ تمھاری زبان صحیح بات نکلوائے گا اور تمھارے دل کو مطمئن کرے گا۔ حضرت علی فرمایا کرتے تھے اس کے بعد مجھے دو آدمیوں کے درمیان فیصلہ کرنے میں شک نہیں ہوا۔

حضرت علیؓ عشرہ مبشرہ میں سے ایک تھے۔ حضرت عمرؓ کے مجوزہ اصحابِ شوریٰ میں بھی آپ شامل تھے۔ روانگی بیت المقدس کے وقت حضرت عمرؓ نے آپ کو اپنا قائم مقام بھی منتخب کیا تھا۔

خود آزمائی

1۔ حضرت علیؓ کے حالات زندگی بیان کیجیے۔

2۔ غزوات نبویؐ میں حضرت علیؓ کی شجاعت اور بہادری۔ کے کارناموں کی تفصیلات بیان کریں۔

3۔ حضرت علیؓ کے عہد خلافت کے اہم واقعات قلم بند کریں۔

لازمی کتب برائے مطالعہ

1۔ حاجی معین الدین ندوی، خلفائے راشدین

2۔ مفتی زین العابدین سجاد میرٹھی، تاریخ ملت جلد اول

3۔ سید ابوالحسن علی ندوی، المرتضیٰؓ

ماخذ و مصادر

1۔ ابن سعد الطبقات الکبریٰ

2۔ طبری، ابن جریر، تاریخ الامم والملوک جلد ۲ ص ۳۱۳

3۔ ابن کثیر، البدایہ والنھایہ، جلد ۳ ص ۲۴

4۔ ابن ہشام، السیرۃ النبویہ، جلد ۱ ص ۲۸۰

5۔ شاہ ولی اللہ، ازالۃ الخفاء ص ۲۵۴

6۔ البخاری، الجامع الصحیح کتاب المغازی باب غزوہ احد

7۔ البخاری، الجامع الصحیح کتاب المغازی باب غزوہ خیبر

8۔ البخاری، الجامع الصحیح کتاب المغازی باب غزوہ تبوک

9۔ ابن ہشام، السیرۃ النبویہ، جلد ۲ ص ۵۴۳

10۔ بن کثیر، البدایہ والنھایہ، جلد ۷ ص ۲۲۷

11۔ یٰسین مظہر صدیقی، تاریخ تہذیب اسلامی حصہ دوم ص ۵۰ تا ۵۴

یونٹ نمبر 9

خلافت راشدہ کا نظام حکومت، دینی اور تعلیمی خدمات

تالیف

ڈاکٹر محمد سجاد

نظر ثانی

پروفیسر ڈاکٹر محمد باقر خان خاکوانی

علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد

فہرست عنوانات

یونٹ کا تعارف:

رسول اللہ ﷺ جب مدینہ تشریف لائے تو اسلامی ریاست کا قیام عمل میں آیا آپ ﷺ نے اس اسلامی ریاست کا آئین تشکیل دیا، اور اس کے دفاع کے لیے اقدامات کیے۔ آپ نے اسلامی ریاست کے نظم و نسق کے لیے کئی اداروں کی تشکیل کی۔ رسول اللہ ﷺ کے وصال کے بعد جو لوگ آپ کے جانشین اور اسلامی ریاست کے حکمران و سربراہ ہوئے وہ سب آپ کے خلفاء تھے۔ اختیارات کے لحاظ سے خلفائے راشدین، اسلامی ریاست کے سربراہ، حکومت کے افسر اعلیٰ، سپہ سالار اعظم، عدالت عالیہ کے قاضی القضاۃ، مالیات کے منتظم اعلیٰ اور دین کے امام ہوتے تھے۔

خلافت اسلامی کے اولین 30 سالہ دور میں امت کے چار خلفاء ہوئے۔ حدیث نبوی کے مطابق یہی اولین دور ''خلافت علی منہاج النبوۃ'' یعنی خلافت نبوت کا دور کہلاتا ہے۔ رسول اکرم ﷺ نے اسلامی ریاست کے انتظامیہ کو جن خطوط پر منظم کیا تھا خلفائے راشدین نے انھیں خطوط پر اپنے اپنے زمانے میں اس کو برقرار رکھا اور قرآن وسنت اور حالات و زمانہ کی رعایت کے ساتھ انتظانیہ کے شعبے، محکمے اور ادارے قائم کرتے رہے۔ مرکزی نظم و نسق میں خلیفہ کے بعد شوریٰ کی بڑی اہمیت تھی، نظام عدل اور قضا بہت مضبوط تھا

خلفائے راشدین کے عہد میں اسلامی ریاست کو کئی انتظامی اداروں میں تقسیم کیا گیا۔ حضرت عمرؓ نے مرکزی بیت المال، دیوان الجند، اور مرکزی نظام مالیات جیسے شعبے قایم کیے۔ اسلامی تہذیب و تمدن میں ترقی ہوئی، علوم وفنون میں نمایاں کام ہوا، قرآن حکیم اور حدیث نبوی کو محفوظ کیا گیا۔ کئی نئے شہر آباد کیے گئے۔ اسلامی سن کا آغاز ہوا۔ الغرض اس تیس سالہ دور میں اسلامی ریاست بہت وسیع ہوئی، اسلام کی اشاعت ہوئی۔ اس یونٹ میں ہم مجموعی طور خلفائے راشدین کی خدمات اور ان کے عہد حکومت کی نمایاں خصوصیات کا مطالعہ کریں گے۔

یونٹ کے مقاصد:

اس یونٹ کے مطالعہ کے بعد امید ہے کہ آپ اس قابل ہو جائیں گے کہ

1۔ خلفائے راشدین کے دور کی نمایاں خصوصیات کے بارے میں جان سکیں۔

2۔ خلفائے راشدین کے نظام حکومت کا مطالعہ کر سکیں۔

3۔ خلفائے راشدین کے عہد میں جن شعبوں کی تشکیل ہوئی ان کے بارے میں جان سکیں۔

1۔ خلافت

خلافت سے مراد دین کی حفاظت اور دنیا داری سیاست کو رسول اکرم ﷺ کے نائب کی حیثیت سے سرانجام دینا ہے۔یعنی اسلام میں ''خلافت'' سے مراد وہ حکومتِ الٰہی ہے جو خدا کی مخلوق کی دنیا و آخرت کی سعادت کی ذمہ دار ہو، جو قانونِ الٰہی کی بنیاد پر قائم ہو۔ جو دنیا کے چپہ چپہ سے ظلم و ستم اور عدل و انصاف کا نظام قائم کرنا ہے۔خلیفہ زمین پر اللہ تعالیٰ کا نائب ہوتا ہے۔قرآن کریم میں خلافتِ ارضی کو بہت بڑی نعمت بتایا گیا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کے ان نیکوکار اور فرمانبردار بندوں کو عطا کی جاتی رہی ہے جو اس کے ذمہ داریوں کو پورا کرنے کی صلاحیت رکھتے تھے۔

﴿وَهُوَ الَّذِي جَعَلَكُمْ خَلَائِفَ الْأَرْضِ﴾

''وہی پروردگار ہے جس نے تم کو زمین کی خلافت دی

﴿وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُورِ مِنْ بَعْدِ الذِّكْرِ أَنَّ الْأَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصَّالِحُونَ﴾

''اور زبور میں ہم نے لکھ دیا کہ نصیحت کے بعد زمین کی حکومت ہمارے صالح بندوں کے ہاتھ آئے گی۔''

ہجرتِ مدینہ کے بعد ہی جب مسلمان ہر طرف دشمنوں سے گھرے ہوئے تھے۔تو اللہ تعالیٰ نے اس پریشانیوں کے ہجوم میں انہیں اطمینان دلایا تھا۔

﴿وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِينَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ أَمْنًا﴾

''تم میں سے جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کیے خدا نے ان سے وعدہ کیا ہے کہ انہیں وہ زمین کی خلافت دے گا جس طرح اس نے پچھلی (نیک عمل) قوموں کو دی اور ان کے لیے ان کے خدا کا پسندیدہ دین مضبوط کر دے گا اور ان کے خوف کے دنوں کو امن کے زمانہ سے بدل دے گا''۔

چنانچہ یہ وعدہ خداوندی بہت جلد پورا ہو گیا۔ہجرت کے دس سال بعد خلافت راشدہ کی شکل میں اسلامی حکومت قائم ہوئی، خلیفہ اوّل حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اس کو استحکام بخشا تو خلیفہ دوم حضرت عمر فاروقؓ نے اس کی سرحدوں میں وسعت

دی اور اس کو انتظامی شعبوں میں تقسیم کیا۔ خلیفہ سوم حضرت عثمان بن عفانؓ کے عہد میں اس کے رقبہ میں مزید اضافہ ہوا، اور خلیفہ چہارم حضرت علی مرتضیٰؓ کے دور میں اس کی نظریاتی سرحدوں کی حفاظت کی گئی۔ خلافت راشدہ کے اس دور کو ''خلافت علی منہاج النبوۃ،، کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ اس عہد کے نظام حکومت کا ایک اجمالی جائزہ پیش خدمت ہے۔

2۔ مرکزی نظم ونسق

رسول اکرم ﷺ نے اسلامی ریاست کے انتظامیہ کو جن خطوط پر منظم کیا تھا تمام خلفائے راشدین انھیں خطوط پر اپنے اپنے زمانے میں قرآن وسنت کی روشنی میں حالات وزمانہ کی رعایت کے ساتھ انتظامیہ کے شعبے، محکمے اور ادارے قائم کرتے رہے۔ دوسرے اداروں میں بھی یہی تسلسل قائم رہا۔ انتظامیہ میں یہ تسلسل اور تدریجی ارتقاء مکمل طور سے اسلامی خلافت کے آخری زمانے تک نظر آتا ہے۔

3۔ خلیفہ وامیر کا مقام

اسلامی خلیفہ کو رسول اللہ ﷺ کا جانشین ہونے کے باوجود نبوت کے خاص اختیارات حاصل نہ تھے کہ وہ خاتم النبیین کے ساتھ ختم ہو گئے۔ دنیاوی اور سیاسی معاملات میں اس کو پورے اختیارات حاصل تھے۔ وہ اسلامی ریاست اور حکومت دونوں کا سربراہ ہوتا تھا۔ تمام گورنروں، افسروں اور کارکنوں کی تقرری، تبدیلی اور معزولی کے اختیارات اس کو حاصل تھے، وہ سب سے بڑا قاضی، جج اور عدالت ہوتا تھا۔ وہ نہ صرف صوبائی اور مقامی ججوں اور قاضیوں کو مقرر ومعزول کرتا تھا بلکہ ان کے فیصلوں کی سنوائی کر سکتا اور ان کو بدل سکتا تھا۔ اسی طرح وہ دستوری اور قانونی لحاظ سے اسلامی فوجوں کا سپہ سالار اعظم ہوتا تھا۔ البتہ قانون سازی کا اسے کلی اختیار نہ تھا۔ وہ اسلامی قانون کی روشنی میں دوسرے علماء وفقہاء کی طرح قانون بنا سکتا تھا۔ خلیفہ کو اگرچہ بہت وسیع اختیارات حاصل تھے تاہم ان پر قرآن وسنت اور شوریٰ کی قدغن لاگو ہوتی تھی۔ وہ مصالح عامہ کے خلاف بھی کام نہیں کر سکتا تھا۔

4۔ شورائیت

رسول اکرم ﷺ نے مسلمانوں کے ان تمام معاملات میں جن میں وحی الٰہی کی واضح رہنمائی نہیں ہے مسلمانوں کے مشورہ سے انھیں انجام دیا۔ آپ نے اس پر پوری طرح عمل کر کے فوجی، انتظامی، سیاسی اور بسا اوقات دینی معاملات طے کیے۔ خلیفۂ اسلام نے بھی تمام معاملات میں مسلمانوں سے مشورہ کیا۔ پہلے چاروں خلفاء نے شوریٰ کے حکم پر عمل کیا۔ مجلس شوریٰ کے سلسلہ میں خلیفہ کے لیے یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ تمام معاملات میں تمام مسلمانوں سے مشورہ ضرور کرے لیکن ملت کے اصحاب رائے اور اہلِ فکر و نظر سے مشورہ کرنا ضروری تھا۔ خلافت کے اس اولین دور میں خلفاء کے مشیر و وزیر مدینۂ منورہ کے اہلِ فکر و نظر ہی رہے۔ ان میں اصحابِ بدر و احد، قبائل کے شیوخ اور ممتاز افرادِ شہر شامل تھے۔ خلیفہ کو اس کا پورا اختیار تھا کہ وہ اپنی مجلسِ شوریٰ میں کن افراد کو رکھے۔ حضرت عمرؓ نے حضرت عبداللہ بن عباس کو ان کی نوعمری اور شیوخِ صحابہ کے اعتراض کے باوجود ان کے علم و فضل اور ذکاوت و فطانت کے سبب اپنی مجلسِ شوریٰ کا رکن بنایا تھا۔ جنگ ہو یا امن ہر طرح کے حالات میں خلفاء اپنے مشیروں اور مجلسِ شوریٰ کے مشورہ کے بعد ہی فیصلے کرتے تھے۔ اکثر حالات میں وہ ان فیصلوں کی پابندی کرتے تھے، لیکن ہر مشورہ کو قبول کرنا ان کے لیے ضروری نہ تھا۔ وہ غیر معمولی حالات میں شوریٰ کے فیصلے کو نظر انداز کر سکتے تھے۔

5۔ حکومت کے شعبہ جات

مرکزی حکومت کے بعض شعبوں کا قیام عہد نبوی میں ہو گیا تھا اور بعض کا خلافت کے اس اولین دور میں۔ بعض شعبے اور محکمے بعد میں وجود میں آئے۔

5.1 محکمہ فوج (دیوان الجند):

رسول اکرم ﷺ کے عہد میں مرکز میں یہ شعبہ قائم ہو گیا تھا اور اولین خلفاء نے اس کو مزید ترقی دی۔ اس محکمہ کا کام فوجیوں کی بھرتی کرنا، انھیں محاذوں پر بھیجنا، میدانِ جنگ میں ان کو لڑانا، کمانداروں اور سپہ سالاروں کا تقرر کرنا، اموالِ غنیمت تقسیم کرنا غرض کہ فوج کے تمام امور و معاملات کی دیکھ بھال کرنا تھا۔ مرکز میں خلیفہ اس کا سربراہ ہوتا تھا اور صوبوں میں یہ ذمہ

داری عام گورنروں کو دی جاتی تھی لیکن کبھی کبھی ایک الگ ''امیر الجند'' مقرر کر دیا جاتا تھا۔ مرکزی دیوان الجند کا کاتب (سکریٹری) اس کا سربراہ ہوتا تھا۔ خلافت اسلامی کے دور اول میں اسی فوجی نظام کا بنیادی ڈھانچہ قائم رہا جو عہد نبوی میں تھا۔ یعنی اسلامی فوج پانچ بازوؤں پر مشتمل تھی۔ اس کے تینوں ڈویژن - پیدل، شہسوار اور تیر انداز ہ باقی رہے۔ ہتھیار اور اسلحے بھی وہی رہے، اور قلعہ شکن آلات اور ان کے محکمے بھی اسی طرح باقی رہے۔ ان تمام محکموں اور شعبوں میں کافی ترقی ہوئی۔ خاص کر شہسوار فوج کی ترقی پر زیادہ دھیان دیا گیا۔ گھوڑوں کی اچھی نسل تیار کرائی گئی۔ ان کی تعداد میں کئی گنا اضافہ کیا گیا اور ان کی چراگاہوں کی تعداد بھی بڑھائی گئی۔

حضرت عثمان کے دور میں ایک نیا فوجی محکمہ بڑھا اور وہ بحریہ (Navy) تھا۔ حضرت عثمان کی اجازت سے حضرت معاویہ والی شام نے بحریہ کو ترقی دی اور کافی تعداد میں جنگی جہاز بنوائے ان جہازوں کے بیڑوں کے ذریعے انھوں نے بحر روم کے متعدد جزائر فتح کیے۔ حضرت معاویہ اسلام کے پہلے ''امیر البحر'' تھے۔ یہی لفظ بعد میں بگڑ کر انگریزی میں ایڈمرل (Admiral) کہلایا۔

خلافت فاروقی میں ایک اہم فوجی ترقی ہوئی۔ یعنی سرحدی صوبوں میں فوجی مراکز (عسکر) یا چھاؤنیوں کو قائم کیا گیا۔ حضرت عمر نے کوفہ اور بصرہ کے دونوں شہروں کو عراق کے زیریں علاقے میں بطور فوجی چھاؤنیوں (Camp) کے قائم کیا۔ جہاں سال بھر فوجیں موجود رہتی تھیں۔ ان چھاؤنیوں میں تقریباً تیس ہزار سپاہ کی گنجائش تھی۔ دس ہزار مرکز میں رہتے، دس ہزار محاذ پر لڑتے اور دس ہزار تعطیل مناتے۔ اس طرح چار چار ماہ بعد ان میں سے ہر ایک کا مقام اور کام بدل جاتا۔ حضرت عثمان کے زمانے میں یہ چھاؤنیاں مشرق میں خراسان اور مغرب میں مصر میں قائم ہوئیں۔

5.2 محکمہ خط و کتابت (دیوان الرسائل / الانشاء)

یہ محکمہ بھی عہد نبوی میں قائم ہو چکا تھا اگرچہ اس نام سے نہیں جانا جاتا تھا آپ نے متعدد کاتبوں سے سرکاری فرامین، خطوط اور معاہدے لکھوائے تھے۔ خلافت کے اولین دور میں تمام خلفاء کے اپنے خاص کاتب ہوتے تھے۔ حضرت ابو بکر کے عہد میں حضرت عثمان، حضرت عمر کے زمانے میں حضرات زید بن ثابت خزرجی اور عبداللہ بن ارقم مخزومی اور حضرت عثمان کے دور میں حضرت مروان بن الحکم اور ان کے فرزند عبدالملک، حضرت علی کی خلافت میں حضرت سعید بن حمران ہمدانی اور عبداللہ بن جعفر خاص کاتب تھے۔ ان کے علاوہ بھی متعدد دوسرے کاتبوں سے کام لیا جاتا تھا۔ کاتب کا عہدہ بڑی ذمہ داری کا تھا۔ عام طور سے خلیفہ خود اپنے خطوط و فرامین میں لکھواتا تھا اور پھر اپنی مہر خلافت لگاتا تھا جو دراصل خاتم نبوی تھی۔ یہ مہر

خلیفہ کے پاس رہتی تھی۔ وہ چاندی کی انگوٹھی تھی جو رسول اکرم ﷺ اور آپ کے بعد خلیفہ خود پہنتے رہتے تھے۔ کبھی کبھی وہ کاتب کے حوالے بھی کر دی جاتی تھی۔ حضرت عثمان کے آخری دور میں یہ خاتم نبوت بئر اریس میں گر کر کھو گئی۔ بعد کے خلفاء نے اپنی اپنی مہریں خود بنوائیں۔ تاریخ اسلامی اور حدیث کے مصادر میں اسلامی سرکاری فرامین، خطوط اور معاہدوں کا متن بڑی حد تک اب بھی محفوظ ہے۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے اپنی کتاب "الوثائق السیاسیہ" میں ان کو جمع بھی کر دیا ہے۔

5.3 محکمہ خراج و مالیات (دیوان الخراج):

فتح خیبر کے بعد اس دیوان یا محکمہ کی بنیاد عہد نبوی میں پڑی تھی اور حضرت عبداللہ بن رواحہ خزرجی اس کے اولین عہدہ دار یا افسر تھے۔ یہ عہد خلافت راشدہ کے اس دور میں برابر قائم رہا اور ترقی کرتا رہا۔ عراق زیریں، عراق بالا (جزیرہ)، ایران، خراسان، شام اور مصر کی فتح کے بعد دیوان الخراج کی ذمہ داریاں اور وسعت کافی بڑھ گئی۔ بعد میں دوسری فتوحات کے ساتھ یہ شعبہ مزید ترقی کرتا گیا۔

اس شعبہ کا تعلق مالیات یا محاصل کے نظام سے تھا۔ تمام دنیوی اور دینی محاصل جیسے مسلمانوں سے زکوٰۃ، صدقات، عشر، نصف العشر وغیرہ اور غیر مسلموں اور ذمیوں سے خراج و جزیہ کی وصولیابی، ان کے نظم و نسق اور تقسیم و ترسیل اس محکمہ کا کام تھا۔ مسلم مقبوضات بالخصوص چھ خاص صوبوں کے دیوان الخراج کا کام بہت اہم اور وسیع تھا۔ مرکزی محکمہ صوبائی دواوین کے کام کی نگرانی کرنا اور ہدایات جاری کرتا تھا۔ رسول اکرم ﷺ نے جو مالی نظام اپنے عہد میں قائم کر رکھا تھا وہی خلافتِ اسلامی کے تمام ادوار میں بھی جاری و ساری رہا۔ بس کچھ نئے محاصل کا اضافہ ہوا اور فتوحات کے بعد اسلامی صوبوں میں ان کے پرانے نظام کو معمولی تبدیلیوں کے ساتھ اپنا لیا گیا۔ محاصل میں بنیادی طور سے مسلمانوں سے زکوٰۃ (نقد مال، سونے چاندی اور جانوروں پر) لی جاتی رہی۔ عشر، نصف العشر کا طریقہ قائم رہا۔ البتہ دوسرے صدقات خاص کر چندوں اور عطیات کا سلسلہ بند ہو گیا کہ اسلامی ریاست اپنے محاصل اور ذرائع آمدنی کے سبب پیروں پر کھڑی ہو گئی تھی۔ اس دور میں خاص کر خلافتِ فاروقی سے ایک اہم اضافہ یہ ہوا کہ اب گھوڑوں پر بھی زکوٰۃ لی جانے لگی جو پہلے جہاد کو ترقی دینے کے سبب نہیں لی جاتی تھی۔

غیر مسلم اور ذمی رعایا سے خراج اور جزیہ لینے کا نظام بدستور رائج رہا۔ خراج کی شرح اور جزیہ کی رقم کا تعین مختلف علاقوں میں مختلف رہا۔ حضرت عمر کے زمانے سے دوسرے ممالک کے غیر مسلم تاجروں کو اسلامی ممالک میں تجارت کرنے کی اجازت دی گئی اور ان پر ایک نیا محصول "عشور" عائد کیا گیا۔ یعنی ان کو اپنے مالِ تجارت کا دسواں حصہ اسلامی ریاست کو بطور محصول دینا ہی پڑتا تھا۔ دراصل یہ جوابی کارروائی تھی کیونکہ مسلمان تاجروں کو اتنا ہی محصول غیر اسلامی علاقوں میں ادا کرنا پڑتا تھا۔

5.4 محکمہ ڈاک (دیوان البرید):

اگرچہ یہ محکمہ باقاعدہ طور سے اس دور خلافت میں قائم نہیں ہو سکا تاہم اس کا ابتدائی خاکہ حضرت عمرؓ کے زمانے میں تیار ہو کر روبہ عمل آ چکا تھا۔ اس محکمہ کا کام یہ تھا کہ سرکاری فرامین اور خطوط کو صوبوں کے گورنروں، امیروں اور دوسرے کارکنوں تک پہنچایا جائے اور ان کے جوابات حاصل کیے جائیں۔ خلفاء نے اس اہم کام کے لیے سڑکوں پر خاص خاص فاصلے سے ڈاک کی چوکیاں قائم کیں اور ان پر تازہ دم گھوڑے اور کارکن متعین کیے۔ ایک چوکی کے کارکن دوسری چوکی کے کارکنوں کو خطوط و مراسلت پہنچاتے تھے۔

6- بیت المال

رسول اکرم ﷺ اور خلیفۂ اوّل کے زمانے میں صدقات وخراج وغیرہ کی شکل میں جو مال آتا تھا وہ فوری طور پر مسلمان مستحقوں میں تقسیم کر دیا جاتا تھا۔ لیکن خلافتِ فاروقی میں فتوحات کی کثرت کی وجہ سے اموالِ غنیمت اور صدقات و خراج میں بے پناہ اضافہ ہوا اس لیے اسلامی امت کے وسیع تر مفاد میں خلیفۂ دوم نے سارے اموال کو معاصر مسلمانوں میں تقسیم نہ کرنے اور مستحقین کے حقوق ادا کرنے کے بعد فاضل مال کو محفوظ رکھنے کا طریقہ ایجاد کیا۔ اس کے لیے بیت المال کا قیام ضروری ہوا چنانچہ اس عہد سے مرکزی بیت المال کی عمارت بنائی گئی اور اس کا ایک افسر جو "صاحبِ بیت المال" کہلاتا تھا مقرر کیا گیا۔ اس کا کام آمد و خرچ کا حساب رکھنے کے علاوہ یہ دیکھنا بھی تھا کہ خلیفۂ وقت اصول وضوابط کے مطابق خرچ کرتا ہے یا نہیں۔ وہ غلط اخراجات کے لیے رقم دینے سے انکار کر دیتا تھا۔

خلافت فاروقی میں مدینۂ منورہ کے بیت المال کے افسر حضرت عبداللہ بن ارقم مخزومی تھے۔ ان کے مددگاروں میں حضرت عبید الرحمٰن بن عبید القاریؒ اور حضرت معقیب بن ابی فاطمہ دوسی تھے۔ موخر الذکر صحابی رسول اکرم ﷺ کے زمانہ میں خاتم بردار اور افسرِ مال بھی رہے تھے۔ حضرت عثمان کے دور میں حضرت عمر کے افسرِ بیت المال حضرت عبداللہ بن ارقم مخزومی پھر اس کے افسر بنے۔ حضرت علی کے بیت المال کے افسر حضرت ابو رافع تھے جو رسول اکرم ﷺ کے غلام رہے تھے۔

7۔ نظامِ قضا وعدالت

خلیفہ اسلام پوری ریاستِ اسلامی کا قاضی القضاء ہوتا تھا لیکن وہ تمام مقدمات کو نہیں نمٹا سکتا تھا۔ رسول اکرم ﷺ نے آسانی اور امت کی تعلیم وتربیت کی خاطر حضرت عمرؓ کو مدینہ کا قاضی مقرر کر رکھا تھا اور وہ آپ کی موجودگی میں مقدمات فیصل کرتے تھے۔ بعض اور صحابہ نے بھی یہ فرض عہدِ نبوی میں انجام دیا تھا۔ خلافتِ صدیقی میں حضرت عمر کے پاس یہ عہدہ باقی رہا۔ خلافتِ فاروقی میں حضرت علیؓ مدینہ کے قاضی رہے تھے۔ خلافتِ عثمانی میں حضرت زید بن ثابت تھے حضرت علی نے قاضی شریح کو کوفہ میں برقرار رکھا جو حضرت عمر کے زمانے سے قاضی چلے آرہے تھے۔ دراصل مرکز میں قاضی اور عدالت کے الگ ہونے کی اتنی ضرورت نہ تھی کہ خلیفہ خود قاضی اور عدالتِ عالیہ ہوتے تھے۔ نظامِ قضا اصلاً صوبوں اور ان کے اہم شہروں میں قائم کیا گیا تھا۔

قاضیوں اور عدالتوں کی مدد کرنے اور عام لوگوں کو اسلامی احکام بتانے کے لیے عہدِ نبوی سے برابر مفتی مقرر کیے جاتے رہے تھے۔ خلافتِ اربعہ کے دوران متعدد مفتیوں کے نام ملتے ہیں۔ ان میں اکثر صحابہ کرام تھے کہ وہ قرآن وسنت اور فقہ کے سب سے بڑے عالم تھے۔

8۔ پولیس وجیل

ان دونوں کے محکمے حضرت عمر کے زمانے میں وجود میں آئے۔ پولیس کے محکمے کا نام ''احداث'' تھا اور اس کے افسرِ اعلیٰ کو ''صاحب الاحداث'' کہا جاتا تھا۔ بعد میں حضرت علی کے زمانے میں یہ محکمہ ''شرطہ'' کہلایا اور ان کے عہد میں اس نے زیادہ ترقی کی۔ اسلام میں پہلی بار خلافتِ فاروقی میں ہی جیل خانے کی بنیاد پڑی۔ حضرت عمر نے مکہ معظمہ میں حضرت صفوان بن امیہ کے مکان کو پہلا جیل خانہ بنایا۔ بعد میں دوسرے مقامات خاص کر صوبوں جیسے کوفہ وغیرہ میں جیل خانے بنائے گئے۔

9۔ صوبائی انتظامیہ

پوری اسلامی ریاست کو عہد نبوی میں تقریباً چھبیس ۲۶ صوبوں میں منقسم کر دیا گیا تھا اور ان پر الگ الگ والی یا گورنر مقرر کیے گئے تھے۔ خلافتِ فاروقی میں قریبی ممالک کی فتوحات کے بعد صوبوں کا نظام از سر نو مرتب کیا گیا اور ان کی تعداد میں کافی اضافہ ہوا۔ بعد میں حضرت عثمان کی فتوحات کے بعد بعض نئے صوبوں کی تعداد بڑھی۔

اسلامی ریاست کی ایک اور بڑی تقسیم تھی جو ڈویژن یا علاقوں پر مبنی تھی۔ یہ آٹھ تھے۔ (۱) جزیرۃ العرب۔ (۲) ایران۔ (۳) خراسان (۴) عراقِ زیریں (۵) جزیرہ۔ (۶) شام (۷) مصر اور (۸) افریقیہ۔ مگر عملاً ان کی تعداد چھ تھی کہ جزیرۃ العرب براہ راست خلیفہ کی ماتحتی میں ہوتا تھا اور افریقیہ مصر کے والی کے ماتحت۔ بعد میں یہ سب آزاد و خود مختار صوبے بنے۔ ان عظیم تر علاقوں کے اندر متعدد صوبے ہوتے تھے جیسے عراق میں کوفہ بصرہ، موصل وغیرہ، جزیرۃ العرب کا ایک ہی صوبہ تھا مگر شام کے متعدد صوبے تھے۔ ان میں دمشق، حمص، انطاکیہ، وغیرہ جو شام کے گورنر جنرل کے ماتحت ہوتے تھے۔ اسی طرح فلسطین، اردن وغیرہ کے گورنر بھی شام کے ماتحت کر دیے گئے تھے۔ مصر کا والی ہوتا تھا اور وہ افریقی مقبوضات کا بھی والی ہوتا تھا۔ یمن جزیرہ العرب کا ایک ممتاز تھا۔

صوبوں پر گورنر یا والی مقرر کیے جاتے تھے۔ ان کو وہی تمام اختیارات حاصل ہوتے تھے جو مرکز میں خلیفہ کو حاصل تھے، یعنی وہ صوبہ کا انتظامی اور فوجی سربراہ ہونے کے علاوہ مالیات، عدالت، دین اور احتساب کا بھی افسر اعلیٰ ہوتا تھا۔ حضرت عمر کے زمانے سے بعض بعض صوبوں یا علاقوں میں صوبہ کے والی اور گورنر سے مالیات کے اختیارات الگ کر کے صاحب الخراج کے حوالے کر دیے گئے تھے مگر یہ تقسیم مکمل نہیں ہوئی تھی۔ گورنر ہی اس کا بھی سربارہ ہوتا تھا۔

تمام مرکزی شعبوں اور افسروں کی نقل تمام صوبوں میں ہوتی تھی یعنی چاروں مرکزی محکمے صوبہ جاتی سطح پر قائم تھے۔ اسی طرح تمام کارکن جیسے قاضی، مفتی، پولیس اور جیل کے افسر وغیرہ۔ ہر صوبہ میں ایک صوبہ جاتی بیت المال بھی ہوتا تھا۔ جو اس صوبے کی آمدنی اور خرچ کا حساب رکھتا تھا۔ عہدِ فاروقی میں کوفہ کے افسرِ مال و بیت المال حضرت عبداللہ بن مسعود ہذلی تھے جو مشہور صحابیٔ رسول تھے اور حضرت عثمان کے عہد میں بھی وہ کافی دنوں اس کے افسر رہے۔

10۔ عہد خلفائے راشدین کا تعلیمی وتہذیبی نظام

اسلامی ریاست کے قیام کے بعد رسول اکرم ﷺ نے جس طرح جزیرۂ نمائے عرب بالخصوص مدینۂ منورہ کے تمدن کو اسلامی بنانے کی کوششیں کی تھیں انھیں خطوط پر خلافتِ راشدہ کے اس مبارک دور میں بھی عظیم مساعی کی گئیں۔ اس باب میں ہم تبلیغ واشاعتِ دین تعلیم علوم وفنون کے فروغ زبان ولباس، غذا اور طرز رہائش اور فنِ تعمیر وغیرہ کا جائزہ لیں گے۔

10.1 تبلیغ واشاعتِ دین:

عہدِ نبوی کی مانند ریاستِ اسلامی کی تمام سیاسی افسروں اور کارکنوں، گورنروں، عاملوں، امیروں وغیرہ کا اولین فریضہ یہ تھا یہ وہ اسلام کی تبلیغ کریں۔ چنانچہ بلا استثناء یہ واقعہ ہے کہ عراق وشام اور ایران ومصر وغیرہ کی تمام فتوحات کے دوران جنگ شروع کرنے سے پہلے، اور فوجی کارروائیوں کے دوران حریف کو پہلے اسلام قبول کرنے کی دعوت دی جاتی، پھر صلح کر کے جزیہ ادا کر کے اسلام کا ذمی بننے کی شرط رکھی جاتا اور بالکل آخر میں تلوار اٹھائی جاتی تھی۔ حضرت خالد بن ولید، حضرت عیاض بن غنم، حضرت سعد بن ابی وقاص، حضرت عمرو بن العاص، حضرت یزید بن ابی سفیان اور ان کے بھائی حضرت معاویہ، حضرت ابوعبیدہ بن الجراح، حضرت شرجیل بن حسنہ اور حضرت عقبہ بن نافع وغیرہ تمام امرائے لشکر کی کارروائیوں کے سلسلے میں یہ حقیقت واضح طور سے ہمارے ماخذ میں بیان کی گئی ہے۔ اشاعتِ اسلام کا دوسرا اصل طریقہ اور سبب فتح وقبضہ کے بعد مقبوضات میں مسلمان امیروں، کارکنوں، فوجیوں اور عام لوگوں کا حسنِ اخلاق، پاکیزہ کردار اور انسانی سلوک تھا۔ وہ خاموشی کے ساتھ مگر بہت گہرا اثر کرتا تھا۔ اس کی بنا پر بہت سے لوگوں نے ان مقبوضات میں اسلام قبول کر لیا۔ کیوں کہ اسلامی تعلیمات کی سچائی کا جیتا جاگتا ثبوت مفتوح لوگوں کو اس میں ملتا تھا۔

فتوحات کے بعد خلفاءِ کرام نے خاص کر اور ان کے مقرر کردہ امیروں، گورنروں اور کارکنوں کے علاوہ مبلغوں نے اسلام کو اسلامی مقبوضات میں پھیلانے کی باقاعدہ منصوبہ بند طریقہ سے شعوری کوششیں کیں۔ مآخذ میں واضح طور سے ذکر آتا ہے کہ تینوں اوّلین خلفاء نے غیر مسلموں میں اشاعتِ اسلام کے لیے باکردار، خوش گفتار اور عالم وعامل مبلغوں کا تقرر کیا جو زیادہ تر صحابۂ کرام پر مشتمل تھے۔ ردہ جنگوں کے دوران حضرت عدی بن حاتم طائی کی کوششوں سے بنو طے اور دوسرے

مرتد قبائل نے اسلام قبول کیا۔ حضرت مثنیٰ بن حارثہ شیبانی نے بنو وائل کے عیسائیوں اور بت پرستوں کو مسلمان بنایا۔ حضرت خالد کی مساعی سے عراقِ عرب اور حدود شام کے بیشتر قبائل نے اسلام قبول کیا۔ حضرت عمرؓ نے متعدد صحابۂ کرام کو جن میں حضرات ابوسفیان عبادہ بن صامت، معاذ بن جبل، ابوالدرداء، عبداللہ بن مسعود وغیرہ شامل تھے، تبلیغ و تعلیم کے لیے مامور کیا تھا۔ انھوں نے اپنے اپنے علاقوں میں اسلام کی اشاعت بھی کی۔ اسی طرح حضرت عثمان نے اپنے زمانے میں مبلغین کو مقرر کیا تھا۔ ان کے علاوہ تمام صحابۂ کرام اور مسلم علماء اپنی جانب سے دوسرے طبقات کے ساتھ مل کر تبلیغِ دین کا فریضہ انجام دیتے تھے کہ وہ صرف حکومت کا کام نہ تھا۔

10.2 تعلیم:

خلفاء کرام کو شروع ہی سے یہ احساس تھا کہ نومسلموں کی تعلیم ان کے دینی رسوخ اور اسلامی پختگی کے لیے ضروری تھی۔ چنانچہ ان کے تمام امیروں، فوجی سالاروں، گورنروں اور ان کے ماتحت عاملوں اور کارکنوں کو عام ہدایت تھی کہ وہ نومسلموں میں بنیادی دینی تعلیم کا کام ضرور انجام دیں۔ حضرت ابوبکر کے عہدِ خلافت میں چونکہ فتوحات کی تکمیل نہیں ہوئی تھی اس لیے مسلمانوں کی تعلیم و تربیت کے سلسلہ میں ان کی توجہ بدوی قبائل پر مرکوز رہی۔ انھوں نے جزیرہ نمائے عرب کے متعدد شہروں میں بھی معلمین کا بطورِ خاص تقرر کیا۔ خلافتِ فاروقی میں فتوحات کی مضبوطی کے بعد تعلیم کا کام زیادہ جوش و ولولہ اور منصوبہ بند طریقے سے مقبوضات میں کیا گیا۔ عمال و امرائے فاروقی کے علاوہ بہت سے صحابۂ کرام کو تعلیم و تربیت کے لیے متعدد صوبوں میں تعینات کیا گیا۔ ان میں سے کوفہ میں حضرت عبداللہ ابن مسعود کو، حضرات معاذ بن جبل، عبادہ بن صامت، ابی بن کعب ابوایوب اور ابوالدرداء کو شام کے مختلف امصار و مراکز میں تعلیم و تربیت کے لیے مقرر کیا۔ ان حضرات نے حمص، دمشق اور فلسطین وغیرہ میں تعلیم کا چرچا عام کیا۔ قرآن مجید کی سورتوں کا ناظرہ اور حفظ، ان کا مفہوم و مطلب، حدیثِ نبوی کے اہم اجزاء، عام مسئلہ مسائل کے علاوہ سیرت و اخلاق اور لکھنے پڑھنے کے فن پر بنیادی طور سے زور دیا۔ بدوی قبائل کی تعلیم کے لیے حضرت ابوسفیان نامی ایک صحابی کو مقرر کیا تھا۔ عراقی امصار میں بصرہ کے لیے حضرت معقل بن یسار، عبداللہ بن مغفل اور عمران بن حصین کو مقرر کیا۔ ان معلموں نے عربی زبان و ادب کی بھی ضروری تعلیم دی۔ بصرہ میں کم از کم دس معلم مقرر کئے گئے تھے۔ فقہ کی تعلیم کے لیے حضرت عبدالرحمٰن بن غنم کو شام کے لیے اور حضرت عمران بن الحصین کو بصرہ کے لیے مقرر کیا تھا۔ دوسرے معلموں نے بھی فقہ کی تعلیم دی۔

تعلیم عام طور پر مساجد میں دی جاتی تھی اور بعد میں اس مقصد کے لیے مکاتب بھی قائم کیے گئے۔ ان معلمین کے گھر بھی مکاتب کا کام کرتے تھے اور ان کی ذاتِ والا صفات چلتا پھرتا مدرسہ تھی۔ مساجد کے ائمہ اور مؤذنین بھی تعلیم و تربیت کا کام کرتے تھے۔ حضرات عمر و عثمان نے ان معلمین کی تنخواہیں مقرر کی تھیں۔ مگر صحابہ کرام عام طور سے تنخواہ نہیں لیتے تھے۔

اسلامی مراکز مدینہ، مکہ، یمن، کوفہ، بصرہ، دمشق، بیت المقدس، حمص، حلب، فسطاط اور برقہ وغیرہ میں اسلامی تعلیم کے دو درجات تھے: ایک ابتدائی جس میں طلباء قرآن و حدیث اور فقہ کی بنیادی تعلیمات حاصل کرتے اور لکھنا پڑھنا سیکھتے تھے۔ دوسرے اعلیٰ تعلیم کے حلقے تھے جن میں اسلامی علوم وفنون کی فنی اور اعلیٰ تعلیم دی جاتی تھی۔ عام تعلیم میں تمام مسلمان شریک ہوتے تھے۔ ان میں مرد و عورت اور بچے بھی شامل تھے۔

جب کہ اعلیٰ تعلیم کے مخصوص حلقے ہوتے تھے۔ ان ہی حلقوں سے تابعین کرام کے علماء وفضلاء نکلے۔ اعلیٰ تعلیم کے حلقوں میں مکہ و طائف میں حضرت عبداللہ ابن عباس کا حلقہ، مدینہ منورہ میں حضرت ابو ہریرہ اور حضرت ابی بن کعب وغیرہ متعدد حضرات کے حلقے، کوفہ میں حضرت عبداللہ بن مسعود وغیرہ کے حلقے اور اسی طرح مذکورہ بالا تمام اکابر صحابہ کے تفسیر و حدیث اور فقہ و عربی ادب کے حلقے تھے۔ انھوں نے اعلیٰ تعلیم حاصل کر کے اسلامی علوم وفنون کو ترقی دی۔

10.3 تعلیم و تجوید قرآن:

سب سے اہم قرآن مجید کی تلاوت و قراءت اور تفسیر و تشریح تھی۔ مصاحفِ قرآنی کو صوبوں میں اسی لیے بھیجا گیا تھا کہ قرآن کی صحیح قراءت ہو اور قراءت کے اختلاف ختم ہوں۔ ان مصاحف کی عام نقول نے ممالک و صوبوں کے گوشہ گوشہ میں قرآن کی تعلیم عام کر دی۔ دوسرا طریقہ تجوید کے ساتھ قرآن کی زبانی قراءت تھی۔ ان دونوں کے ذریعہ قرآن کی قرأتوں اور کتابت کے فن کا ارتقاء ہوا۔

10.4 تفسیر:

تفسیر و تشریحِ قرآن میں مکہ و طائف میں حضرت عبداللہ بن عباس، مدینہ میں حضرت ابی بن کعب وغیرہ متعدد صحابہ، کوفہ میں حضرت عبداللہ بن مسعود، بصرہ میں حضرت ابو موسیٰ اشعری اور شام و مصر کے مختلف مراکز میں متعدد صحابہ کے حلقوں نے تفسیر کے فن کو ترقی دی۔ ان کی روایات زبانی طور سے ان کی دوسری نسل کو منتقل ہوئیں۔

10.5 حدیث:

قرآن مجید کے ساتھ ساتھ حدیث کے بھی اسی طرح تمام اسلامی مراکز میں حلقے قائم تھے۔ احادیث کے مجموعوں اور ابن سعد کے طبقات وغیرہ سے معلوم ہوتا ہے کہ متعدد صحابہ کرام نے اپنے حدیث کے مجموعے بھی تیار کر لیے تھے جن کو صحیفے کہا جاتا تھا۔ ان کی تعداد پچاس کے قریب تھی۔ اسی طرح تابعین کے طبقہ میں متعدد حضرات نے اسی زمانہ میں اپنے صحیفے لکھ لیے تھے اگرچہ زیادہ تر بعد کے دورِ خلافت میں لکھے گئے۔ اسی عہد میں حدیث کی ترسیل بھی زیادہ تر زبانی رہی۔ مذکورہ بالا تمام صحابہ کرام نے حدیث کی اشاعت میں بے مثل خدمات انجام دیں۔ صحابی کی کسی علاقہ میں موجودگی لوگوں کو اسلامی علوم و فنون، خاص کر حدیث کے سماعت وحصول کے لیے کھینچ لاتی تھی۔

10.6 فقہ:

فقہ کی تعلیم اور اس کا فن دراصل قرآن وحدیث کی تعلیم وفن پر ہی منحصر تھا۔ خلفاء بالعموم اپنے افسروں اور عاملوں کو فقہی احکام لکھ کر بھیجا کرتے تھے اور ان کے ذریعہ سے عوام میں ان کی اشاعت بھی کرواتے تھے۔ وہ اپنی تقریروں اور خطبات میں بھی فقہی احکام بیان کرتے تھے۔ ان کے سامعین اپنی اپنی صلاحیت کے مطابق ان سے استفادہ بھی کرتے تھے۔ صوبوں اور مقبوضہ علاقوں کے دینی اور علمی مراکز میں متعین صحابہ کرام نے بھی فقہ کے علم کو ترقی دی۔ ان کے اعلیٰ اور مخصوص طلبہ نے اس فن میں مہارت بہم پہنچائی۔ ان میں حضرت عبداللہ بن مسعود کی فقہ نے کوفہ اور عراق کے دوسرے امصار میں خاص مقام حاصل کیا۔ جب کہ حضرت عبدالرحمن بن غنم کی فقہ نے شامی مکتبِ فکر کی بنیاد ڈالی۔ اسی طرح دوسرے علوم وفنون نے بھی جن میں سیرت و تاریخ اور عربی زبان وادب وغیرہ شامل تھے ان مراکز میں فروغ پایا۔ ان کا ذکر اموی خلافت کے ضمن میں کیا جائے گا۔

10.7 فنِ تعمیر:

یہی اصول مکانات اور رہائش کے معاملہ میں بھی جاری ہوتا ہے۔ عام لوگوں کے مکانات کچے، چھوٹے اور چھپر کے جھونپڑے ہوتے تھے اور مالدار ومتوسط طبقہ کے لوگوں کے مکانات، پختہ، وسیع کئی کمروں، دالانوں، صحنوں اور منزلوں والے ہوتے تھے۔ اسلامی صوبوں میں فنِ تعمیر زیادہ ترقی یافتہ تھا لہذا ان کے مکانات، سڑکیں، حمام، تالاب وغیرہ زیادہ اچھے تھے۔

اسلامی فتوحات کے بعد فنِ تعمیر میں غیر معمولی ارتقاء ہوا۔ رومی اور ایرانی فنِ تعمیر کے بہت اثرات پڑے کیوں کہ عراق وشام اور مصر و ایران وغیرہ میں ان کے فنِ تعمیر نے بہت ترقی کر لی تھی۔ حضرت عثمان نے اپنے عہدِ خلافت میں جب مسجد نبوی کی توسیع وتعمیر کرائی تو اسے چونہ اور گچ کے استعمال کے ساتھ پختہ تعمیر کرایا۔ اس میں رومی معماروں کے فن کو بھی استعمال کیا گیا تھا۔ مدینہ منورہ میں خاص کر اور دوسرے عربی مراکز میں عام طور سے بلند وبالا اور بڑی عمارات تعمیر کی گئیں۔ ان کے علاوہ سڑکوں، نہروں اور سرایوں وغیرہ کی تعمیر بھی کی گئی۔ خلافت فاروقی میں نہر معقل، نہر سعد اور نہر امیر المؤمنین وغیرہ اہم تھیں۔ یہ فنِ تعمیر کا اہم ارتقاء تھا۔

ان سے زیادہ اہم نئے شہروں کی تعمیر تھی ان میں کوفہ بصرہ، فسطاط، موصل حیرہ، برقہ وغیرہ نئے شہر شامل تھے پرانے شہروں کو ترقی دی گئی۔ یہ دراصل شہر کاری کا ایک اہم دور تھا۔ مختصراً یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس دور میں اسلامی تہذیب وتمدن میں وسعت بھی پیدا ہوئی۔

خود آزمائی:

1۔ خلفائے راشدین کے مرکزی نظام حکومت کے نمایاں خدوخال بیان کریں

2۔ خلفائے راشدین کے عہد کے اہم شعبوں کی تفصیلات بیان کریں۔

3۔ خلفائے راشدین کے دور میں جو تعلیمی و تہذیبی ترقی ہوئی اس پر جامع نوٹ لکھیں۔

لازمی کتب برائے مطالعہ

1۔ مفتی زین العابدین سجاد میرٹھی، تاریخ ملت جلد اول

2۔ یٰسین مظہر صدیقی، تاریخ تہذیب اسلامی حصہ دوم

3۔ مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی، خلافت وملوکیت

ماخذ ومصادر

یہ یونٹ تاریخ تہذیب اسلامی حصہ دوم از یٰسین مظہر صدیقی، کی تلخیص اور اخذ واستفادہ پر مبنی ہے۔

یونٹ نمبر 10

دور بنو امیہ نمبر 1

آغاز، عروج، زوال اور اس کے اسباب

تالیف

محی الدین ہاشمی

نظر ثانی

پروفیسر ڈاکٹر محمد باقر خان خاکوانی

علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد

فہرست عنوانات

یونٹ کا تعارف:

خلافت راشدہ کے بعد ملوکیت کی بناء پڑگئی، اس کے بانی حضرت امیر معاویہؓ تھے۔ آپ کا تعلق قریش کی ایک شاخ بنو امیہ سے تھا، اس یونٹ میں آپ خاندان بنو امیہ کے تعارف، خلافت کے قیام کے لیے ان کی جدوجہد، اموی خلافت کے قیام، خلفاء کے حالات زندگی اور ان کے کارناموں کا مطالعہ کریں گے۔ علاوہ ازیں آپ ان اسباب وعوامل کا مطالعہ بھی کریں گے جن کی بناء پر اموی حکومت شکست وریخت کا شکار ہوئی اور بالآخر اختتام پذیر ہوئی۔

یونٹ کے مقاصد:

اس یونٹ کے مطالعے کے بعد آپ اس قابل ہو جائیں گے کہ:

1۔ بنو امیہ کی تاریخ اور اموی خلافت کے قیام کے حالات بیان کر سکیں۔
2۔ امیر معاویہ کے عہد میں رونما ہونے والی تبدیلیوں پر بحث کر سکیں۔
3۔ سانحہ کربلا اور عبداللہ بن زبیر کی خلافت اسلامیہ کے قیام کی جدوجہد کو تفصیلاً بیان کر سکیں۔
4۔ اموی عہد کی شاندار فتوحات پر تبصرہ کر سکیں۔
5۔ عمر بن عبدالعزیز کی اسلامی اصلاحات پر روشنی ڈال سکیں۔
6۔ اموی حکومت کے زوال کے اسباب پر ایک جامع نوٹ قلمبند کر سکیں۔

1۔ خاندان بنوامیہ کا تعارف

قبیلہ قریش کی چھوٹی بڑی دس شاخیں تھیں:

1۔	بنی ہاشم	2۔	بنی امیہ	3	بنی نوفل
4۔	بنی عبد دار	5۔	بنی اسد	6۔	بنی تیم
7۔	بنی مخزوم	8۔	بنی عدی	9۔	بنی جمح
10۔	بنی سہم				

اگرچہ یہ سب شاخیں نسبی اعزاز میں قریب قریب تھیں اور ان سب کے پاس قریش کے اجتماعی نظام کا کوئی نہ کوئی عہدہ تھا مگر بنی ہاشم اور بنی امیہ دنیاوی وجاہت اور شان و شوکت میں ان سب میں ممتاز تھے۔ خاندان بنی ہاشم خانہ کعبہ کے متولی ہونے کی حیثیت سے ممتاز تھا جبکہ خاندان بنی امیہ کو افرادی اکثریت، کثرت مال اور سپہ سالاری کی وجہ سے عرب میں امتیاز حاصل تھا۔

خاندان بنی امیہ کے مورث اعلیٰ کا نام امیہ بن عبد شمس تھا انہی کے نام کی نسبت سے یہ خاندان بنی امیہ کہلایا۔ ہجرت مدینہ کے بعد قریش اور مسلمانوں کے مابین جو جنگیں ہوئیں ان میں سپہ سالار اسی خاندان میں سے ہوئے۔ ان دونوں خاندانوں میں ابتداء ہی سے رقابت و مسابقت پائی جاتی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ جب نبی اکرمؐ کو نبوت ملی تو آپ کے خاندانِ بنی ہاشم سے ہونے کی بنا پر خاندانِ بنی امیہ نے سب سے زیادہ مخالفت کی۔ ان کی یہ مخالفت فتحِ مکہ تک بڑے زور شور سے جاری رہی لیکن جب 8 ہجری میں فتح مکہ کے بعد ان کا زور ٹوٹا تو اس وقت جہاں قریش کے خاندانوں نے اسلام قبول کیا وہاں خاندانِ بنو امیہ نے بھی اسلام کی اطاعت میں سرِ تسلیم خم کر دیا۔ فتح مکہ کے بعد حضورؐ نے بنو امیہ کی تالیف قلب فرمائی اور جلد ہی آپ کے زیرِ سایہ عربوں کی تمام باہمی رقابتیں اور تعصبات مٹ گئے اور ان کی جگہ اسلامی اخوت، محبت اور بھائی چارے نے لے لی۔

1.1 اموی خلافت کا قیام:

دورِ نبویؐ اور عہدِ خلافتِ راشدہ میں خاندانِ بنوامیہ کے لوگوں کو مختلف عہدے اور منصب حاصل تھے۔ حضرت عثمان جو بنوامیہ سے تعلق رکھتے تھے، نبی اکرمؐ کے داماد تھے۔ ام المومنین حضرت ام حبیبہؓ ابوسفیان کی بیٹی تھیں جبکہ ابوسفیان عہد نبویؐ میں نجران کے عامل تھے۔ فتحِ مکہ کے بعد حضورﷺ نے عتاب بن اسید کو مکہ کا عامل مقرر کیا جن کا تعلق بنوامیہ سے تھا۔ جب حضرت ابوبکر صدیقؓ کا دور آیا تو انہوں نے ابوسفیان کے بیٹے یزید بن ابوسفیان کو شام پر فوج کشی کرنے کیلئے فوج کے ایک حصے کا افسر مقرر کیا تھا۔ عہد فاروقی میں یزید بن ابوسفیان کو فتحِ دمشق کے بعد وہاں کا عامل بنادیا گیا اور 18 ہجری میں ان کے انتقال کے بعد ان کے بھائی معاویہ کو وہاں کا عامل مقرر کر دیا۔ خلیفہ سوم حضرت عثمانؓ کے دور میں امیر معاویہ تمام بلادِ شام بشمول دمشق، اردن اور فلسطین کے والی مقرر کئے گئے لیکن شہادتِ عثمانؓ کے بعد جب حضرت علیؓ کا دور آیا تو آپ نے اس خاندان کے تمام گورنر بیک قلم معزول کر کے نئے گورنر مقرر کر دیئے، مگر شام کے حاکم امیر معاویہ نے گورنری چھوڑنے سے صاف انکار کرتے ہوئے قصاص عثمانؓ کا مطالبہ کر دیا۔ اس طرح انہوں نے شامی سرداروں کو یہ تاثر دینے کی کوشش کی کہ گویا شہادتِ عثمانؓ کا واقعہ حضرت علیؓ کی وجہ سے ہوا۔ چنانچہ شامی بھی ان کے ساتھ مل گئے۔ حضرت علیؓ نے امیر معاویہ کو سمجھانے کی کوشش کی مگر وہ نہ مانے چنانچہ 37 ہجری میں دونوں کی فوجوں کے مابین صفین کے مقام پر جنگ ہوئی جو جنگِ صفین کہلاتی ہے۔ اس جنگ میں شامی فوج کو جب شکست ہونے لگی تو انہوں نے قرآن مجید کے اوراق نیزوں پر بلند کر کے اعلان کر دیا کہ ہمارے درمیان قرآن حَکم ہے اور وہی فیصلہ کرے گا۔ حضرت علیؓ جانتے تھے کہ یہ ایک جنگی چال ہے مگر آپ کی فوج نے قرآن کو حَکم ماننے پر زور دیا اور یوں جنگ بند ہوگئی۔ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کو حضرت علیؓ کی طرف سے اور عمر بن العاصؓ کو امیر معاویہ کی طرف سے حَکم مقرر کیا گیا۔

حضرت ابوموسیٰ اشعری نے حضرت علیؓ اور امیر معاویہؓ دونوں کو معزول کر دیا مگر عمرو بن العاص نے حضرت علیؓ کو تو معزول کر دیا مگر امیر معاویہؓ کو برقرار رکھا۔ حضرت علیؓ نے اس نامنصفانہ فیصلے کو ماننے سے انکار کر دیا اور امیر معاویہؓ کے خلاف جنگ کرنے پر آمادہ ہوئے۔ مگر آپ کی فوج نے ساتھ نہ دیا اور بہت سے لوگ الگ ہو گئے۔ چنانچہ امیر معاویہ شام کے حکمران بن گئے، اسی دوران آپ نے مصر پر بھی اپنا تسلط قائم کر لیا۔ مسلسل خانہ جنگی اور آئے دن کی شورشوں سے تنگ آکر حضرت علیؓ نے امیر معاویہ کے ساتھ صلح کر لی جس کی رو سے شام، مصر اور مغربی علاقوں پر امیر معاویہ کی حکومت تسلیم کر لی گئی

اور عراق، ایران اور مشرقی علاقے حضرت علیؓ کی تحویل میں رہے۔

جب حضرت حسنؓ حضرت علیؓ کی شہادت کے بعد خلیفہ مقرر ہوئے تو امیر معاویہ نے عراق پر پھر حملہ بول دیا۔ امام حسنؓ طبعی طور پر امن پسند اور صلح جو واقع ہوئے تھے وہ نہیں چاہتے تھے کہ امت میں مزید کشت وخون ہو چنانچہ چند شرائط پر صلح کر لی اور امیر معاویہؓ کے حق میں خلافت سے دستبردار ہو گئے۔ اب امیر معاویہ تمام ممالک اسلامیہ کے بلاشرکت غیرے خلیفہ تسلیم کر لئے گئے۔

1.2 خلفائے بنوامیہ:

خلفائے بنوامیہ کا زمانہ 41 ہجری سے لے کر 132 ہجری تک ہے۔ اس طرح انہوں نے کل 92 سال حکومت کی اور اس عرصے میں کل چودہ خلفاء منصب خلافت پر فائز ہوئے۔ اس عہد کو دو حصوں میں تقسیم کیا جاتا ہے۔

1۔ دورِ عروج:

یہ دور 41 ہجری سے لے کر 101 ہجری تک ہے۔ یہ دور ستر برس پر محیط ہے اور اس عرصے میں کل آٹھ خلفاء گزرے ہیں۔

2۔ دورِ زوال:

یہ دور 102 ہجری سے لے کر 132 ہجری تک ہے اور اس عرصے میں کل چھ خلفاء ہوئے ہیں۔

1۔ دورِ عروج

2.1 حضرت امیر معاویہؓ (41ھ تا 60ھ بمطابق 661ء تا 680ء)

امیر معاویہؓ اموی خلافت کے پہلے خلیفہ بنے۔ آپ ابو سفیان بن حرب کے بیٹے تھے۔ ہجرت سے سترہ سال پہلے پیدا ہوئے۔ آپ کا شجرۂ نسب پانچویں پشت میں نبی اکرمؐ سے جا ملتا ہے۔ امیر معاویہ نے فتح مکہ کے وقت اسلام قبول کیا اور وفات نبوی تک آنحضرتؐ کے ساتھ رہے۔ آپ جنگِ حنین اور محاصرۂ طائف میں شریک تھے۔ آپ کاتبِ وحی مقرر ہوئے۔ کتابتِ وحی کے علاوہ باہر سے آئے ہوئے وفود کی مدارت اور ان کے قیام و طعام کا اہتمام بھی آنحضرتؐ کی طرف سے آپ کے سپرد تھا۔

امام حسنؓ کی دست برداری کے بعد 41ھ میں امیر معاویہ سارے عالم اسلام کے خلیفہ ہو گئے، انہوں نے اپنے زمانے میں تمام اندرونی و بیرونی مخالفتوں کا قلع قمع کیا اور اسلامی حکومت کے رقبے کو بڑھا کر اسے مختلف حیثیتوں سے ترقی دی۔

2.1.1 بغاوتیں اور اہم واقعات:

امیر معاویہ کے تخت نشین ہوتے ہی خوارج نے کوفہ اور بصرہ میں بغاوت کر دی۔ خوارج کا ظہور جنگِ صفین میں ہوا تھا جب حضرت علیؓ نے ابو موسیٰ اشعری اور عمرو بن العاص کو حَکَم مان لیا تھا۔ خوارج یہ کہہ کر علیحدہ ہو گئے تھے کہ حَکَم صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے جبکہ کسی اور کو حَکَم ماننا کفر ہے۔ امیر معاویہ نے کوفہ میں مغیرہ بن شعبہ اور بصرہ میں زیاد بن ابیہ کو ان کو سرکوبی پر مامور کیا جنہوں نے سخت مقابلے کے بعد خوارج کی طاقت توڑ دی۔

2.1.2 فتوحات:

امیر معاویہ بڑے تجربہ کار سپہ سالار تھے، حضرت عثمانؓ کے دور میں انہوں نے بحری بیڑہ تیار کر کے رومیوں کو کئی معرکوں میں شکست دی اور اپنے عہد میں کئی نئے مقامات اور ممالک فتح کئے۔ آپ کے زمانے میں ہندوستان پر دو اطراف

سے فوج کشی ہوئی، ایک فوج کابل کو فتح کرتی ہوئی درۂ خیبر کے راستے سرزمینِ ہند میں داخل ہوئی جبکہ دوسری فوج مکران کے راستے سندھ پر حملہ آور ہوئی اور ہندوستان میں کئی مقامات فتح ہوئے۔

ترکستان کے کئی علاقے اسلامی سلطنت کا حصہ بنے جن میں بخارا، سمرقند اور ترمذ کے علاقے خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ شمالی افریقہ میں اسلامی فوجوں نے طرابلس، تیونس، الجزائر، لواتہ اور زناطہ کے علاقوں کو فتح کیا۔ سوڈان کا ایک بڑا حصہ بھی آپ کے دور میں فتح کرلیا گیا۔

امیر معاویہ کے دور میں مسلمان افواج نے رومی فوجوں کو کئی معرکوں میں شکست دی۔ روڈوس کا مشہور جزیرہ بھی ان سے چھین لیا گیا۔ آپ کے دور میں پہلی مرتبہ اسلامی فوجوں نے مشرقی رومی سلطنت کے پایۂ تخت' قسطنطنیہ کو فتح کرنے کی کوشش کی۔ اسلامی بحری بیڑہ بحیرۂ روم سے گزر کر آبنائے فاسفورس میں داخل ہوگیا۔ مسلمان سپاہیوں نے قسطنطنیہ کا محاصرہ کرلیا۔ کافی مدت تک مسلمان مجاہدین نے یہ محاصرہ جاری رکھا مگر موسم کی شدت اور ناموافق حالات کے باعث اسلامی لشکر کو محاصرہ اٹھا کر لوٹنا پڑا۔

2.1.3 نظامِ خلافت اور کارنامے

الف) خلافت کے ڈھانچے میں تبدیلی:

امیر معاویہ نے اسلامی طرزِ حکومت میں چند ایسی بنیادی تبدیلیاں کیں جن کی وجہ سے ملوکیت کا آغاز ہوا اور انکی حکومت خلافتِ راشدہ کے نہج سے ہٹ گئی۔

خلفائے راشدین کے طریقِ انتخاب پر نظر ڈالیں تو یہ بات کھل کر سامنے آتی ہے کہ ان کے انتخاب میں عوام کی رائے کا بڑا دخل تھا اور کسی بھی خلیفہ نے اپنے بعد اپنی اولاد میں سے کسی کو خلیفہ نامزد نہیں کیا۔ امیر معاویہ نے اس طریقۂ کار کو چھوڑ کر اپنے بیٹے یزید کو نامزد کیا اور اس کیلئے بیعت بھی لے لی۔

خلافتِ راشدہ شورائیت اور جمہوریت پر مبنی تھی اور ان کی رہنمائی کیلئے مجلسِ شوریٰ موجود تھی۔ اس مجلس کے ارکان ایسے اکابر صحابہ تھے جو پوری آزادی سے ملکی معاملات میں خلیفہ کو مشورہ دیتے تھے۔ امیر معاویہ نے مجلسِ شوریٰ کو ختم کردیا۔ آپ کے دور میں خلیفہ مرکزی حکومت کا سربراہ تھا جو کسی کے سامنے جواب دہ نہ تھا اور جس کی ذات میں تمام فوجی اور انتظامی

اختیارات جمع تھے۔ مرکزی حکومت کا کام مختلف محکموں کو تفویض تھا، پورے ملک کو صوبوں میں تقسیم کیا گیا تھا اور ہر صوبے کے لئے الگ گورنر تھا جسے خلیفہ مقرر کرتا تھا۔

ب) فوجی نظام:

امیر معاویہؓ نے بری اور بحری افواج کی تنظیم نو کی اور فوجیوں کی تنخواہیں دگنی کر دیں۔ آپ سے پہلے فوج دو حصوں میں تقسیم تھی، تنخواہ دار فوج اور رضا کار فوج' لیکن آپ نے رضا کار فوج کو بھی باقاعدہ تنخواہ دار فوج بنا دیا۔ آپ کے عہد میں باقاعدہ فوج کی تعداد 2 لاکھ بیس ہزار تھی۔ موسموں اور ملکوں کے اختلاف کی وجہ سے آپ نے فوج کے دو حصے کر دیئے، شتائیہ (سرمائی فوج) اور صائفہ (گرمائی فوج)' تاکہ فوجی مہموں میں کوئی دشواری پیش نہ آئے۔

بحری فوج کی تشکیل حضرت عثمانؓ کے دورِ خلافت میں آپ نے ہی کی تھی، مگر اپنے دور میں اس میں بہت اضافہ کیا۔ حضرت عثمانؓ کے عہد میں پانچ سو جہازوں کا بیڑا تھا جبکہ حضرت امیر معاویہ ے عہدِ حکومت میں بحری بیڑا 1700 جنگی جہازوں پر مشتمل تھا۔ اسلامی بحریہ کی مزید ترقی کے پیشِ نظر ملک کے ساحلی علاقوں میں متعدد جہاز سازی کے کارخانے قائم کئے گئے منجنیق کا استعمال پہلی مرتبہ انہی کے عہد میں ہوا اور کابل کے محاصرہ میں سنگ باری کر کے شہر کی فصیل توڑی گئی۔

ج) قلعوں کی تعمیر:

دفاع کو مضبوط بنانے کیلئے بہت سے قلعے تعمیر کرائے گئے، شام کے علاقہ کو جسے بازنطینی حکومت کا ہر وقت خطرہ رہتا تھا، وہاں قلعوں کو مضبوط کیا، کئی پرانے اور ویران قلعوں کو از سر نو آباد کیا گیا، رومیوں کے پرانے قلعے ''جبلہ'' کو جو فتح شام کے وقت ٹوٹ گیا تھا، دوبارہ تعمیر کیا گیا، روڈس میں ایک قلعہ بنایا گیا، جو تقریباً سات سال تک فوجی مرکز رہا، مدینہ طیبہ میں ''قصر خل'' کے نام سے ایک قلعہ تعمیر کروایا گیا، نیز انطرطوس، مرقیہ اور بلینسارس میں کئی نئے قلعے تعمیر کئے گئے۔

د) پولیس کا نظام:

ملک میں داخلی امن کے قیام کیلئے امیر معاویہؓ نے پولیس کے محکمے کو بہت ترقی دی۔ یہ محکمہ عدلیہ کے ماتحت تھا جس کا کام قاضیوں کے فیصلوں کو عملی جامہ پہنانا تھا۔ جرائم کی روک تھام، سماج دشمن عناصر کی سرکوبی، حکومتی احکام کے نفاذ میں

تعاون اور حدود الہیہ کا قیام بھی پولیس کے فرائض میں داخل تھا۔

خوارج اور سبائی عناصر کو اگرچہ ظاہری طور پر دبایا جا چکا تھا مگر یہ دونوں تحریکیں اندرون ملک میں مخفی طور پر کام کر رہی تھی۔ چنانچہ ان کے تمام مشتبہ افراد کے نام رجسٹر میں درج کئے گئے اور ان کی دیکھ بھال اور نگرانی کیلئے مختلف صوبوں میں نگران مقرر کئے گئے۔

ھ) محکمہ ڈاک:

امیر معاویہؓ کے دور سے قبل پیغام رسانی کیلئے کوئی باقاعدہ محکمہ نہ تھا۔ آپ نے برید (ڈاک) کے نام سے ایک محکمہ قائم کیا جس کا نظام یہ تھا کہ تھوڑے تھوڑے فاصلے پر تیز رفتار گھوڑے ہر وقت تیار رہتے تھے۔ سرکاری ہرکارے اور گھوڑے منزل بہ منزل بدلتے رہتے تھے، اس طرح کم سے کم وقت میں ڈاک ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچ جاتی تھی۔

و) دیوان خاتم:

دیوان خاتم کے نام سے آپ نے ایک محکمہ قائم کیا جو سرکاری فرمان جاری کرتا تھا، اس کی نقل اس محکمہ میں محفوظ رکھی جاتی تھی اور فرمان کو لفافہ میں بند کر کے اس پر سرکاری مہر ثبت کی جاتی تھی، اس طرح فرامین میں ردوبدل کا امکان نہ رہا۔

ز) رفاہِ عامہ:

امیر معاویہ کے دورِ حکومت میں رفاہِ عامہ کے کاموں میں خاصی ترقی ہوئی جس سے رعایا کو بہت فائدہ پہنچا۔ زراعت کی ترقی کیلئے ملک بھر میں نہریں کھودی گئیں، مدینہ کے قرب و جوار میں نہر کظامہ، نہر ارزق، نہر شہداء وغیرہ متعدد نہریں کھدوائی گئیں، نہر معقل جو حضرت عمرؓ کے عہد میں بنائی گئی تھی اسے دوبارہ کھدوا کر صاف کروایا۔

آپ کے عہد میں بہت سے پرانے تباہ شدہ شہر آباد ہوئے اور کئی شہر نئے بھی بسائے گئے چنانچہ شام کا اجڑا ہوا شہر مرعش دوبارہ آباد کیا گیا۔ افریقہ میں بربر قوم کو قابو میں رکھنے کیلئے قیروان شہر کی بنیاد عقبہ کے ہاتھوں رکھی گئی جس سے رفتہ رفتہ یہ شہر ترقی کر کے شمالی افریقہ کا مرکز بن گیا۔

آپ نے کئی مساجد تعمیر کروائیں اور بہت سی پرانی مساجد کو منہدم کر کے انہیں از سر نو تعمیر کروایا۔ چنانچہ زیاد بن ابی سفیان نے بصرہ کی جامع مسجد گروا کر اسے از سر نو اینٹ اور چونے سے نہایت وسیع اور خوبصورت شکل میں بنوایا۔ اشاعت اسلام کی طرف بھی خصوصی توجہ دی گئی' یہی وجہ ہے کہ رومیوں کی ایک بڑی تعداد اس عہد میں حلقہ بگوشِ اسلام ہوئی۔

امیر معاویہؓ نے بیس برس کی خلافت کے بعد 60ھ میں وفات پائی۔

2.2 یزید اوّل بن معاویہ (60ھ تا 64ھ بمطابق 680ء تا 683ء)

امیر معاویہ کے انتقال کے بعد ان کا بیٹا یزید 60 ہجری میں خلیفہ بنا۔ یزید 26ھ میں پیدا ہوا تھا جس وقت امیر معاویہ شام کے حکمران تھے۔ اس کی پرورش شاہانہ ماحول میں بڑے ناز و نعم سے کی گئی جس کی وجہ سے اس کی طبیعت شروع ہی سے عیش پسندی کی طرف مائل ہوگئی۔ یہ ان تمام فضائل و محاسن سے یکسر عاری تھا جن کا ایک بڑے حکمران میں پایا جانا ضروری ہوتا ہے۔

اس کے چار سالہ مختصر عہد میں کوئی بھی تعمیری کام نہ ہوا بلکہ اس نے ایسے کام کئے جو تاریخ کے چہرے پر بدنما داغ ہیں۔ یزید کے عہد میں تین واقعات ایسے ہوئے جنہیں اس کے سیاہ کارناموں سے تعبیر کیا جاتا ہے، پہلا حادثہ کربلا، دوسرا واقعہ حرہ اور تیسرا خانہ کعبہ پر سنگ باری ہے۔

2.2.1 سانحہ کربلا:

یزید نے اقتدار سنبھالتے ہی ان لوگوں سے بیعت لینا چاہی جنہوں نے امیر معاویہ کے زمانے میں اس کیلئے بیعت نہ کی تھی۔ ان میں امام حسینؓ، عبداللہ بن زبیرؓ اور عبداللہ بن عمرؓ شامل تھے۔ اسے زیادہ خطرہ امام حسینؓ اور عبداللہ بن زبیرؓ کی طرف سے تھا کہ اگر انہوں نے دعویٰ خلافت کر دیا تو لوگ ان کے ساتھ مل جائیں گے۔ ان حضرات نے یزید کی بیعت نہ کی اور مکہ مکرمہ چلے گئے۔

مکہ میں امام حسینؓ کو کوفہ والوں نے کئی خطوط لکھے جن میں انہیں کوفہ آنے کی دعوت دی تاکہ آپ وہاں سے خلافتِ اسلامیہ کے قیام کی جدوجہد کا آغاز کر سکیں۔ امام حسینؓ نے اپنے چچا زاد بھائی مسلم بن عقیل کو تمام حالات کا جائزہ لینے کیلئے

کوفہ بھیجا۔ ابتداً بارہ ہزار کوفیوں نے مسلم بن عقیل کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ حالات سازگار دیکھ کر مسلم بن عقیل نے امام حسینؓ کو کوفہ آنے کیلئے لکھ دیا۔ امام حسینؓ اپنے اہل و عیال اور عزیز و اقارب کے ہمراہ روانہ ہو گئے لیکن راستے میں انہیں مسلم بن عقیل کی شہادت کی خبر مل گئی۔ مسلم کے ساتھ کوفیوں نے غداری کی اور عبید اللہ ابن زیاد والیٔ کوفہ کے ساتھ مل گئے۔

مسلم بن عقیل کی شہادت کی خبر مقام ثعلبیہ پر ملی تھی۔ امام حسینؓ متردد ہوئے لیکن مسلم کے بھائیوں نے سفر جاری رکھنے پر زور دیا۔ مقام ذی حشم پر حر بن یزید تمیمی نے امام حسینؓ کا راستہ روکا اور ابن زیاد کے حکم کے مطابق کربلا میں اترنے پر مجبور کر دیا چنانچہ آپ 2 محرم کو کربلا میں خیمہ زن ہوئے۔ 3 محرم کو ابنِ زیاد کے حکم پر عمر بن سعد چار ہزار کا لشکر لے کر کربلا پہنچ گیا۔ عمر بن سعد نے قرہ بن سفیان کو آپ کے پاس بھیجا تا کہ ان کے یہاں آنے کی غرض و غایت معلوم کرے۔ حضرت حسینؓ نے اس سے کہا کہ تمہارے شہر کے لوگوں نے مجھے خطوط لکھ کر بلایا ہے اگر تمہیں میرا آنا پسند نہیں ہے تو میں واپس مکہ چلا جاتا ہوں۔ عمر بن سعد نے ابن زیاد کو اس جواب سے مطلع کیا لیکن ابن زیاد نے حکم دیا کہ امام حسینؓ اور ان کے تمام ساتھیوں سے یزید کی بیعت لو اور اگر وہ انکار کر دیں تو ان کا پانی بند کر دو۔ چنانچہ سات محرم کو دریائے فرات پر ایک دستہ متعین کر کے آپ کا پانی بند کر دیا گیا۔ 10 محرم کو یزیدی فوجوں اور 72 نفوس پر مشتمل حسینی لشکر کا آمنا سامنا ہوا۔ عصر تک امام حسینؓ کے تمام ساتھی اور عزیز شہادت پا چکے تھے۔ اب امام حسینؓ تنہا رہ گئے تو انہیں یزیدی فوج نے گھیر لیا اور جب آپ زخموں سے چور اپنے خالق کے حضور سجدہ ریز ہوئے تو زرعہ بن شریک تمیمی نے آپ کا سر تن سے جدا کر دیا۔ تاریخِ اسلام کا یہ المناک ترین واقعہ 10 محرم 61ھ بمطابق 10 اکتوبر 680ء کو وقوع پذیر ہوا۔

2.2.2 واقعہ حرّہ:

تاریخ اسلام میں سانحہ کربلا کے بعد یزید کا دوسرا بڑا سیاہ کارنامہ واقعۂ حرہ ہے۔ شہادتِ امام حسینؓ کی خبر سن کر سرزمین حجاز میں انقلاب آ گیا۔ اہل مدینہ نے یزید کی بیعت فسخ کر کے عبد اللہ بن زبیر کی بیعت کر لی اور اموی حکام کو صوبے سے نکال دیا۔ یزید نے ولید بن عقبہ کی ماتحتی میں ایک فوج روانہ کی جس سے مدینہ کے باہر حرہ کے میدان میں خون ریز جنگ ہوئی اور اہلِ مدینہ کو شکست کا سامنا کرنا پڑا۔ فتح کے بعد مسلم بن عقبہ نے اعلان کیا کہ مدینہ تین روز تک مباح رہے گا۔ اس نے تین دن تک مدینۃ الرسولؐ میں قتل و غارت اور لوٹ کا بازار گرم رکھا جس میں باشندگان مدینہ کی اکثریت تہ تیغ کر دی گئی اور جو باقی بچے انہوں نے مجبوراً بیعت کر لی۔

2.2.3 خانہ کعبہ پر سنگ باری:

اہل مکہ نے بھی شہادتِ امام حسینؓ کے بعد عبداللہ بن زبیرؓ کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ مدینے کی بے حرمتی کے بعد یزیدی فوج عبداللہ بن زبیر کی سرکوبی کیلئے مکہ کی طرف بڑھی۔ عبداللہ بن زبیر نے شکست کھائی اور حرم میں پناہ گزین ہو گئے۔ شامیوں نے بڑھ کر محاصرہ کر لیا اور حرمت کعبہ کو بالائے طاق رکھتے ہوئے منجنیقوں کے ذریعے شہر پر سنگ باری کی جس سے خانہ کعبہ کی عمارت کو کافی نقصان پہنچا۔ یہ محاصرہ ابھی جاری تھا کہ 14 ربیع الاوّل 24ھ کو یزید کا انتقال ہو گیا اور لڑائی رک گئی۔ یہ اس کے عہد کا تیسرا افسوسناک واقعہ ہے۔

عہدِ یزیدی میں ان شرمناک واقعات کے علاوہ چند ایک فتوحات بھی ہوئیں جن کا تذکرہ غیر اہم ہے۔

2.3 معاویہ ثانی بن یزید (64ھ بمطابق 684ء)

یزید نے اپنے بیٹے معاویہ کو اپنی زندگی ہی میں جانشین نامزد کر دیا تھا۔ چنانچہ یزید کے بعد 64ھ میں معاویہ ثانی خلافت کے عہدے پر فائز ہوا۔ یہ نہایت نیک فطرت اور دین دار شخص تھا۔ امام حسینؓ کی شہادت کے بعد اسے دنیاوی جاہ و جلال سے سخت نفرت ہو گئی تھی چنانچہ تین ماہ کی خلافت کے بعد از خود خلافت سے دستبردار ہو گیا اور لوگوں کے سامنے تقریر کی!

”مجھ میں حکومت کا بار اٹھانے کی طاقت نہیں، میں نے چاہا تھا کہ ابو بکرؓ کی طرح کسی کو اپنا جانشین بنا دوں یا عمرؓ کی طرح چھ آدمیوں کو نامزد کر کے ان میں سے کسی ایک کا انتخاب شوریٰ پر چھوڑ دوں لیکن نہ عمرؓ جیسا کوئی نظر آیا اور نہ ویسے چھ آدمی ملے اس لئے میں منصب سے دست بردار ہوتا ہوں، تم جسے چاہو اپنا خلیفہ بنا لو“۔

خلافت سے دستبرداری کے کچھ عرصہ بعد اس کا انتقال ہو گیا۔ معاویہ کی دست برادری سے ایک سیاسی خلاء پیدا ہو گیا اور خلافت کے کئی دعویدار پیدا ہو گئے۔ آخر کار خلافتِ اسلامیہ مروان بن حکم اور عبداللہ بن زبیر کی دو متوازی خلافتوں میں تقسیم ہو گئی۔

2.4 مران بن حکم (64ھ تا 65ھ بمطابق 684ء تا 685ء):

مروان نے فتحِ مکہ کے بعد اسلام قبول کیا تھا۔ مروان حضرت عثمانؓ کا حقیقی چچا زاد بھائی تھا اور آپ کے عہد خلافت

میں ان کا سیکرٹری تھا۔ امیر معاویہ کے عہد میں اسے مدینے کا گورنر مقرر کیا گیا تھا۔ معاویہ ثانی کی خلافت سے دستبرداری کے بعد مملکت کے بیشتر حصوں میں عبداللہ بن زبیر کی بیعت کر لی گئی۔ عبداللہ بن زبیر نے تمام امویوں کو مدینہ سے نکلنے کا حکم دے دیا، مروان جو اس وقت مدینہ میں تھا اپنے بیٹے عبدالملک کو لے کر شام چلا گیا۔ مدینہ سے مروان کا اخراج اس کی سیاسی زندگی کا ایک اہم موڑ ثابت ہوا۔

جب مروان شام پہنچا تو اموی اس وقت خوف و پریشانی کے عالم میں باہمی اختلافات کا شکار تھے۔ انہوں نے تجربہ کار اور عمر رسیدہ ہونے کی بنا پر مروان کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ مروان کے خلیفہ بننے کے بعد خلافت' آلِ معاویہ سے آلِ مروان کو منتقل ہوگئی۔

مروان نے تقریباً ایک سال حکومت کی اور اس عرصے میں وہ صرف ابن زبیر کے اثر و رسوخ کو ختم کرنے میں سرگرداں رہا۔ چنانچہ شام اور مصر سے ابن زبیر کے حامیوں کو نکال کر وہاں اپنا تسلط مستحکم کیا۔ اس طرح شام کے وہ تمام مقبوضات جو ابن زبیر کے زیر اثر تھے پھر سے بنوامیہ کے قبضہ اختیار میں آ گئے اور اموی اقتدار جو چراغِ سحر کی طرح ٹمٹما رہا تھا دوبارہ مستحکم ہوگیا۔ اس مختصر سے عہد میں وہ اپنے اقتدار کو مضبوط کرنے کے سوا کوئی قابلِ ذکر کارنامہ انجام نہ دے سکا۔

2.5 عبداللہ بن زبیر (64ھ تا 73ھ بمطابق 485ء تا 695ء)

عبداللہ ابن زبیر، حضرت زبیر بن عوام کے صاحبزادے تھے ان کی والدہ حضرت اسماء حضرت ابوبکر صدیقؓ کی بڑی صاحبزادی اور حضرت عائشہؓ کی بہن تھیں۔ آپ خلفائے راشدین کے عہد میں کئی ایک مہمات میں شریک ہوئے۔ جب امیر معاویہ نے اپنی زندگی میں یزید کو خلیفہ نامزد کیا تو انہوں نے اس کی شدید مخالفت کی۔ شہادتِ امام حسینؓ کے بعد اہل مکہ اور اہل حجاز نے ابن زبیر کی بیعت کر لی تھی، اس کے ساتھ ہی عراق و مصر کے حکمرانوں اور عمائدینِ سلطنت نے بھی اپنی ہمدردیاں انہیں سے وابستہ کر دیں۔ اس طرح آپ کی خلافت کی حدود حجاز کے علاوہ عراق اور مصر تک وسیع ہوگئیں۔ البتہ شام میں مروان بن حکم کا برسر اقتدار آنا ابن زبیر کے اقتدار کیلئے خطرے کا باعث بن گیا۔ چنانچہ مرج راہط کے مقام پر مروان اور بن زبیر کے حامی قبیلہ قیس کے درمیان زبردست جنگ ہوئی جس میں قبیلہ قیس کو شکست ہوئی اور پورا شام مروان کے قبضہ میں آ گیا۔ اس کے بعد شامی لشکر مصر پر حملہ آور ہوا جس کے لئے مصریوں میں مقابلہ کی تاب نہ تھی، اس لئے انہوں نے لڑے بغیر مروان کی بیعت کو قبول کر لیا۔

مروان کے انتقال کے بعد 65ھ میں اس کا بیٹا عبدالملک برسرِ اقتدار آیا تھا۔ مروان قطعاً برداشت نہیں کر سکتا تھا کہ عراق ابنِ زبیر کی عملداری میں رہے اس لئے اس نے ایک زبردست لشکر کے ساتھ عراق پر حملہ کر دیا۔ ابنِ زبیر نے اپنے بھائی مصعب بن زبیر کو مقابلے کیلئے بھیجا مگر کوفیوں نے بے وفائی کی۔ چنانچہ مصعب بن زبیر کو شکست ہوئی اور وہ مارے گئے۔ مصعب کی شکست اور عراق چھن جانے سے عبداللہ بن زبیر کی فوجی طاقت کو بڑا دھچکا لگا۔ ان حالات میں عبدالملک نے ابنِ زبیر کی طاقت کو ختم کرنے کی ٹھانی اور حجاج بن یوسف کو فوج دے کر روانہ کیا۔ حجاج نے 73ھ میں مکہ کا محاصرہ کر کے شہر پر سنگ باری شروع کر دی جس سے حدودِ حرم کو بھی کافی نقصان پہنچا۔ یہ محاصرہ سات ماہ تک جاری رہا۔ جس کے نتیجے میں خورد و نوش کے تمام ذخیرے ختم ہو گئے اور محصورین نے ابنِ زبیر کا ساتھ چھوڑنا شروع کر دیا۔ بالآخر تنگ آ کر ابنِ زبیر تن تنہا دشمنوں کی صفوں میں گھس گئے اور لڑتے ہوئے شہید ہو گئے۔

یوں ابنِ زبیر کی شہادت کے ساتھ ہی عبدالملک پوری سلطنتِ اسلامیہ کا فرمانروا تسلیم کر لیا گیا۔

2.6 عبدالملک بن مروان (65ھ تا 86ھ بمطابق 685ء تا 705ء):

مروان کی وفات کے بعد 65ھ میں عبدالملک 39 سال کی عمر میں خلیفہ بنا۔ اس وقت بنو امیہ کی حکومت چند روز کی مہمان نظر آتی تھی اور ہر طرف بغاوتیں اور شورشیں برپا تھیں۔ حجاز اور عراق نے عبداللہ بن زبیر کے ہاتھ پر بیعت کر رکھی تھی اور محبانِ اہل بیت کی کئی ایک تحریکیں بھی وجود میں آ چکی تھیں۔ عبدالملک نے اپنے تدبر اور دور اندیشی سے ان تمام مشکلات پر یکے بعد دیگرے قابو پایا اور دشمنوں کا قلع قمع کر کے اموی سلطنت کی بنیادوں کو پھر سے استوار کیا۔ یہی وجہ ہے اسے خلافتِ بنو امیہ کا حقیقی بانی شمار کیا جاتا ہے۔

2.6.1 بغاوتوں اور شورشوں کا خاتمہ

خلیفہ بننے کے بعد عبدالملک نے سب سے پہلے جس گروہ کی سرکوبی کی وہ توابین تھے۔ یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے امام حسینؓ کو کوفہ بلا کر ان کی مدد نہیں کی تھی' یہ اپنے کئے پر شرمسار تھے اور قاتلینِ امام حسینؓ سے بدلہ لینا چاہتے تھے۔ توابین نے

سلیمان بن ہرد کی قیادت میں بغاوت کی تھی جس کے خاتمے کیلئے حجاج بن یوسف کو بھیجا گیا۔ حجاج نے عین الوردہ کے مقام پر توابین کو شکست دی' سلیمان مارا گیا اور جو باقی بچے وہ کوفہ واپس چلے گئے۔ سلیمان کے بعد ان بچے کھچے توابین کی قیادت مختار ثقفی نے سنبھالی جس کا تعلق قبیلہ بنوثقیف سے تھا۔ آہستہ آہستہ اس کی طاقت بڑھتی گئی اور وہ پورے عراق پر قابض ہو گیا۔ عراق پر قبضے کے بعد مختار نے قاتلین حسین سے چن چن کر بدلے لئے۔

توابین کے قلع قمع اور عراق پر قبضے کے بعد عبدالملک نے ابن زبیر کا اقتدار ختم کرنے کی ٹھانی۔ اس کے متعلق تفصیل سے آپ گزشتہ صفحات میں پڑھ چکے ہیں۔

عبداللہ بن زبیر اور عبدالملک کے درمیان معرکہ آرائیوں سے خوارج نے بھرپور فائدہ اٹھایا اور ایران، عراق، بحرین اور یمن میں شورشیں برپا کردیں۔ عبدالملک نے حجاج بن یوسف کو کوفہ کا گورنر مقرر کرکے اسے تاکید کی کہ خارجیوں کا قلع قمع کرے۔ ان دنوں خارجیوں کا سردار شبیب تھا جس نے حجاج کی بھیجی ہوئی فوجوں کو کئی بار شکست دی مگر حجاج نے اس کا پیچھا نہ چھوڑا۔ آخر کار کوفہ کے نزدیک ایک خونریز جنگ میں شبیب نے شکست کھائی۔ شبیب' اہواز کی طرف نکل گیا اور دریا عبور کرتے ہوئے ڈوب مرا، اس کی موت سے خارجیوں کا زور ٹوٹ گیا۔ اس کے علاوہ سیستان میں رتبیل اور عراق میں ابن اشعث نے بغاوت کی جسے عبدالملک کے حکم سے حجاج نے ختم کرکے وہاں امن قائم کیا۔

2.6.2 اصلاحات:

ملک سے بغاوتوں کا قلع قمع کرنے کے بعد عبدالملک نے مختلف اصلاحات کی طرف توجہ دی جن کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

(الف) عربی بطور دفتری زبان:

رومی اور ایرانی علاقوں پر قبضہ کرنے کے بعد عربوں نے وہاں کے سرکاری دفاتر کے قدیم نظام میں کوئی تبدیل نہیں کی تھی۔ دفتری کام ایران میں فارسی اور رومی مقبوضات میں یونانی اور عبرانی زبان میں ہوتا تھا جس سے مختلف قسم کی مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا تھا۔ عبدالملک کی اصلاحات میں سے یہ سب سے اہم کارنامہ ہے کہ اس نے سلطنت کے تمام دفاتر میں عربی زبان کو رائج کیا۔

(ب) عربی رسم الخط کی اصطلاح:

عبدالملک نے عربی رسم الخط کی اصلاح کی، اس وقت تک عربی حروف پر نقطے نہیں ہوتے تھے جس سے مشابہ الفاظ پڑھنے میں دقت ہوئی تھی، عبدالملک نے حروف پر نقطے لگوانے کے ساتھ ساتھ اعراب بھی لگوائے۔

(ج) اسلامی سکوں کا اجراء:

عبدالملک کا ایک اور بڑا کارنامہ اسلامی سکوں کا اجراء ہے۔ اس وقت تک اسلامی مملکت کے تمام علاقوں میں رومی اور ایرانی سکے رائج تھے جس سے بڑی حد تک مسلمانوں کی اقتصادی باگ ڈور ان قوموں کے ہاتھ میں تھی، عبدالملک نے رومی درہم کے مقابلے میں نئے درہم و دینار جاری کئے جن پر "قل ھواللہ احد" کی عبارت کندہ تھی۔ عبدالملک کے دور میں دمشق اور کوفے میں سکے ڈھالنے کی ٹیکسال بھی قائم کی گئیں۔

ان اصلاحات کے علاوہ عبدالملک نے عوامی بہبود اور خوشحالی کیلئے بھی متعدد اقدامات کئے، سڑکیں بنوائیں، بند تعمیر کروائے اور شہر آباد کئے جن میں واسط کا شہر خاص طور پر قابلِ ذکر ہے، خانہ کعبہ کی عمارت کو از سرِ نو تعمیر کروایا اور ہر سال خانہ کعبہ پر نیا غلاف چڑھانے کی رسم کی ابتداء کی۔

عبدالملک نے 21 سال کی خلافت کے بعد 705ء میں وفات پائی۔ اس نے اپنی زندگی میں اپنے دونوں بیٹوں ولید اور سلیمان کو جانشین نامزد کر دیا تھا، چنانچہ اس کی وفات کے بعد ولید بن عبدالملک خلیفہ بنا۔

2.7 ولید بن عبدالملک (86ھ تا 96ھ بمطابق 705ء تا 715ء)

عبدالملک اپنے زمانہ میں تمام مخالف قوتوں اور اندرونی سازشوں کا قلع قمع کر کے میدان بالکل صاف کر گیا تھا اس لیے ولید کو پورے اطمینان اور سکون کے ساتھ بیرونی فتوحات اور تعمیری کام کرنے کا موقع ملا۔ خوش قسمتی سے اسے قتیبہ بن مسلم، موسیٰ بن نصیر اور محمد بن قاسم جیسے باصلاحیت سپہ سالار بھی میسر آئے جن کی بدولت اسلامی حکومت کی حدود چین سے یورپ تک وسیع ہو گئیں، اسی بنا پر ولید کے عہد کو فتوحاتِ اسلامی کا درخشاں دور کہا جاتا ہے۔

2.7.1 وسط ایشیا کی فتوحات:

ولید کی تخت نشینی کے بعد قتیبہ بن مسلم خراسان کا والی مقرر ہوا تو ترکستان کے قبائل نے سرکشی اختیار کر لی۔ قتیبہ نے ان پر فوج کشی کر کے انہیں اطاعت پر مجبور کیا۔ 87ھ میں قتیبہ نے بخارات کے شہر بیکند پر حملہ کر کے اسے فتح کر لیا۔ 88ھ میں اس کے ہاتھوں نومکث، 90ھ میں بخارا جبکہ 93ھ میں سمرقند فتح ہوئے۔ ن کے بعد خوارزم، شاش اور فرغانہ کے علاقے بھی فتح کر کے انہیں اموی سلطنت کا حصہ بنا دیا۔

2.7.2 فتح سندھ:

ولید کے عہد تک سندھ پر مسلمانوں کا قبضہ نہ تھا، لیکن ایک اہم واقعہ نے مسلمانوں کو سندھ کی تسخیر پر مجبور کر دیا۔ لنکا کے راجہ نے خلیفۂ اسلام کی خوشنودی حاصل کرنے کیلئے اپنے ملک میں مقیم مسلم عرب تاجروں کے پسماندگان کو تحفے دے کر جہازوں میں روانہ کیا۔ لیکن سندھ کی مشہور بندرگاہ دیبل کے قریب پہنچنے پر ان جہازوں کو بحری ڈاکوؤں نے لوٹ لیا اور عورتوں اور بچوں کو قیدی بنا لیا۔

حجاج بن یوسف کو واقعہ کا علم ہوا تو اس نے سندھ کے راجہ داہر سے قیدیوں کی رہائی اور ان کا مال واسباب واپس دلانے کا مطالبہ کیا۔ راجہ نے نہ تو ڈاکوؤں کو سزا دی اور نہ مسلمانوں کو ان کے نقصان کا معاوضہ دیا۔ اس واقعے پر حجاج نے اپنے بھتیجے اور داماد محمد بن قاسم کو لشکر دے کر سندھ کی مہم پر روانہ کیا۔ محمد بن قاسم نے دیبل پہنچ کر شہر کا محاصرہ کر لیا۔ اہلِ شہر قلعہ بند ہو گئے اور محاصرہ طول پکڑتا گیا۔ آخر کار محمد بن قاسم نے شہر پر ہلہ بول دیا اور اہلِ دیبل کو شکست کا سامنا ہوا۔ فتح کے بعد محمد بن قاسم نیرون کی طرف بڑھا اور اسے فتح کرتا ہوا راوڑ جا پہنچا۔ راوڑ میں اس کا مقابلہ راجہ داہر سے ہوا، راجہ داہر کی فوج نے شکست کھائی اور وہ خود مارا گیا۔ اس کے بعد محمد بن قاسم نے برہمن آباد، آرور، باتیہ، کسکا اور اسکلندہ فتح کیے اور دریائے چناب عبور کر کے ملتان کا تاریخی شہر بھی فتح کر لیا۔

2.7.3 سپین کی فتح:

سپین جسے ہسپانیہ بھی کہا جاتا ہے، براعظم یورپ کے جنوب مغرب میں واقع ہے۔ افریقہ کے ساحلی علاقے سپین

کے زیر تسلط تھے۔ موسیٰ بن نصیر نے جب افریقہ کو زیر نگین کیا تو سپینی مقبوضات بھی اس کے تصرف میں آ گئے۔ سپین کے بادشاہ کو اس کا بڑا رنج ہوا، چنانچہ افریقہ کے بربر قبائل نے جب شورش برپا کی تو اس نے بربریوں کی امداد کیلئے جہاز اور کمک بھیجی۔ سپین پر ایک ظالم حکمران راڈرک کی حکومت تھی۔ اس نے کونٹ جیولن جو ہسپانیہ کے علاقہ سبتہ کا گورنر تھا کی بیٹی کی بے حرمتی کی جس پر کونٹ نے غضبناک ہو کر موسیٰ بن نصیر کو سپین پر حملہ کرنے کی دعوت دی۔ علاوہ ازیں وہاں کے عوام معاشی اور معاشرتی لحاظ سے بھی بہت پسماندہ تھے۔ ان حالات کو مد نظر رکھتے ہوئے سپہ سالار موسیٰ بن نصیر نے نامور فوجی جرنیل طارق بن زیاد کو اس مہم پر روانہ کیا۔

طارق بن زیاد کی قیادت میں بربری سپاہ کشتیوں کے ذریعے ساحل سپین کی ایک چٹان جبل الطارق (جبرالٹر) پر اتری۔ طارق کی پہلی جنگ مرسیہ کے گورنر تھیوڈومیر سے ہوئی جو شکست کھا کر بھاگ کھڑا ہوا۔ اس کے بعد شاہ راڈرک ایک لاکھ فوج کے ساتھ دریائے گوڈالٹ کے کنارے خیمہ زن ہوا۔ طارق کی فوج کی تعداد 12000 تھی۔ جنگ شروع ہونے سے قبل طارق نے کشتیاں جلا کر مسلمان سپاہیوں پر واضح کر دیا کہ ان کیلئے صرف دو راہیں ہیں "موت یا فتح"۔ چنانچہ واپسی کا خیال ترک کر کے مسلمان سپاہی اس بہادری کے ساتھ لڑے کہ اپنے سے کئی گنا زیادہ فوج کو شکست دے دی۔ اس فتح کے بعد طارق نے مزید پیش قدمی کی اور غرناطہ، قرطبہ، مالقہ اور طلیطلہ کی ریاستوں کو فتح کر لیا۔ ان فتوحات کا حال سن کر موسیٰ بھی اس کے پاس پہنچ گیا اور دونوں نے مل کر سپین کے بقیہ علاقوں سرگونہ، ارغوان، بوشلونہ پر قبضہ کر لیا اور اس طرح شمالی اسپین کو فتح کر لیا۔

2.7.4 رومیوں کے خلاف فتوحات:

قسطنطنیہ کی حکومت مسلمانوں کی سب سے بڑی حریف تھی۔ ولید کے بھائی مسلم اور بیٹے عباس نے ایشیائے کوچک میں رومیوں کیخلاف کئی فتوحات حاصل کیں اردلیہ، عموریہ، طرطوس اور انطاقیہ فتح ہوئے، بحیرۂ روم کے جزائر سارڈینا، منورقہ اور میورقہ بھی زیر نگین ہوئے۔

2.7.5 ملکی نظم ونسق اور تعمیری کارنامے:

ولید نے عظیم الشان فتوحات کے ساتھ ساتھ ملکی نظم ونسق کی طرف بھی توجہ دی اور مندرجہ ذیل تعمیری کارنامے

انجام دیئے:

i) سڑکوں کی تعمیر و مرمت کروائی اور ان پر سنگ میل نصب کروائے۔

ii) شفا خانے اور حفظانِ صحت کے مراکز قائم کروائے۔

iii) مہمان خانے تعمیر کروائے۔

iv) یتیموں کی کفالت کا معقول انتظام کیا اور نابینا اشخاص کو راستہ بتانے کیلئے ملازم مقرر کیئے۔

v) گداگری کی قانوناً ممانعت کی اور معذوروں اور اپاہجوں کے روزینے مقرر کیئے۔

vi) رمضان میں روزہ داروں کیلئے مسجد میں کھانے کا انتظام کیا گیا۔

vii) قیمتوں میں توازن قائم رکھنے کیلئے خود بازار کی نگرانی کی۔

viii) قرآن مجید کی تعلیم کی طرف توجہ دی، قرآن مجید حفظ کرنے والوں کو عطیے بخشنے اور دینی احکامات سے غفلت برتنے والوں کو سزا دینے کا اہتمام کیا گیا۔

ix) فوجی نظام کو بہت وسعت دی اور جہاز سازی کے کارخانے قائم کیئے، چنانچہ تیونس کے کارخانے میں صرف اس کے زمانے میں ایک سو جہاز تیار ہوئے۔

ولید کو فن تعمیر سے گہرا لگاؤ تھا۔ اس کا سب سے بڑا تعمیری کارنامہ مسجد نبویؐ کی تعمیر ہے۔ 88ھ میں مسجد کی از سر نو تعمیر شروع ہوئی اور 90ھ میں یہ پایہ تکمیل کو پہنچی۔ امہات المومنین کے حجرے اور مسجد سے متصل مکانات خرید کر مسجد میں شامل کر لئے گئے، مسجد کی پوری عمارت پتھر سے تعمیر کی گئی، تمام در و دیوار اور چھت پر اعلیٰ درجے کی مینا کاری کی گئی۔ قبلہ رخ دیواروں کی محرابوں اور اس کی طلائی مینا کاری پر پینتالیس ہزار اشرفی خرچ آیا، اس کے علاوہ روضہ نبویؐ کے چاروں طرف دوہری دیوار کھڑی کی گئی۔

ولید کا دوسرا بڑا کارنامہ جامع مسجد دمشق کی تعمیر ہے جس پر بے دریغ دولت صرف ہوئی' ایک اندازے کے مطابق 56 لاکھ اشرفیاں خرچ ہوئیں۔ پوری عمارت سنگ مرمر سے تعمیر کی گئی جس میں مختلف رنگوں کے پتھروں کی آمیزش سے جدت پیدا کی گئی' دیواروں پر طلائی اور لاجوردی کام اور جفت کاری کی گئی اور محرابوں میں جواہرات جڑے گئے۔ یہ عمارت بارہ ہزار مزدوروں اور ماہر کاریگروں کی آٹھ سال کی محنت کے بعد تیار ہوئی۔ بلاشبہ ولید کا عہد اسلامی تاریخ کا سنہری دور ہے جس میں عظیم الشان فتوحات کے ساتھ ساتھ ملکی نظم و نسق اور تعمیر و ترقی پر بھی توجہ دی گئی۔ ولید نے 9 سال 8 ماہ کی حکمرانی کے بعد 715ء میں وفات پائی۔

2.8 سلیمان بن عبدالملک (97ھ تا 99ھ بمطابق 717ء تا 719ء)

ولید کے انتقال کے بعد عبدالملک بن مروان کا دوسرا بیٹا سلیمان بن عبدالملک خلیفہ بنا۔ یہ فطرتاً شریف النفس انسان تھا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز جیسے نیک و صالح شخص، جو اس کے مشیر تھے، کی صحبت میں رہنے کی وجہ سے اس کی شخصیت کے اچھے پہلو دن بدن نکھرتے چلے گئے۔ وہ کئی لحاظ سے اپنے پیشرو حکمرانوں سے بہتر تھا۔ اس کی تخت نشینی سے اموی حکومت کی سیاست اور اصول بدل گئے۔ اس نے خلیفہ بنتے ہی ظالم عمال حکومت کو معزول کر دیا، مظلوموں اور ستم رسیدہ اشخاص کو جو مدتوں سے جیل میں بند تھے رہا کر دیا اور لوگوں کے دلوں سے خوف دور کر کے انہیں امن بخشا۔

بہر حال ایک چیز جو سلیمان کی تمام خوبیوں پر پردہ ڈالتی ہے وہ اس کا جذبہ انتقام تھا۔ اسے ولی عہدی کے زمانے میں جس سے بھی شکایت تھی خلیفہ بننے کے بعد وہ اس غضب کا شکار رہا۔ اس نے فاتح سندھ محمد بن قاسم جیسے عظیم سپہ سالار کو موت کے گھاٹ اتروا دیا اور موسیٰ بن نصیر جیسے نامور جرنیل کو ذلت آمیز زندگی گزارنے پر مجبور کر دیا، تاریخ میں محسن کشی کی ایسی مثالیں کم ہی ملتی ہیں۔

سلیمان کا تین سالہ عہد زیادہ تر عظیم فاتحین سے انتقام لینے اور چند فتوحات میں گزرا۔ اس کے عہد میں طبرستان، قہستان اور جرجان کے علاقے فتح ہوئے، قسطنطنیہ کو فتح کرنے کی بھی کوشش کی مگر ناکام رہا۔ اس نے دو سال آٹھ ماہ حکومت کرنے کے بعد 45 سال کی عمر میں وفات پائی، وفات سے پہلے عمر بن عبدالعزیز اور یزید بن عبدالملک کو یکے بعد دیگرے جانشین مقرر کیا۔

2.9 عمر بن عبدالعزیز (99ھ تا 101ھ بمطابق 719ء تا 720ء):

سلیمان نے حضرت عمر بن عبدالعزیز کو اپنا جانشین مقرر کیا تھا چنانچہ اس کی وفات کے بعد حضرت عمر بن عبدالعزیز 99ھ میں خلیفہ بنے۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز مشہور اموی فرمانروا مروان بن حکم کے پوتے تھے جبکہ آپ کی والدہ حضرت عمر فاروقؓ کی پوتی تھیں، اس لحاظ سے آپ کی رگوں میں فاروقی خون بھی شامل تھا۔ آپ کے والد عبدالعزیز مصر کے گورنر تھے جس کی وجہ

سے آپ نے شاہانہ ماحول میں پرورش پائی۔ آپ اموی خلیفہ عبدالملک کے بھتیجے اور داماد ہونے کی وجہ سے مختلف عہدوں اور مناصب پر فائز رہے تھے۔ شروع ہی سے آپ کی طبیعت میں شاہانہ وقار تھا' آپ بے حد نفیس لباس پہنتے اور خوشبویات کا کثرت سے استعمال کرتے تھے۔ خلافت کا بار اٹھانے کے بعد آپ کے تمام معمولات میں تبدیلی آ گئی' تمام شاہانہ ٹھاٹھ ختم کر دیئے اور شاہی لباس اتار کر فقیرانہ لباس زیب تن کر لیا۔ کنیزوں کو آزاد کر دیا اور اپنے لئے انتہائی سادہ اور عسرت کی زندگی کو پسند کیا۔ الغرض آپ فقر و استغناء کا پیکر ہو کر رہ گئے تھے۔ آپ کی ہمیشہ یہ کوشش رہی کہ خلفائے راشدین کی پیروی کریں۔

2.9.1 اصلاحات:

حضرت عمر بن عبدالعزیز کا دورِ خلافت پورے عہد بنوامیہ میں روشن و ممتاز رہا۔ انہوں نے اپنے زمانے میں ایسی اصلاحات نافذ کیں جس سے دورِ فاروقی کی یاد تازہ ہو گئی۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کو عمر ثانی بھی کہا جاتا ہے۔

آپ کی اصلاحات کا اجمالی جائزہ حسب ذیل ہے:

الف) غصب شدہ جاگیروں کی واپسی:

اموی حکمرانوں نے اپنے دورِ اقتدار میں ظلم و تشدد سے عوام کی جاگیروں کو اپنی ملکیت میں لے لیا تھا۔ خلیفہ بننے کے بعد حضرت عمر بن عبدالعزیز نے ان تمام خلفاء کی جائیدادوں کو ضبط کرنے کے احکامات جاری کئے اور اس کا آغاز اپنی ذات سے کیا۔ آپ کے پاس بہت بڑی موروثی جائیداد تھی جسے آپ نے اپنی ملکیت سے نکال کر عوام کی ملکیت میں دے دیا۔ اموی خلفاء نے آپ کو باز رکھنے کی بہت کوشش کی مگر آپ نے کسی کی نہ سنی اور اس کام کو پایۂ تکمیل تک پہنچا کر ہی دم لیا۔

ب) باغ فدک کی واپسی:

حضرت عمر بن عبدالعزیز کو دوسرا اہم مسئلہ باغِ فدک کا درپیش ہوا۔ فدک' خیبر کے نواح میں کھجوروں کا باغ تھا۔ عہدِ نبویؐ اور عہدِ خلافت راشدہ میں اس باغ کی آمدنی بنو ہاشم کی ضروریات کی تکمیل اور حاجت مندوں پر خرچ ہوتی تھی لیکن بعد میں مروان بن حکم نے اسے اپنی جاگیر میں شامل کر کے اپنے بیٹوں عبدالملک اور عبدالعزیز میں تقسیم کر دیا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز کو اس جائیداد کا ایک حصہ اپنے والد عبدالعزیز سے اور دوسرا حصہ جو عبدالملک کے بیٹوں ولید اور سلیمان کو پہنچا تھا،

وہ بھی ان کے تصرف میں آ گیا۔ آپ نے اسے اپنی ملکیت سے نکال کر اس کی آمدنی کو بنو ہاشم کی ضروریات کی تکمیل کیلئے وقف کر دیا۔

ج) بیت المال کی آمدنی کا صحیح استعمال:

خلفائے بنو امیہ نے بیت المال کو ذاتی ملکیت قرار دے کر اس کی آمدنی میں خوب تصرفات کئے تھے۔ بیت المال کا بڑا حصہ ان کے ذاتی تعیش پر صرف ہوتا تھا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے اسے ذاتی ملکیت سے نکال کر عوام کی امانت قرار دیا اور اس کی آمدنی میں سے جو تحفے تحائف دیئے جاتے تھے انہیں موقوف کر دیا۔ ملک میں جتنے مجبور، معذور اور اپاہج تھے، ان سب کی فہرست تیار کر کے ان کے وظائف مقرر کئے۔ آپ نے بیت المال کی حفاظت اور احتساب کا کامل انتظام کیا۔ آپ نے یزید بن مہلب والئ خراسان کو خیانت کی بنا پر نہ صرف معطل کیا بلکہ قید میں ڈال دیا۔ یمن کے بیت المال سے صرف ایک اشرفی کم ہوگئی تو افسر خزانہ کو نہ صرف ڈانٹ ڈپٹ کی بلکہ اسے کہا کہ تم پر فرض ہے کہ اپنی صفائی میں شرعی قسم کھاؤ۔

د) غیر اسلامی ٹیکسوں کی تنسیخ:

حضرت عمر بن عبدالعزیز نے اموی خلفاء کے رائج کردہ ان تمام ٹیکسوں کو منسوخ کر دیا جو غیر اسلامی تھے مثلاً نو مسلموں سے جزیہ کی وصولی وغیرہ۔

ھ) حضرت علیؓ پر لعن طعن کرنے کی رسم کا خاتمہ:

خلفائے بنو امیہ نے جمعہ کے خطبات میں حضرت علیؓ پر لعن طعن کرنے کی مذموم رسم جاری کر رکھی تھی، حضرت عمر بن عبدالعزیز نے اس کا خاتمہ کیا۔

و) احیائے شریعت و اخلاقی اصلاح:

حضرت عمر بن عبدالعزیز نے پورے معاشرے میں اسلامی روح پھونک دی۔ لوگوں کو نماز، روزہ کی طرف مائل کیا اور زکوٰۃ و صدقات کے نظام کو منظم کر کے لوگوں کی زندگیوں کو اسلامی سانچے میں ڈھال دیا۔ اخلاقی اصلاح کیلئے شراب، جواء اور ناچ گانے کی محفلوں پر پابندی لگا دی۔ اس طرح غیر شرعی رسوم کا خاتمہ کر کے معاشرے کی اصلاح کی۔

oooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooo

ز) اسلامی تعلیمات کی اشاعت:

آپ نے قرآن و حدیث اور فقہ کی تعلیمات اور تدوینِ حدیث اور اس کی اشاعت پر خصوصی توجہ دی۔ قرآن و حدیث کے عالموں کو مختلف علاقوں میں تعلیم کیلئے بھیجا گیا۔ کتاب و سنت کی ترویج کے ساتھ ساتھ اشاعتِ اسلام پر بھی خصوصی توجہ دی گئی۔

ح) ظالم والیوں کی معزولی:

حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نظامِ حکومت میں نہایت اہم اور انقلابی تبدیلیاں لانا چاہتے تھے، لہٰذا آپ نے تمام ظالم و جابر والیوں کو معزول کر دیا۔ سب سے پہلے یزید بن مہلب کو معزول کیا' اس کے بعد حجاج بن یوسف کے خاندان کو جو اپنے مظالم میں مشہور تھا جلاوطن کیا، حجاج کے مامور کئے ہوئے تمام عمال معزول کیے اور ان کی جگہ نیک اور دیانتدار افراد کو اعلیٰ مناصب پر فائز کیا تا کہ نظامِ حکومت کی اصلاح ہو۔

ط) رفاہ عامہ:

حضرت عمر بن عبد العزیز نے عوام کی فلاح و بہبود کیلئے ملک میں نہایت کثرت سے سرائیں اور لنگر خانے بنوائے ،چشموں سے نہریں نکلوائیں اور چراگاہیں عام کیں۔ آپ نے جیل خانوں کی بھی اصلاح کی اور قیدیوں کے ساتھ نرم رویہ اختیار کرنے کا حکم دیا۔

ی) ذمیوں سے حسن سلوک:

اموی عہد میں ذمیوں کے ساتھ بہت زیادتیاں کی جاتی تھیں۔ حضرت عمر بن عبد العزیز نے ذمیوں کے ساتھ مشفقانہ برتاؤ کیا' ان کے خون کی قیمت مسلمان کے برابر قرار دی' ان کے مذہبی حقوق کا تحفظ کیا اور قانون کی نگاہ میں ذمی اور مسلمان کو برابر کا درجہ دیا۔ عمال کو ہدایت تھی کہ جزیہ وصول کرتے وقت وہ کسی قسم کی سختی یا تشدد روا نہ رکھیں اور معذور و محتاج ذمیوں کے بیت المال سے وظیفے مقرر کئے جائیں۔ دوسرے مسلمانوں کی طرح ذمیوں کی غصب شدہ جائیدادیں بھی آپ نے واپس کرا دیں۔ عیسائیوں اور یہودیوں کی چند ایک عبادت گاہیں جنہیں پہلے خلفاء کے زمانے میں مسلمان زبردستی اپنے تصرف میں لے آئے تھے' بحال کر دیں۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز کی اصلاحات کا جائزہ لینے سے یہ بات پوری طرح واضح ہو جاتی ہے کہ انہوں نے اپنے دور میں انقلابی اقدامات کئے اور ایسی عظیم الشان اصلاحات نافذ کیں کہ دور خلافت کی یاد تازہ ہو گئی۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کو پانچواں خلیفہ راشد بھی کہا جاتا ہے۔ آپ کا زمانہ خلافت ڈھائی سال پر مشتمل ہے، آپ نے 101ھ میں اس زہر کے اثرات سے وفات پائی جو اموی خاندان کے لوگوں نے آپ کو دلوایا تھا۔

3۔ دورِ زوال

3.1 یزید بن عبدالملک (101ھ تا 105ھ بمطابق 720ء تا 724ء):

یزید بن عبدالملک حضرت عمر بن عبدالعزیز کے بعد 101ھ میں تخت نشین ہوا۔ وہ چالیس دن سے زیادہ اپنے قابل فخر پیش رو کے طرز عمل کو اختیار نہ کر سکا اور اس نے حضرت عمر بن عبد العزیز کی تمام اصلاحات منسوخ کر کے اپنے پیشرو حکمرانوں کے نظام کو جاری کر دیا۔

یزید کی عیاشی اور سلطنت سے ناواقفیت اور تساہل کی بدولت قبائلی تعصبات نے سر اٹھانا شروع کر دیا۔ چنانچہ حمیری اور مضری قبائل جو آپس میں ایک دوسرے کے دشمن تھے ان کا تعصب عود کر آیا۔ حمیری قبیلہ کا ایک شخص یزید بن مہلب، جو حضرت عمر بن عبدالعزیز کے دور میں نظر بند تھا، جیل سے فرار ہو گیا اور عراق میں بغاوت کر دی۔ یزید ثانی نے اپنے بھائی مسلمہ کو اس کی سرکوبی کیلئے بھیجا' عراق میں انبار کے نزدیک ایک خون ریز جنگ ہوئی جس میں یزید بن مہلب کی شکست ہوئی اور وہ مارا گیا۔ اس کے علاوہ ترک اور سغدی قبائل نے بھی بغاوتیں کیں جنہیں اگرچہ دبا دیا گیا مگر اس سے قبائلی تعصبات جاگ اٹھے اور ملک میں خانہ جنگی کی سی کیفیت پیدا ہو گئی۔

یزید (ثانی) کے عہد کو بنو امیہ کا بدترین عہد کہا جا سکتا ہے کیونکہ اس عہد سے بنو امیہ کے دور زوال کا آغاز ہوا اور عباسیوں کو اپنی دعوت پھیلانے کی سرگرمیاں تیز کرنے کا خوب موقع ملا۔ یزید نے وفات سے قبل اپنے بھائی ہشام بن عبد الملک اور بیٹے ولید کو بالترتیب اپنا جانشین نامزد کیا۔

3.2 ہشام بن عبدالملک (105ھ تا 125ھ بمطابق 724ء تا 743ء):

یزید ثانی کی وفات کے بعد ہشام 105ھ میں منصبِ خلافت پر فائز ہوا، یہ عبدالملک کے لائق ترین فرزندوں میں سے تھا۔ جس وقت ہشام خلیفہ بنا، ہر طرف انتشار اور فساد تھا' چنانچہ وہ اپنے طویل دورِ حکومت میں خلافتِ بنوامیہ کو تباہی سے بچانے کی کوششوں میں مصروف رہا۔ اس کی یہ تھکا دینے والی طویل جدوجہد اس کی ہمت اور مستقل مزاجی کی شاندار داستان ہے۔ اگرچہ وہ بنوامیہ کو تباہی سے نہ بچا سکا لیکن وقتی طور پر اموی قصرِ اقتدار کو اس نے سہارا ضرور دیا۔

3.2.1 فتوحات:

ہشام کے دور میں ترکستان میں بڑی خونریز لڑائیاں ہوئیں جن کا سبب عربوں کا قبائلی تعصب اور نومسلموں سے حکومت کا ناروا سلوک تھا۔ علاوہ ازیں ان علاقوں میں کئی چھوٹے چھوٹے سردار' حکومت کی گرفت ڈھیلی پڑنے پر یہ بغاوت کر دیتے۔ ہشام نے خالد بن عبداللہ کو ترکستان کا گورنر مقرر کیا جس نے بلخ، سمرقند، بخارا اور مرو پر مسلمانوں کا تسلط دوبارہ قائم کر دیا۔

- آذربائیجان اور آرمینیا میں ترکوں نے شورش برپا کی مگر مروان بن محمد نے وہاں دوبارہ امن وامان قائم کیا۔ ایشیائے کوچک میں مروان بن محمد نے 105ھ میں قونیہ اور لکخ کے علاقے فتح کیے۔ 108ھ میں مسلمہ نے قیساریہ پر قبضہ کر لیا۔ اس کے بعد خرشنہ اور مطمورہ بھی اسی خلیفہ کے عہد میں اسلامی مملکت کا حصہ بنے۔

3.2.2 عباسی دعوت:

عباسی دعوت اگرچہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے عہد میں شروع ہوگئی تھی مگر ہشام کے عہد میں اس نے زیادہ وسعت اختیار کر لی۔ خلافت کے دعویدار اہلِ بیت نبویؐ تھے یا حضرت علیؓ کی غیر فاطمی اولاد، لیکن سلیمان بن عبدالملک کے عہد میں ان دعویداروں کی قیادت آلِ عباس میں منتقل ہوگئی اور عبداللہ بن عباس کے پوتے محمد بن علی اس تحریک کے قائد بنے جنہوں نے باقاعدہ ایک منظم تحریک قائم کر کے دعوت کا آغاز کیا۔ ہشام کے زمانے میں خراسان اور عراق کے بڑے حصے میں عباسی دعوت پھیل گئی اور جا بجا اعلانیہ اس کے مظاہر بھی نظر آنے لگے۔ اس وقت ہشام نے ادھر توجہ دی مگر عمر نے وفا نہ کی، بالآخر یہی تحریک بنوامیہ کے زوال کا سبب بن گئی۔

3.2.3 ملکی اصلاحات و خدمات:

ہشام نے بغاوتوں کے استیصال کے ساتھ ساتھ ملکی نظم و نسق پر بھی توجہ دی، اس کی تفصیل حسب ذیل ہے:

1۔ ملک کی تمام بنجر اور نا قابلِ کاشت زمینوں کو قابلِ کاشت بنایا گیا۔

2۔ دفتروں میں ہر چیز کا دفتری ریکارڈ رکھا گیا۔ کاغذات کی صحت و ترتیب کے اعتبار سے اس کا زمانہ تمام خلفاء میں ممتاز تھا۔

3۔ ریشمی کپڑے کی صنعت کو ترقی دی گئی۔

4۔ نئے شہروں کی آباد کاری ہوئی، مثلاً شام میں قنسرین کے علاقے میں رصافہ اور سندھ میں منصورہ اور محفوظہ آباد ہوئے۔

5۔ بحری بیڑے کی ترقی کیلئے شمالی افریقہ میں جہاز سازی کے مزید کارخانے قائم کیے گئے۔

ان کارناموں کے ساتھ ساتھ ہشام نے مذہبی خدمات بھی انجام دیں۔ اس نے امام زہری سے چار سو احادیث پر مشتمل ایک مجموعہ مرتب کرایا تھا۔

ہشام انصاف کے تقاضوں کو پورا کرتا تھا، اس کے ایوان میں مسلم و غیر مسلم سب برابر تھے۔ ہشام کے اس پورے عہد کا جائزہ لینے کے بعد ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ اگر اسے پر امن دور ملا ہوتا تو اس کا عہد تاریخِ اسلام کا بہترین دور ہوتا۔ ہشام نے 125ھ میں وفات پائی۔

3.3 ولید ثانی بن یزید (125ھ تا 126ھ، بمطابق 743ء تا 744ء):

ہشام کی وفات کے بعد یزید بن عبد الملک کا بیٹا ولید ثانی 125ھ میں خلیفہ بنا۔ یہ امورِ مملکت سے غافل اور ہر وقت فسق و فجور میں غرق رہتا تھا۔ اس نے خلیفہ بننے کے بعد عوام اور فوج کو اپنا ہمنوا بنانے کیلئے بہت پیسہ خرچ کیا اور فوج کی تنخواہوں میں اضافہ کر دیا۔

ہشام اپنی خلافت کے آخری ایام میں ولید کی نالائقیوں سے تنگ آکر اپنے بیٹے مسلمہ کو اپنا جانشین مقرر کرنا

چاہتا تھا اس لئے ولید ہشام کے خاندان کا سخت دشمن ہو گیا تھا۔ خلیفہ بننے کے بعد اس نے ہشام کی اولاد اور عزیزوں پر بہت مظالم ڈھائے اور ان کی جائیداد ضبط کر لی۔ اس کی فاسقانہ طرزِ زندگی اور ظالمانہ رویے کی وجہ سے عوام اس سے سخت متنفر ہو گئے۔ اس نے قبائلی عصبیت کو بھی خوب ابھارا اور یمنی قبائل کے ممتاز رہنما خالد بن عبداللہ القسری کو گرفتار کروا کر مروا دیا۔ اس پر یمنی قبائل کے جذبات بھڑک اٹھے، انہوں نے اس کی بیعت کو فسخ کر کے ولید بن عبدالملک کے بیٹے یزید ثالث کی بیعت کر لی۔

ولید ثانی اس وقت حمص اور دمشق کے درمیان قلعہ نجرا میں مقیم تھا جب مشتعل یمنی قبائل اور یزید ثالث کی فوج نے وہاں پہنچ کر قلعہ کا محاصرہ کر کے ولید ثانی کو قتل کر دیا۔

3.4 یزید ثالث بن ولید (126ھ بمطابق 744ء):

ولید ثانی کے قتل کے بعد یزید بن ولید اول خلیفہ بنا۔ وہ فطرتاً ایک شریف النفس انسان تھا۔ تخت نشینی کے بعد اس نے جو خطبہ دیا اس میں عدل وانصاف کے ساتھ حکومت کرنے، حدود اللہ کی حفاظت کرنے، ملک سے فتنہ وفساد دور کرنے، عوامی ضروریات کی فراہمی اور ملکی سرحدوں کی حفاظت کا وعدہ کیا تھا۔ اس سے ظاہر ہوتا تھا کہ وہ عوامی فلاح وبہبود چاہتا تھا، مگر موت نے اسے یہ تمام وعدے پورے کرنے کی مہلت نہ دی۔

یزید ثالث اپنے مختصر ترین عہدِ حکومت میں عراق، خراسان، حمص، فلسطین اور آرمینیا کے علاقوں سے بغاوتوں کا خاتمہ کرنے کی کوششوں میں مصروف رہا۔

اپنے عہدِ حکومت میں اس نے ایک بڑی غلطی یہ کی تھی کہ اس کے باپ ولید اول نے فوج کی جو تنخواہیں بڑھائی تھیں ان میں کمی کر دی، اس طرح فوج کی ہمدردیاں اس کے ساتھ وابستہ نہیں رہیں۔ اسی واقعہ کی بنا پر اسے یزید الناقص (کمی کرنے والا) بھی کہا جاتا ہے۔

- یزید ثالث کو حکومت سنبھالے ابھی صرف چھ ماہ ہی گزرے تھے کہ 126ھ میں اس کی وفات ہو گئی۔ مرنے سے پہلے اس نے اپنے بھائی ابراہیم بن ولید بن عبدالملک کو جانشین مقرر کیا تھا۔

3.5 ابراہیم بن ولید (126ھ تا 127ھ بمطابق 744ء تا 745ء):

یزید کی وفات کے بعد اس کا بھائی ابراہیم 126ھ میں تخت نشین ہوا لیکن وہ برائے نام خلیفہ ثابت ہوا۔ اس کی خلافت کو تسلیم نہیں کیا گیا اور چند ہی مہینوں میں مروان بن محمد نے اس کی حکومت کا خاتمہ کر کے خود خلیفہ بن گیا۔

3.6 مروان ثانی بن محمد بن مروان (127ھ تا 132ھ بمطابق 745ء تا 750ء):

مروان ثانی نہایت پرآشوب حالات میں برسر اقتدار آیا تھا۔ وہ سن رسیدہ، تجربہ کار، مستقل مزاج اور بہادر خلیفہ تھا، لیکن اس وقت اموی حکومت شدید بدنظمی اور انتشار کا شکار ہو چکی تھی۔ مضری اور یمنی قبائل کی کشمکش بھی جاری تھی۔ مروان نے چونکہ مضری قبائل کی مدد حاصل کی تھی اس لئے یمنی قبائل اس کے مخالف ہو گئے اور ان کے اثر سے شام میں بغاوتیں شروع ہو گئیں۔ ان بغاوتوں کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ مروان نے دمشق کو چھوڑ کر حران کو دارالخلافہ بنایا تھا۔ اس کے اس اقدام سے شامی اس کے خلاف ہو گئے اور انہوں نے بغاوتیں شروع کر دیں جنہیں مروان نے فوجی کارروائی کر کے کچل دیا۔ حضرت جعفر طیار کے پوتے عبداللہ بن معاویہ نے بھی یمنی اور ربیعہ قبائل کی مدد سے بغاوت کی تھی مگر شکست کھائی۔

خوارج نے اس عہد میں بہت شورش برپا کی۔ انہوں نے ضحاک بن قیس شیبانی کو سردار بنا کر عراق میں شورش برپا کی تھی۔ مروان کے بیٹے عبداللہ نے فوجی کارروائی کر کے انہیں شکست دی اور ضحاک مارا گیا۔ اس کے بعد خوارج نے یکے بعد دیگرے خیبری اور شیبان بن عبدالعزیز کو سردار بنا کر بغاوت کی، مگر مروان نے ان بغاوتوں کو کچل دیا اور کوفہ اور بصرہ پر مروان کا قبضہ بحال ہوا۔ اسی زمانے میں ایک خارجی سردار ابوحمزہ نے مکہ اور مدینہ پر قبضہ کر کے امویوں کے خلاف علم بغاوت بلند کیا، مروان کے ایک جرنیل عبدالملک بن محمد نے ان کا مقابلہ کر کے انہیں شکست دی۔

3.6.1 عباسی تحریک اور مروان کا خاتمہ:

مروانی عہد کے انتشار اور بدنظمی سے عباسیوں نے خوب فائدہ اٹھایا اور اپنی دعوت کو سارے خراسان میں پھیلا دیا۔ مروان کے عہد میں عباسی تحریک کے قائد ابراہیم بن محمد عباسی تھے جبکہ ابومسلم خراسانی اس تحریک کا سب سے سرگرم داعی

تھا۔ اس نے مروانی عہد کے انتشار سے فائدہ اٹھا کر 129ھ میں خراسان میں خروج کیا اور بہت سے علاقے فتح کر لئے۔

یہ صورت حال مروان بن حکم کیلئے انتہائی پریشان کن تھی، چنانچہ اس نے ابراہیم عباسی کو گرفتار کر کے قتل کروا دیا۔ بعد ازاں ابراہیم کے بھائی ابوالعباس نے اس تحریک کی قیادت سنبھال لی۔

اب حالات روز بروز عباسیوں کے حق میں بہتر ہوتے جا رہے تھے۔ مروان نے فیصلہ کن جنگ لڑنے کا فیصلہ کر لیا اور دریائے زاب کے کنارے ایک لاکھ بیس ہزار کا لشکر لے کر خیمہ زن ہوا۔ عباسیوں اور امویوں کے درمیان خونریز جنگ ہوئی جس میں مروان کو شکست ہوئی۔ مروان بھاگ کر پہلے موصل گیا لیکن وہاں کے لوگوں نے اس کا ساتھ نہیں دیا جس پر وہ خراسان آیا پھر وہاں سے مصر بھاگا لیکن عباسیوں نے اس کا مسلسل پیچھا کیا۔ بالآخر بوحیر کے مقام پر 132ھ میں مروان لڑتا ہوا مارا گیا۔

اس شکست نے تاریخ اسلام کا رخ بدل دیا اور 132ھ میں اموی اقتدار عباسی ہاتھوں میں منتقل ہو گیا۔

4۔ بنوامیہ کے زوال کے اسباب

بنوامیہ کم وبیش ایک صدی تک دنیائے اسلام کے حکمران رہے۔ اس دوران انہوں نے بڑے تزک واحتشام اور جاہ وجلال سے امورِ جہانبانی کو انجام دیا۔ اموی سلطنت کے ظاہری جلال وجبروت اور استحکام کے پیش نظر کون یہ کہہ سکتا تھا کہ یہ قصرِ عظیم اس قدر جلد پیوند خاک ہو جائے گا۔ اموی حکومت کا زوال اگرچہ اس کے قیام کے تقریباً ایک صدی کے بعد ہوا لیکن اس کی تعمیر کے وقت ہی اس میں زوال کے عناصر مضمر تھے اور بعد کے خلفاء کی سیاست اور ان کے عمال کی بدعنوانیوں نے اس میں مزید اضافہ کر دیا۔ اس طرح اموی سلطنت کی جڑیں کھوکھلی ہوتی گئیں اور بالآخر وہ ہمیشہ کیلئے ختم ہو گئی۔ ذیل میں بنو امیہ کی حکومت کے زوال کے اسباب کا مختصراً جائزہ پیش کیا جاتا ہے:

4.1 شخصی حکومت:

اموی حکومت کے زوال کا سب سے بڑا اور بنیادی سبب اسلامی نظامِ خلافت کے بجائے موروثی اور شخصی حکومت

تھی گوکہ اس کے بانی حضرت امیر معاویہؓ تھے جو ایک صحابی ہونے کے ناطے رسالت مآب کا مقدس دور دیکھے ہوئے تھے اور شخصی حکومت کی بدعت کے باوجود انہوں نے ریاستی نظام کو اسلامی روایات پر قائم رکھنے کی پوری کوشش بھی کی مگر ان کے جانشین اس روش کو قائم نہ رکھ سکے۔ چنانچہ امیر معاویہ کے بعد اموی حکومت اسلامی روح سے خالی ہوگئی اور اس میں رفتہ رفتہ شخصی حکومت کی تمام برائیاں عود کر آئیں۔ بیت المال خلیفہ کی ذاتی ملکیت بن گیا اور اس کی آمدنی عوام کی فلاح و بہبود کے برعکس خلیفہ کی ذات پر خرچ ہونے لگی۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے اپنے دور خلافت میں صورتِ حال کی اصلاح کی کوشش کی لیکن ان کے بعد پھر وہی پرانا غیر شرعی اور استبدادی نظام جاری ہوگیا۔ مسلمانوں نے خلافت راشدہ کا دور دیکھا ہوا تھا' اس لئے اموی حکومت عوام کے دلوں میں جگہ پیدا نہ کر سکی۔

4.2 شیعان علیؓ:

شیعانِ علیؓ خلافت کو محض اہلِ بیت نبویؐ کا حق سمجھتے تھے، اگرچہ حضرت امام حسنؓ کی خلافت سے دستبرداری اور امیر معاویہؓ کی مصالحانہ حکمت عملی کے باعث شیعان علیؓ وقتی طور پر خاموش ہو گئے تھے لیکن سانحۂ کربلا نے ان میں مزید اشتعال و اضطراب پیدا کر دیا۔ واقعہ کربلا سے مسلمانوں کا ہر طبقہ متاثر ہوا اور ہر طرف ایک شدید جذباتی اور روحانی ہیجان پیدا ہوگیا، نتیجہ یہ ہوا کہ عام مسلمانوں کی تمام تر ہمدردی اور تعاون بھی اہل بیت کو حاصل ہوگیا۔ علاوہ ازیں عہدِ بنوامیہ میں حضرت علیؓ پر خطبہ میں لعن طعن کی رسم شروع کی گئی جس نے عوام کے جذبات کو مزید بھڑکایا۔ اس کے جواب میں وہ اموی خلفاء کو برا بھلا کہتے اور جب انہیں سزا دی جاتی تو ان کا جوش و غضب اور بڑھ جاتا۔

4.3 ولی عہدی کا غلط طریقہ:

بنوامیہ کے دور میں اگرچہ حکومت ایک ہی خاندان میں محدود تھی، لیکن اس کے باوجود جانشینی کے اصولوں کا فقدان تھا۔ مروان اول کے عہد میں ہی حکمرانوں نے ایک کے بجائے دو دو ولی عہد نامزد کرنے شروع کر دیئے۔ اس سے یہ خرابی پیدا ہوئی کہ پہلا ولی عہد مسند خلافت پر بیٹھتے ہی دوسرے ولی عہد کو جو اکثر اس کا بھائی یا قریبی عزیز ہوتا تھا معزول کر کے اپنے بیٹے کو ولی عہد مقرر کرنے کی کوشش میں مصروف ہو جاتا۔ اس سے شاہی خاندان میں شدید اختلافات پیدا ہو جاتے' اس کا اثر امرائے سلطنت پر بھی پڑتا اور ان میں بھی گروہ بندی شروع ہو جاتی تھی۔ پھر ہر نیا خلیفہ اپنے مخالفین سے انتقام لینے کی کوشش کرتا۔ سلیمان نے تخت نشین ہوتے ہی اپنے پیشرو خلیفہ ولید کے زمانے کے تمام مقتدر فاتحین کو اپنی انتقامی کارروائی کا نشانہ

بنایا کیونکہ وہ اس کی ولی عہدی کے مخالف تھے۔ اس طریق کار سے نہ صرف حکومت کے مفادات متاثر ہوئے بلکہ عرب قوم کو بھی نا قابل تلافی نقصان پہنچا۔

4.4 قبائلی تعصب:

زمانۂ جاہلیت میں عربوں میں قبائلی تعصب زوروں پر تھا، مگر اسلام نے اسے ختم کر کے عرب قوم کو اخوت و مساوات کے عالمگیر اصولوں پر منظم کر دیا تھا۔ جوں جوں ان کے اندر اسلامی روح کم ہوتی گئی یمنی اور مضری قبائل کی پرانی عصبیت پھر سے ابھر آئی۔

اموی حکمران شروع سے ہی یمنی قبائل کی طرف زیادہ مائل تھے لیکن جب یزید بن مہلب نے یزید ثانی کے خلاف بغاوت کی تو یزید ثانی نے ابن مہلب کے سارے خاندان کو تباہ کر دیا۔ چونکہ وہ یمنی تھے اور خلیفہ خود مضری، اس لئے یہ سب کچھ قبائلی تعصب پر محمول کیا گیا اور آتش بغاوت خوب بھڑکی۔ ہشام نے از سر نو یمن پروری شروع کر دی اور ان کو مختلف مناصب پر فائز کیا لیکن اپنے عہد کے آخر میں اس نے مضریوں کو پھر سے اقتدار میں لانا شروع کر دیا۔ قبائلی جھگڑوں کا یہ سب سے بڑا زمانہ سمجھا جاتا ہے۔

بدقسمتی سے قومی منافرت خراسان میں بہت زیادہ تھی جس کے باعث حکام کی زیادہ تر تبدیلیاں بھی خراسان میں ہوئی۔ ابومسلم خراسانی نے اس موقع سے خوب فائدہ اٹھایا' پہلے یمنی اور مضری قبائل کو لڑا کر بنوامیہ کی طاقت کو کمزور کیا اور بالآخر انہیں ختم کر کے بلا شرکت غیرے خراسان کا مالک ہو گیا۔

4.5 موالی:

یہ وہ عجمی لوگ تھے جو غلامی سے آزادی حاصل کرنے یا اسلام قبول کرنے کے بعد عرب معاشرے کا جزو بننے کیلئے اپنے آپ کو کسی نہ کسی عرب قبیلہ کے ساتھ منسلک کر دیتے تھے۔ اموی حکومت نے انہیں اسلامی مراعات سے محروم کر رکھا تھا اور بعض اوقات ان سے جزیہ اور خراج تک وصول کیا جاتا تھا جو سراسر ناجائز تھا۔ حکومت کے کلیدی عہدوں پر عربوں کو اجارہ داری حاصل تھی اور عجمیوں سے ان کا سلوک نہایت متعصبانہ تھا جبکہ عجمی اپنے کو عربوں سے زیادہ مہذب و متمدن خیال کرتے تھے۔ انہیں عربوں کی نسلی قومیت بالکل پسند نہ تھی چنانچہ وہ گروہ در گروہ ہاشمی تحریک میں شامل ہو گئے۔ ابومسلم خراسانی کی فوج میں

ایسے لوگوں کی تعداد بہت تھی جو اموی حکومت کے استبدادی نظام اور اس کے مطلق العنان عمال کے مظالم کے زخم خوردہ تھے۔

4.6 خوارج:

یہ لوگ سیاسی حیثیت سے اگر چہ اہلِ بیت سے بالکل مختلف تھے لیکن بنو امیہ سے عداوت میں ان کے ساتھ تھے اور اموی حکومت کا تختہ الٹنے میں انہوں نے کسی دوسرے طبقے سے کم حصہ نہیں لیا۔ بنو امیہ کے تقریباً سارے دور میں انہوں نے جنگ جاری رکھی اور بنو امیہ کی بیش بہا فوجوں کو برباد کیا۔ اگر چہ اس سرفروش جماعت کے پیرو بھی ہزاروں کی تعداد میں مارے گئے، لیکن انہوں نے امویوں کی اطاعت قبول نہ کی۔ وہ بنو امیہ کی حکومت کو ختم تو نہ کر سکے مگر ان کی طاقت کو ضرور نقصان پہنچایا۔

4.7 اراکینِ سلطنت کی ناقدری:

جن امراء، سالاروں اور اراکین سلطنت کے حسنِ تدبر اور قوت کے بل بوتے پر اموی حکومت قائم ہوئی، پروان چڑھی اور اسے استحکام ملا، اموی خلفاء نے بالعموم ان کی ناقدری کی۔ فاتح سندھ محمد بن قاسم کو مروا دیا گیا، موسیٰ بن نصیر اور طارق بن زیاد جیسے اولوالعزم فاتح، سلیمان کے عتاب کا شکار ہوئے اور موسیٰ بن نصیر کے بیٹے عبدالعزیز والی اندلس کو قتل کر دیا گیا۔ یزید بن عبدالملک نے آلِ مہلب کو جن کی اموی حکومت میں بہت نمایاں خدمات تھیں، ختم کرا دیا۔ اسی خلیفہ کے بیٹے ولید ثانی نے اموی خاندان کے پرانے وفادار اور عراق کے گورنر خالد بن عبداللہ قسری کو اس کے جانی دشمن یوسف بن عمر ثقفی کے ہاتھوں بھاری رقم کے عوض بیچ دیا۔ یوسف نے اسے طرح طرح کی اذیتیں دے کر مروا ڈالا۔ اس سے امراء میں بددلی پھیل گئی اور ان میں حکومت کے ساتھ وفاداری اور جان نثاری کا جذبہ باقی نہ رہا۔

4.8 علمائے حق کی مخالفت:

علمائے حق کا طبقہ بھی بنو امیہ کے غاصبانہ اقدامات، جاہ پرستی اور تعیش دیکھ کر ان کی غیر اسلامی حکومت سے سخت بیزار تھا۔ اس طبقہ میں بزرگانِ دین، صحابہ کی اولاد اور علماء شامل تھے جو اس چیز کے آرزو مند تھے کہ خلافتِ راشدہ کا اسلامی نظام دوبارہ قائم ہو۔ وہ ہر ایسی تحریک کی مدد کو تیار تھے جو بنو امیہ کی غیر شرعی طرزِ حکومت کا خاتمہ کر کے اسلامی روایات کو دوبارہ زندہ

کرتے۔ اسلامی تعلیم و تبلیغ کے ذریعے یہ لوگ اقتدار شاہی پر برابر ضربیں لگاتے رہے اور حکومتی انتقام کا نشانہ بھی بنے۔ اموی حکومت نے امام ابو حنیفہ کو سرکاری ملازمت پر مجبور کرنا چاہا، لیکن جب آپ نے تسلیم نہ کیا تو آپ کو کوڑوں سے پیٹا گیا لیکن آپ کی عزیمت و استقامت میں کوئی فرق نہ آیا۔ علمائے حق کی قربانیاں بالآخر رنگ لا کر رہیں اور انہوں نے اموی اقتدار کی جڑوں کو کھوکھلا کر کے رکھ دیا۔

4.9 اخلاقی پستی:

یہ ایک فطری امر ہے کہ کوئی بھی قوم اخلاقی پستی اور عیش و عشرت میں پڑ کر اپنے عروج و اقتدار کو برقرار نہیں رکھ سکتی جبکہ بلند کردار کی حامل قومیں ہی ہمیشہ ترقی و عروج حاصل کرتی ہیں۔ چند اموی خلفاء کے علاوہ باقی خلفاء شراب، عیش و عشرت اور راگ و رنگ کے رسیا تھے۔ یہ اخلاقی زوال بنو امیہ کی حکومت کو گھن کی طرح کھائے جا رہا تھا، خلفاء عیش و نشاط کے مشاغل میں الجھے رہتے تھے اور امورِ جہانبانی کی انجام دہی سے غافل رہتے تھے۔ لازم تھا کہ ایسے حکمرانوں سے عوام متنفر ہو جائیں اور حکومت کے دشمن حکمرانوں کی کمزوریوں سے فائدہ اٹھا کر ان کی حکومت کا خاتمہ کر دیں۔

4.10 عباسی تحریک:

عباسی تحریک نے بھی بنو امیہ کے زوال کو قریب سے قریب تر کر دیا۔ عباسی ائمہ کی ذہانت و قابلیت اور ابو مسلم خراسانی کی خداداد صلاحیتوں کے سامنے اموی اقتدار ریت کی دیوار ثابت ہوا۔ انہوں نے اپنی تنظیمی اہلیت اور سیاسی بصیرت کی مدد سے اپنے داعیوں کے ذریعے امویوں کے مظالم اور استبداد کی تشہیر اس طریقہ سے کی کہ رعایا کے تمام غیر مطمئن عناصر عباسی جھنڈے تلے متحد ہو گئے، یہاں تک کہ یمن اور ربیعہ کے عرب قبائل بھی عباسی تحریک کے حلقہ بگوش ہو گئے اور مملکت کے تمام حصوں میں بنو امیہ کی حکومت کے خلاف نعرے بلند ہونے لگے۔ آخر کار اس ملک گیر تحریک نے اموی اقتدار کا تختہ الٹ کر عباسی خلافت کے قیام کی راہ ہموار کر دی۔

خود آزمائی:

1۔ بنو امیہ کی وجہ تسمیہ بیان کیجئے۔

2۔ دور نبوی ﷺ اور عہد خلفاء راشدین میں بنو امیہ کو حکومت میں کون کون سے مناسب حاصل تھے؟

3۔ جنگ صفین کے بعد ثالثوں نے کیا فیصلہ دیا تھا؟

4۔ حضرت امیر معاویہؓ کے دور میں خلافت کے ڈھانچے میں کیا تبدیلی آئی؟

5۔ حضرت امیر معاویہؓ کے دور میں رفاہ عامہ کے کیا کیا کام ہوئے؟

6۔ حضرت امام حسینؓ مکہ سے کوفہ کیوں روانہ ہوئے تھے؟

7۔ واقعہ حرہ پر مختصراً روشنی ڈالئے۔

8۔ خلافت آل معاویہ سے آل مروان میں کیسے منتقل ہوئی؟

9۔ عبداللہ بن زبیرؓ کی شکست کے اسباب پر روشنی ڈالیے۔

10۔ عبدالملک بن مروان نے اپنے دور خلافت میں کیا اصلاحات کیں؟

11۔ سندھ کس کے دور حکومت میں فتح ہوا اور مسلمانوں کے سندھ پر حملے کا سبب کون سا واقعہ بنا؟

12۔ ولید بن عبدالملک نے ملکی نظم و نسق کے حوالے سے کیا کارنامے سرانجام دیئے؟

13۔ ولید بن عبدالملک نے اپنے بعد کس کو جانشین بنایا؟

14۔ عمر بن عبدالعزیز کو عمر ثانی کیوں کہا جاتا ہے؟

15۔ بنو امیہ کے دور زوال میں ہشام بن عبدالملک کا عہد ہمیں منفرد کیوں نظر آتا ہے؟

16۔ ولید ثانی کے اقتدار کا خاتمہ کیسے ہوا؟

17- یزید الثالث کو یزید الناقص کیوں کہا جاتا ہے؟

18- یمنی قبائل اور شامی مروان ثانی کے مخالف کیوں بنے؟

19- شیعان علیؓ کا اموی حکومت کے ساتھ اختلاف کس وجہ سے تھا؟

20- بنوامیہ کے عہد میں عرب قبائل کے درمیان تعصب میں اضافے کی کیا وجوہات تھیں؟

21- موالی کون لوگ تھے اور امویوں کا ان کے ساتھ رویہ کیسا تھا؟

22- اموی حکمرانوں نے اپنے محسن سالاروں کے ساتھ کیسا برتاؤ کیا اور اس کے کیا نتائج برآمد ہوئے؟

23- امام ابوحنیفہ کو امویوں کی مخالفت کی پاداش میں کن مصائب کا سامنا کرنا پڑا؟

یونٹ نمبر 11

دور بنو امیہ نمبر 2
علمی وادبی سرگرمیاں، معاشی ومعاشرتی حالات، سیاسی ومذہبی تحریکیں

تالیف

محی الدین ہاشمی

نظر ثانی

پروفیسر ڈاکٹر محمد باقر خان خاکوانی

علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد

فہرست عنوانات

یونٹ کا تعارف

اموی دور حکومت کے متعلق عام طور پر یہ خیال کیا جاتا ہے کہ وہ علم وفن سے خالی تھا، اس بات میں کوئی شبہ نہیں کہ مسلمانوں کی اصلی علمی تاریخ عباسی عہد سے شروع ہوتی ہے، اس زمانہ میں علوم کی تدوین ہوئی اور مسلمانوں نے دوسری قوموں کے علوم کی جانب توجہ کی لیکن علمی ترقی کا آغاز بنوامیہ کے عہد میں ہو چکا تھا اور اس میں مختلف قسم کے علوم کی ترقی و ترویج کے لیے کوششیں کی گئیں جن میں دینی علوم کے علاوہ سائنسی علوم، ادب اور شاعری وغیرہ شامل ہیں۔

اس عہد میں معاشی لحاظ سے عوام خوشحال تھے اور دولت کی فراوانی نے عوام وخواص کو شاہانہ زندگی بسر کرنے کا خوگر بنا دیا تھا، جاگیردارانہ نظام کے باعث معاشرہ طبقات میں بٹا ہوا تھا جو ایک دوسرے سے مختلف طرز زندگی رکھتے تھے۔ اس دور میں کئی سیاسی تحریکوں نے جنم لیا۔ حضرت امام حسینؓ، حضرت عبداللہ بن زبیرؓ، خوارج اور عباسی تحریکیں اس دور کی اہم سیاسی تحریکیں ہیں جنہوں نے سیاست پر دورس اثرات مرتب کیے۔

یونٹ کے مقاصد:

اس یونٹ کا مطالعہ کرنے کے بعد آپ اس قابل ہو جائیں گے کہ:

1۔ اموی عہد کی علمی وادبی خدمات پر روشنی ڈال سکیں۔
2۔ اموی دور کے ذرائع آمدن اور وہاں کے معاشی حالات پر سیر حاصل تبصرہ کر سکیں۔
3۔ اس عہد کی معاشرتی سرگرمیوں کا جائزہ لے سکیں۔
4۔ دور بنوامیہ میں اٹھنے والی سیاسی تحریکوں کے اسباب، ان کی سرگرمیوں اور معاشرے پر ان کے اثرات پر تبصرہ کر سکیں۔

1۔ اموی عہد کی علمی وادبی سرگرمیاں

عام طور پر یہ خیال کیا جاتا ہے کہ اموی عہد میں علمی وادبی سرگرمیوں کی طرف توجہ نہیں دی گئی۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ مسلمانوں کی اصل علمی تاریخ کی ابتدا عہدِ عباسیہ سے ہوتی ہے جس میں علوم وفنون کی تدوین ہوئی اور مسلمانوں نے دوسری اقوام کے ملاپ سے نئے نئے علوم سیکھے، لیکن اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ اموی عہد میں علوم وفنون پر بالکل توجہ نہیں دی گئی۔ اس عہد کے حالات کا جائزہ لینے سے معلوم ہوتا ہے کہ خلفائے بنوامیہ نے نامساعد حالات، جنگ وجدل اور کشور کشائی کی مصروفیات کے باوجود علوم وفنون کی سرپرستی کی۔ البتہ یہ ضرور ہے کہ یہ عہد علوم وفنون کی ترقی کا محض ابتدائی دور تھا اور علوم کی ترقی وتکمیل کی جو صورت عباسی عہد میں ظاہر ہوئی اس کی جڑیں بلاشبہ اموی عہد میں پیوست ہیں اسی بنا پر اموی عہد علوم کی تخم ریزی اور پرورش کا دور کہلاتا ہے۔ ذیل میں اس عہد کے علوم کا اجمالی جائزہ پیش کیا جاتا ہے۔

1.1 دینی علوم:

خلفائے راشدین کے عہد میں دینی علوم کی نشر واشاعت کا کام سرکاری سرپرستی میں کیا جاتا تھا اور حصول اور ترویجِ علوم کیلئے لوگوں کی حوصلہ افزائی کی جاتی تھی، لیکن اموی عہد میں یہ سب کچھ ثانوی حیثیت اختیار کر گیا۔ بہرحال خلفائے بنوامیہؒ دینی علوم کی ترویج اور اشاعت کی کوششوں کی حوصلہ افزائی اور علوم کی سرپرستی کسی حد تک کرتے رہے۔

دینی علوم میں قرآن وسنت اور فقہ وغیرہ سے متعلق علوم شامل ہیں۔ اس عہد میں بہت سے ایسے صحابہؓ تابعین اور علماء موجود تھے جنہوں نے بنفسِ نفیس دین کی ترویج واشاعت کے کام کو جاری رکھا۔ ان میں حضرت عبداللہؓ بن عباس، عبداللہؓ بن عمر، عبداللہؓ بن مسعود، حضرت عائشہؓ، زید بن ثابتؓ اور حضرت انس بن مالکؓ خاص طور پر مشہور ہیں۔

1.1.1 قرآن مجید:

قرآن مجید کتاب ہدایت اور تمام اسلامی علوم کا منبع ومصدر ہے۔ خلفائے راشدین کے عہد میں قرآن فہمی اور اس کی

اشاعت پر خصوصی توجہ دی گئی، چنانچہ حفاظتِ قرآن، قرأت اور عربی زبان کی ترویج و اشاعت کیلئے بہت سے اقدامات کئے گئے۔ اس وقت تک قرآن مجید پر نقطے اور اعراب نہیں تھے جس کی وجہ سے نومسلموں کو قرآن مجید پڑھنے میں سخت پریشانی کا سامنا کرنا پڑتا تھا اور ساتھ ہی بہت سی غلطیاں پیدا ہونے کا امکان بھی تھا۔ ان دشواریوں کے پیش نظر عبدالملک بن مروان نے الفاظِ قرآنی پر نقطے اور اعراب لگانے کا اہتمام کیا۔ اس کام کیلئے حجاج بن یوسف کی خدمات حاصل کی گئیں جسے قرآنِ مجید پر اعراب و نقطے لگانے کی سعادت حاصل ہوئی۔ اس طرح عجمیوں کیلئے قرآن کو پڑھنا اور سمجھنا آسان ہوگیا۔

قرآنِ مجید کے مشہور قرائے سبعہ یعنی سات قاری بنوامیہ ہی کے دور کے تھے۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز کے دور میں قرآنی علوم کی ترویج کی طرف سب سے زیادہ توجہ دی گئی اور مختلف علاقوں میں علماء کو قرآنِ مجید کی تعلیم کیلئے بھیجا گیا۔

1.1.2 علمِ تفسیر:

قرآنِ مجید کی تفسیر کی ابتداء نزولِ قرآن کے ساتھ ہی ہوگئی تھی۔ جب بھی کوئی آیت نازل ہوتی تو نبی اکرم ﷺ اس کی تفسیر بیان کر دیا کرتے تھے۔ صحابہ کرامؓ کے اقوال اور اجتہادات بھی تفسیر میں شمار ہوتے تھے۔ لیکن تفسیر ایک باقاعدہ فن کی حیثیت سے اموی عہد میں متعارف ہوئی۔ اس عہد کے نامور مفسرین میں عکرمہ، قتادہ بن دعامہ سدوسی، مجاہد بن جبیر، سعید بن جبیر اور حسن بصری شامل ہیں جن میں سے مجاہد، حسن بصری، سعید بن جبیر، امام باقر اور ابوحمزہ نے تفسیریں بھی لکھیں تھیں۔

1.1.3 علمِ حدیث:

اموی عہد میں علمِ حدیث کی طرف سب سے زیادہ توجہ دی گئی اور اس کی ترویج و اشاعت کا کام بڑی تیزی سے ہوا۔ اس عہد میں عوام میں احادیث کو یاد کرنے اور جمع کرنے کا ایک خاص ذوق پیدا ہوگیا تھا۔ مدینہ میں حدیث کا درس دینے کے حلقے قائم تھے جہاں دور دور سے لوگ حدیث سننے کیلئے آیا کرتے تھے۔ امام شہاب زہری احادیث کی تلاش میں مدینے کی گلی گلی میں پھرتے تھے۔ ابوقلابہ جرمی ایک ایک حدیث کو سننے کئی کئی دن تک مدینہ میں مقیم رہتے تھے۔ امام مکحول نے علمِ حدیث کی تلاش میں بے شمار سفر کئے اور دنیائے اسلامی کے مختلف گوشوں میں محدثین سے استفادہ کیا۔ خلیفہ ہشام بن

عبدالملک نے امام ابن شہاب زہری سے چار سو احادیث پر مشتمل ایک مجموعہ مرتب کروایا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے احادیث کی تدوین اور ترویج و اشاعت میں تمام اموی خلفاء سے زیادہ حصہ لیا۔ انہوں نے تمام علاقوں کے عاملین کو خطوط لکھے جن میں انہیں احادیث جمع کرنے اور انہیں لکھوا کر آپ کی طرف بھیجنے کا حکم تھا، چنانچہ ان کے عہد میں بڑی تعداد میں احادیث کے مجموعے مرتب ہوئے۔ انہوں نے احادیث کے یہ مجموعے تمام شہروں میں پھیلا دیئے تاکہ لوگ صحیح احادیث سے واقف ہو سکیں۔ سعید بن جبیر، سعید بن میتب، سالم بن عبداللہ، طاؤس بن کیسان، امام شعبی، عطا بن ابی رباح، عکرمہ، نافع، علقمہ ابن قیس، قتادہ بن دعامہ سدوسی، مجاہد، محمد بن سیرین، ابن شہاب زہری، محمد بن منکدر اور مکحول اسی عہد کے عظیم محدثین ہیں۔

1.1.4 فقہ:

بنو امیہ کے عہد میں عبید اللہ ابن عبداللہ بن مسعود، ابوبکر بن عبدالرحمان، عروہ بن زبیر، قاسم بن محمد بن ابی بکر، سعید بن میتب، سلیمان بن یسار اور خارجہ بن زید علمِ حدیث کے ساتھ ساتھ فقہ میں بھی کمال رکھتے تھے اسی وجہ سے یہ فقہائے سبعہ (سات فقہاء) کے نام سے مشہور تھے، اس عہد میں زیادہ تر انہی فقہاء کے ذریعہ فقہ کی اشاعت ہوئی۔

فقہائے سبعہ کے علاوہ ربیعہ بن فرخ رائی، ابراہیم نخعی، امام شعبی، امام جعفر صادق، عبدالرحمٰن بن ابی سلمٰی اور قاضی شریح ایسے نامور فقیہ تھے جنہوں نے فقہ پر باقاعدہ کتابیں بھی تحریر کیں۔ عروہ بن زبیر نے فقہ پر ایک کتاب لکھی، مکحول نے دو کتابیں "کتاب السنن" اور "کتاب المسائل" لکھیں جن میں سے اوّل الذکر احادیث سے متعلق تھی اور دوسری فقہ کی کتاب تھی۔ امام زہری کے فتاویٰ کو تین ضخیم جلدوں میں جمع کیا گیا تھا جو بعد میں آنے والوں کیلئے رہنمائی کا باعث ہوا۔ امام ابوحنیفہ اور امام مالک بھی بنو امیہ کے دور میں گزرے ہیں، یہ حضرات علمِ فقہ میں اپنے رسوخ کی بناء پر دو الگ الگ فقہی مسالک کے امام بنے۔

1.1.5 علمِ تاریخ:

تاریخ نویسی کا باقاعدہ آغاز اموی عہد سے ہوا، اس سے پہلے تاریخ نویسی قصہ گوئی کے درجے سے آگے نہ بڑھ سکی تھی جس میں مؤرخین کا تخیل اور افسانوی رنگ شامل ہوتا تھا۔ اموی عہد میں پہلی مرتبہ تاریخی حقائق کو بے لاگ بیان کرنے کی روایت قائم ہوئی۔

تاریخ نویسی کی ابتداء سیرت ومغازی سے ہوئی، اسلام کی ابتدائی تاریخ انہی دونوں (سیرت ومغازی) سے عبارت ہے، اموی عہد میں عروہ بن زبیر، شرحبیل بن سعد، وہب بن منبہ، عکرمہ، عاصم ابن عمرو بن قتادہ، امام زہری، موسیٰ بن عقبہ اور معمر بن راشد اس فن کے امام تھے۔ کشف الظنون کے مطابق مغازی اور سیرت پر پہلی کتاب عروہ بن زبیر نے لکھی تھی، لیکن امام سہیلی کے نزدیک اس فن پر پہلی تصنیف امام زہری کی ہے۔ حضرت امیر معاویہ کے دور میں عبید بن شربہ نے ''کتاب الامثال اور کتاب الملوک واخبار الماضین'' تالیف کیں اور اسی دور میں ایک مورخ عوانہ بن حکم نے ''کتاب التاریخ'' اور ''سیرت معاویہ'' لکھی۔ ان بنیادی کتب کے بعد سیرت ومغازی پر جو بھی تصانیف ہوئیں انہی علماء کی بیان کردہ روایات سے فائدہ اٹھا کر لکھی گئیں۔ اس فن کو سب سے زیادہ ترقی جس شخصیت نے دی وہ محمد بن اسحاق ہیں۔ خطیب بغدادی کا بیان ہے کہ انہوں نے اس فن کو اتنی ترقی دی کہ پھر بعد میں کوئی اس میں اضافہ نہ کر سکا۔ انہوں نے سلاطین اور امراء کی توجہ لایعنی قصوں سے ہٹا کر تاریخی حقائق کی طرف مبذول کرائی تھی۔ انہوں نے تاریخ، سیرت اور مغازی پر ''كتاب السيرة و المبتداء و المغازی'' اور ''كتاب الخلفاء'' کے نام سے دو کتابیں لکھیں جو بڑے پائے کی کتابیں تھیں مگر بدقسمتی سے ناپید ہوگئیں۔ البتہ ''سیرت ابنِ ہشام'' جو ابنِ اسحاق ہی کی بیان کردہ روایات پر مشتمل ہے، آج بھی موجود ہے اور سیرت پر بڑی مستند اور بلند پائے کی کتاب مانی جاتی ہے۔

وہب بن منبہ (110ھ) نے جو مغازی اور سیرت کے ساتھ عرب کی تاریخ بھی ماہر تھے، سلاطین حمیر کے حالات پر ایک کتاب لکھی تھی۔

1.2 سائنسی علوم:

اس عہد میں سائنسی علوم کو بھی فروغ حاصل ہوا، خصوصاً کیمیا اور طب کے میدان میں بہت ترقی ہوئی۔

1.2.1 علمِ کیمیا:

بنو امیہ میں خالد بن یزید بن معاویہ (85ھ) کو علمِ کیمیا سے بہت شغف تھا، اس نے مصر کے عیسائی عالم سے علمِ کیمیا، طب اور ہیئت پر یونانی اور عربی زبان میں کتابوں کا ترجمہ کروایا اور ان کی مدد سے نئی نئی کتابیں تصنیف کروائیں۔ اس کے عہد میں اصطفان نے کیمیا کی کئی کتابوں کا ترجمہ کیا اور ایک تجربہ گاہ بھی تعمیر کی۔ خالد بن یزید نے خود بھی اس موضوع پر

چار کتابیں ''كتاب الحرارة''، ''كتاب الصحيفة الكبيرة''، ''كتاب الصحيفة الصغيرة'' اور ''كتاب وصية الى ابنه فى الصنعة'' تحریر کیں۔

1.2.2 علمِ طب:

طب کے میدان میں عربوں نے یونانیوں کی کوششوں سے فائدہ اٹھایا، اس عہد میں طائف کا ایک طبیب حارث بن کلدہ اس فن میں بے نظیر مہارت رکھتا تھا۔ اسی وجہ سے وہ ''حکیمِ عرب'' کے نام سے یاد کیا جاتا تھا۔ اس کا بیٹا نصر بھی اپنے زمانے کا مشہور طبیب تھا۔ امیر معاویہ کا شاہی طبیب ابن اثال نصرانی بھی اس فن کا ماہر تھا۔ خالد بن یزید بن معاویہ نے یونانی طب کی کتب کے تراجم کروائے۔ اس عہد میں یونان کے ایک مشہور طبیب اہرن القیس کی علم طب پر ایک مشہور کتاب ''الکناش'' کا عربی زبان میں ماسر جویہ نے مروان بن حکم کے حکم سے ترجمہ کیا تھا جو شاہی کتب خانے میں محفوظ تھا، حضرت عمر بن عبد العزیز نے اس کتاب کی نقلیں کرا کے مختلف صوبوں میں بھیج دی تھیں تا کہ لوگ طبِ یونان سے استفادہ کر سکیں۔ اسی کتاب سے فائدہ اٹھاتے ہوئے حضرت عمر بن عبد العزیز اور ولید اول نے غرباء کیلئے شفا خانے اور طبی مدرسے قائم کئے تھے۔

1.2.3 فلسفہ:

اموی عہد میں یونانی علوم کے ترجمہ کی بدولت یونانی فکر وفلسفہ نے مسلمانوں پر اپنا اثر ڈالا۔ خلفائے راشدین کے عہد میں چونکہ یونانی علوم نے مسلمانوں کو قطعاً متاثر نہیں کیا تھا، اس لئے وہ یونانی خیالات کے اثر سے محفوظ تھے۔ لیکن اموی عہد میں بعض نئی بحثوں اور فلسفیانہ نظریات نے جنم لیا اور بالخصوص جبر وقدر کے مسئلے نے شدت اختیار کر لی تھی۔ علماء کا ایک طبقہ انسان کو اپنے افعال کا مختار اور اپنی قسمت پر قادر خیال کرتا تھا، یہ لوگ قدریہ کہلاتے تھے جبکہ اس کے برعکس دوسرے گروہ کے لوگ انسان کو اپنے اعمال کے سلسلے میں مجبور وبے بس قرار دیتے تھے اس عقیدے کے حامل لوگ جبریہ کہلائے۔ دونوں مکاتب فکر نے اپنے اپنے اثرات چھوڑے اور عوام کے علاوہ خلفائے بنو امیہ بھی ان کے خیالات سے متاثر ہوئے۔ چنانچہ معاویہ ثانی اور یزید ثالث دونوں قدریہ کے نقطۂ نظر کے قائل تھے۔

1.3 ادبیات:

بنوامیہ کے عہدِ خلافت میں ادب اور شاعری کو بہت فروغ حاصل ہوا، ذیل میں اس دور کے ادبیات میں ہونے والے کارناموں کا جائزہ لیا جاتا ہے:

1.3.1 شاعری:

عہدِ بنوامیہ کے اکثر وبیشتر حکمران شعروشاعری سے بہت دلچسپی رکھتے تھے۔ انہی کی سرپرستی اور قدردانی کی بدولت شاعری نے بہت ترقی کی اور اخطل، جریر، فرزدق، اعشیٰ، نابغہ اور کمیت جیسے اعلیٰ پایہ کے شعراء پیدا ہوئے۔

اس عہد کی شاعری موضوعات اور اقسام کے لحاظ سے پہلے ادوار سے کافی مختلف ہے۔ اس سے پہلے کی شاعری میں صحرائی اور بدوی عنصر زیادہ تھا' تشبیہ اشارات کے لحاظ سے بھی پہلے ادوار کی شاوی بدویانہ ماحول سے متاثر تھی اور ان کے موضوعات میں وسعت اور تنوع نہ تھا۔ اموی شاعری موضوعات اور خیالات دونوں لحاظ سے متنوع نظر آتی ہے۔ روم وایران کے تمدن، باغات اور سبزہ زاروں نے عربی شاعری کا رنگ بدل دیا اور اسے خیالات کی لطافت اور حسین معانی سے مالا مال کردیا۔ اس سے پہلے قصیدے کا عام رواج تھا جبکہ غزل' ایک الگ صنفِ سخن کے لحاظ سے کہیں موجود نہ تھی۔ غزلیہ شاعری کی ابتداء اسی دور سے ہوئی جس کا بانی عمر بن ربیعہ کو قرار دیا جاتا ہے۔

ایک اور چیز جو اس عہد میں بڑی نمایاں نظر آتی ہے وہ ہے جماعتی اور سیاسی شاعری۔ چونکہ اس عہد میں قبائلی، سیاسی اور مذہبی اختلافات نے جنم لیا تھا جس کی وجہ سے مسلمانوں میں کئی گروہ مثلاً شیعہ، خوارج، علوی اور عباسی پیدا ہوگئے تھے جو ایک دوسرے کے مخالف تھے۔ اسی بنا پر اس زمانے میں جماعتی شعراء کی ایک بڑی تعداد پیدا ہوگئی تھی، مثلاً نعمان بن بشیر، یزید بن ربیعہ، ایمن بن خریم علویوں کے حامی شعراء تھے جبکہ مسکین دارمی، اعشیٰ اموی تھے اور طرماح بن عدی، عمران بن خطان، خارجیوں اور آلِ زبیر کے حمایتی تھے۔

اس کے علاوہ ان شعراء کی بھی ایک بڑی تعداد تھی جو کسی پارٹی سے تعلق نہیں رکھتے، مثلاً جمیل بن معمر، عمران بن ابی ربیعہ، عبد بن قیس، ابن عبادہ، احوص، ذی الرمہ، سعید دارمی، عبید بن حصین اور عبداللہ بن خارجہ وغیرہ۔

اموی عہد کے اکثر حکمران ادبیات کے مربی وسرپرست تھے، یہی وجہ ہے کہ ان کے دربار میں شعراء موجود رہتے تھے۔ عمران بن ابی ربیعہ، جمیل، نصیب اور لیلیٰ اخیلیہ غزل گوشعراء میں ممتاز تھے جبکہ قصیدہ نگاروں میں فرزدق، جریر اور اخطل نے خوب نام کمایا۔ ان قصیدہ گوشعراء میں باہمی رقابت بھی پائی جاتی تھی چنانچہ انہوں نے ایک دوسرے کی ہجو میں ہجو یہ اشعار بھی کہے۔

اس عہد میں حماد الراویہ نے قدیم عرب شاعری کے نمونے جمع کئے جن میں سبعہ معلقات (سات ضرب المثل قصائد جو خانہ کعبہ کے دروازے پر آویزاں تھے) بھی شامل ہیں۔

1.3.2 خطابت:

عہدِ بنوامیہ میں خطابت کو جو ترقی ملی وہ آئندہ کسی عہد میں نہ ہوسکی۔ خطباء اس فن سے نمازِ جمعہ کے خطبوں میں مذہبی تلقین کرتے تھے۔ سپہ سالار اس کے ذریعے سے جنگی جوش ابھارتے اور صوبوں کے والی رعایا میں وطن پرستی کے جذبات پیدا کرتے تھے۔ حجاج بن یوسف، زیاد بن ابی سفیان اور طارق بن زیاد نے اسی فن سے کام لے کر اپنی افواج میں جنگی جذبات ابھارے تھے۔

2۔ معاشی حالات

2.1 آمدن کے ذرائع:

عہدِ بنوامیہ میں دولت کی فراوانی تھی۔ حکومت کے خزانے بھرے ہوئے تھے جن کا بیشتر حصہ عمائدینِ سلطنت سامانِ جلالت مہیا کرنے اور عیش وعشرت کے مزے لوٹنے میں استعمال کیا کرتے تھے۔ یہاں اس عہد کے ذرائع آمدن کا مختصر جائزہ پیش کیا جارہا ہے۔

1۔ خمس:

یہ مالِ غنیمت کا پانچواں حصہ ہوتا تھا جو بیت المال میں جمع ہوتا، باقی چار حصے فاتح فوج میں تقسیم کردیئے جاتے تھے۔

2۔ زکوٰۃ:

زکوٰۃ ہر مسلمان صاحبِ نصاب سے اس کی آمدنی پر اڑھائی فیصد کے حساب سے وصول کی جاتی تھی جسے بعد میں مستحقین اور رفاہِ عامہ کے کاموں میں خرچ کیا جاتا تھا۔

3۔ عشر:

مسلمان زمین داروں سے ان کی فصل کا جو دسواں حصہ حکومت وصول کرتی تھی، اسے عشر کہتے ہیں۔

4۔ عشور:

تجارتی مال پہ ٹیکس وصول کیا جاتا تھا، مسلم اور غیر مسلم کے لیے اس کی شرح میں فرق تھا۔

5۔ خراج:

مفتوحہ علاقوں کے مالکانِ اراضی سے جو ٹیکس ان کی زمینوں کی پیداوار پر وصول کیا جاتا تھا، خراج کہلاتا تھا، اس عہد میں غیر مسلم اپنی پیداوار کا نصف حصہ بطور خراج ادا کرتے تھے۔

6۔ جزیہ:

یہ ٹیکس حکومت اپنی غیر مسلم رعایا سے وصول کرتی تھی، اس کے عوض غیر مسلم فوجی خدمات سے مستثنیٰ تھے اور ان کی جان، مال اور آبرو کا تحفظ کیا جاتا تھا، عورتوں، بوڑھوں، بچوں، معذوروں اور بیماروں سے جذیہ وصول نہیں کیا جاتا تھا۔

7۔ باج:

یہ ٹیکس ان سرحدی حکمرانوں سے وصول کیا جاتا تھا جنہیں مسلمانوں کے ہاتھوں شکست ہو جاتی اور وہ مسلمانوں سے باجگزاری کا معاہدہ کر کے صلح کر لیتے۔

2.2 غیر شرعی محصولات:

اسلامی ممالک سے پہلے ساسانی اور بازنطینی حکومتوں نے بعض ایسے محصولات اپنی رعایا پر عائد کر رکھے تھے جن کی ادائیگی رعایا کیلئے تکلیف کا باعث بنتی تھی۔ خلیفۂ دوم حضرت عمر فاروقؓ نے ایسے تمام محصولات کی آمدنی اپنے دورِ خلافت میں قانوناً بند کر دی لیکن جب اموی دورِ خلافت شروع ہوا تو یہ تمام غیر شرعی محاصل اپنی آمدنی بڑھانے کیلئے دوبارہ جاری کر دیئے گئے۔

بیت المال کے ان تمام ذرائع آمدنی کا جائزہ لینے کے بعد یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اموی عہد میں شرعی محاصل کے ساتھ ساتھ ان میں اضافہ کیلئے چند ایک غیر شرعی محاصل بھی عائد کئے گئے تھے جن کا بوجھ عوام کیلئے ناقابلِ برداشت تھا۔ عراق کا گورنر حجاج بن یوسف اس معاملہ میں اتنا بڑھ چکا تھا کہ اس نے نومسلموں پر بھی جزیہ لگا دیا، حالانکہ شریعت کی رو سے یہ ٹیکس صرف غیر مسلموں پر عائد کیا جا سکتا ہے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے اس بدعت کو منسوخ کر دیا تھا مگر بعد کے حکمرانوں نے اس ٹیکس کو دوبارہ جاری کر دیا۔

2.3 تجارت:

تجارت نے اموی دور میں بہت فروغ پایا اور لوگوں میں تجارت کا رجحان بہت بڑھ گیا تھا۔ دورِ خلافت راشدہ کے بہت سے پیشہ اشخاص نے تجارت کو بطور پیشہ اپنا لیا تھا اور انہوں نے فتوحات سے حاصل کی ہوئی دولت کو تجارت میں لگایا۔ انہوں نے تجارتی سامان کی خرید و فروخت کیلئے دوسرے شہروں کا رخ کیا۔ یہی وجہ تھی کہ اس عہد میں تجارت اپنے عروج پر تھی اور عرب دنیا کے سب سے بڑے تاجر شمار ہوتے تھے۔ مکہ، مدینہ، دمشق، بصرہ، کوفہ وغیرہ اس دور کے اہم تجارتی مراکز تھے۔

2.4 صنعت و حرفت:

اس عہد میں صنعت و حرفت کی ترقی کی طرف بھی توجہ دی گئی چنانچہ دمشق، حمص، بیروت، حیرہ، کوفہ، واسط اور حلب اس عہد کے اہم صنعتی مراکز تھے۔ کپڑا بننے اور چمڑا رنگنے کی صنعتوں کو بالخصوص فروغ ملا۔ قدس عمدہ کپڑے اور شیشے کے برتن

تیار کرنے میں دوسرے تمام شہروں سے بازی لے گیا تھا۔ جفاکش عرب گاؤں سے شہروں میں آ کر آباد ہوئے تو بڑے شہروں میں جتنی صنعتیں تھیں (مثلاً کپڑے کی صنعت، برتن بنانے اور چمڑا رنگنے کی صنعت وغیرہ) وہ انہوں نے سیکھ کر ان میں مکمل مہارت حاصل کی۔ اس طرح یہ بادنشین آہستہ آہستہ بڑے صنعتکار بننے لگے۔

2.5 زراعت:

زراعت کی ترقی اور فروغ کیلئے بھی اموی عہد میں اقدامات کئے گئے۔ حضرت امیر معاویہ کے عہد میں زیادہ سے زیادہ زمین کو آباد کرنے کی کوشش کی گئی اور کھیتی باڑی کے لئے کاشتکاروں کو بہت سہولتیں دی گئیں۔ زراعت کی ترقی کیلئے نہریں کھودی گئیں اور بند تعمیر کئے گئے۔ نہر معقل جو حضرت عمر فاروقؓ کے عہد میں کھودی گئی تھی اسے اور گہرا کیا گیا۔ اس کے علاوہ امیر معاویہؓ نے مدینہ کے گردونواح میں نہریں کھدوائیں جن سے پیداوار میں اضافہ ہوا۔

حجاج بن یوسف والی عراق نے انیل اور الذابی دو نہریں کھدوائیں۔ نیل کے ذریعے دریائے دجلہ اور فرات کو ملا دیا گیا جس سے نہ صرف موسم برسات کی طغیانیوں پر قابو پایا گیا بلکہ بے آب وگیاہ زمینیں لہلہاتے کھیتوں میں تبدیل ہو گئیں۔

ولید نے بھی زراعت کی ترقی کیلئے نہریں کھدوائیں۔ کھیتی باڑی کیلئے چونکہ جانوروں کی ضرورت ہوتی ہے اس لئے اس نے حکم دیا کہ بیلوں کو ذبح نہ کیا جائے تاکہ وہ کھیتی باڑی کے کام آسکیں۔

اس عہد کے معاشی حالات کا جائزہ لینے کے بعد ہم اس نتیجہ پہ پہنچتے ہیں کہ حکومت کے معاشی حالات بہت بہتر تھے، تجارت عروج پر تھی مختلف صنعتوں کی حوصلہ افزائی کی جاتی تھی اور زراعت کی ترقی کیلئے خلفاء ذاتی دلچسپی لے رہے تھے۔ انہی اسباب کی بناپر یہ دور خوشحالی کا دور تھا جس میں عوام کی اقتصادی حالت اچھی تھی۔

3۔ معاشرتی سرگرمیاں

اموی حکومت خالص عربی حکومت تھی، اس لئے اس عہد میں لوگوں کی سماجی اور معاشرتی زندگی میں عربیت کا عنصر بہت غالب تھا تاہم رومی اور ایرانی قوموں سے ملاپ کی وجہ سے ان تہذیبوں کے اثرات بھی اموی تہذیب پر مرتب ہوئے اور نتیجتاً ان کی زندگیوں میں شان و شوکت اور نمود و نمائش کا عنصر بہت نمایاں ہو گیا تھا۔ باوجود ان تمام تبدیلیوں کے جو اموی عہدِ حکومت کے دوران رونما ہوئیں، عوام کو بالعموم خوشحالی، امن و امان اور عدل و انصاف حاصل رہا۔

اس عہد میں قبائلی عصبیت کے سر ابھارنے کی وجہ سے غیر عرب مسلمانوں کے ساتھ بعض خلفاء کا رویہ اچھا نہ تھا بلکہ ان سے اسلام لانے کے بعد بھی جزیہ وصول کیا جاتا تھا، البتہ غیر مسلموں کے ساتھ ان کا رویہ بہتر تھا۔ انہیں پوری مذہبی آزادی حاصل تھی اور ان کی عبادت گاہوں کی حفاظت کا پورا اہتمام کیا جاتا تھا۔ حضرت امیر معاویہ کے دور میں عیسائیوں کا ایک کلیسا زلزلے کی وجہ سے تباہ ہو گیا تو آپ نے دوبارہ اس کی تعمیر کا حکم دیا۔

اس عہد میں امویوں کا پایۂ تخت (دمشق) تہذیب و تمدن کے لحاظ سے دنیا کے حسین ترین اور متمدن شہروں میں شمار کیا جانے لگا تھا۔ شہر میں پانی کی بہم رسانی کا شاندار انتظام موجود تھا۔ اپنے محلات، صنعت و تجارت، زیب و زینت اور باغات کی کثرت کی وجہ سے یہ دنیا کے خوبصورت ترین شہروں میں شامل ہو گیا تھا۔ بڑی شاندار اور خوبصورت عمارات تعمیر کی گئیں۔ شہر میں دور تک سفید رنگ کے گنبد ہی گنبد نظر آتے جن سے اس دور کے کاریگروں اور معماروں کی فنی صلاحیتوں کو انسان بے اختیار تسلیم کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ دمشق کے وسیع شہر میں کئی بازار تھے جو مسقّف تھے جس کی وجہ سے گرمیوں میں بھی خوب ٹھنڈے رہتے۔ تمام اموی خلفاء سوائے عمر بن عبد العزیز کے شاہانہ زندگی بسر کرتے تھے۔ خلفائے بنوامیہ میں حضرت امیر معاویہ، حضرت عمر بن عبد العزیز، ہشام بن عبد الملک اور یزید ثالث کے علاوہ تمام اموی خلفاء شراب نوشی اور رقص و سرور کے دلدادہ تھے خلفاء کی دیکھا دیکھی یہی اطوار امرائے سلطنت اور عوام نے بھی اپنائے۔ چنانچہ معاشرے میں مے نوشی عام تھی اور رقص و سرور کی محفلوں میں شرکت کرنا عوام کا دل پسند مشغلہ بن گیا۔

اس عہد میں عوام گھوڑ دوڑ میں بہت دلچسپی رکھتے تھے، اموی خلفاء بھی اس مشغلہ کو پسند کرتے تھے اور اکثر و بیشتر گھوڑ دوڑ

کے مقابلے قومی سطح پر بھی منعقد کروائے جاتے تھے۔ ہشام بن عبدالملک کے زمانے میں ایک گھوڑ دوڑ میں چار ہزار گھوڑے شریک ہوئے۔ اس کے علاوہ مرغوں کی لڑائی، جواء اور تاش کھیلنے کا رواج عام تھا۔ خلفاء اور امراء کو شکار سے بھی بہت شغف تھا، یزید اول نے شکار کیلئے سینکڑوں کتے پال رکھے تھے، کتوں کے علاوہ شکار میں پالتو چیتوں سے بھی کام لیا جاتا تھا۔

اموی معاشرے میں جاگیردارانہ نظام رائج تھا جس میں سماجی اور سیاسی تقاضوں کے مطابق گروہ بندی تھی جس کی وجہ سے معاشرے میں ہر طبقہ اور گروہ کا الگ مقام تھا اس معاشرے میں مندرجہ ذیل لوگ اہم تھے:

3.1 حکمران طبقہ:

اموی معاشرے میں سب سے اہم طبقہ حکمرانوں کا تھا، جس میں خلیفہ، شہزادے، اموی خاندان کے اراکین، حکومت کے اعلیٰ عہدے داران اور فوجی جرنیل تھے۔ اس گروہ سے تعلق رکھنے والے تمام لوگ عربی النسل ہوتے تھے، ان لوگوں کے پاس بڑی بڑی جائیدادیں تھیں جن کے بل پر وہ عیش کرتے تھے، یہ طبقہ بعض اوقات اپنی اعلیٰ سیاسی اور سماجی خدمات کا فائدہ اٹھا کر اپنے مخالفین کو ظلم وستم کا نشانہ بنانے سے بھی دریغ نہیں کرتا تھا۔

3.2 عام عرب:

یہ طبقہ فوجی ملازمین اور عام عربوں پر مشتمل تھا۔ حکومت سے وفاداری اور فوجی خدمات کے عوض انہیں وظائف اور تنخواہیں دی جاتی تھیں۔ ان کے اہل وعیال کو بھی وظائف دیے جاتے تھے اس کے علاوہ اکثر اموی خلفاء بھی ان پر کرم کی بارش کرتے تھے اور انہیں تحفے تحائف سے نوازتے تھے۔

اس طبقے کی اقتصادی حالت بھی بہت اچھی تھی جس کی وجہ سے یہ شان وشوکت اور عیش وعشرت کی زندگی بسر کرتے تھے۔

3.3 موالی:

مفتوحہ علاقوں کے نومسلم موالی کہلاتے تھے۔ جس کی بہت بڑی تعداد تھی۔ ابتداء جب کوئی غلام آزاد ہوتا یا کوئی غیر مسلم ایمان لاتا تو وہ عربی معاشرے کا جزو بننے کیلئے کسی عرب قبیلے کے ساتھ منسلک ہو جاتا، اس طرح اسے قبیلے کے

دوسرے افراد کے برابر حقوق حاصل ہو جاتے تھے بعد میں جب وسیع پیمانے پر اسلام کی اشاعت ہوئی تو عجمیوں کیلئے یہ ممکن نہ رہا کہ وہ کسی عرب قبیلے کے موالی بنیں اس لئے ان کو موالی اسلام کہا جانے لگا۔ چونکہ یہ غیر عرب تھے اور انہیں کسی قبیلے کی حمایت حاصل نہ تھی، اس لئے اموی حکومت کا رویہ ان کے ساتھ اچھا نہ تھا۔ وہ انہیں مسلمانوں جیسی مراعات نہ دیتی تھی بلکہ اسلام لانے کے باوجود ان سے جزیہ اور خراج بھی وصول کرتی تھی اور سرکاری ملازمتوں میں بھی ان کے ساتھ تفریق برتی جاتی تھی۔ ان اقدامات کی وجہ سے ان کے دلوں میں امویوں کے خلاف دشمنی کے جذبات پیدا ہوئے جس کی وجہ سے عجم میں شعوبی تحریک (عجمی قوم پرستی) نے جنم لیا۔ چنانچہ انہوں نے ہر اس تحریک کا ساتھ دیا جس کا مقصد اموی خلافت کا خاتمہ تھا۔

3.4 ذمی:

وہ لوگ جنہوں نے مفتوحہ علاقوں میں اسلام قبول نہیں کیا تھا، ذمی کہلاتے تھے جنہوں نے اموی حکومت کی سیاسی اطاعت تو اختیار کرلی تھی۔ لیکن اپنے مذہب کے نہ چھوڑا تھا، ذمیوں کا اسلامی حکومت کے ساتھ معاہدہ ہو جاتا جس کے تحت اسلامی حکومت اُن کی جان، مال، عزت و آبرو کی حفاظت کرتی تھی۔ یہ فوجی خدمات سے مبرا رہتے تھے، چنانچہ اس کے عوض وہ حکومت کو جذیہ ادا کرتے تھے۔

اس عہد میں یہ لوگ بڑے اطمینان اور خوشحالی کی زندگی بسر کر رہے تھے۔ ان میں سے جو صاحب علم تھے انہیں بڑی قدر و منزلت حاصل تھی۔ جن میں سے بعض نے نہایت اہم عہدے بھی حاصل کر لئے تھے۔ مذہبی نقطہ نگاہ سے ذمیوں کو ہر طرح کی آزادی حاصل تھی، ان کی عبادت گاہیں محفوظ تھیں، ان کے مقدمات کے فیصلے ان کے اپنے قوانین کے مطابق کئے جاتے تھے۔

معاشی لحاظ سے یہ خوشحال زندگی بسر کر رہے تھے، ان کی اکثریت زراعت پیشہ تھی، صنعت و حرفت اور تجارت میں بھی ان کا بڑا دخل تھا۔

3.5 غلام:

اس عہد میں شاندار فتوحات کی بدولت بہت سے جنگی قیدی غلام بنا کر لائے گئے، ان میں سے بیشتر کو تو آزاد کر دیا گیا اور بقیہ کو امراء کی خدمت گزاری پر مامور کر دیا گیا، ان کی عورتیں بھی خادمہ کی حیثیت سے امراء کے گھروں میں کام کاج

کیا کرتی تھیں۔ ان غلاموں کو خریدا اور بیچا جا سکتا تھا لیکن اس عہد میں غلاموں کی باقاعدہ تجارت شروع نہیں ہوئی تھی جو بعد میں عباسی عہد میں ہوئی۔

4۔ سیاسی سرگرمیاں

اموی عہد کے سیاسی حالات کا اندازہ اس دور میں اٹھنے والی مختلف سیاسی تحریکوں سے لگایا جا سکتا ہے۔ اس عہد میں بہت سی تحریکیں اٹھیں جن میں حضرت امام حسینؓ، عبداللہ بن زبیر، خوارج اور ابو مسلم خراسانی کی تحریکیں خاص طور پر قابل ذکر ہیں، ان تحریکوں نے بنو امیہ کی سیاست پر گہرے اثرات مرتب کئے، یہی وہ تحریکیں تھیں جنہوں نے اس خاندان کے زوال میں نمایاں کردار ادا کیا۔

4.1 حضرت امام حسینؓ کی تحریک:

60 ہجری میں یزید نے خلیفہ بننے کے بعد امام حسینؓ سے بیعت لینا چاہی تو آپ نے انکار کر دیا تھا۔ یزید انتہائی عیش پسند اور احکام شریعت سے بے خبر حکمران تھا، حضرت امام حسینؓ کے انکار پر انہیں کربلا کے المناک سانحے سے دوچار ہونا پڑا جو پوری اسلامی تاریخ کا ایک سیاہ باب ہے۔

حضرت امام حسینؓ کی شہادت نے حجاز میں انقلاب برپا کر دیا تھا، مکہ اور مدینہ کے لوگوں نے یزید کی بیعت فسخ کر کے ابن زبیر کی بیعت کر لی تھی۔ اس انقلاب نے اموی خلافت کیلئے بے شمار مشکلات پیدا کر دی تھیں، عبداللہ بن زبیر کی تحریک جس نے اموی اقتدار کو ہلا کر رکھ دیا در حقیقت اسی سانحہ کی پیداوار ہے۔

تحریک امام حسینؓ کی وجہ سے اقتدار و خلافت آل معاویہ سے آل مروان میں منتقل ہوگئی۔ معاویہ ثانی حضرت امام حسینؓ کی شہادت سے اس حد تک دلبرداشتہ ہو چکا تھا کہ اس نے چند ماہ کی خلافت کے بعد دستبرداری کا اعلان کر دیا۔ بالآخر اقتدار کیلئے شروع ہونے والی کشمکش، مروانی اقتدار کے خاتمے پر منتج ہوئی۔

توابین ہور بھی اسی سانحہ کے بعد ہوا، انہوں نے 685ء میں باقاعدہ تنظیم کی صورت اختیار کر لی تھی۔ یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے حق امام حسینؓ کو کوفہ بلایا تھا مگر ان کی کوئی مدد نہیں کی تھی۔ اب وہ اپنے کیئے پر شرمسار اور حضرت امام حسینؓ کے قاتلوں سے م لینا چاہتے تھے۔ انہوں نے سلیمان بن صرد کی قیادت میں بغاوت کی جسے حجاج بن یوسف نے عین الوردہ کے مقام لست سے دوچار کیا۔ اس مقابلے میں سلیمان مارا گیا۔ جس کے بعد توابین کی قیادت مختار ثقفی نے سنبھالی مختار نے اتنی زیادت حاصل کر لی کہ وہ پورے عراق پر قابض ہو گیا اس کے بعد اس نے قاتلین حسینؓ سے چن چن کر بدلے لئے۔ چنانچہ عبلک بن مروان کے عہد میں انہوں نے بہت فساد برپا کیئے رکھا۔ اگر عبدالملک کے ہاتھوں اس تحریک کا خاتمہ نہ ہوتا تو اموی ذار کا قائم رہنا بہت مشکل تھا۔

4.2 عبداللہ بن زبیرؓ کی تحریک:

عبداللہ بن زبیر نے یزید کی بیعتنہ کی تھی جب یزید نے ان سے بیعت لینی چاہی تو یہ ایک دن کی مہلت لے کر مکہ چلے گئے اور وہیں رہائش پذیر ہو گئے۔ شہادت امام حسینؓ کے بعد لوگوں نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کر لی اور یہیں سے ان کی تحریک کا آغاز ہوا۔ یزید نے اس تحریک کو ختم کرنے کی بھرپور کوشش کی مگر کامیابی نہ ہو سکا، واقعہ حرہ اور خانہ کعبہ پر سنگ باری یزید کی انہی مذموم کوششوں کی کڑیاں ہیں۔

ابن زبیر کی تحریک پورے عراق اور مصر تک پھیلی ہوئی تھی اس نے پورے دس سال تک خلافت اسلامیہ کے قیام کی جدوجہد کو جاری رکھا اور 68ء سے 695ء تک اموی خلافت کو دو حصوں میں تقسیم کئے رکھا۔ شام اور اس کے نواح میں عبدالملک بن مروان کی خلافت تھی جبکہ عراق میں عبداللہ بن زبیر کی خلافت، جو بالآخر 695ء میں عبدالملک بن مروان کے ہاتھوں ختم ہو گئی۔ اس تحریک کے خاتمے کے ساتھ ہی اموی خلافت مکمل طور پر آل مروان کے ہاتھ میں چلی گئی۔

4.3 خارجی تحریک:

جیسا کہ آپ پہلے پڑھ چکے ہیں کہ جنگ صفین کے دوران جب شامی قرآن مجید کو نیزوں پر اٹھا کر آگے بڑھے اور پکارنے لگے کہ ہمارے اور تمہارے درمیان یہ کتاب ثالث ہے، تو یہ تجویز نہایت کارگر ثابت ہوئی اور عراقیوں نے لڑائی سے ہاتھ روک لئے۔ حضرت علیؓ نے اسے شامیوں کی جنگی چال گردانتے ہوئے اس کی پرزور مخالفت کی مگر عراقیوں کے اصرار پر

آپ کو لڑائی بند کرنا پڑی۔ اب یہ طے پایا کہ طرفین ایک ایک نمائندہ مقرر کریں جو قرآن کی روشنی میں اس نزاع کا فیصلہ کریں۔ مگر جب تحکیم کا معاہدہ طے پایا گیا تو عراقیوں میں سے ہی ایک جماعت آپ کے خلاف ہوگئی، ان کو اس بات پر سخت اعتراض تھا کہ خلافت جیسے اہم مسئلہ پر انسانوں کو کیوں ثالث بنایا گیا ہے، ان کا نعرہ یہ تھا کہ ''لا الحکم الا اللہ'' یعنی اللہ کے علاوہ کسی اور کا فیصلہ ہم نہیں مانیں گے۔ چنانچہ ان لوگوں نے حضرت علیؓ کی فوج سے علیحدگی اختیار کر لی، ان لوگوں نے حضرت علیؓ کو دھمکی دی کہ اگر آپ تحکیم تسلیم کرتے ہیں تو ہم خدا کے لئے آپ سے لڑیں گے۔ اب ان لوگوں نے آپ کی عملی مخالفت شروع کر دی اور اپنے خیالات کی تبلیغ کرنے لگے، یہی لوگ بعد میں خوارج کہلائے۔

4.3.1 خوارج کے عقائد و افکار:

1۔ خلیفہ کا تقرر آزادانہ اور منصفانہ انتخاب سے ہونا چاہیے جس میں تمام مسلمان حصہ لیں اور کسی ایک گروہ پر اکتفا نہ کیا جائے۔

2۔ خلیفہ اس وقت تک اپنے منصب پر قائم رہے گا، جب تک وہ عدل پر قائم رہے، شریعت کے احکام نافذ کرے اور خطا اور کج روی سے کنارہ کش رہے، اگر ان چیزوں کو چھوڑ دے تو اس کا معزول کر دینا بلکہ قتل کر دینا جائز ہے۔

3۔ خلافت کسی عرب خاندان کے ساتھ مخصوص نہیں ہے، قریش کی بھی اس میں کوئی تخصیص نہیں جیسا کہ دوسرے (اہل سنت) کہتے ہیں۔ اسی نقطۂ نظر کے تحت خارجیوں نے اپنا امیر عبداللہ بن وہب الراسبی کو بنایا اور اسے امیر المومنین کہنے لگے، یہ شخص قریشی نہیں تھا۔

4۔ خوارج ہر گناہ گار کو کافر سمجھتے تھے خواہ یہ گناہ ارادۂ گناہ اور بری نیت سے ہو یا غلط فہمی اور خطاء اجتہادی سے، یہی وجہ تھی کہ تحکیم کے معاملہ میں وہ حضرت علی کو (معاذ اللہ) کافر کہتے تھے۔ انہی افکار و عقائد کی بناء پر خوارج جمہور اہل اسلام کو مشرک قرار دیتے تھے۔

ان لوگوں نے حضرت علیؓ کے عہد میں بہت فساد برپا کیے رکھا۔ حضرت علیؓ نے ان کی سرگرمیوں سے تنگ آ کر نہروان کے مقام پر ان سے ایک فیصلہ کن جنگ لڑی جس میں خوارج کو شکست ہوئی مگر پھر بھی یہ خفیہ سرگرمیوں میں مصروف رہے۔ اب اموی عہد میں ان کی سرگرمیاں دوبارہ شروع ہوگئی تھیں انہوں نے مختلف ادوار میں بہت زیادہ شورش برپا کی اور

امن و امان کی صورت حالت کو مسلسل خراب کیے رکھا۔

حضرت امیر معاویہؓ کے دور خلافت میں فروہ بن نوفل خارجی نے بغاوت کا علم بلند کیا اور امیر معاویہؓ کی بھیجی ہوئی فوج کو شکست دی۔ خوراج کے خلاف امیر معاویہؓ نے مغیرہ بن شعبہؓ کی قیادت میں لشکر روانہ کیا جس نے مسلسل ایک سال تک ان کے خلاف لڑائی کی جس کی وجہ سے خوراج کی کمر کافی حد تک ٹوٹ گئی اور کچھ عرصہ تک وہ دوبارہ مقابلے کی ہمت نہ کر سکے۔

عبداللہ بن زبیرؓ کے دور میں خوارج نے دوبارہ قوت پکڑ لی اور نافع بن ارزق کی قیادت میں عراق میں فتنہ و فساد پھیلائے رکھا جس پر بصرہ کے والی عبداللہ بن حارث نے ان کے خلاف جنگ کی۔ س جنگ میں اگرچہ نافع مارا گیا مگر خوراج کی طاقت میں کمی نہ آئی۔ اعبد اللہ بن زبیر نے مہلب بن ابی صفرہ کو خارجیوں کے مقابلے کیلئے بھیجا جس نے بڑی خون ریز جنگ کے بعد انہیں شکست دی۔ عبدالملک کے دور حکومت میں خارجی دوبارہ طاقت پکڑ لی اور حجاز میں بغاوت کا اعلان کر دیا۔ حجاج بن یوسف والئی عراق نے ان کے خلاف کئی مہمات روانہ کیں مگر اسے کوئی کامیابی نہ ملی اور خارجیوں نے کوفہ تک آ پہنچے، بالآخر حجاج بن یوسف خود خوراج کے مقابلے کیلئے نکلا اور انہیں شکست دی۔

ہشام بن عبدالملک کے دور میں خوارج کی سرگرمیاں دوبارہ شروع ہو گئیں اور کافی عرصہ تک یہ فتنہ برپا رہا۔ اس پر خالد القسر ی کی قیادت میں اموی افواج نے اس فتنہ اور بغاوت کو ختم کیا، مروان ۔ نی کے دور حکومت میں خوراج نے ضحاک بن قیس شیبانی کی سرکردگی میں علم بغاوت بلند کیا اور کوفہ پر قبضہ کیا لیکن نصیبین کے مقام پر مروان ثانی کے ساتھ مقابلے میں مارا گیا۔ اس کے بعد موصل کے قریب تقریباً چھ ماہ تک مروان اور خوراج کے درمیان معرکے رہے جسمیں خاجی پسپا تو ہو گئے لیکن عراق پر اب بھی ان کا قبضہ تھا۔

ادھر ایک خارجی سردار ابوحمزہ نے مکہ پر قبضہ کر لیا اور پھر مدینہ کا رخ کیا، مدینہ کے قریب اہل مدینہ کی فوج کے ساتھ اس کا مقابلہ ہوا، جس میں مدینہ والوں کو زبردست شکست ہوئی اور ان کی ایک کثیر تعداد کام آئی، کوئی گھر ماتم سے خالی نہ تھا بعد ازاں ابوحمزہ نے شام کا قصد کیا، راستے میں وادی القریٰ میں ان کا سامنا مروان کی فوج سے ہوا جس میں انہوں نے شکست کھائی۔ خوراج کی ایک بڑی تعداد ماری گئی اور ان میں مزید مقابلہ کی جرأت نہ رہی۔ خوارج نے بنو عباس کے دور میں بھی اپنی باغیانہ سرگرمیاں جاری رکھیں اور عباسی خلفاء کو بھی چین سے بیٹھنے نہ دیا۔

ooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooo

خارجی تحریک کا جائزہ لینے کے بعد یہ بات پوری تک ظاہر ہو جاتی ہے کہ یہ کوئی معمولی تحریک نہ تھی، یہ ایک بڑی طاقتور تحریک تھی جس کی جڑیں کوفہ، بصرہ اور عراق میں بہت گہری تھیں۔ اس تحریک کی سرگرمیوں کی بدولت اکثر پورے کے پورے صوبے ان کے قبضے میں آ جاتے اور خلفاء کا اقتدار متزلزل ہو جاتا تھا۔ اس تحریک نے ہر دور میں خلفاء کی توجہ کو اپنی طرف مبذول رکھا۔ لہٰذا یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس تحریک نے بنو امیہ کے زوال میں نہایت اہم کردار ادا کیا۔

4.4 عباسی تحریک:

اموی عہد میں پیدا ہونے والی تحریکوں میں یہ سب سے زیادہ مضبوط اور طاقتور تحریک تھی جس نے بالآخر بنو امیہ کے اقتدار کا خاتمہ کر ڈالا۔

شیعان علیؓ نے بنو امیہ کی خلافت کو تسلیم نہیں کیا تھا کیونکہ ان کے نزدیک خلافت کے اصل حق دار اہل بیعت نبویؐ یا حضرت علیؓ کی غیر فاطمی اولاد تھی۔ اموی خلیفہ سلیمان بن عبدالملک کے زمانے میں اس تحریک کی سربراہی علویوں سے آل عباس میں منتقل ہوگئی۔

ہوا یوں کہ حضرت امام حسینؓ کی شہادت کے بعد شیعان علیؓ نے امام حسینؓ کے بیٹے امام زین العابدین کو منصب امامت پیش کیا مگر آپ نے انکار کر دیا ان کے انکار پر شیعان علیؓ نے حضرت علی کے غیر فاطمی بیٹے محمد بن حنیفہ کو یہ منصب سونپ دیا۔ اس طرح یہ منصب اہل بیت نبویؐ سے آل علوی میں منتقل ہو گیا۔

امام محمد بن حنیفہ کے بعد ان کے صاحبزادے ابو ہاشم عبداللہ ان کے جانشین ہوئے۔ ابو ہاشم نے وفات کے وقت حضرت عبداللہ بن عباس کے پوتے محمد بن علی بن عبداللہ بن عباس کو اپنا جانشین بنایا اور اس طرح منصب امامت علویوں سے بنو عباس کی طرف منتقل ہو گیا اور تحریک کی قیادت بنو عباس نے سنبھالی۔

محمد بن علی پہلے شخص ہیں جنہوں نے فلسطین کے ایک چھوٹے سے گاؤں حمیمہ میں بیٹھ کر باقاعدہ اپنی خلافت کا دعویٰ کیا اور عباسی تحریک کو منظم صورت عطا کی۔ اس دعوت کی اشاعت کیلئے بے شمار داعی مقرر کئے اور بارہ نقیبوں پر مشتمل ایک خصوصی مجلس نگران تشکیل دی گئی۔ اس کے ماتحت 70 سرداروں پر مشتمل ایک عمومی مجلس بھی قائم کی گئی جو دعوتی کاموں کے سلسلے میں مشورے دیا کرتی تھی۔ اس تحریک کا تمام پروگرام صیغہ راز میں رہتا تھا۔

تحریکِ عباسی کے داعیوں کو تاجروں اور فقیروں کے بھیس میں عراق وخراسان کے دور و نزدیک کے علاقوں میں بھیجا جاتا تھا جہاں یہ لوگ چونکہ اموی مظالم کی داستانیں بڑے مبالغہ آمیز انداز میں لوگوں کو سناتے تھے۔لوگ اموی عمال کے ظلم وستم کی وجہ سے پہلے ہی ان سے متنفر تھے، لہٰذا اس تحریک میں شامل ہونے لگے۔عباسی داعیوں نے عوام کے ذہنوں میں یہ خیال راسخ کر دیا تھا کہ اہل بیت رسول ﷺ ہی خلافت کے حقدار ہیں اور بنوامیہ غاصب ہیں، لہٰذا خلافت ان سے آل رسولؐ کی طرف منتقل ہونی چاہیے۔انہوں نے اپنی دعوت میں اس بات کا خاص خیال رکھا کہ لفظ عباس کے بجائے لفظ ہاشم پر زور دیا جائے تاکہ خود کو آل رسول ثابت کر کے تمام لوگوں کو اپنے ساتھ ملا سکیں۔ یہ طریقہ کار عوامی ہمدردیاں حاصل کرنے کیلئے بہت موزوں ثابت ہوا۔عوام کی اکثریت بنوعباس کی اس دعوت کو بنو ہاشم اور خاندان اہل بیت کے حامیوں کی تحریک سمجھتے ہوئے پذیرائی بخشتی تھی۔ادھر علوی بھی آخری وقت تک یہی سمجھتے رہے کہ اس تحریک کی کامیابی کی صورت میں وہی برسراقتدار آئیں گے لہٰذا انہوں نے اس دعوت کا بھرپور ساتھ دیا۔126ھ میں محمد بن علی انتقال کر گئے اور اپنے تینوں بیٹوں ابراہیم، ابوالعباس اور ابوجعفر کو بالترتیب جانشین بنا گئے۔

امام ابراہیم نے جانشین بننے کے بعد اس تحریک کی از سر نو تنظیم کی، اس کے اصول وقواعد بنائے اور نہایت نظم و ترتیب کے ساتھ عراق، خراسان، فارس، شام اور حجاز وغیرہ ممالک اسلامیہ میں اپنی تحریک کا جال بچھا دیا۔

عباسی تحریک کو کامیابی سے ہمکنار کرنے میں ایک سرگرم عباسی داعی ابومسلم خراسانی کا بڑا حصہ ہے۔ابومسلم خراسانی کا اصل نام ابومسلم بن عبدالرحمٰن بن مسلم خراسانی تھا۔تاریخی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایک عجمی الاصل اور پارسی نژاد شخص تھا جو اصفہان میں پیدا ہوا تھا۔

امام ابراہیم نے ابومسلم کو 128 یا 129 ہجری میں عراق وخراسان میں تحریک عباسی کا داعی اعظم مقرر کیا جس نے خراسان پہنچتے ہی دعوت عباسی کو پھیلانے میں بہت سرگرمی دکھائی اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ عباسی دعوت خراسان کے ہر گھر میں پہنچ گئی اور چند ہی دنوں میں اتنے خراسانی اس میں شامل ہو گئے کہ وہ علانیہ بنوامیہ کے مقابلے میں اٹھنے کے قابل ہو گئے۔چنانچہ اس نے 25 رمضان 129 ہجری میں عباسیوں کا سیاہ جھنڈا ''ظل'' بلند کر کے ایک گاؤں سفید نج میں اپنی تحریک کا کھلم کھلا اعلان کر دیا۔

ابومسلم نے تحریک کا اعلان کرنے کے بعد خراسان کے حاکم نصر بن سیار کو پیروی کی دعوت دی مگر اس نے مقابلے کیلئے

فوج بھیجی جس کو ابومسلم کے ایک جرنیل مالک نے شکست دی۔ نصر بن یسار ابومسلم کے خلاف مزید کارروائی کرنے سے قاصر تھا کیونکہ ان دنوں وہ یمنی قبائل سے برسر پیکار تھا۔ نصر بنی سیار مضری تھا اور یمنیوں سے دشمنی رکھتا تھا۔ چنانچہ یمنی اور ان کے حلیف اپنے سردار بدیع کرمانی کے ساتھ نصر کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے۔ یہ صورت حال ابومسلم کے لیے اطمینان بخش تھی۔ چنانچہ اس نے نصر اور بدیع کرمانی کی رقابت کو مزید ہوا دی، نصر بن یسار نے ابومسلم خراسانی کا زور توڑنے کی بہت کوشش کی اور یمنی و ربیعہ قبائل کو سمجھانے کی کوشش کی مگر ناکام رہا۔ ابومسلم اسے شکست دے کر خراسان کے بیشتر حصہ پر قابض ہوگیا۔

اسی اثناء میں اس تحریک کے قائد ابراہیم جو حمیمہ میں سکونت پذیر تھے نے ابومسلم خراسانی کو ایک خط لکھا جو پکڑا گیا۔ اس سے خط ڈالنے پر سارا راز فاش ہو گیا اور اس نے ابراہیم کو گرفتار کروا کر مروا ڈالا۔ ابومسلم خراسانی کو خبر ہوئی تو وہ کوفہ آیا اور امام ابراہیم کے بھائی ابوالعباس کے ہاتھ پر بیعت کرلی۔ کوفہ فتح ہو جانے کے بعد تمام عباسی داعیوں نے ان کے ہاتھ پر بیعت کرلی۔ ابوالعباس نے اپنے چچا عبداللہ بن علی کو مروان سے لڑنے کیلئے بھیجا۔ مروان ایک لاکھ بیس ہزار فوج لے کر دریائے زاب کے کنارے خیمہ زن ہوا۔ مروان کی فوج بددل تھی، اس نے جنگ میں حصہ نہیں لیا اور بھاگ نکلے۔ نتیجتاً مروان نے شکست کھائی اور مارا گیا۔

عباسی تحریک اس عہد کی پہلی انقلابی جماعت تھی اور نہایت منظم ہونے کے علاوہ نہایت دانشمند سیاستدانوں کی قیادت میں کام کر رہی تھی۔ اس کی عمدہ کارکردگی کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ یہ تحریک عمر بن عبدالعزیز کے عہد میں منظم ہوئی لیکن اس کی طاقت کا احساس مروان ثانی کو خلافت کھونے سے تھوڑا عرصہ پہلے ہوا۔ چنانچہ اس انتہائی طاقتور تنظیم کے خلاف ہر کوشش ناکام رہی اور بالآخر عباسی تحریک نے اموی خلافت کو حرف غلط کی طرح مٹا ڈالا۔

خود آزمائی:

1۔ اموی عہد میں علوم القرآن پر کیا کام ہوا مختصراً بیان کیجئے۔

2۔ دور بنوامیہ کے پانچ مشہور مفسرین کے نام تحریر کریں۔

3۔ تدوین حدیث کے سلسلے میں حضرت عمر بن عبدالعزیز کے کارناموں کا جائزہ پیش کیجئے۔

4۔ فن تاریخ نویسی میں محمد بن اسحاق کی خدمات پر روشنی ڈالیئے۔

5۔ خالد بن یزید بن معاویہ نے علم کیمیا پر کون سی کتابیں تصنیف کی تھیں؟

6۔ ''قدریہ'' اور ''جبریہ'' کے عقائد کا تقابلی موازنہ پیش کیجئے۔

7۔ خلفائے راشدین اور بنوامیہ کے عہد کی شاعری میں کیا فرق نظر آتا ہے؟

8۔ بنوامیہ کے دور میں آمدن کے ذرائع کون کون سے تھے؟

9۔ اموی حکمرانوں نے کن غیر شرعی محصولات کا بوجھ عوام پر ڈالا ہوا تھا؟

10۔ جزیہ سے کیا مراد ہے اور کون لوگ اس سے مستثنیٰ تھے؟

11۔ اموی دور کا دمشق کن وجوہ کی بنا پر دیگر شہروں میں ممتاز نظر آتا ہے؟

12۔ توابین کون لوگ تھے؟

13۔ خارجیوں کا ظہور کب ہوا اور ان کے عقائد کیا تھے؟

14۔ محمد بن علی نے عباسی تحریک کو کس طرح ایک منظم صورت عطا کی؟

15۔ عباسی تحریک کو کامیاب بنانے میں سب سے اہم کردار کس کا ہے؟

یونٹ نمبر 12

دور بنو عباس نمبر 1

آغاز، عروج، زوال اور اس کے اسباب، صلیبی جنگیں

تالیف

محی الدین ہاشمی

نظر ثانی

پروفیسر ڈاکٹر محمد باقر خان خاکوانی

علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد

فہرست عنوانات

یونٹ کا تعارف:

اسلام کی پندرہ سو سالہ تاریخ میں بڑی بڑی اسلامی حکومتیں قائم ہوئیں، لیکن ان میں جو عظمت و شان اور اہمیت خلافت عباسیہ کو حاصل ہوئی، وہ کسی کے حصے میں نہیں آئی، گو اموی حکومت کے مقابلے میں ان کا رقبہ کم تھا اور برابر گھٹتا ہی رہا لیکن جب تک عباسی حکومت کا نام باقی رہا اس وقت تک اسلامی حکومتوں میں اس کو مرکزی حیثیت حاصل رہی اور اس کے زمانہ میں اس سے ٹوٹ کر جتنی حکومتیں قائم ہوئیں، ان میں سے اکثر کا تعلق ماتحت کی حیثیت سے آخر تک اس کے قائم رہا اور ان کے حکمران عباسیوں کی سیادت کو تسلیم کرتے اور ان کے نام کا خطبہ پڑھتے رہے، اسی کا علم ان کی حکومت کا نشان تھا جسے خود عباسی خلفاء ان کو عطا کرتے تھے، آخری زمانہ میں جب عباسی حکومت صرف بغداد تک محدود ہو کر رہ گئی تھی اس وقت بھی دینی مرکزیت اسی کو حاصل تھی۔

اس یونٹ میں آپ بنوعباس کے دور عروج اور دور زوال کا مطالعہ کریں گے۔ علاوہ ازیں اس دور میں مذہب کے نام پر ہونے والی صلیبی جنگوں کے اسباب، واقعات اور نتائج پر بھی روشنی ڈالی جائے گی۔

یونٹ کے مقاصد:

اس یونٹ کے مطالعہ کے بعد آپ اس قابل ہو جائیں گے کہ:

1۔ خلافت بنوعباس کے قیام پر روشنی ڈال سکیں۔
2۔ آپ اس بات کی وضاحت کر سکیں کہ ابوجعفر منصور کو عباسی حکومت کا اصل بانی کیوں کہا جاتا ہے؟
3۔ خلیفہ ہارون الرشید کی فتوحات اور اس کے علمی کارناموں سے آگاہ ہو سکیں۔
4۔ عباسی فوج میں ترکوں کی بڑی تعداد میں بھرتی کے نتائج کے فوائد و نقصانات جان سکیں۔
5۔ خلافت عباسیہ کے دور انحطاط کے خلفاء کے کارناموں اور کردار پر روشنی ڈال سکیں۔
6۔ عباسیوں کے دور زوال میں خلفاء کی حیثیت اور ان کے اختیارات کے بارے میں بحث کر سکیں۔
7۔ آپ بنوعباس کے زوال کے اسباب کی وضاحت کر سکیں۔
8۔ صلیبی جنگوں کے اسباب و واقعات کے بارے میں آپ معلومات حاصل کر سکیں۔

1۔ بنوعباس کا تعارف

بنوعباس حضورؐ کے چچا حضرت عباسؓ بن عبدالمطلب کی اولاد میں سے تھے۔ امام حسینؓ کی شہادت کے بعد ان کے صاحبزادے امام زین العابدینؒ سیاست سے کنارہ کش ہوگئے تھے۔ اہل بیت کے حامیوں، جن کا اصطلاحی نام شیعان علی تھا کی امامت اور راہنمائی محمد بن حنفیہ کی طرف منتقل ہوگئی، جو حضرت علی کے غیر فاطمی بیٹے تھے۔

جب محمد بن حنفیہ کا انتقال ہوا تو امامت ان کے بیٹے ابو ہاشم عبداللہ کے پاس آئی جنھوں نے اپنی وفات سے قبل یہ منصب حضرت عبداللہ بن عباس کے پوتے محمد بن علی کو سونپ دیا۔ یوں خلافت و امامت کا استحقاق حضرت علیؓ کی اولاد سے حضرت عباسؓ کی اولاد میں منتقل ہوگیا۔ محمد بن علی کے بعد امامت ان کے بیٹے ابراہیم کو اور ان کے بعد ان کے چھوٹے بھائی ابوالعباس عبداللہ کو منتقل ہوئی۔ (جو خلفائے بنوعباس میں پہلے خلیفہ تھے)

اس خاندان نے تقریباً 500 سال حکومت کیا اور اس میں 37 خلفاء ہوئے۔ خلفائے بنوعباس کے عہد میں اقتدار کی باگ ڈور عربوں کے ہاتھ سے نکل کر عجمیوں میں منتقل ہوگئی تھی جس کی بڑی وجہ یہ تھی کہ عباسی خلافت کا قیام زیادہ تر اہل عجم کی کوششوں کا نتیجہ یہ تھا۔ بنوعباس کے عہد میں ترکوں کو بہت عروج حاصل ہوا حتیٰ کہ آخری دور میں ان کو اس قدر اختیارات حاصل ہوگئے کہ یہ اپنی من مانی کرنے لگے اور خلفاء کیلئے دردسر بن گئے۔ بنوعباس کے 500 سالہ اقتدار میں کئی انقلابات اور کئی نشیب وفراز آئے، مگر بحیثیت مجموعی عباسی خاندان کو ہی مرکزی حیثیت حاصل رہی ور عالم اسلام کے اکثر و بیشتر سلاطین ان کی وفاداری کا دم بھرتے تھے۔ اس عہد میں مذہبی، سیاسی، تمدنی اور علمی لحاظ سے بہت ترقی ہوئی۔ ان کے 500 سالہ دور حکومت کو درج ذیل تین ادوار میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

1) دور عروج:

یہ دور 132ھ سے 247ھ تک پھیلا ہوا ہے۔ اس میں بنوعباس کے پہلے دس خلفاء آتے ہیں۔ یہ فرمانروا غیر معمولی صلاحیتوں کے مالک اور اعلیٰ پایہ کے مدبر تھے۔ اس دور میں تہذیب وتمدن اور علوم وفنون کو بہت ترقی ہوئی، اور عجمی اثر ورسوخ

کو بہت فروغ ہوا۔ آٹھویں خلیفہ معتصم نے فوج میں عربوں کی بجائے ترکوں کو بھرتی کرنا شروع کر دیا جس کا اثر یہ ہوا کہ ترک بہت زور پکڑ گئے۔

2) زوال پذیر دور:

یہ دور 247ھ سے 400ھ تک جاری رہا۔ یہ انحطاط کا دور ہے، اس دور میں عباسی حکومت کمزور ہونا شروع ہوگئی اور سلطنت کا سارا کاروبار امیر الامراء کی مرضی ومنشا کے مطابق ہونے لگا۔ اس دور میں سامانیوں اور صفاریوں کی خودمختار حکومتیں وجود میں آئیں۔

3) دورزوال:

یہ دور 400ھ سے 655ھ پر محیط ہے۔ اس دوران سلجوقیوں کو بہت غلبہ حاصل ہوا اور خلفائے بنوعباس کی حیثیت کٹھ پتلیوں کی سی ہوگئی۔ آخر 656ھ میں ہلاکو خان نے بغداد پر حملہ کیا اور خلیفہ معتصم باللہ کو قتل کر کے بنوعباس کے دورِ خلافت کو ہمیشہ کیلئے ختم کر دیا۔

2۔ بنوعباس کا دورعروج

2.1 ابوالعباس سفاح (132ھ تا 136ھ بمطابق 749ء تا 753ء)

ابوالعباس کا پورا نام ابوالعباس عبداللہ بن محمد تھا۔ ابومسلم خراسانی کی کامیاب تحریک کے بعد جب عباسی حکومت قائم ہوئی تو ابوالعباس 132ھ میں پہلا خلیفہ بنایا۔ اس نے اپنی خلافت کے استحکام کی خاطر بڑی خونریزی کی اور بنوامیہ پر اس کی سختیاں انتہاء کو پہنچ گئیں۔ داؤد بن علی حاکم حجاز نے مکہ اور مدینہ میں مقیم تمام بنوامیہ کو قتل کروا دیا۔ سلیمان نے بصرہ کے امویوں کو قتل کرا کے ان کی نعشیں شاہراہوں پر پھینکوا دیں، عبداللہ بن علی نے شام میں رہنے والے تمام بنوامیہ کو تہ تیغ کر ڈالا اور سوائے شیرخوار بچوں کے کوئی بھی اس کے انتقام سے بچ نہ سکا۔ نوبت یہاں تک پہنچی کہ زندوں کے علاوہ مردوں کو بھی معاف نہیں کیا گیا اور سوائے حضرت عمر بن عبدالعزیز کے بنوامیہ کے تمام خلفاء کی قبریں اکھاڑ کر ان کی ہڈیاں جلائی گئیں۔ ہشام کی لاش

سالم نکل آئی تو اسے کوڑے مروا کر سولی پر لٹکایا گیا اور پھر اسے نذر آتش کر دیا۔ اس خونریزی کی وجہ سے ابو العباس کا لقب ''سفاح'' پڑ گیا جس کے معنی ہیں ''خونریز''۔

سفاح نے تمام بنوامیہ کا خاتمہ کر دیا، اس خاندان کا صرف ایک فرد عبدالرحمٰن بھاگ کر نکل گیا اور اسپین پہنچ کر اس نے بنوامیہ کی عظیم الشان سلطنت قائم کی جو 300 سال تک بڑی کامیابی سے قائم رہی۔ سفاح نے عراق کے ایک قصبہ انبار کے نزدیک ایک شہر ''ہاشمیہ'' آباد کر کے اسے پایہ تخت قرار دیا۔

2.1.1 بغاوتیں اور ان کا استحصال:

ابو العباس کے بے پناہ جبر وتشدد کے باعث بنوامیہ کے حامی امراء نے دمشق حمص اور قنسرین کے مقامات پر بغاوت کر دی اور اکثر صوبائی گورنروں نے خود مختاری کا اعلان کر دیا۔ اس طرح آرمینیا، موصل اور سندھ کے حاکموں نے اطاعت سے انکار کر دیا چنانچہ ان کی سرکوبی کیلئے متعدد لشکر روانہ کیے گئے جنہوں نے کئی معرکوں کے بعد ان صوبوں کو مطیع بنایا۔ ان کے علاوہ حامیان اہل بیت نے بھی چند ایک مقامات پر شورشیں برپا کیں۔ بخارا کے حامیان اہل بیت نے 30 ہزار لشکر کے ساتھ بغاوت کی مگر شکست کھا کر منتشر ہو گئے۔ اسی طرح ایک خراسانی امیر، بسام بن ابراہیم نے اہل بیت کی حمایت میں بغاوت کی مگر عباسی فوج کے مقابلے میں شکست کھائی اور مارا گیا۔

علاوہ ازیں خوارج بھی بنوعباس کے مخالف تھے جنہوں نے بحرین اور عمان میں بغاوت کر دی۔ سفاح نے ایک سردار خازم کو سرکوبی پر مامور کیا جس نے کئی لڑائیوں کے بعد ان کا زور توڑ دیا۔

2.1.2 فتوحات:

ابو العباس سفاح نے نہ صرف اندرونی شورش اور بغاوتوں کا خاتمہ کیا بلکہ بیرونی فتوحات کا سلسلہ بھی جاری رکھا۔ اس عہد میں سرحد چین پر ختن، چاچ، فرغانہ، اور کش کے علاقے فتح ہوئے۔ رومیوں سے بھی جھڑپیں ہوئیں مگر ان میں مسلمانوں کو شکست اٹھانی پڑی اور رخ وملطیہ کے علاقے رومیوں کے قبضے میں چلے گئے۔

اموی خلافت کے خاتمے کے بعد زندگی کے سب ہی شعبوں میں شکست وریخت ہوئی اور نظم ونسق کا شعبہ اس سے مستثنیٰ

نہیں تھا، ابوالعباس نے نئے انتظامی ڈھانچے کی تشکیل کی طرف خاص توجہ دی، اس نے وزارت کا عہدہ قائم کیا جس کا بنوامیہ کے دور میں کوئی وجود نہ تھا۔ اس نے ابوسلیمہ کو وزیر بنایا اور بعد میں اس سے بدظن ہو گیا اور اسے قتل کروا کے اس کی جگہ خالد بن برمک کو وزیر بنا دیا۔ اپنے بھائی ابوجعفر منصور کو جزیرہ، آذربائیجان اور آرمینیا کا والی بنایا۔ اپنے چچا داؤد کو مدینہ، مکہ، یمن اور یمامہ کا، ایک دوسرے چچا عبداللہ بن علی کو شام کا، ایک بھتیجے کو کوفہ کا، ابومسلم خراسانی کو خراسان کا اور اپنے ایک بھائی کو فارس کا حاکم مقرر کیا۔

2.1.3 وفات:

ابوالعباس نے چار سال اور آٹھ ماہ حکومت کی۔ اس نے وفات سے قبل اپنے بھائی ابوجعفر منصور اور اپنے بھتیجے عیسیٰ بن موسیٰ کو بالترتیب ولی عہد مقرر کیا۔ ابوالعباس نے اپنی حکومت کے استحکام کیلئے اگرچہ بڑی سفاکی سے کام لیا مگر اس کے باوجود وہ ایک فیاض اور باتدبیر حکمران مشہور تھا۔ اپنے فرائض سے کبھی اس نے غفلت نہیں برتی، عیش وعشرت اور لہوولعب سے اسے سخت نفرت تھی۔ شعروادب اور موسیقی سے دلچسپی رکھتا تھا۔ 13 ذی الحجہ 136ھ کو اس کا انتقال ہوا، اسے دارالحکومت ہاشمیہ میں دفن کیا گیا۔

2.2 ابوجعفر منصور: (136ھ تا 158ھ بمطابق 753ء تا 774ء)

ابوجعفر عبداللہ بن محمد المنصور کی ولادت 95ھ میں ہوئی۔ یہ اپنے بھائی سفاح سے عمر میں بڑا تھا، سفاح نے اپنی موت سے قبل اسے اپنا جانشین نامزد کیا تھا، منصور نے 136ھ میں خلافت کا منصب سنبھالا۔

خلافت عباسی کی بنیاد اگرچہ سفاح نے رکھی تھی مگر اسے مستحکم بنیادوں پر استوار کرنے والا منصور ہی تھا۔ اسی بناء پر اسے عباسی اقتدار کا حقیقی بانی تصور کیا جاتا ہے۔ اسے بنوعباس میں وہی مقام اور مرتبہ حاصل تھا جو عبدالملک کو بنوامیہ میں حاصل تھا، آغاز خلافت میں اسے قدم قدم پر مشکلات اور آزمائشوں سے دوچار ہونا پڑا لیکن منصور نے اپنی دوراندیشی، سیاسی بصیرت اور بے مثال تدبر کے باعث تمام مشکلات پر قابو پالیا۔ وہ اپنے گورنروں اور ماتحتوں پر کڑی نظر رکھتا تھا، جاسوسی کے بہترین نظام کی وجہ سے وہ ان کی ہر حرکت سے باخبر رہتا اور جب کسی حاکم یا عامل میں کوئی غلط بات محسوس کرتا تو اسے فوراً برطرف کر دیتا۔ یہی وجہ ہے کہ اس نے کئی ایسے لوگوں کو برطرف یا قتل کرا دیا جن کا شمار خلافتِ بنوعباس کے بانیوں میں ہوتا تھا۔

2.2.1 بغاوتیں اور ان کا سدباب:

منصور کا چچا عبداللہ بن علی اپنے آپ کو خلافت کا زیادہ حقدار سمجھتا تھا، اس نے منصور کی بیعت کرنے سے انکار کر دیا اور خود خلافت کا دعویدار بن گیا، اس پر منصور نے اس کے خلاف ابو مسلم خراسانی کی قیادت میں لشکر بھیجا جس نے عبداللہ بن علی کی فوج کو شکست دی۔ عبداللہ بن علی گرفتار ہو گیا، بعد میں اسے قید میں ڈال دیا گیا اور وہیں اس کی وفات ہوئی۔

2.2.2 ابو مسلم خراسانی کا قتل:

ابو مسلم خراسانی خلافت بنو عباس کے بانیوں میں سے تھا جسے منصور اپنے اقتدار کیلئے خطرہ تصور کرتا تھا چنانچہ اس نے اسے دھوکے سے قتل کروا دیا۔ ابو مسلم خراسان اور فارس میں بہت ہر دلعزیز تھا، اس کی ہلاکت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے سنباد نامی ایک آتش پرست نے عباسیوں کے خلاف خراسان میں علم بغاوت بلند کر دیا جسے منصور کی فوج نے عدن اور رے کے درمیان شکست دی۔

علاوہ ازیں منصور کے عہد میں امام عبداللہ نفس ذکیہ نے جزیرہ میں، معبد بن حرملہ نے اور عبدالجبار ازدی نے خراسان میں، موصل اور بحرین میں خوارج نے اور اصفہان میں فرقہ راوندیہ نے مختلف مواقع پر بغاوتیں کیں جن پر منصور نے بڑی ہمت سے قابو پالیا۔

2.2.3 فتوحات:

داخلی شورشوں اور بغاوتوں کے باوجود منصور نے بیرونی فتوحات کا سلسلہ جاری رکھا چنانچہ منصور کے ایک سردار عمر بن علاء نے کوہستان، طبرستان اور دماوند کے علاقے فتح کیے، سندھ کے کئی علاقوں بھی منصور کے عہد خلافت میں عباسی مملکت میں شامل ہوئے۔

2.2.4 ولی عہد کی تبدیلی:

عبداللہ سفاح نے اپنے بھتیجے عیسیٰ بن موسیٰ کو منصور کے بعد ولی عہد نامزد کیا تھا، خلیفہ بننے کے بعد منصور نے

ایک سازش کے تحت عیسیٰ بن موسیٰ کو زبردستی اس عہدے سے دست بردار کروا یا اور اس کے بجائے اپنے بیٹے مہدی کو ولی عہد مقرر کر دیا۔ یہ پہلی وصیت شکنی تھی جو کسی عباسی خلیفہ نے کی اس کے بعد جس قدر خلفاء کا تقرر ہوا وہ سب منصور ہی کی نسل سے تھے۔

2.2.5 وفات:

158ھ میں سفر حج کے دوران منصور بیمار پڑ گیا اور راستے میں ہی بیر معونہ کے مقام پر 6 ذی الحجہ 158ھ میں اس کی وفات ہوگئی۔

2.2.6 سیرت اور کارنامے:

سیرت کے لحاظ سے منصور ایک بلند پایہ انسان تھا۔ اس کا اخلاق پاکیزہ اور عادات شستہ مگر سادہ تھیں، مورخین کے خیال میں عقل ورائے، حزم واحتیاط، سیاست وتدبر اور ہمت واستقلال میں تمام عباسی خلفاء میں کوئی بھی اس کا ہم پلہ نہیں تھا، وہ نازک سے نازک موقعوں پر بھی گھبراتا نہیں تھا۔

عباسی حکومت کو بیرونی اور اندرونی خطرات سے محفوظ کرنے کے بعد منصور انتظامی امور کی طرف متوجہ ہوا۔ اس نے علمائے دین کو خلیفہ کے تابع کر کے انہیں انتظامِ سلطنت میں ثانوی حیثیت دے دی۔ اس طرح علمائے دین عباسی حکومت کے بہی خواہ ہو گئے اور عباسی حکمرانوں کو دینی علماء کی ایسی حمایت حاصل ہوئی جس سے اموی حکمران ہمیشہ محروم رہے تھے۔

منصور نے محکمہ جاسوسی قائم کیا اور کافی تعداد میں وقائع نویسوں کو سرکاری ملازمت میں بھرتی کیا گیا، محکمہ ڈاک کو بھی بہترین طریقہ پر منظم کیا گیا اور ان تدابیر کے باعث خلیفہ منصور اپنے افسران اور امراء کی حرکات سے ہر وقت باخبر رہتا تھا۔

منصور کی کفایت شعاری حد سے بڑھی ہوئی تھی، یہاں تک کہ وہ بخیل مشہور ہو گیا۔ اس کا ایک مشہور مقولہ تھا کہ ''دولت حکومت کیلئے حصن (قلعہ) اور دین اور دنیا کیلئے بمنزلہ رکن ہے''۔ اس کا نتیجہ تھا کہ شہروں کی تعمیر اور لوگوں کی فلاح و بہبود پر روپیہ خرچ کرنے کے باوجود جب اس کی وفات ہوئی تو اس وقت خزانے میں اتنی رقم موجود تھی جس سے حکومت کے دس سال تک تمام اخراجات پورے ہو سکتے تھے۔

oooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooo

انتظامی خوبیوں کے علاوہ منصور کا عہد حکومت علمی کمالات کی وجہ سے بھی مشہور ہے۔ منصور فقہ کا ماہر تھا اور علم نجوم افلسفہ سے بھی اسے بہت دلچسپی تھی۔ اس نے ہمیشہ اہل قلم کی سرپرستی کی، اسی خلیفہ کے زمانے میں ارسطو کی کتابوں کا یونانی زبان سے عربی میں ترجمہ ہوا۔

استحکام سلطنت کے بعد منصور نے حکومت میں اہم تبدیلیاں کیں۔ وزیر، حاجب اور کاتب جیسے اہم اراکین سلطنت کے عہدے وجود میں آئے، بعد ازاں یہی افسران تین محکموں کے سربراہ مقرر ہوئے، صوبہ جات سلطنت کی تنظیم نو کی گئی اور ان کی حدود کا تعین کیا گیا۔ منصور صوبائی گورنروں کو بکثرت ایک جگہ سے دوسری جگہ تبدیل کرتا رہتا تھا تاکہ کوئی سازش جڑ نہ پکڑ سکے اور صوبائی حاکم اپنے عہدہ کو موروثی نہ تصور کرے۔ ان تدابیر سے ملک کی سیاسی و اقتصادی حالت پر خوشگوار اثر پڑا۔

2.3 محمد مہدی (158ھ تا 169ھ بمطابق 775ء تا 785ء):

ابو جعفر منصور کی وفات کے بعد خلیفہ مہدی 158ھ میں تخت نشین ہوا۔ اس وقت اس کی عمر 33 سال تھی، مہدی کے دور حکومت کے اہم واقعات حسب ذیل ہیں۔

2.3.1 عام معافی کا اعلان:

منصور نے اپنے عہد حکومت میں تمام سیاسی حریفوں کا قلع قمع کر دیا تھا، بنو امیہ کا خاتمہ ہو چکا تھا اور حامیان اہل بیت کا بھی دم خم ٹوٹ چکا تھا، مدینہ منورہ میں مقیم علویوں کی نقل و حرکت پر سخت پابندیاں عائد تھیں جن کے باعث وہ انتہائی مصیبت میں اپنی زندگی کے دن کاٹ رہے تھے۔ مہدی نے تخت نشین ہونے کے بعد پہلا کام یہ کیا کہ تمام علویوں کیلئے عام معافی کا اعلان کیا۔ آل حضرت علیؓ کے تمام قیدیوں کو رہا کر دیا، ان کی ضبط شدہ جائدادیں انہیں واپس کر دیں اور ان پر سے دیگر پابندیاں بھی ہٹا دیں۔ خلیفہ کے اس رحمدلانہ رویے نے اسے عوام میں بہت مقبول بنا دیا۔

2.3.2 زندیقوں کی بغاوت:

مہدی کے زمانے میں ایک خراسانی ملحد ہاشم بن حاکم نے پیغمبری کا دعویٰ کیا۔ چونکہ اس کی شکل وصورت بھدی اور

بھونڈی تھی، اس لئے وہ ہمیشہ اپنے چہرے پر نقاب ڈالے رکھتا تھا جس پر اس کا نام مقنع (نقاب پوش) پڑ گیا۔ وہ مسئلہ تناسخ کا قائل تھا، اس نے اپنے پیروؤں کو یہ تعلیم دی کہ اللہ تعالیٰ اس کے جسم میں حلول کر گیا ہے۔ چونکہ وہ شعبدہ باز اور جادوگر تھا اس لئے اپنے دعویٰ کی تائید میں اس نے مختلف قسم کے شعبدے دکھا کر لوگوں کو گمراہ کیا۔ کہا جاتا ہے کہ اس نے ماوراالنہر کے قریب نخشب کے کنویں میں سے ایک مصنوعی چاند نکالا جس کی روشنی چھ میل تک جاتی تھی۔

بہت جلد اس ملحد ہاشم بن حاکم نے اپنے پیروؤں کی اچھی خاصی جمعیت فراہم کر لی اور چند قلعوں پر قبضہ کر لیا۔ خلیفہ مہدی نے اس کی سرکوبی کیلئے اپنے ایک تجربہ کار جرنیل میتب کو روانہ کیا، میتب نے اس ملحد کو بیس ہزار پیروؤں سمیت گھیر لیا اور اتنا سختی سے محاصرہ کیا کہ اس نے مایوس ہو کر خودکشی کر لی اور اس کے ساتھی یا تو منتشر ہو گئے یا گرفتار ہو کر قتل ہوئے۔

2.3.3 دیگر بغاوتیں:

مہدی کے عہد میں خراسان میں یوسف بن ابراہیم، جزیرہ میں عبدالسلام اور مصر کے علاقہ میں ایک نامور سردار نے علم بغاوت بلند کیا مگر خلیفہ مہدی کے جرنیلوں نے بروقت فوج کشی کر کے ان باغی سرداروں کا قلع قمع کر دیا۔

2.3.4 رومیوں کے ساتھ معرکہ آرائیاں:

مہدی کے زمانے میں رومی سپہ سالار میخائل نے سرحدی علاقوں پر حملہ کر کے مسلمانوں کا قتل عام کیا جس پر 163ھ میں مہدی نے بذات خود رومیوں کے خلاف فوج کشی کی اور ان کے متعدد شہروں کو فتح کر لیا۔ دو سال بعد مہدی نے اپنے لڑکے ہارون الرشید کو ایک لاکھ سپاہیوں کا لشکر جرار دے کر رومیوں کے خلاف جنگ لڑنے کیلئے بھیجا۔ عباسی فوج ایشیائے کوچک میں سے یلغار کرتی ہوئی آبنائے باسفورس تک پہنچ گئی۔ رومیوں کی ملکہ ایرینی نے گھبرا کر مسلمانوں سے صلح کر لی اور ایک بہت خطیر رقم بطور تاوان جنگ ادا کی۔ اس مہم کے باعث رومیوں پر عباسی طاقت کا رعب چھا گیا اور وہ مسلمانوں کے علاقوں پر دست درازی کرنے سے گریز کرنے لگے۔

2.3.5 سپین اور سندھ میں فوجی کارروائیاں:

مہدی نے سپین کی اموی حکومت کے خلاف فوج کشی کی مگر عباسی فوجوں کو اس مہم میں ناکامی ہوئی۔ اس طرح سندھ

میں عبدالملک بن شہاب نے فوجی کارروائی کی مگر اسے اپنے مقصد میں ناکامی ہوئی۔

2.3.6 اصلاحات اور رفاہ عامہ کے کام:

مہدی کا دس سالہ دور رعایا کے لئے امن وامان اور خوشحالی کا دور تھا۔ مہدی نے رعایا کی فلاح و بہبود کے لئے کئی کام کئے اور انتظام سلطنت کو بہتر بنانے کی خاطر کئی اصلاحات نافذ کیں۔

مہدی نے تمام محکموں کی از سر نو تنظیم کی اور ہر ایک محکمے کیلئے جدا جدا نگران مقرر کئے، بغداد، یمن، مکہ اور مدینہ کے درمیان ڈاک کا سلسلہ قائم کیا، کوڑھیوں اور جذامیوں کیلئے بیت المال سے وظائف مقرر کئے۔ مکہ کو جانے والے تمام راستوں کو درست کرا کے جا بجا قافلوں کے ٹھہرنے کیلئے سرائیں بنوائیں اور کنویں کھدوائے، سڑکوں کی مرمت کرائی، جا بجا پانی کے حوض بھی بنوائے تاکہ گزرنے والے قافلوں کے جانوروں کو پانی کی تکلیف محسوس نہ ہو، خلیفہ ولید بن عبدالملک کی طرح مہدی کو نئی عمارات بنوانے کا بہت شوق تھا، چنانچہ دجلہ کے کنارے اس نے ایک نیا محل بنوایا، بصرہ کی جامع مسجد اور مسجد حرام کی توسیع کی، رومی سرحد پر کئی نئے قلعے تعمیر کرائے اور عیسیٰ آباد میں ایک نئی ٹکسال قائم کی۔ علاوہ ازیں اپنی ملکہ کے کہنے پر مہدی نے مدینہ کے پانچ سو انصار کو اپنا باڈی گارڈ مقرر کیا اور ان کو گزارہ کرنے کیلئے زمینیں عطا کیں۔

2.3.7 وفات اور سیرت:

169ھ میں خلیفہ مہدی نے وفات پائی۔ مرنے سے پہلے اس نے اپنے دونوں بیٹوں ہادی اور ہارون الرشید کو یکے بعد دیگرے اپنا جانشین مقرر کیا۔ مہدی طبعاً حلیم اور خوددار واقع ہوا تھا اور اس کے مزاج میں عفو کا مادہ کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔ مختلف موقعوں پر بڑے بڑے سیاسی مجرموں کو اس نے معمولی فہمائش کرنے کے بعد چھوڑ دیا۔

اس نے اپنے فرائض منصبی کی ادائیگی میں کبھی تساہل سے کام نہ لیا، مذہب کا وہ پابند تھا، چنانچہ وہ کسی غیر شرعی حرکت کو گوارا نہ کرتا تھا، زندیقوں اور ملحدوں کا وہ جانی دشمن تھا۔ انصاف اور مساوات کے اصولوں کا وہ دلدادہ تھا، قاضی کی عدالت میں وہ خود بھی عام ملزموں کی طرح پیش ہوتا تھا اور اس کے فیصلے کا احترام کرتا تھا، مساجد میں بادشاہوں کی حفاظت کیلئے جو مقصورے بنائے گئے تھے مہدی نے انہیں اکھڑوا دیا۔ فیاض اور سخی اتنا تھا کہ چند ہی سالوں میں اس نے منصور کے جمع کئے ہوئے خزانے کو لٹا دیا۔

2.4 موسیٰ الہادی (169ھ تا 170ھ: بمطابق 785ء تا 786ء)

مہدی کی وصیت کے مطابق موسیٰ الہادی 169ھ میں تخت پر بیٹھا، مہدی کی بیوی ملکہ خیزران مہدی کے بجائے اپنے بیٹے ہارون کو ولی عہد بنانا چاہتی تھی۔ لیکن مہدی کی اچانک وفات کی وجہ سے ایسا نہ ہو سکا۔ ہادی اپنی ماں خیزران کے اس عمل سے شاکی تھا چنانچہ اس نے اپنی ماں کو آہستہ آہستہ امور سلطنت سے بے دخل کر دیا۔

2.4.1 حسین بن علی کی بغاوت:

ہادی کے عہد میں اہل بیت کے ایک ممتاز فرد حسین بن علی بن حسن نے مدینہ میں اپنے خلیفہ ہونے کا اعلان کر دیا، اہلِ مدینہ نے اس کے ہاتھ پر بیعت کرنی شروع کر دی۔ عراق سے کچھ لوگ بھی اس کی امداد کرنے پر تیار ہو گئے، حسین بن علی نے مدینے کے والی کو شکست دے کر اس شہر کے خزانے پر قبضہ کر لیا اور گیارہ دن تک اس نے مدینہ پر حکومت کی، ہادی نے محمد بن سلیمان کو اس کی سرکوبی کیلئے بھیجا، فخ کے مقام پر فریقین کے درمیان جنگ ہوئی جس میں حسین بن علی اپنے ساتھیوں سمیت مارے گئے اور اس طرح یہ بغاوت فرو ہو گئی۔

2.4.2 حمزہ خارجی کی بغاوت:

جزیرہ میں حمزہ بن مالک نے بغاوت کر دی اور وہاں کے حاکم منصور بن زیاد کو شکست دے دی، لیکن جلد ہی حمزہ کو اس کے اپنے آدمیوں نے مروا دیا اور اس طرح یہ بغاوت ختم ہو گئی۔

2.4.3 ولی عہدی کا مسئلہ اور ہادی کی وفات:

ہادی نے مہدی کے وصیت نامہ کی خلاف ورزی کرتے ہوئے ہارون کو ولی عہدی سے محروم کر کے اپنے لڑکے جعفر کو اپنا جانشین نامزد کرنا چاہا۔ اکثر امراء نے اس کی تائید کی اور ہارون بھی ولی عہدی سے دست بردار ہونے پر آمادہ ہو گیا مگر یحییٰ برمکی نے ہارون کو ایسا کرنے سے باز رکھا، ابھی یہ کشمکش جاری تھی کہ ہادی 170ھ میں اس جہان فانی سے چل بسا اور ہارون کیلئے راستہ خود بخود صاف ہو گیا۔

2.5 ہارون الرشید (170ھ تا 193ھ بمطابق 786ء تا 809ء):

عباسی حکمرانوں میں خلیفہ ہارون الرشید کا عہد بہت شاندار تھا، یہ نامور خلیفہ بمقام رائے پیدا ہوا۔ ہارون کی تعلیم وتربیت خلیفہ مہدی کی نگرانی میں ہوئی تھی، خلیفہ مہدی کی وصیت کے مطابق ہارون الرشید اپنے بھائی ہادی کی وفات کے بعد 33 برس کی عمر میں تخت پر بیٹھا۔

2.5.1 شاندار زمانہ:

ہارون کی سلطنت میں وسطی اور مغربی ایشیاء اور افریقہ کے بہت سے علاقے شامل تھے، بغداد اس وسیع سلطنت کا پایہ تخت تھا، یہ شہر اپنی عظمت، عالی شان محلات اور عمارتوں کے باعث دینی اور دنیاوی علوم کا مرکز بنا ہوا تھا، خلیفہ خود عالم فاضل تھا اور اہل علم کی سرپرستی کرتا تھا، ایک دعوت کے موقع پر خود خلیفہ ہارون ہارون نے ایک نابینا عالم ابو معاویہ کے ہاتھ دھلوائے، خلیفہ کی اس قدردانی کے باعث بغداد میں مختلف علوم وفنون کے ماہر دور دراز سے کھچے چلے آئے۔ ہارون الرشید کی بیوی زبیدہ، ہمدرد اور سخی عورت تھی، اس نے دجلہ سے ایک نہر مکہ تک کھدوائی جس سے حرمین شریفین میں پانی کی قلت کی دور ہوگئی یہ نہر آج تک نہر زبیدہ کے نام سے مشہور ہے۔

2.5.2 بغاوتوں اور شورشوں کا قلع قمع:

الف) یحییٰ ابن عبداللہ کا خروج:

176ھ میں محمد نفس الزکیہ کے چھوٹے بھائی یحییٰ بن عبداللہ نے شمالی ایران کے دشوار گزار علاقے دیلم میں عباسی حکومت کے خلاف اعلانِ جنگ کر دیا، ہارون نے اس کے مقابلے پر فضل بن یحییٰ کو روانہ کیا مگر چونکہ برمکیوں کا مذہبی رجحان اہل بیت کی طرف تھا اس لئے فضل نے ہوشیاری سے کام لیتے ہوئے یحییٰ کو صلح کر لینے پر آمادہ کر لیا، چنانچہ معافی اور امان نامہ حاصل کرنے کے وعدے پر یحییٰ ابن عبداللہ فوجی سرگرمیوں کو ترک کر کے بغداد چلا آیا، اس طرح یہ شورش بآسانی رفع ہوگئی۔

ب) دمشق میں فساد:

دمشق کے یمنی اور مضر قبائل کے درمیان پرانی عصبتیں دوبارہ جاگ اٹھنے کی وجہ سے ان کے درمیان خانہ جنگی کا سلسلہ شروع ہوگیا۔ 179ھ میں مضری قبیلہ کے ایک رئیس نے دمشق پر قبضہ کر کے یمنیوں کے محلوں کو خوب لوٹا اور شاہی فوجوں کا کئی مرتبہ کامیابی سے مقابلہ کیا، آخر موسیٰ بن عیسیٰ حاکم شام کی کوششوں سے یہ فتنہ بمشکل فرو کر دیا گیا۔

ان دنوں شمالی افریقہ میں مصر کی غربی جانب کا تمام علاقہ سیاسی بدامنی کا مرکز بن گیا، ہارون الرشید نے ابراہیم بن اغلب کو اس علاقے کا موروثی حاکم تسلیم کر کے سیاسی بے چینی کا خاتمہ کر دیا اور اس کے عوض ابراہیم بن اغلب نے ایک معقول رقم بطور خراج خلیفہ بغداد کو دینی منظور کی۔

ج) خارجیوں کی بغاوتیں:

ہارون کے عہد میں خارجیوں نے موصل، حلوان، سجستان اور خراسان میں بغاوتیں کیں مگر شاہی فوجوں نے خارجیوں کا قلع قمع کر کے ان علاقوں میں کامل امن وامان قائم کر دیا، حلوان میں ایک خارجی عورت لیلیٰ نے کچھ عرصے مزاحمت جاری رکھی لیکن بالآخر اطاعت قبول کر لی۔

د) رافع بن لیث کی بغاوت:

سمرقند میں ایک فوجی افسر رافع بن لیث نے بغاوت کر کے اس شہر پر قبضہ کر لیا۔ آخر ہارون کے جرنیل نے رافع بن لیث کو شکست دیکر سمرقند پر دوبارہ قبضہ کر لیا لیکن یہ بغاوت مکمل طور پر کافی مدت کے بعد فرو ہوئی۔

2.5.3 فتوحات:

فتوحات کے لحاظ سے بھی ہارون کا زمانہ بہت مشہور ہے، ان دنوں قسطنطنیہ اور اناطولیہ کے رومی باشندوں نے ملکہ ایرینی کی بجائے نقفور کو اپنا شہنشاہ تسلیم کر لیا، نئے شہنشاہ روم نے ہارون سے ایک خط کے ذریعے اس تمام رقم کی واپسی کا مطالبہ کیا جو ملکہ ایرینی نے جزیہ کے طور پر مسلمانوں کو ادا کی تھی، اس مطالبہ پر ہارون نے سخت طیش کی حالت میں شہنشاہ نقفور کو

جواباً لکھ بھیجا۔

من هارون امير المؤمنين الى نقفور كلب الروم قدقرأت كتابک يا ابن الكافرة والجواب ماتره دون ما تسمع

ترجمہ: ہارون امیر المومنین کی طرف سے رومی کتے نقفور کے نام، میں نے تمہارا خط پڑھ لیا ہے اوکافرہ کے بچے! اس کا جواب اپنے کانوں سے سننے کی بجائے تو اپنی آنکھوں سے دیکھے گا۔

چنانچہ ہارون اسی وقت ایک لشکر جرار لے کر روانہ ہوا اور شہنشاہ نقفور کو متواتر شکستیں دیں، رومی شہنشاہ نے مجبور ہو کر صلح کر لی اور ہارون الرشید کو خراج دینا منظور کیا۔

2.5.4 ہارون کے علمی کارنامے:

ہارون الرشید علم وادب، فنون لطیفہ اور سائنس کا دلدادہ اور اہل علم کا قدر دان او رمربی تھ۔ وہ علوم کی اشاعت اور ترقی پر بے دریغ روپیہ خرچ کرتا، اس نے ہندوستان یونان اور دیگر ممالک کے اہل علم کو اپنے ہاں جمع کر رکھا تھا، ہارون نے بیت الحکمت کے نام سے ایک ادارہ بنایا جہاں دیگر زبانوں سے مختلف قسم کے علوم وفنون کی کتابوں کے عربی میں تراجم کئے جاتے تھے۔

ہارون کے زمانے میں امام ابو یوسف کے ہاتھوں حنفی فقہ کی تدوین کا سلسلہ تکمیل کو پہنچا۔ ہارون کے عہد کے ممتاز علماء میں سے، عبداللہ بن ادریس (امام شافعیؒ)، عیسیٰ بن یونس اور ابراہیم موصلی نے اپنے علمی کارناموں کے باعث بہت زیادہ شہرت حاصل کی۔

ہارون الرشید کی سیاست کا بڑا اصول یہ تھا کہ عوام کو خوش حال زندگی بسر کرنے کے مواقع میسر ہوں اور سرکاری ملازمین ایماندار اور انصاف پسند ہوں، رعایا کے حالات سے باخبر رہنے کیلئے وہ اکثر رات کو بھیس بدل کر اپنی مملکت کے مختلف حصوں میں گشت لگایا کرتا تھا، اس نے کئی بار مملکت کے مختلف صوبوں کا دورہ کیا اور اس طرح سلطنت کے نظم ونسق کے حالات سے پوری طرح باخبر رہا، یہی وجہ تھی کہ اس کے عہد میں بہت کم شورشیں ہوئیں اور اس کا دور تاریخ میں عدل وانصاف کی مثال بن کر رہ گیا۔

23 سال حکومت کرنے کے بعد یہ خلیفہ 193ھ میں فوت ہو گیا۔

2.6 امین الرشید (193ھ تا 198ھ بمطابق 809ء تا 813ء)

ہارون الرشید نے اپنے بیٹوں امین الرشید اور مامون الرشید کو ولی عہد مقرر کیا تھا، ولی عہدی میں پہلا نمبر امین کا اور دوسرا مامون کا تھا، لہذا ہارون کو وفات کے بعد امین تخت نشین ہوا۔

امین بڑا عیش پرست اور رنگین مزاج تھا، اسے امور سلطنت سے کوئی دلچسپی نہ تھی، اس نے مختلف اطراف سے مسخرے، داستان گو اور ارباب نشاط منگوائے، ان کی بڑی بڑی تنخواہیں مقرر کیں اور اپنے شب و روز ان کی محفلوں میں بسر کرنے لگا۔ اس نے ہاتھی، عقاب، سانپ اور گھوڑے کی شکل کی کشتیاں بنوائیں، ان میں بیٹھ کر وہ دجلہ کی سیر کیا کرتا تھا۔

2.6.1 امین اور مامون کے اختلافات:

اس عہد کی قابل ذکر بات صرف امین اور مامون کے باہمی اختلافات ہیں جو بالآخر خانہ جنگی پر منتج ہوئے اور جن کی پاداش میں امین کو خلافت اور زندگی دونوں سے ہاتھ دھونا۔ پڑے دونوں بھائیوں کی کشیدگی کے اسباب حسب ذیل تھے

1۔ ہارون نے سلطنت کو اپنے بیٹوں میں تقسیم کر کے ایک بہت بڑی سیاسی غلطی کا ارتکاب کیا۔ اس نے عراق اور مغربی ممالک امین کے سپرد کر دیے اور ایران و خراسان مامون کی تحویل میں دے دیئے تھے۔ اس طرح دونوں بھائی ملکی تقسیم اور جاہ و اقتدار میں برابر کے شریک تھے، خلافت اگرچہ امین کی تھی لیکن مامون کو اپنے علاقہ کے انتظامی معاملات میں کامل اختیارات حاصل تھے، صرف خطبہ، سکہ اور رسمی اطاعت کی حد تک وہ خلافت بغداد کے ماتحت تھا۔ ان حالات میں ذرا سی غلط فہمی بھی وجہ مخاصمت بن سکتی تھی۔

2۔ وفات سے پہلے ہارون نے وصیت کی تھی کہ خراسانی مہم میں اس کے ہمراہ جس قدر فوج، خزانہ اور مال و اسباب ہے وہ سب مامون کے پاس مرو میں بھیج دیا جائے۔ امین کو جب اس بات کا علم ہوا تو اس نے وزیر سلطنت فضل بن ربیع کو خفیہ طور پر لکھا کہ کل خزانہ اور فوج بغداد روانہ کر دی جائے، فضل بن ربیع امین کا طرف دار تھا اور اتنا بااثر تھا کہ سارا دربار اس کے اشاروں پر حرکت کرتا تھا، اس لئے وہ ہارون الرشید کی وصیت کے برخلاف سارے سامان

اور فوج کے ساتھ بغداد روانہ ہو گیا۔ اس طرح ہارون کے یوم وفات سے ہی دونوں بھائیوں کے اختلافات کا آغاز ہو گیا جس کی ابتداء امین کی طرف سے ہوئی۔

3۔ امین طبعاً خود غرض اور غیر ذمہ دار واقع ہوا تھا اور چونکہ وہ خالص ہاشمی تھا، اس لئے تمام عمائد بنو ہاشم اور فوج کا بڑا حصہ اس کا طرفدار تھا، اس لئے وہ بڑی آسانی سے اپنے بھائی کی حق تلفی پر آمادہ ہو سکتا تھا۔

4۔ عباسی حکومت میں اس وقت عربی اور عجمی دو مخالف گروہوں میں بٹے ہوئے تھے، امین کی ماں ہاشمیہ تھی، اس لئے اسے عربوں کی حمایت حاصل تھی۔ مامون کی ماں عجمی النسل تھی، اس لئے ایرانی اور خراسانی اس کے بہی خواہ تھے، امین بغداد میں تھا جو دنیائے عرب کا مرکز تھا اور مامون مرو میں مقیم تھا جو خراسان کا صدر مقام تھا، دونوں بھائیوں کی باہمی آویزش کے پس پردہ ممالک اسلامیہ کے یہ دو مخالف گروہ زور آزمائی کر رہے تھے۔

2.6.2 امین کی بدعہدی:

خلافت ملنے کے کچھ ہی عرصہ کے بعد امین نے فضل بن ربیع کے اکسانے پر مامون الرشید کو ولی عہدی سے دستبردار ہونے کو کہا، جب مامون نے انکار کر دیا تو امین نے ہارون کا وصیت نامہ پھاڑ دیا اور مامون کی جگہ اپنے بیٹے موسیٰ کو ولی عہد بنا دیا، اس پر مامون نے بغاوت کر دی اور اپنی خلافت کا اعلان کر دیا۔

2.6.3 امین و مامون کی جنگ:

195ھ میں امین نے علی بن عیسیٰ کو پچاس ہزار نفوس پر مشتمل فوج دے کر جو کہ بڑے ساز و سامان سے آراستہ تھی خراسان کی طرف روانہ کیا۔ مامون نے مقابلے کیلئے طاہر بن حسین کو حکم دیا۔ جو اس وقت رے میں تھا، علی نے بھی رے کا رخ کیا۔ اگرچہ طاہر کیفوج کی تعداد صرف چار ہزار تھی مگر وہ اس ثابت قدمی سے لڑی کہ علی بن عیسیٰ کی فوج میں ہلچل مچ گئی، اس ہنگامہ میں اچانک ایک تیر علی کو لگا اور اس کا خاتمہ ہو گیا، اس پر بغداد کی فوج بھاگ کھڑی ہوئی۔

پہلی جنگ میں شکست کے بعد امین نے عبدالرحمٰن بن جبلہ کو 20 ہزار فوج دے کر بھیجا۔ مامون کی فوج، جس کی قیادت طاہر بن حسین کر رہا تھا، نے اس کو بھی شکست دی سارا عراق طاہر کے قبضہ میں آ گیا۔

اب امین نے ایک عظیم الشان فوج آراستہ کی جس کی تعداد چالیس ہزار کے قریب تھی، اور اس کی کمان دولت عباسیہ کے نامور سالاروں احمد بن مزید اور عبداللہ بن قحطبہ کے سپرد کی گئی۔ طاہر کیلئے ان بہادروں کا مقابلہ کرنا مشکل تھا؛ چنانچہ اس نے تدبر سے کام لیتے ہوئے جعلی خطوط اور قاصدوں کے ذریعہ سے ان دونوں سالاروں میں پھوٹ ڈال دی اور وہ دونوں آپس میں ہی لڑ گئے اور طاہر سے جنگ کئے بغیر واپس لوٹ گئے۔

یکے بعد دیگرے تین بغدادی فوجوں کی ناکامی نے ہر طرف طاہر کی دھاک بٹھا دی، اس نے بڑھ کر اہواز، یمامہ، بحرین، عمان اور واسط پر قبضہ کر لیا۔ کوفہ، بصرہ اور موصل کے حکام نے خود ہی اطاعت کے خطوط روانہ کر دیئے، اسی اثناء میں مکہ اور مدینہ کی آبادی نے بھی امین کی بدعہدی کے پیش نظر اس کی بیعت فسخ کر دی اور مامون کی خلافت کو تسلیم کر لیا، اب امین کی حکومت صرف بغداد تک محدود ہو کر رہ گئی تھی ادھر طاہر مدائن کو فتح کرتا ہوا، بڑی تیزی سے بغداد کی طرف بڑھ رہا تھا، امین کے بہت سے افسر اس سے بددل ہو کر طاہر سے ملنے لگے۔

2.6.4 بغداد کا محاصرہ اور امین کا قتل:

197ھ کے آغاز میں طاہر اور ہرثمہ نے مل کر بغداد کا محاصرہ کر لیا۔ اس نے شہر کے مختلف حصوں پر منجنیقوں کے ذریعے سے آگ اور پتھر برسانا شروع کر دیے یہ محاصرہ پورے ایک سال تک جاری رہا۔ رفتہ رفتہ امین کے اکثر امراء خوف اور طمع کے ہاتھوں مجبور ہو کر طاہر کے دامن میں پناہ لینے پر مجبور ہو گئے۔ فضل بن ربیع جیسا آدمی روپوش ہو گیا اور اس کے ساتھیوں کی تعداد بالکل کم رہ گئی۔

محرم 198ھ میں مامون کی فوج بغداد میں داخل ہو گئی۔ امین نے کشتی میں بیٹھ کر بھاگنے کی کوشش کی مگر طاہر کے آدمیوں نے اسے پکڑ کر قید کر دیا اور بعد میں اسے قتل کر دیا، اس طرح امین کی حکومت کا خاتمہ ہو گیا۔

2.7 مامون الرشید (197ھ تا 218ھ بمطابق 813ء تا 833ء):

مامون الرشید کا اصل نام عبداللہ تھا، باپ نے اسے مامون کا لقب دیا، اس کی ولادت 170ھ میں ہوئی۔ مامون کی ابتدائی پرورش مشہور وزیر جعفر بن یحییٰ برمکی کی نگرانی میں ہوئی تھی۔ خداداد ذہانت اور اساتذہ کی محنت سے مامون نے بہت جلد

جملہ دینی و دنیاوی علوم میں خاطر خواہ دسترس حاصل کر لی۔ چونکہ اس کی ماں نسلاً ایرانی تھی اس لئے وہ شروع سے ہی ایرانی تہذیب وتمدن کا دلدادہ تھا۔

2.7.1 عہد خلافت:

امین کے قتل کے بعد مامون الرشید کی خلافت کا باقاعدہ آغاز ہوا۔ خلیفہ بننے کے بعد وہ بدستور مرو میں ٹھہرا رہا اور اسے اپنا پایہ تخت بنائے رکھا۔ ان دنوں حکومت کی باگ ڈور اس کے ایرانی وزیر فضل بن سہل کے ہاتھ میں تھی جو بغداد میں رہتا تھا۔ فضل بن سہل کی غلط حکمت عملی سے عراق اور حجاز میں شورشیں برپا ہوئیں۔ اس پر مامون خراسان سے بغداد چلا آیا۔ کچھ عرصہ بعد مامون کی ایماء پر چند لوگوں نے فضل بن سہل کو قتل کر ڈالا اور مامون نے حسن بن سہل کو اپنا وزیر بنالیا اس طرح چند ہفتوں کے اندر اسلامی مملکت میں امن وامان قائم ہو گیا۔

2.7.2 خروج بابک خرمی اور رومیوں سے جنگ:

816ء میں ایک ایرانی شخص بابک خرمی نے ایک نیا مذہب ایجاد کیا جس میں عورتوں سے جنسی تعلقات قائم کرنے پر کسی اخلاقی اصول کی پابندی لازمی نہیں تھی۔ بہت جلد ہزاروں لوگ اس شخص کے پیرو ہو گئے، کئی مرتبہ مامون نے بابک خرمی کی سرکوبی کیلئے فوجیں بھیجیں مگر وہ اس کو مکمل طور پر زیر نہ کر سکیں۔

ایک مرتبہ جب مامون کی فوج نے بابک خرمی کو گھیرے میں لے لیا تو اس نے رومی شہنشاہ کو مامون کی سلطنت پر حملہ کرنے کیلئے اکسایا، چنانچہ رومی فوجوں نے اسلامی مملکت پر یلغار کر کے ہزاروں مسلمانوں کو تہ تیغ کر ڈالا۔ اس پر مامون نے فوجوں کی کمان اپنے ہاتھ میں لے لی اور رومی شہنشاہ کو متواتر شکستیں دے کر اسے صلح کرنے پر مجبور کیا۔ رومی حملوں کا سد باب کرنے کیلئے مامون نے طرطوس سے ستر میل کے فاصلے پر ایک بہت بڑا جنگی قلعہ بنوایا اور صوبہ شام کے سرحدی علاقوں کو مستحکم کیا گیا۔

2.7.4 حکومت کے نظم ونسق پر ایرانیوں کا غلبہ:

اموی حکمرانوں کے عہد میں سلطنت کے نظم ونسق پر عربوں کو غلبہ حاصل تھا مگر چونکہ مامون کو امین پر ایرانیوں کی

بدولت فتح حاصل ہوئی تھی اس لئے اس نے سلطنت کے تمام بڑے بڑے عہدے مثلاً وزارت، فوج کی سپہ سالاری اور مشرقی صوبوں کی گورنری پر ایرانیوں کو مقرر کیا، جس پر مامون کی حکومت پر تمام ایرانی چھا گئے اور ایرانی تمدن کو خوب فروغ حاصل ہوا۔ فارسی زبان نے اس دور میں خوب ترقی کی اور کئی کتابوں کا غیر ملکی زبانوں سے فارسی میں ترجمہ ہوا۔

2.7.5 علمی ترقی:

ہارون اور مامون کے عہدِ حکومت میں دولت عباسیہ کو علم وفن اور تہذیب وتمدن کی دنیا میں شہرت دوام حاصل ہوئی۔ مؤرخین کے خیال میں مسلمانوں میں سے ایک بھی تخت نشین ایسا نہیں گزرا جو ذاتی فضل وکمال میں مامون کی شان یکتائی کا مثل ہو سکے۔ وہ ادب، حدیث، فقہ، شاعری، فلسفہ، ریاضی غرضیکہ ہر فن کی بزم میں صدر نشین نظر آتا تھا۔ اس کے دور حکومت میں کرہ ارض کی پیمائش کی گئی، اسی زمانے میں ستاروں کی حرکات کا مطالعہ کرنے کیلئے پہلی رصد گاہ قائم ہوئی، دوربین ایجاد ہوئی، حساب، جیومیٹری، فلسفہ اور طب پر کتابیں لکھی گئیں۔ قیصر روم سے افلاطون، ارسطو، بقراط، جالینوس وغیرہ کی کتابیں منگوائی گئیں اور ان کا ترجمہ کیا گیا۔ تعلیمی ادارے جابجا کھولے گئے، اور علم وادب کا چرچا عام ہونے لگا۔

مامون کا عہد ہر لحاظ سے بنو عباس کا سنہری دور تھا، اس کے عہد میں دارالحکمت کی علمی ضیا پاشیاں بدستور جاری رہیں، بازنطینی شہنشاہ سے جنگ کے اختتام پر ایک مرتبہ ہارون نے کافی تعداد میں یونانی کتب حاصل کی تھیں۔ مامون نے شاہ روم کے پاس حکماء کا ایک وفد بھیجا جنہوں نے وہاں ایک کتب خانہ سے مفید کتابیں منتخب کیں اور ایسی کتب اپنے ساتھ لائے جو زیادہ تر فلسفہ سے متعلق تھیں۔ بعد ازاں ان کتابوں کا ترجمہ بیت الحکمت میں کیا گیا، بیت الحکمت کی مشہور اور قابل فخر شخصیات میں حنین بن اسحاق، یعقوب الکندی اور محمد بن موسیٰ الخوارزمی کے نام قابل ذکر ہیں۔

2.7.6 سیرت وکردار:

بیس سال پانچ ماہ حکومت کرنے کے بعد مامون 9 اگست 833ء کو فوت ہو گیا، اس وقت اس کی عمر اڑتالیس برس تھی۔ مامون الرشید رعایا پروری اور انصاف کرنے کے معاملے میں بہت مشہور تھا۔ اس کے ایوان عدالت میں امیر وغریب کی کوئی تمیز نہ تھی، اپنے پیشروؤں کے مقابلے میں وہ بہت رحمدل اور حلیم تھا، باپ کی طرح فیاض تھا حکومت کرنے کے سلسلے میں وہ مشیروں اور غیروں کا سہارا نہیں لیتا تھا، چنانچہ اس کا مقولہ تھا کہ!

''امیر معاویہؓ کی قوت عمروؓ بن العاص کی وجہ سے تھی، ولید بن عبدالملک کی قوت حجاج کے بل بوتے پر تھی، مگر میری عظمت کا راز میری ذات ہے''۔

مامون فلسفہ کے اثر کے تحت فرقہ معتزلہ کا ہم خیال بن گیا تھا۔ وہ بڑا آزاد خیال خلیفہ تھا، اس کے دربار میں ہندو، عیسائی، یہودی، مجوسی ہر ایک مذہب کے عالم موجود تھے۔ وہ کسی کے مذہبی معاملات میں دخل نہیں دیتا تھا اور ہر ایک کو اپنے خیالات کی تشہیر کی اجازت تھی۔ اس کی علمی محفلوں میں ہر مکتب خیال کے لوگ فلسفیانہ اور مذہبی مباحث میں حصہ لیتے تھے اور وہ سب کی باتوں کو بڑی سنجیدگی سے سنتا تھا۔

تعجب کی بات یہ ہے کہ مامون نے تمام مذاہب کے ساتھ تو بڑی رواداری کا سلوک کیا، مگر اس کے اپنے ہم مذہبوں کو اس کے معتزلی عقائد کی وجہ سے بہت تکالیف اٹھانی پڑیں۔ اس نے احمد بن داؤد کے اکسانے پر بڑے بڑے علمائے اسلام پر انتہائی مظالم توڑے، جب وہ طرطوس میں مقیم تھا تو اس نے اسحاق بن ابراہیم حاکم بغداد کو فرمان بھیجا کہ وہ شہر کے قاضیوں اور علماء کو بلا کر ان سے خلق قرآن کے متعلق پوچھے۔ جو شخص خلق قرآن کا اقرار کرے اس سے تعرض نہ کیا جائے اور جو شخص اس سے انکاری ہو اس پر انتہائی سختی کی جائے اور اسے زنجیروں میں جکڑ کر طرطوس روانہ کیا جائے۔ چنانچہ اسحاق بن ابراہیم نے مامون کے فرمان کی تعمیل کی شہر کے متعدد علماء اپنے عقائد پر سختی سے ڈٹے رہے۔ ان میں سے بعض کو تو شہید بھی کر دیا گیا، امام احمدؒ بن حنبل کو بڑی بے دردی سے کوڑوں میں پیٹا گیا اور انہیں قید میں ڈال دیا گیا۔

2.7.7 وفات:

مامون الرشید ایشیائے کوچک میں ایک مہم کے سلسلہ میں طرطوس کے مقام پر خیمہ زن تھا کہ بیمار ہوا اور اسی بیماری میں اس کی وفات ہوگئی، اس وقت اس کی عمر اڑتالیس برس تھی، مرض الموت میں اس نے اپنے بھائی معتصم کو اپنا جانشین مقرر کیا۔

2.8 المعتصم باللہ (218ھ تا 227ھ بمطابق 833ء تا 842ء):

خلیفہ مامون کی وفات کے بعد فوج نے عباس بن مامون کو خلیفہ بنانا چاہا مگر عباس نے باپ کی وصیت کا احترام کرتے ہوئے اپنے چچا المعتصم باللہ کی بیعت کر لی اور اس طرح المعتصم باللہ عباسی سلطنت کا فرمانروا تسلیم کر لیا گیا۔

2.8.1 معتصم کی حکمت عملی:

معتصم نے مامون کی پیروی کرتے ہوئے اپنی حفاظتی فوج میں ترک سپاہیوں کو بھرتی کیا اور معتزلی عقائد کی تبلیغ بڑے شدومد سے کی۔ مامون کے عہد سلطنت کے نظم ونسق میں عربوں کی جگہ ایرانیوں نے لے لی تھی، قیام ترکستان کے زمانے میں مامون نے پہلی مرتبہ ترکوں کو فوج میں جگہ دی۔ معتصم نے ترک سپاہیوں کو زیادہ سے زیادہ تعداد میں بھرتی کیا اور انہیں زرق برق وردیاں اور بڑی بڑی تنخواہیں دیں۔

2.8.2 فوج میں ترک عنصر کا غلبہ:

معتصم کے زمانے میں ترک سپاہیوں کی تعداد اڑھائی لاکھ تک پہنچ گئی ذاتی طور پر ترک سپاہی خوبصورت، بہادر اور نڈر تھے اس لئے خلیفہ کی نظروں میں ان کی بہت وقعت تھی۔ غالباً اسی بنا پر خلیفہ معتصم نے سمرقند، فرغانہ اور ترکستان سے ہزاروں ترک سپاہی منگوائے اور انہیں فوج میں داخل کیا۔ وقتی طور پر خلیفہ کی یہ پالیسی کامیاب رہی کیونکہ ترکوں کی بہادری اور جنگ جوئی کے باعث بیرونی فتوحات میں اضافہ ہوا۔ دوسرے ایرانی اقتدار و اثر کمزور پڑ گیا۔ تاہم اس پالیسی کے دوررس نتائج اچھے نہ تھے ترک فوجی غیر مہذب تھے اور ان میں اطاعت، وفا شعاری اور نظم وضبط کا مادہ نہیں تھا۔ وقت کے ساتھ ساتھ ترک سپاہی اتنے خودسر ہو گئے کہ خود خلیفہ بغداد کی تقرری اور معزولی ان کے اشاروں پر ہونے لگی اور یوں وہ پوری سلطنت کے سیاہ وسفید کے مالک بن گئے۔

2.8.3 سامرا شہر کا وجود میں آنا:

ترک سپاہی اکھڑ اور تندخو تھے، وہ شہر کے گلی کوچوں میں بے تحاشا گھوڑے دوڑاتے پھرتے جس سے شہریوں کے کئی بچے ہلاک ہو جاتے تھے۔ ان حالات کے پیش نظر معتصم نے بغداد کے شمال کی جانب ساٹھ میل کے فاصلے پر دریائے دجلہ کے کنارے "سرمن رائی" (جس کے معنی ہیں خوش ہوا وہ جس نے دیکھا) نام کا ایک نیا شہر آباد کیا جو کثرت استعمال سے سامرا مشہور ہو گیا۔ یہاں ترک سپاہیوں کی رہائش کیلئے فوجی بیرکیں بنوائیں اور کئی محلات بھی تعمیر کرائے، تھوڑی مدت کے بعد معتصم نے سلطنت کے پایہ تخت کو بھی سامرا ہی میں منتقل کر دیا۔

تقریباً آٹھ سال تک سامرا شہر عباسی خلفاء کا دارالخلافہ رہا، خلیفہ متوکل علی اللہ نے اس شہر میں کئی عمارتیں بنوائیں، اس کے بعد

تجارت پیشہ لوگوں کے بازار اور مکانات بھی وہاں تعمیر ہو گئے اور جلد ہی اس نئی بستی نے ایک بارونق شہر کی صورت اختیار کر لی۔

2.8.4 معتصم کے عہد کے دیگر واقعات:

معتصم کے دور خلافت میں بصرہ میں ''زط'' قوم نے بغاوت کی اور عراق میں لوٹ مار کا بازار گرم کر دیا، ایک عرب جرنیل نے انہیں شکست دی اور خلیفہ کے حکم سے انہیں روم کی سرحد پر آباد کر دیا۔

ماژندان کے علاقے میں بابک خرمی نے مدت سے سرکشی اختیار کر رکھی تھی، مامون کے زمانہ میں اس کی سرکوبی نہ ہو سکی تھی، اب معتصم کے ایک ترک جرنیل افشین نے بابک خرمی کے قلعوں کو یکے بعد دیگرے فتح کر لیا، آخر بابک خرمی کو گرفتار کر کے بغداد لایا گیا جہاں اسے قتل کر دیا گیا۔

رومیوں نے بابک خرمی سے ساز باز کر رکھی تھی اس لئے جب اسلامی فوجیں بابک خرمی کے خلاف مصروف پیکار تھیں تو رومیوں نے عموریہ شہر پر یورش کر کے ہزاروں مسلمان مردوں کو تہ تیغ کیا اور مسلمان عورتوں کو بے عزت کیا۔ اس پر معتصم نے فوج کی کمان اپنے ہاتھ میں لے لی، رومیوں کو کئی محاذوں پر شکست دی اور عموریہ شہر کو ان سے واپس چھین لیا۔ بالآخر 841ء میں فریقین میں صلح ہو گئی۔

2.8.5 وفات اور سیرت:

معتصم 9 ربیع الاول 227ھ بمطابق 5 جنوری 842ء کو اس جہان فانی سے رحلت کر گیا۔ یہ خلیفہ ان پڑھ، تند مزاج اور سخت گیر انسان ہونے کے ساتھ ساتھ بہت بہادر اور اچھا منتظم تھا۔ اس نے زراعت کی ترقی میں بڑا حصہ لیا اور غیر آباد زمینوں کو آباد کرانے کی کوشش کی۔ معتصم علم و ادب سے بیگانہ تھا اس کی بہادری اور جواں مردی کے باعث مورخین نے اسے ''سپاہی خلیفہ'' کا خطاب عطا کیا۔ اس کے عہد کا افسوسناک واقعہ یہ ہے کہ مامون الرشید کی طرح اس نے بھی معتزلی عقائد کو فروغ دیا۔ اس نے امام احمدؒ بن حنبل کو کئی بار کوڑوں سے پٹوایا، تمام علماء کو حکم دیا گیا کہ وہ لوگوں سے بالجبر خلقِ قرآن کا اقرار لیں، اور درسِ علوم میں بھی اس عقیدہ کی تلقین لازمی قرار دی گئی۔

2.9 واثق باللہ (227ھ تا 232ھ بمطابق 842ء تا 847ء):

واثق معتصم کا لڑکا تھا، معتصم کی وفات پر سامرا میں متفقہ طور پر اس کی بیعت ہوئی، وہ اپنے باپ کی سیاسی اور مذہبی حکمت عملی پر گامزن رہا، اس کے عہد میں ترکوں کو مزید عروج حاصل ہوا، اس نے ترک سالار اشناس کو جواہرات کا تاج اور ہار پہنائے اور اسے سلطان کا خطاب دے کر نائب السلطنت بنا دیا مذہباً وہ معتزلہ عقائد کا پیرو تھا اور اس نے دوسرے مکتب خیال کے لوگوں پر بڑی سختی کی۔

2.9.1 عربوں کی شورشیں:

اس عہد میں عربوں نے کئی مقامات پر شورش برپا کی اس کی ایک وجہ یہ تھی کہ عرب جن کا صدیوں سے فوجی خدمت پیشہ چلا آ رہا تھا، اب آہستہ آہستہ فوج سے الگ کر دیئے گئے تھے، اب وہ خانہ جنگی اور لوٹ مار کی طرف مائل ہونے لگے تھے۔ سب سے پہلے بنو قیس نے دمشق میں ہنگامہ برپا کیا، مگر اسے دبا دیا گیا، اس کے بعد بنو سلیم نے مکہ اور مدینہ کے درمیانی راستوں پر لوٹ مار شروع کر دی۔ واثق نے ترک سالار بغا کبیر کو بھیج کر ان کی شورش [illegible] دیا۔ یمامہ کے بنو نمیر نے سرکشی اختیار کی تو واثق نے بغا کبیر کو ان کے خلاف بڑھنے کا حکم دیا، بنو نمیر بڑی بہادری سے لڑے اور انہوں نے بغا کبیر کی فوج کا ایک حصہ ضائع کر دیا لیکن کمک پہنچ جانے کی وجہ سے ترک سالار کو فتح ہوئی اور اس نے عربوں کو بے دریغ قتل کیا اور بہت سے شرفائے عرب قید کر کے بغداد لے آیا۔

2.9.2 احمد بن نصر کا قتل:

احمد بن نصر ایک متقی اور حق گو انسان تھے۔ وہ خلیفہ واثق کے معتزلی عقائد کے خلاف کھلم کھلا اظہار رائے کیا کرتے تھے، اس پر بغداد کے بہت سے لوگوں نے واثق کی مذہبی پالیسی کے خلاف احتجاج کے طور پر ان کے ہاتھ پر بیعت کر لی اور بغاوت کیلئے ایک رات مقرر کر دی، بغداد کے پولیس افسر کو اس کی اطلاع ہوگئی اور اس نے احمد بن نصر کو گرفتار کر کے سامرا بھیج دیا۔ دربار عام میں احمد نے بڑی بے باکی سے اپنے عقائد بیان کئے اور معتزلی عقائد کی تردید کی! اس پر واثق نے اپنے ہاتھ سے ان کا سر اڑا دیا۔

2.9.3 وفات:

واثق باللہ 847ء میں مرض استسقاء میں مبتلا ہوا اور اسی مرض میں اس کی وفات ہوگئی، اس کی کل مدت خلافت پانچ سال نو ماہ تھی۔

2.10 متوکل علی اللہ (232ھ تا 247ھ بمطابق 847ء تا 861ء):

واثق نے مرنے سے پہلے کسی کو اپنا جانشین مقرر نہیں کیا تھا، اس لئے بعض امراء سلطنت نے کوشش کی کہ واثق کے کم عمر لڑکے محمد خلیفہ کو تسلیم کر لیا جائے، مگر قاضی احمد بن ابی داؤد کی مخالفت کی وجہ سے انہیں کامیابی نہ ہوسکی۔ اس پر سب نے متفقہ طور پر واثق کے چھوٹے بھائی جعفر بن معتصم کو تخت پر بٹھا دیا۔ جعفر نے متوکل علی اللہ کا لقب اختیار کیا، منصب خلافت پر فائز ہوتے وقت اس کی عمر 27 برس تھی۔

متوکل نے خلافت سنبھالتے ہی اپنے پیش رو خلفاء کی پالیسی ترک کر دی۔ اس نے خلق قرآن اور صفات باری تعالی سے متعلق ہر قسم کے مناظروں اور مباحث کو قانوناً بند کر دیا، تمام غیر معتزلہ علماء جو قید و بند میں پڑے ہوئے تھے، ان سب کو رہائی دے دی۔ اس نے ترکوں کا بھی زور توڑنا چاہا، مگر اس میں اسے کامیابی نہ ہوئی۔ پالیسی کی تبدیلی کی وجہ سے بعض ایسے اشخاص کو زوال آ گیا جو اس سے پہلے مسند اقتدار پر قابض تھے۔

2.10.1 ابن زیات کا قتل:

ابنِ زیات معتصم کے عہد سے وزیر چلا آ رہا تھا، اس کی قابلیت میں شک نہیں تھا، لیکن وہ بڑا متکبر اور ظالم تھا۔ واثق کے عہد میں ایک دفعہ متوکل اس سے ملنے گیا تو اس نے اس سے بڑا ذلت آمیز سلوک کیا تھا۔ اس نے متوکل کی تخت نشینی کی بھی مخالفت کی تھی، اس لئے اب اس پر عتاب نازل ہوا، ابن زیات نے ایک لوہے کا تنور بنوا رکھا تھا، جس کے اندر چاروں طرف کانٹے تھے۔ متوکل نے اسے گرفتار کر کے اس تنور میں بند کرا دیا جہاں اس نے تڑپ تڑپ کر جان دے دی۔

2.10.2 قاضی احمد بن ابی داؤد کا زوال:

قاضی احمد بن ابی داؤد فرقہ معتزلہ کے مشہور عالم تھے، مامون کے عہد سے عباسی دربار میں ان کی بڑی عزت چلی آ رہی تھی معتصم اور واثق کے عہد میں تو ان کا درجہ وزیر سے بھی بڑھ کر تھا۔ ان ہی کے زیر اثر خلفاء نے ان علماء پر سختیاں کیں، جو مسئلہ خلق قرآن کو تسلیم نہیں کرتے تھے۔ متوکل کے عہد میں حکومت کی مذہبی حکمت عملی بدلی تو قاضی موصوف کو زوال آ گیا۔ 237ھ میں متوکل نے انہیں اور ان کے خاندان کو قید کر دیا، ان کے لڑکے ابوالولید نے جو کہ بڑا دولتمند تھا، ایک کروڑ ساٹھ لاکھ درہم ادا کر کے سارے خاندان کو رہا کرایا۔

2.10.3 بغاوتیں:

234ھ میں آذربائیجان کے ایک رئیس ابن بعیث نے بغاوت کر دی، مرکز سے امداد بھیجنے کے باوجود مقامی حکام اسے مغلوب کرنے میں ناکام رہے۔ آخر متوکل نے ترک سالار بغا شرابی کو روانہ کیا اس نے اسے مع ساتھیوں کے گرفتار کر کے سامرا بھیج دیا۔

237ھ میں آرمینیا میں بطریقوں نے بغاوت کر دی، بقراط نامی ان کے سردار نے یوسف بن محمد حاکم آرمینیا کے پاس حاضر ہو کر امان طلب کی، مگر یوسف کی فوج نے اسے گرفتار کر کے سامرا بھیج دیا۔ اس پر بطریقوں نے مشتعل ہو کر حملہ کر دیا اور فوج کو شکست دے کر یوسف کو قتل کر دیا، اس پر متوکل نے بغا کبیر کو روانہ کیا جس نے باغیوں کو شکست دی، تقریباً تین ہزار آدمی مارے گئے اور بہت سے گرفتار ہوئے۔

240ھ میں حمص کے عیسائیوں نے علم بغاوت بلند کر دیا اور شہر کے عامل کو وہاں سے نکال دیا، خلیفہ نے دمشق اور رملہ سے فوجوں کو ان کے مقابلے میں بڑھنے کا حکم دیا، باغیوں کو شکست ہوئی اور ان کو شہر بدر کر دیا گیا۔

2.10.4 متوکل کی مذہبی حکمت عملی:

متوکل فقہی مسائل میں امام شافعی کے مسلک کا پیرو تھا، اس نے احادیث اور سنت نبوی کی اشاعت میں بڑی دلچسپی لی۔ متوکل نے محدثین کو سامرا میں بلایا اور بڑے بڑے انعامات سے سرفراز کیا، اس نے خلق قرآن اور صفات

خداوند تعالیٰ سے متعلق بحث مباحثے کو حکماً بند کر دیا۔ درحقیقت یہ عہد ترویج فلسفہ کے خلاف ردعمل کا زمانہ تھا۔ متوکل نے دوسرے فرقوں سے بڑا متعصبانہ سلوک کیا۔ علویوں سے اسے اس قدر عداوت تھی کہ ان سے محبت رکھنے والوں کا بھی دشمن بن جاتا تھا۔ اس کی نفرت یہاں تک بڑھی کہ اس نے حضرت امام حسینؓ کے روضہ مبارک اور اس کے گرد بنے ہوئے تمام مکانات مسمار کر دیے اور نہر کا پانی اس طرف کاٹ کر وہاں کاشت کاری کرائی ور اہل بیت کے مزاروں کی زیارت قانوناً ممنوع قرار دی۔

2.10.5 ولی عہدی کا مسئلہ اور متوکل کا قتل:

متوکل نے اپنے تین لڑکوں محمد، طلحہ اور ابراہیم کو بالترتیب منتصر باللہ، معتز اللہ اور موید باللہ کے القاب دے کر یکے بعد دیگرے ولی عہد نامزد کیا اور ہارون کی طرح پوری سلطنت کو ان تینوں میں تقسیم کر دیا۔ ابتداء میں اس نے منتصر کو پہلے نمبر پر رکھا مگر بعد ازاں معتز کی ماں کے زیر اثر اس نے معتز کو منتصر پر فوقیت دینی چاہی، اس پر منتصر نے ترک امراء کے ساتھ ساز باز کر کے متوکل کو قتل کروا دیا۔

3۔ خلافت عباسیہ کا دور انحطاط

(247ھ تا 422ھ بمطابق 861ء تا 1031ء)

خلیفہ متوکل کے قتل کے بعد عباسی حکومت میں انحطاط شروع ہو گیا۔ معتصم باللہ اور اس کے جانشینوں کی ترک فوج میں بکثرت بھرتی کے نتیجے میں ترکوں کو انتظام سلطنت میں غیر معمولی غلبہ حاصل ہو گیا۔

اس دور میں خلفاء عموماً کمزور رہے جبکہ تمام سیاہ و سفید کا مالک امیر الامراء ہوتا تھا، بعد ازاں دیلم کے بنی بویہ خاندان کو غیر معمولی اقتدار حاصل ہوا اور بنی بویہ کے امراء کے ہاتھوں میں خلیفہ کٹھ پتلی بن کر رہ گیا۔ بعض خلفاء نے اپنے زور بازو سے عباسی خلافت کو سنبھالنے کی کوشش کی مگر مجموعی اعتبار سے ان کو کامیابی حاصل نہ ہوئی اس دور کے عباسی خلفاء کا ذیل میں تذکرہ کیا جا رہا ہے۔

3.1 منتصر باللہ(247ھ تا 248ھ بمطابق 861ء تا 862ء):

خلیفہ منتصر باللہ 223ھ میں بمقام سامرا پیدا ہوا اور 247ھ میں اپنے والد متوکل کے قتل کے بعد خلیفہ بنا،منتصر کے عہد میں ترک بہت خود مختار ہو گئے تھے،اس نے ترکوں کے اقتدار کو کم کرنے کی بہت کوشش کی مگر نا کام رہا۔سیرت کے اعتبار سے وہ بارعب،فیاض اور عدل وانصاف کا پتلا تھا۔اسے علویوں اور بنو فاطمہ سے دلی عقیدت تھی،اس نے باغ فدک اور علویوں کے سارے اوقاف انہیں واپس کر دیئے اور اپنے ملازمین کو تاکیدا کہا کہ وہ شیعان علیؓ کو کوئی تکلیف نہ پہنچائیں۔ اپنے والد کے قتل کی سازش میں شریک ہونے کے باعث وہ ہمیشہ مغموم رہتا تھا،آخر ترکوں نے اس کے طبیب ابن طیفور کو تیں ہزار دینار رشوت دے کر زہریلے نشتر سے فصد کھلوائی جس سے وہ جاں بحق ہو گیا۔

اس کی حکومت کا عرصہ چھ ماہ دو دن ہے۔

3.2 مستعین باللہ(248ھ تا 251ھ بمطابق 862ء تا 865ء):

منتصر باللہ نے اپنے عہد خلافت میں اپنے دونوں بھائیوں معتز اور موید کو ولی عہدی سے معزول کر دیا تھا اور ابھی کسی کو نیا ولی عہد مقرر نہیں کیا تھا کہ اس کی وفات ہو گئی،منتصر کی وفات پر ترکوں نے منتصر باللہ کے چچا اور خلیفہ معتصم باللہ کے پوتے مستعین باللہ کو تخت پر بٹھا دیا۔

یہ خلیفہ بلند پایہ ادیب،مشہور عالم وفاضل اور سخی تھا مگر سیاسیات اور امور مملکت میں بالکل کورا تھا۔اس کے عہد میں اردن،حمص اور بغداد میں جابجا شورشیں ہوئیں،یحیٰی بن عمرو نے خروج کیا مگر شاہی لشکر سے شکست کھا کر مارا گیا،علویوں نے طبرستان اور جرجان پر قبضہ کر لیا۔بدنظمی کا یہ عالم تھا کہ خزانہ ترکوں کے اخراجات کے بعد خالی ہو جاتا،یہاں تک کہ فوجیوں کو تنخواہیں دینے کیلئے بھی رقم نہ رہتی،فارس کے فوجیوں نے بھی اس وجہ سے بغاوت کر دی کہ انہیں تنخواہیں نہیں ملی تھیں۔تمام امور سلطنت پر ترک چھا گئے اور انہوں نے معتز کے خلیفہ ہونے کا اعلان کر دیا۔مستعین اور معتز کے درمیان زبردست جنگ ہوئی جس میں آخر معتز غالب آیا اور مستعین اس کے حق میں دستبردار ہو گیا بعد میں مستعین کو واسط میں نظر بند کر دیا گیا جہاں بحالت اسیری اسے قتل کر دیا گیا۔

oooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooo

3.3 معتز باللہ (251ھ تا 255ھ بمطابق 865ء تا 869ء):

مستعین باللہ کی خلافت سے دستبرداری کے بعد معتز باللہ 19 سال کی عمر میں خلیفہ بنا، یہ عباسی خلفاء میں سب سے کم عمر خلیفہ تھا۔ اس کا سارا عہد شورشوں اور انقلابات میں گزرا جس کی وجہ سے اس کو حکومت کے نظم و نسق کی طرف توجہ دینے کا موقع نہ مل سکا۔ اس کے عہد میں خارجیوں اور علویوں نے جا بجا شورشیں برپا کیں جنہیں بڑی مشکل سے فرو کیا گیا، دولت صفاریہ کے بانی یعقوب بن لیث نے سجستان میں خود مختار حکومت قائم کی، احمد بن طولون نے مصر میں حکومت طولونیہ کی بنیاد ڈالی۔ 255ھ میں ترک سپاہیوں نے تنخواہوں کے نہ ملنے کے باعث بغاوت کر دی اور معتز کو نہایت ذلیل و رسوا کرنے کے بعد خلافت سے معزول کر دیا۔

3.4 مہتدی باللہ (255ھ تا 256ھ بمطابق 869ء تا 870ء):

معتز باللہ کی معزولی کے بعد ترکوں نے اس کے چچازاد بھائی محمد بن واثق کو تخت سلطنت پر بٹھایا اور اسے مہتدی باللہ کا لقب دیا۔ یہ خلیفہ علم دوست، پابند شریعت اور عدل و انصاف کا دلدادہ تھا۔ علماء اور فقہا کی سرپرستی کرتا تھا، حضرت عمر بن عبد العزیز کے نقش قدم پر چلتے ہوئے اس نے انتہائی سادہ اور زاہدانہ زندگی بسر کرنا شروع کی مگر ملک کے سیاسی حالات اتنے بگڑے ہوئے تھے کہ باوجود کوششوں کے وہ ان پر قابو نہ پا سکا۔ اس کی تخت نشینی کے فوراً بعد علی اور مساور خارجی نے شورشیں برپا کیں اور عراق و بغداد میں ہنگاموں کے باعث بدامنی کا دور شروع ہو گیا۔ بعض سیاسی امور کے سلسلے میں ترک افسروں سے اس کا بگاڑ ہو جانے پر 256ھ میں ترک افسروں نے اسے معزول کر کے قتل کر ڈالا، اس کی خلافت کی مدت ساڑھے گیارہ مہینے ہے۔

3.5 معتمد علی اللہ (256ھ تا 279ھ بمطابق 869ء تا 892ء):

معتمد علی اللہ متوکل کا بیٹا تھا جو ترکوں کی مدد سے 256ھ میں تخت پر بیٹھا خلیفہ کی تخت نشینی کے فوراً بعد خلیفہ کا بھائی موفق باللہ ترکوں کو ملک کا نظم و نسق سے بے دخل کر کے خود تمام سفید و سیاہ کا مالک بن گیا۔ اس وقت ملک کے سیاسی حالات انتہائی غیر مستحکم تھے، شام میں عیسیٰ بن شیخ اور عراق میں علی خارجی (جو صاحب الزنج کے لقب سے مشہور تھا) نے شورشیں برپا

کر رکھی تھیں۔ مسعودی کے بیان کے مطابق لوگوں کو بھیڑ بکریوں کی طرح ذبح کیا جا رہا تھا، آخر 270ھ میں موفق نے صاحب الزنج کو ختم کیا اور عیسیٰ بن شیخ کو شام کے علاوہ آرمینیا کی ولایت دے کر اس سے خلیفہ کی بیعت کرالی۔ اس طرح عالم اسلام نے اطمینان کا سانس لیا۔

معتمد کے عہد میں دولت صفاریہ کے بانی یعقوب بن لیث کو بڑا عروج حاصل ہوا۔ خلیفہ معتمد نے اسے طخارستان، بلخ اور سندھ کے علاقے دے دیئے۔ یعقوب نے دولت طاہریہ کا خاتمہ کر کے طبرستان اور نیشا پور کے علاقوں پر بھی قبضہ کرلیا۔ اپنی کامیابیوں کے نشے میں سرشار یعقوب نے بغداد کی طرف پیش قدمی شروع کردی۔ اس پیش قدمی کے نتیجے میں خلیفہ معتمد اور یعقوب بن لیث کے درمیان ایک خونریز لڑائی ہوئی جس میں یعقوب بن لیث شکست کھا کر میدان جنگ سے بھاگ گیا۔ تھوڑے دنوں بعد 265ھ میں اس کا انتقال ہوگیا۔ یعقوب کے بعد اس کا بھائی عمرو بن لیث نے خراسان، اصفہان اور سجستان کے علاقے لے کر خلافت بغداد سے اپنے تعلقات استوار کر لئے، معمولی نشیب وفراز کے باوجود اس کے تعلقات معتمد سے اچھے رہے۔ 261ھ میں نصر نے خلافتِ بغداد سے ماوراء النہر کی حکومت حاصل کر کے دولت سامانیہ کی بنیاد ڈالی۔ موصل میں خارجیوں نے شورشیں برپا کیں، حمدان میں قرمط نے اپنی تحریک کا آغاز کیا، رومیوں کے ساتھ کئی جنگی معرکے ہوئے جن میں مسلمانوں کو فتح حاصل ہوئی اور صقلیہ (سسلی) کے پایہ تخت سرقوسہ پر مسلمانوں کا قبضہ ہوگیا۔ 279ھ میں معتمد نے پچاس سال کی عمر میں 23 سال حکومت کرنے کے بعد وفات پائی۔

3.6 معتضد باللہ (279ھ تا 289ھ مطابق 892ء تا 902ء):

معتمد کی وفات کے بعد اس کا بھتیجا معتضد باللہ بن موفق باللہ خلیفہ بنا، یہ خلیفہ اپنے پیشرو کے برعکس بڑا مدبر اور سیاست کے میدان کا شہسوار تھا۔ اس نے ترکوں کا زور توڑا اور مخالف طاقتوں کو نیچا دکھا کر دولت عباسیہ کے تن مردہ میں ازسرنو جان ڈالی۔ مذہبی جھگڑوں کو ختم کرنے کیلئے اس نے فلسفہ کی کتابوں کی اشاعت روک دی۔ وہ گانے بجانے والوں، نجومیوں اور افسانہ گو افراد کا دشمن تھا۔ اس خلیفہ کے عہد میں موصل میں خارجیوں اور کردوں کی سرکوبی کی گئی مگر تحریک قرامطہ خوب پھلی پھولی، جس تحریک کے ایک داعی ذاکر یہ بن مہرویہ نے شام تک تباہی اور بربادی پھیلائی، معتضد نے ان کی

سرکوبی کیلئے فوجیں بھجوائیں اور کسی حد تک ان کا فتنہ دب گیا۔ طبرستان کے علویوں سے محمد بن زید نے خراسان پر حملہ کرایا۔ مگر شکست کھائی۔ 289ھ میں سات سال نو ماہ حکومت کرنے کے بعد خلیفہ اس جہان فانی سے کوچ کر گیا۔

3.7 مکتفی باللہ (289ھ تا 295ھ بمطابق 902ء تا 908ء):

معتضد باللہ کی وفات کے بعد اس کا بیٹا مکتفی باللہ تخت نشین ہوا۔ یہ خلیفہ فطرتاً نرم، بردبار، کفایت شعار اور رعایا میں اپنے اوصافِ حمیدہ کے باعث بہت ہر دلعزیز تھا، مجرموں کو سزا دینے میں عفو اور نرمی سے کام لیتا تھا۔

اس کے عہد میں قرامطیوں کی سرگرمیاں تیز ہوگئیں مگر خلیفہ مکتفی نے انہیں شکست دی، قرامطیوں کا سردار ذکرویہ 291ھ میں مکتفی کے ہاتھوں قتل ہوا۔ ذکرویہ کے بعد اس کے بھائی حسین نے قرمطی فتنہ کو فروغ دینے کی کوشش کی مگر وہ بھی قتل ہوا اور شام میں امن وامان قائم ہوگیا۔ اس کے بعد قرامطیوں نے اپنی فتنہ انگیزیوں کا رخ شام سے یمن کی طرف پھیر دیا۔

مصر میں دولت طولونیہ کے بانی احمد بن طولون کا پوتا ہارون نا اہل حکمران ثابت ہوا، اس پر عباسی امیر محمد بن سلیمان نے مصر پر چڑھائی کی اور ہارون وشیبان کو یکے بعد دیگرے شکست دے کر 292ھ میں فسطاط پر قبضہ کر لیا، پھر اس نے مصر اور شام پر قبضہ کر کے وہاں سے طولونی خاندان کا نام ونشان مٹا دیا۔ موصل میں کردوں کی فتنہ انگیزیوں کا خاتمہ کر کے وہاں بھی امن وامان قائم کر دیا گیا۔ مکتفی باللہ کے دور میں رومیوں کے خلاف فتوحات کا سلسلہ جاری رہا، ایشیائے کوچک میں لیس تک مسلمانوں نے پیش قدمی کی اور بے شمار رومیوں کو تہ تیغ کرنے کے بعد پچاس ہزار رومیوں کو قید کر لیا۔

295ھ میں خلیفہ مکتفی نے وفات پائی اور مرنے سے پہلے اپنے تیرہ سالہ بھائی جعفر کو ولی عہد نامزد کر گیا۔

3.8 مقتدر باللہ (295ھ تا 320ھ بمطابق 908ء تا 932ء):

جعفر بن معتضد مقتدر باللہ 295ھ میں تخت پر بیٹھا مگر امرائے سلطنت نے سازش کر کے اسے معزول کر دیا اور عبداللہ بن معتز کو مرتضٰی باللہ کے لقب سے تختِ خلافت پر متمکن کر دیا۔ مقتدر نے اپنے حامیوں کی امداد سے اپنے کھوئے ہوئے منصبِ خلافت کو دوبارہ حاصل کر لیا اور عبداللہ بن معتز اور اس کے حامیوں کو تہ تیغ کر دیا گیا۔

اس خلیفہ کے عہد میں اسماعیل سامانی نے 298ھ میں صفاریہ حکومت کا خاتمہ کر دیا، قرامطیوں کے سردار ابو طاہر نے عراق و شام میں خطرناک شورش برپا کر دی، بصرہ اور کوفہ کو خوب لوٹا اور ہزاروں آدمیوں کو تہ تیغ کیا۔ 317ھ میں ابو طاہر نے مکہ مکرمہ میں ہزاروں حاجیوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا اور وہاں تباہی پھیلا دی۔ بڑی کوششوں کے بعد شاہی لشکر نے قرامطیوں کی طاقت کو توڑ کر عالمِ اسلام کو ان کی چیرہ دستیوں سے نجات دلائی۔

خلیفہ مقتدر کے عہد میں مصر میں فاطمی حکومت کی بنیاد پڑی جو سیاسی لحاظ سے خلافت عباسیہ سے آزاد اور علوم و فنون کو فروغ دینے کے باعث اس کی حریف بن گئی۔ مقتدر کے دورِ خلافت میں کئی مسلمان علاقوں پر رومیوں نے یورش کی، مگر وہ اندرونی پریشانیوں کی وجہ سے مسلمانوں کی کوئی مدد نہ کر سکا، اس طرح تاریخ اسلام میں پہلی مرتبہ مسلمانوں نے مداخلت سے مجبور ہو کر اپنے علاقے رومیوں کے حوالے کئے۔

مقتدر باللہ دانا اور باتدبیر ہونے کے باوجود عیش و عشرت کا دلدادہ اور بہت فضول خرچ تھا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ اس نے سات کروڑ اشرفیاں اپنے ذاتی تعیش پر خرچ کیں، اس کے مزاج پر لونڈیاں اور حرم کی عورتیں بری طرح حاوی تھیں، امراء کی تقرری اور معزولی پر اس کی ماں کا بہت عمل دخل تھا۔

اس پر امراء سلطنت نے 317ھ میں اسے معزول کر کے اس کے سوتیلے بھائی قاہر باللہ کو خلیفہ بنا دیا۔

3.8.1 مقتدر باللہ کی بحالی اور قتل:

قاہر کو خلیفہ بنانے کے بعد شاہی فوج نے تنخواہوں کی عدم ادائیگی کی بناء پر بغاوت کر دی اور اسے معزول کر کے مقتدر کو دوبارہ خلیفہ بنا دیا۔ مقتدر کے غلام مونس نے جو امیر الامراء کے عہدے پر فائز تھا، بغاوت کر کے موصل پر قبضہ کر لیا، مقتدر اس کے مقابلے کے لئے نکلا مگر شکست کھائی اور قتل ہو گیا۔

3.9 قاہر باللہ (321ھ تا 322ھ بمطابق 933ء تا 934ء):

خلیفہ محمد بن معتضد اپنے سوتیلے بھائی مقتدر باللہ کی معزولی کے بعد قاہر باللہ کے لقب سے مسند خلافت پر بیٹھا۔ تخت نشین ہوتے ہی اس نے مقتدر کی ماں کو گرفتار کر کے اس کی املاک پر قبضہ کر لیا اور مقتدر کے بھائیوں اور دیگر متعلقین سے

بھی بھاری رقوم وصول کیں۔ امیر مونس کے مقابلے میں خلیفہ قاہر نے امیر محمد بن یاقوت کی مرتبہ افزائی کی جس پر مونس مشتعل ہو گیا اور وہ قاہر کو معزول کرنے کی سازشیں کرنے لگا، جب خلیفہ قاہر کو اس کا علم ہوا تو اس نے امیر مونس کو اس کے دیگر ساتھیوں سمیت قتل کر دیا۔ قاہر باللہ کے زمانے میں بویہ کے لڑکوں علی، حسن اور احمد نے خوب ترقی کی، بعد ازاں انہی بھائیوں کی کوششوں کی بدولت بنی بویہ (دیلمی) حکومت کا قیام عمل میں آیا۔ 322ھ میں مخالف امراء نے قاہر کو معزول کر کے اسے اندھا کر دیا، یہ خلیفہ جری اور شجاع ہونے کے باوجود متلون مزاج تھا، مسعودی کے مطابق خلیفہ کی یہی متلون مزاجی اس کی ناکامی اور معزولی کا باعث بنی۔

3.10 راضی باللہ (322ھ تا 329ھ بمطابق 934ء تا 940ء):

قاہر باللہ کی معزولی کے بعد مقتدر کا بیٹا راضی باللہ تخت پر بیٹھا۔ اس خلیفہ کی تاریخی معلومات بے حد وسیع تھیں۔ ادب و شاعری سے اسے خاص شغف تھا اور علماء و فضلاء کا بے حد قدر دان تھا۔ اس نے اپنی فیاضیوں سے عباسی دربار کی قدیم روایات کو برقرار رکھا اور اس کی موت کے ساتھ ہی حکومت عباسیہ کے وقار و عظمت کا چراغ ہمیشہ کیلئے بجھ گیا۔ اس خلیفہ کے زمانے میں عماد الدولہ نے ایک کروڑ اسی لاکھ درہم سالانہ بطور خراج کے عوض خلیفہ بغداد سے صوبہ فارس کی مسند حکومت حاصل کی، بعد ازاں اس نے عراق اور خوزستان کے علاقے بھی لے لئے اور شیراز کو پایہ تخت بنالیا۔

راضی باللہ کے عہد میں درباری شورشوں کی وجہ سے خلافت بغداد کا رہا سہا وقار بھی جاتا رہا، سلطنت کے طول و عرض میں امراء خودسر ہو گئے، چنانچہ شمالی افریقہ پر علوی، مصر اور شام پر خودسر امراء، ماوراء النہر پر سامانی، طبرستان اور جرجان پر دیلمی امراء اور دیگر علاقوں پر نیم خودمختار فرماں رواں چھائے ہوئے تھے۔ خلیفہ کی حکومت بغداد اور اس کے قرب و جوار تک محدود ہو کر رہ گئی تھی۔ ربیع الاول 329ھ میں راضی باللہ مرض استسقاء میں مبتلا ہوا اور بتیس سال کی عمر میں چھ سال دس مہینے حکومت کرنے کے بعد وفات پا گیا۔

3.11 متقی باللہ (329ھ تا 333ھ بمطابق 941ء تا 944ء):

راضی باللہ کی موت کے بعد اس کا بھائی متقی باللہ عمائدین سلطنت کے باہمی مشورے سے تخت خلافت پر بیٹھا۔ اپنی خوش اخلاقی اور دین داری کے باوجود اس خلیفہ کو امور سلطنت کا کوئی تجربہ نہ تھا، ملک کے طول و عرض میں جابجا شورشیں برپا

ہونے کے باعث یہ بدقسمت خلیفہ حوادث زمانہ کا شکار بنا رہا۔ امیر الامراء کا منصب لوگوں کیلئے بڑی کشش کا سبب تھا، لہذا اس کے عہد میں شاہی دربار مختلف سازشوں کی آماجگاہ بنا رہا اور مختلف سرداروں کے درمیان اس عہدے کے حصول کیلئے رسہ کشی ہوتی رہی، مسلمانوں کی کمزوری سے فائدہ اٹھاتے ہوئے رومیوں نے شام کے سرحدی علاقوں پر لوٹ مار شروع کر دی اور حلب کے مضافات میں قتل وغارت کا بازار گرم کر دیا مگر شام کے مسلمانوں نے جوابی کارروائیاں کر کے رومیوں کو شکست دی۔ آذربائیجان میں بھی رومیوں کو نیچا دکھایا گیا۔ 333ھ میں امیر الامراء تورون نے متقی کی آنکھوں میں گرم سلائیاں پھروا کر اندھا کر دیا اور تخت خلافت سے معزول کر دیا۔

3.12 مستکفی باللہ (333ھ تا 334ھ بمطابق 944ء تا 945ء):

خلیفہ متقی کی معزولی کے بعد مکتفی باللہ کا بیٹا مستکفی باللہ تخت نشین ہوا، 334ھ میں امیر الامراء تورون کی وفات کے بعد ابن شیراز فوج کی مدد سے امیر الامراء بنا، فوجیوں کو خوش کرنے کیلئے اس نے ان کی تنخواہیں بڑھا دیں لیکن خزانہ خالی تھا۔ مالی مشکلات پر قابو پانے کیلئے اس نے رعایا پر کئی قسم کے ٹیکس لگا دیئے، اس پر بغداد کے مختلف حصوں میں شورشیں برپا ہو گئیں اور لوٹ مار کا بازار گرم ہو گیا۔ نئے حالات سے فائدہ اٹھانے کی خاطر خاندان بویہ کا معز الدولہ فاتحانہ طور پر بغداد میں داخل ہوا، خلیفہ مستکفی نے کچھ پس وپیش کے بعد اس کا استقبال کیا اور اسے امیر الامراء مقرر کر دیا، اس پر معز الدولہ نے خلیفہ کی بیعت کر لی۔ بیعت لینے کے بعد معز الدولہ نے خلیفہ مستکفی کے گزارے کیلئے پانچ ہزار دینار سالانہ اور جاگیر مقرر کر کے اسے امور سلطنت سے بے دخل کر دیا، اس طرح خلفاء کا وقار لوگوں کی نظروں میں مزید کم ہو گیا۔ ایک سال چار ماہ کی حکومت کے بعد مستکفی معزول ہوا اور بنی بویہ خلافت بغداد کے سیاہ وسفید کے مالک بن گئے۔

3.13 مطیع للہ (334ھ تا 363ھ بمطابق 945ء تا 974ء):

خلیفہ مستکفی کی معزولی کے بعد معز الدولہ نے خلیفہ مقتدر کے بیٹے فضل کو تخت پر بٹھا دیا جس نے مطیع للہ کا لقب اختیار کیا۔ نیا خلیفہ ملک کا برائے نام حکمران تھا۔ اس کا سالانہ وظیفہ پانچ ہزار دینار سے کم کر کے تین ہزار دینار سالانہ کر دیا گیا ملک کی باگ ڈور درحقیقت معز الدولہ کے ہاتھ میں تھی جس نے فوجیوں کو جاگیریں دینا شروع کر دیں۔

بغداد کے مسلسل انقلابات کی وجہ سے یہاں کی زراعت تباہ ہو گئی، مواضعات اجڑ گئے اور محاصل کی آمدن گھٹ گئی۔

ابھی نئے خلیفہ کو تخت پر بیٹھے تھوڑا عرصہ ہی گزرا تھا کہ حمدان اور بصرہ کے والیوں نے شورشیں برپا کر دیں، معز الدولہ دیلمی نے ان کو شکست دی۔ اس طرح اہواز، شیراز، بحرین اور عمان میں بغاوت کے کئے شعلے بھڑک اٹھے مگر معز الدولہ نے بغاوتوں کا خوب انسداد کیا اور باغیوں کا قلع قمع کر دیا۔ اس خلیفہ کے عہد میں معز الدولہ کے مذہبی تعصب کی بناء پر شیعہ سنی اختلافات شروع ہو گئے، جس سے طرفین کے ہزار ہا آدمی قتل ہو گئے اور بغداد میں بدنظمی کا دور شروع ہو گیا۔

356ھ میں معز الدولہ کی وفات ہوئی اور اس کا بیٹا عز الدولہ امیر الامراء بن گیا۔ وہ نظام حکومت کے سلیقہ سے عاری ہونے کے علاوہ عیش وعشرت میں غرق رہتا تھا، اس کے غلط سلوک کے باعث دیلمی امراء اور ترک اس سے خفاء ہو گئے اور سبکتگین نے بغداد پر قبضہ کر کے دیالمہ سے بری طرح انتقام لیا۔ اس نے خلیفہ مطیع کو مجبور کیا کہ وہ خلافت سے دستبردار ہو جائے، چنانچہ 363ھ میں وہ خلافت کے منصب سے دستبردار ہو گیا۔

3.14 طائع للہ (363ھ تا 381ھ بمطابق 974ء تا 991ء):

مطیع للہ کی معزولی کے بعد اس کے بیٹے عبدالکریم کو طائع للہ کے لقب سے تخت خلافت پر بٹھایا گیا۔ یہ خلیفہ قوی ہیکل اور بہادر آدمی تھا مگر سیاسیات اور امور حکومت کے میدان میں بالکل کورا تھا۔ اس کے عہد میں دیالمہ تمام امور مملکت پر حاوی ہو گئے اور خلافت کا وقار ختم ہو گیا۔ اس خلیفہ کے عہد میں ترکوں اور دیالمہ میں سیاسی طاقت کے حصول کیلئے رسہ کشی جاری رہی، سبکتگین کی وفات کے بعد دیالمہ کا پلڑا بھاری ہو گیا اور بغداد میں ان کا طوطی بولنے لگا اور عضد الدولہ، صمصام الدولہ، شرف الدولہ، بہاؤ الدولہ یکے بعد دیگرے امور سلطنت پر حاوی رہے۔ 381ھ میں فوج نے تنخواہ نہ ملنے کے باعث بغاوت کر دی۔ جس پر بہاؤ الدولہ نے طائع للہ کو معزول کر کے قید کرا لیا، بحالت اسیری طائع نے 393ھ میں وفات پائی، اس وقت اس کی عمر 63 سال تھی۔

3.15 قادر باللہ (381ھ تا 442ھ بمطابق 991ء تا 1031ء):

طائع کے بعد مقتدر باللہ کا پوتا احمد قادر باللہ کے لقب سے تخت پر بیٹھا، یہ خلیفہ عالم و فاضل، مدبر اور سیاسیات میں ماہر تھا اس نے کھوئے ہوئے عباسی اقتدار کو بحال کرنے کی کوشش کی۔ مورخین کی رائے ہے کہ اگر یہ دور عروج میں پیدا ہوا ہوتا تو ہارون الرشید ثانی ہوتا، اس کے عہد میں سیاسی طاقت کے حصول کیلئے دیلمی امراء کے درمیان رسہ کشی جاری رہی، بہاؤ

الدولہ کی وفات کے بعد سلطان الدولہ اور مشرف الدولہ نے عنان حکومت سنبھال لی۔ ان کے عہد میں کوفہ اور بغداد میں شیعوں اور سنیوں کے درمیان فسادات شروع ہوگئے۔ خلیفہ قادر باللہ نے آتش فساد کو رفع کرنے کی کوشش کی۔ اسے اس معاملے میں ترکوں کی حمایت بھی حاصل ہوگئی جس سے خلیفہ کا وقار لوگوں کی نظروں میں بڑھ گیا۔

415ھ اور 416ھ میں سلطان الدولہ اور مشرف الدولہ یکے بعد دیگرے وفات پا گئے اور ان کی جگہ جلال الدولہ نے عنان حکومت سنبھال لی۔ اسے برسر اقتدار آئے ہوئے تھوڑا عرصہ ہی گزرا تھا کہ ترکوں نے اس کے خلاف بغاوت کر دی مگر قادر باللہ اور جلال الدولہ کے بیٹے ابومنصور عزیز (حاکم بصرہ) کی کوششوں سے فریقین کے درمیان مصالحت ہوگئی۔ ملک میں سیاسی انتشار اس کے باوجود بھی پھیلا رہا، یہاں تک کہ 422ھ میں خلیفہ قادر باللہ اس جہان فانی سے کوچ کر گیا۔ اس کی مدت خلافت 41 سال رہی۔

4۔ خلافت عباسیہ کا دور زوال

(422ھ تا 656ھ بمطابق 1031ء تا 1258ء)

پانچویں صدی ہجری میں ترک سلجوقوں نے بغداد پر قبضہ کر کے دیلمی اقتدار کو ختم کر دیا جس کے بعد تمام تر اختیارات ان کے پاس تھے۔ خلیفہ کی حیثیت برائے نام تھی۔ آخر 656ھ میں چنگیز خان کے پوتے ہلاکو خان نے بغداد کو فتح کر کے آخری عباسی خلیفہ مستعصم باللہ کو قتل کرا دیا اور ساتھ ہی بنو عباس کی حکومت کے چراغ کو ہمیشہ کیلئے گل کر دیا۔ اس دور کے خلفاء کے حالات کا جائزہ ذیل میں پیش کیا جا رہا ہے۔

4.1 قائم بامر اللہ (422ھ تا 467ھ: 1031ء تا 1074ء):

قادر باللہ کی وفات کے بعد اس کا بیٹا قائم بامر اللہ خلیفہ بنا، یہ خلیفہ پابند صوم وصلوۃ اور تہجد گزار ہونے کے علاوہ صاحب ذوق، اچھا ادیب اور فن کتابت میں ماہر تھا اور عدل وانصاف کرنے اور جود وسخا میں اسے بہت شہرت حاصل تھی۔ ابن طقطقی کے مطابق وہ نہ صرف عالم فاضل اور شریف النفس تھا بلکہ جہانبانی کے اصولوں سے بھی واقف تھا، اس نے سلجوقیوں کی

امداد سے خلافت کو دیلمیوں (بنی بویہ) کے پنجہ گرفت سے نجات دلائی۔

قائم کے عہد میں جلال الدولہ کی نااہلی کے باعث ترکوں اور فوج کی چیرہ دستیاں بڑھ گئیں جس سے بغداد میں بدامنی پھیل گئی تھی مگر قائم نے اپنی مصالحانہ کوششوں سے اس میں اور ترکوں میں نہ صرف صلح کرادی بلکہ اسے ملک الملوک کا خطاب عطا کیا۔

435ھ میں جلال الدولہ نے وفات پائی، اس کے جانشینوں کے عہد میں ملک کی حالت دگرگوں ہوگئی اور شیعہ سنی اختلافات کی وجہ سے فسادات عروج پر پہنچ گئے۔ ملک کے مختلف حصوں میں بغاوتیں شروع ہوگئیں، ان حالات سے فائدہ اٹھاتے ہوئے سلطان طغرل بیگ نے اصفہان، آذربائیجان اور جزیرہ پر تسلط جمالیا اور ارسلان نے فارس پر قبضہ کرلیا۔ خلیفہ قائم نے سلطان طغرل بیگ کو خلعت سے نوازا اور خطبوں میں اس کا نام شامل کرلیا۔ اس طرح دیالمیہ کو نظام حکومت سے بیدخل کر کے سلجوقی امراء سیاہ وسپید کے مالک بن گئے۔

سلطان طغرل بیگ کی 455ھ میں وفات کے بعد الپ ارسلان اس کا جانشین بنا۔

463ھ میں قیصر روم ارمانوس نے تین لاکھ سپاہیوں کے ساتھ اسلامی علاقوں پر حملہ کیا، سلطان الپ ارسلان صرف پندرہ ہزار فوجی لے کر رومیوں کے مقابلے کیلئے آیا، جنگ میں اسلامی لشکر کو مکمل فتح نصیب ہوئی اور ارمانوس گرفتار ہوگیا، بعد ازاں بھاری رقم بطور فدیہ ادائیگی کے وعدے پر اسے رہا کردیا گیا۔

قائم بامراللہ کا انتقال 467ھ میں 76 سال کی عمر میں ہوا، اس نے 44 سال 8 ماہ حکومت کی۔

4.2 مقتدی بامراللہ (467ھ تا 487ھ بمطابق 1074ء تا 1094ء):

مقتدی بامراللہ اپنے والد کی وفات کے بعد 20 سال کی عمر میں تخت نشین ہوا۔ مؤرخ ابن اثیر کے بیان کے مطابق خلیفہ مقتدی باہمت اور مضبوط کردے کا آدمی تھا، بہت سی مذہبی اور اخلاقی اصلاحات نافذ کر کے اس نے خلافت کے وقار کو بڑھایا، اخلاق باختہ عورتوں کو بغداد سے نکال دیا۔ اس کے عہد حکمرانی میں رعایا خوشحال تھی، اشیائے خوردنی سستے داموں لوگوں کو میسر آتی تھیں، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بغداد کی آبادی بڑھ گئی اور شہر میں کئی نئے محلے آباد ہو گئے۔

مقتدی کے عہد میں سلجوقیوں کو بہت عروج حاصل ہوا، سلجوق حکمران سلطان ملک شاہ (الپ ارسلان کا بیٹا) نے مقتدی کو اپنا تابع فرمان بنانے کی بہت کوشش کی مگر اس نے حتی الامکان خلافت کے وقار کو قائم رکھا۔ 485ھ میں سلطان ملک شاہ کا انتقال ہو گیا، جس پر اس کے بیٹے برکیارق کو سلطان کی خلعت عطا کی، مقتدی کا 39 سال کی عمر میں انتقال ہو گیا۔

4.3 مستظہر باللہ (487ھ تا 512ھ بمطابق 1094ء تا 1118ء):

مقتدی باللہ کی وفات پر اس کا بیٹا مستظہر باللہ سولہ سال کی عمر میں تخت پر بیٹھا۔ یہ خلیفہ بڑا رحم دل، با مروت اور خوش اخلاق تھا۔ عالم و فاضل ہونے کے علاوہ وہ علماء و مشائخ کا قدر دان تھا، اعلیٰ پایہ کا ادیب اور انشاء پرداز تھا، اس کا خط بہت اچھا تھا اس کے عہد میں رعایا خوشحال تھی اور اس کے انتظام سلطنت کی تعریف میں ہر کوئی رطب اللسان تھا۔

خانہ جنگیوں، باطنیوں کی یورش اور صلیبی جنگوں کی وجہ سے بڑے انقلاب آئے تاہم اس کا خلافت بغداد پر بہت کم اثر ہوا۔

مستظہر نے اپنے بیٹے مسترشد باللہ کو ولی عہد بنایا اور 512ھ میں بیالیس سال کی عمر میں وفات پائی۔

4.4 مسترشد باللہ (512ھ تا 529ھ بمطابق 1118ء تا 1134ء):

مسترشد باہمت، بہادر، عالم و فاضل اور فصیح و بلیغ ہونے کے علاوہ جادو بیان خطیب تھا۔ زیور علم سے آراستہ ہونے کے ساتھ ساتھ وہ ایک باعمل اور فرشتہ سیرت انسان تھا، عبادت و ریاضت سے اسے خاص شغف تھا، بوقت شہادت وہ روزے سے تھا اور قرآن کریم کی تلاوت میں مصروف تھا۔ رعایا کی فلاح و بہبود میں وہ ہر دم سرگرم رہتا، اس نے رعایا پر کئی ٹیکس معاف کر دیئے اور تمام سلطنت سے ظلم و تعدی کا خاتمہ کر دیا، یہ خلیفہ 512ھ میں تخت نشین ہوا، اس کے سارے عہد حکمرانی میں سلجوقیوں میں خانہ جنگی کا بازار گرم رہا، آخر میں سلطان سنجر کو اپنے تمام حریفوں پر سیاسی برتری حاصل ہو گئی۔

529ھ میں طغرل سلطان کی وفات کے بعد سلطان مسعود نے عراق پر قبضہ کر لیا، بہت جلد خلیفہ مسترشد باللہ اور سلطان مسعود کے درمیان کش مکش شروع ہو گئی جس نے بالآخر جنگ کی صورت اختیار کر لی۔ اس جنگ میں خلیفہ مسترشد شکست کھا کر ہمدان کے ایک قلعے میں پناہ گزین ہوا، سلطان سنجر کو جب ان باتوں کا علم ہوا تو اس نے سلطان مسعود کو لکھا کہ وہ

خلیفہ کی خدمت میں حاضر ہو کر معافی مانگے اور اسے بڑے عزت و احترام سے بغداد پہنچا دے۔ چنانچہ سلطان مسعود خلیفہ کی خدمت میں خود حاضر ہوا، اس کے لشکر میں سترہ آدمی قرامطہ (باطنی فرقہ) کے بھی شامل تھے جن کی سلطان مسعود کو خبر نہ تھی، ان باطنیوں نے خلیفہ کے خیمے میں گھس کر خلیفہ پر حملہ کیا اور اسے قتل کر ڈالا، یہ واقعہ 529ھ کا ہے۔

4.5 راشد باللہ (529ھ تا 530ھ بمطابق 1134ء تا 1135ء):

اپنے والد کے قتل کے بعد راشد باللہ 29 سال کی عمر میں تخت پر بیٹھا۔ بہادر اور سخی ہونے کے علاوہ فصیح و بلیغ تھا، ادب و شعر میں اسے کافی دسترس حاصل تھی۔ بدقسمتی سے تخت نشین ہوتے ہی اس کی اور سلطان مسعود کی چپقلش شروع ہوگئی، اس کا آغاز اس طرح ہوا کہ مسعود اور مسترشد کے درمیان معاہدہ کی رو سے خلافت بغداد کے ذمہ جو سالانہ مقررہ رقم واجب الادا تھی، سلطان نے اس کی وصولی کیلئے برنقش زکوی کو بھیجا لیکن اس وقت خزانہ خالی تھا لہذا یہ رقم نہ دی جاسکی۔ جس پر برنقش زکوی نے تلاشی لینے کا ارادہ کیا۔ خلیفہ نے مزاحمت کی، اس پر برنقش نے قصر خلافت پر حملہ کر دیا، خلیفہ کی فوج نے اسے شکست دی۔ سلطان مسعود کو معلوم ہوا تو اس نے بغداد پر فوج کشی کر دی، راشد باللہ موصل چلا گیا، سلطان مسعود نے بغداد آنے کے بعد ایک محضر تیار کیا۔ جس میں بہت سے لوگوں کی شہادتیں قلم بند کی گئیں۔ انہوں نے بیان کیا کہ راشد نے فلاں فلاں اشخاص پر ظلم کیا، زبردستی مال چھینا، خونریزی کی اور شراب پی، ان شہادتوں کو بغداد کے قاضی کے سامنے پیش کیا گیا جس پر قاضی نے فیصلہ کر دیا کہ سلطان ایسے خلیفہ کو معزول کر سکتا ہے۔

اس فتویٰ کو آڑ بنا کر سلطان مسعود نے 530ھ میں خلیفہ کو معزول کر دیا۔

4.6 مقتفی لامر اللہ (530ھ تا 555ھ بمطابق 1135ء تا 1160ء)

راشد کی معزولی کے بعد سلطان مسعود نے اس کے چچا مقتفی لامر اللہ کو تخت پر بٹھا دیا۔ مقتفی نے نہایت جرات، بہادری اور سیاسی دانش مندی سے عراق کو سلجوقی سلاطین کے سیاسی اثر سے چھٹکارا دلایا۔ اس کے عہد میں عراق اور بغداد پر عباسی خلفاء کی حکومت صحیح معنوں میں قائم ہوئی، فوج اور عہدہ داران حکومت پر انہیں مکمل اختیار حاصل ہوا۔

مقتفی کے زمانے میں سیاسی اقتدار کے حصول کیلئے سلجوقی سرداروں میں رسہ کشی جاری رہی جس سے سلطان مسعود اور سلطان سنجر کے دبدبہ اور وقار میں نمایاں کمی ہوتی گئی۔ بعد ازاں دونوں کی وفات سے سلجوقی سلاطین کے اقتدار میں انتہائی کمزوری واقع ہوگئی۔ ان حالات سے فائدہ اٹھا کر خلیفہ مقتفی نے اپنے اقتدار میں اضافہ کر لیا۔

مقتفی کے عہد خلافت میں خوارزم شاہ اور اس کی اولاد نے خراسان پر قبضہ کر کے دولت خوارزم شاہیہ کی بنیاد ڈالی جو چنگیز خان کی یلغار تک قائم رہی۔ 555ھ میں مقتفی نے چھیاسٹھ سال کی عمر میں وفات پائی۔

4.7 مستنجد باللہ (555ھ تا 566ھ بمطابق 1160ء تا 1170ء):

مقتفی کی وفات کے بعد اس کا بیٹا مستنجد باللہ 1170ء میں تخت پر بیٹھا۔ یہ خلیفہ رعایا پرور، بامروت اور انصاف پسند حکمران ثابت ہوا۔ اس کے عہد میں عربوں، کردوں اور ترکمانوں نے شورشیں برپا کیں، مگر خلیفہ مستنجد باللہ نے تمام باغیوں کا قلع قمع کر دیا۔

اس خلیفہ کے عہد میں فرنگیوں نے شام اور مصر کے علاقوں پر دست درازی شروع کر دی مگر نور الدین زنگی اور صلاح الدین ایوبی نے ان کے منصوبوں کو خاک میں ملا دیا۔

566ھ میں مستنجد باللہ بیمار ہوا، شاہی طبیب نے سازشی امراء کے اشارے پر اسے گرم حمام میں بند کروا دیا اور وہ اس میں گھٹ کر مر گیا، اس وقت اس کی عمر 56 برس اور خلافت 10 سال تھی۔

4.8 مستضی بامر اللہ (566ھ تا 575ھ بمطابق 1170ء تا 1179ء):

مستنجد کے قتل کے بعد امراء نے اس کے بیٹے مستضی کو خلیفہ بنایا۔ یہ خلیفہ عدل پرور، شریف النفس اور سخی حکمران تھا، اس کے زمانے میں رعایا خوشحال تھی۔ اس خلیفہ کے زمانے میں مصر میں فاطمی کی حکومت ختم ہوگئی اور اس کی جگہ ایوبی حکومت وجود میں آئی۔ نور الدین زنگی والی شام کے حکم سے صلاح الدین نے مصر میں مستضی بامر اللہ کے نام کا خطبہ پڑھا۔ جس پر خلیفہ نے خوش ہو کر نور الدین اور صلاح الدین ایوبی کے لئے خلعت اور سیاہ علم ارسال کئے۔ نور الدین کو ایرانی سرحدوں سے مصر تک تمام علاقوں کا مختار بنا دیا گیا اور اسے خلیفہ کا دست راست تصور کیا گیا، اب مختلف علاقوں کے بڑے بڑے حکمران خلیفہ

بغداد کی سطوت سے مرعوب ہو کر اس کے نام کا خطبہ پڑھنے لگے۔ 575ھ میں خلیفہ مستضی بامر اللہ نے انتالیس سال کی عمر میں وفات پائی۔

4.9 ناصرلدین اللہ (575ھ تا 626ھ بمطابق 1179ء تا 1225ء):

یہ خلیفہ اپنے والد کی وفات پر انیس سال کی عمر میں تخت پر بیٹھا، نیا خلیفہ بہادر، بارعب، غضب کا سیاستدان اور عالم وفاضل تھا، علمی نکات پر عالموں سے ماہرانہ بحث کرتا اور ملکی معاملات کو نہایت ہوشیاری سے طے کرتا تھا۔ اپنے سینتالیس سالہ عہدِ حکمرانی میں اس نے کامیابی سے مخالف سلاطین کو مغلوب کیا، باوجود مصروفیتوں کے وہ رعایا کے حالات سے باخبر رہتا تھا۔ اس کی ہیبت سے مصر اور شام کے حکمران خوف کھاتے تھے، ہسپانیہ سے چین تک اس کی دھاک بیٹھی ہوئی تھی، اکثر ممالک میں اس کے نام کا سکہ جاری تھا اور خطبہ پڑھا جاتا تھا۔ ان خوبیوں کے ساتھ ساتھ اس کی ذات میں کئی نقائص بھی تھے اس میں دولت جمع کرنے کا مادہ کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا، فراہمی دولت کی خاطر اس نے خراج میں اضافہ کر دیا اور رعایا پر کئی نئے ٹیکس لگائے، سزا دینے میں یہ بڑا سخت تھا مگر تاہم اس کی خامیوں کے مقابلے میں اس کے محاسن زیادہ تھے۔

چھٹی صدی ہجری کے آخری سالوں میں خوارزم شاہ نے ہمدان اور اصفہان کو فتح کر کے اپنے بیٹے کو ان علاقوں کا حکمران مقرر کر دیا، اس پر خلیفہ نے سیف الدین کی قیادت میں لشکر روانہ کیا جس نے خوارزم شاہ کے بیٹے کو شکست دے کر اصفہان اور ہمدان پر قبضہ کر لیا، اس کے بعد خلیفہ کی فوج نے خوزستان کو بھی فتح کر لیا۔

خوارزم شاہ نے بغداد پر حملہ کرنے کیلئے ایک زبردست فوج بھیجی مگر برف باری کے باعث اس فوج کا اکثر حصہ تباہ ہو گیا۔ بچے کھچے سپاہی خستہ حالت میں خوارزم شاہ کے پاس واپس پہنچے، خوارزم شاہ نے انتقامی جذبہ کے تحت اپنے تمام علاقوں میں خلیفہ کا نام خطبہ سے خارج کر دیا۔

اسی زمانے میں وسط ایشیا کی اسلامی سلطنتوں پر تاتاری فتنہ کی صورت میں ایک بلائے عظیم نازل ہوئی۔ 616ھ میں تاتاریوں کے وحشی قبائل نے چنگیز خان کی قیادت میں ترکستان، ماوراء النہر اور خراسان کو فتح کر لیا۔ پھر خوارزم شاہ اور اس کے بیٹے جلال الدین کو شکست دے کر غزنی، سجستان اور کرمان کے علاقوں کو مسخر کیا، لاکھوں مسلمانوں کو ان کے وحشی اور خونی خوار سپاہیوں نے تہ تیغ کیا اور بے شمار شہروں کو تباہ و برباد کر کے انہیں کھنڈرات میں تبدیل کر دیا۔

626ھ میں ناصر لدین اللہ نے تیس روز کی علالت کے بعد وفات پائی۔

4.10 ظاہر بامر اللہ (622ھ تا 623ھ بمطابق 1225ء تا 1226ء):

ناصر کی وفات کے بعد اس کا بیٹا ظاہر بامر اللہ باون سال کی عمر میں تخت نشین ہوا۔ اس نے ایسے عدل وانصاف سے اپنی حکومت کا آغاز کیا کہ لوگوں کے ذہنوں میں حضرت عمرؓ فاروق، اور حضرت عمرؒ بن عبدالعزیز کے زمانے کی یاد تازہ ہوگئی۔ تمام ناجائز ٹیکس معاف کر دیئے، ضبط شدہ جاگیریں ان کے مالکوں کو واپس کر دیں اور رعایا کی فلاح و بہبود کیلئے ہر ممکن کوشش کی گئی۔ اس کا مقولہ تھا کہ:

''مال وزر جمع کرنا سوداگروں کا شیوہ ہے، ایک عادل بادشاہ کو چاہیے کہ وہ سرکاری خزانہ کو پر کرنے کی بجائے راہ خدا میں نیکی کے کاموں پر صرف کر کے خالی کر دے'' اس نے اپنے جملہ عمال کو ہدایت کی کہ وہ عدل وانصاف سے کام لیں اور افعالِ شنیعہ سے بچیں۔

623ھ میں یہ نیک دل حکمران ساڑھے نو مہینے خلافت کرنے کے بعد اس جہان فانی سے کوچ کر گیا۔

4.11 مستنصر باللہ (623ھ تا 640ھ بمطابق 1226ء تا 1243ء):

ظاہر باللہ کی وفات کے بعد اس کا بیٹا مستنصر باللہ 35 سال کی عمر میں تخت پر بیٹھا۔ یہ خلیفہ بہادر، فیاض اور حوصلہ مند تھا۔ اس نے رفاہِ عامہ کے کاموں پر پیسہ پانی کی طرح بہایا اور مساجد، مدرسے، خانقاہیں اور مسافر خانے بکثرت تعمیر کئے۔ اس کا سب سے بڑا کارنامہ مدرسہ مستنصریہ کی تعمیر تھی جو اتنا عالی شان تھا کہ عالم اسلام میں اس کی نظیر نہیں ملتی تھی۔ اس کے مقابلے میں نظام طوسی کا مدرسہ نظامیہ بھی کوئی وقعت نہیں رکھتا تھا۔ علماء اور شعراء کا یہ قدردان تھا۔ رفاہ عامہ کے کاموں پر بے دریغ روپیہ خرچ کرنے کے باوجود خلیفہ نے تاتاریوں کے مقابلے میں ایک لشکر جرار تیار کر رکھا تھا جو ایک لاکھ سواروں پر مشتمل تھا، ہسپانیہ اور شمالی افریقہ تک اس کے نام کا خطبہ پڑھا جاتا تھا، یہی بات اس کی عظمت کے ثبوت میں پیش کرنے کیلئے کافی تھی۔

اس خلیفہ کے عہد میں تاتاریوں نے خوارزم شاہ حکومت کا خاتمہ کر دیا اور آخری تاجدار جلال الدین پریشانی کے عالم میں ایک کرد کے ہاتھوں قتل ہوا۔

oooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooo

مستنصر بیکے زمانے میں صلیبی مجاہدین کا طوفان بڑے زور سے اٹھا۔ صلاح الدین کی وفات کے بعد اس کے بیٹوں نے مصر، دمشق اور حلب میں علیحدہ علیحدہ حکومتیں قائم کر رکھی تھیں۔ اس لئے صلیبیوں کے خلاف وہ کوئی متحدہ محاذ قائم نہ کر سکے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ 626ھ میں بیت المقدس کو چند شرائط کے تحت عارضی طور پر صلیبی فوج کے سپرد کر دیا گیا۔

تاتاری قبائل کے جنگجو سپاہی وسط ایشیا کے اسلامی ممالک کو تسخیر کرتے ہوئے عباسی مملکت کی سرحد تک پہنچ گئے۔ یہاں پہنچ کر انہیں جب خلیفہ کی جنگی تیاریوں اور عظیم الشان فوج کا علم ہوا تو انہوں نے عباسی مملکت سے چھیڑ چھاڑ کرنے کا خیال ترک کر دیا۔

سترہ سال تک حکومت کرنے کے بعد یہ خلیفہ 640ھ میں اس جہان فانی سے رحلت کر گیا۔

4.12 مستعصم باللہ (640ھ تا 655ھ بمطابق 1241ء تا 1257ء):

مستعصم باللہ اپنے باپ مستنصر کی وفات کے بعد تخت نشین ہوا۔ یہ خلیفہ ذاتی طور پر بااخلاق، ملنسار، پاکباز اور شریف النفس تھا مگر حکومت کرنے کا سلیقہ اس میں نہ تھا۔ کم ہمتی، کوتاہ بینی اور طبیعت کی کمزوری کے باعث وہ امور سلطنت سے غافل رہتا تھا۔ اس کا بیشتر وقت تفریحی مشاغل میں گزرتا تھا۔ تخت نشین ہونے کے بعد اس نے موئید الدین محمد بن علقمی کو اپنا وزیر بنالیا۔ جو اپنی قابلیت اور بالغ نظری کے باوجود بدفطرت اور شرانگیز تھا۔ وزارت کے عہدہ جلیلہ پر فائز ہونے کے بعد اس نے خلیفہ کو عضوِ معطل بنا کر خود سیاہ و سفید کا مالک بن گیا۔ اپنی ریشہ دوانیوں اور حرکات شنیعہ سے اس نے عباسی سلطنت کو بالآخر تباہ و برباد کر دیا۔

خلیفہ مستعصم باللہ کے عہد میں عباسیوں کی فوجی طاقت کمزور ہو چکی تھی اور خلیفہ کا سیاسی وقار لوگوں کی نظروں میں گر چکا تھا۔ ترکی اور بویہی سردار تمام اسلامی سلطنت پر چھائے ہوئے تھے۔ خلیفہ کا دربار ان سرداروں کی سازشوں کا مرکز بن چکا تھا۔ ان حالات میں تاتاریوں نے اسلامی مملکت اور عباسی سلطنت کے پایہ تخت بغداد پر یورشیں کر کے اس کی اینٹ سے اینٹ بجادی اور خلیفہ مستعصم باللہ کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔

بغداد پر قبضہ کے بعد پورا عراق تاتاریوں کے زیر نگین ہو گیا، جس کے ساتھ ہی پانچ سو سالہ عباسی دور حکومت کا خاتمہ ہو گیا اور مسلمانوں کی سیاسی مرکزیت بھی اختتام پذیر ہو گئی۔

5۔ خلافت عباسیہ کے زوال کے اسباب

عباسی خلفاء نے کم و بیش پانچ سو سال حکومت کی، اس قدر طویل عرصہ مختلف ممالک پر حکومت کرنا، بہت کم شخصی سلطنتوں کے حصے میں آیا ہے۔ اس حکومت کا پہلا سو سالہ دور عباسیوں کے عروج، عظمت و وقار اور مکمل قیادت و سیادت کا زمانہ ہے، مگر اس کے بعد کے ان کے زوال کی تاریخ شروع ہو جاتی ہے، جس کے نتیجے میں مسلمانوں کو ہولناک تباہی کا سامنا کرنا پڑا۔ ہر حکومت عروج کے بعد زوال پذیر ہوتی ہے۔ ایک دم ہی مگر یہ زوال نہیں آتا بلکہ اس کے پیچھے کئی عوامل اور محرکات ہوتے ہیں جو اس کے زوال کا سبب بنتے ہیں۔ عباسی خلافت کے زوال کے بھی کئی اسباب تھے جن میں سے چند ایک حسب ذیل ہیں:

5.1 علویوں کی مخالفت:

عباسی حکومت کے قیام کے روز اول سے ہی اس میں زوال کے عناصر موجود تھے۔ انہوں نے رسول اکرم ﷺ کی قرابت کا دعویٰ کر کے لوگوں کو بنو ہاشم کی حمایت کیلئے اکسایا مگر بنو امیہ کی حکومت کے خاتمے پر یہ ظاہر ہوا کہ بنو ہاشم کی خلافت کے پروپیگنڈے میں عباسی حکومت کا قیام مقصود تھا۔ یہی نہیں بلکہ حکومت ہاتھ میں آ جانے کے بعد عباسیوں نے طاقت کے بل بوتے پر یہ ثابت کرنا شروع کر دیا کہ وہی حضور اکرمؐ کے اصل جانشین ہیں۔ اس وجہ سے علویوں اور عباسیوں کے درمیان نفرت کی خلیج پیدا ہو گئی اور علویوں کو جب بھی موقع ملا انہوں نے عباسیوں کے خلاف بغاوت کر دی۔ نفس الزکیہ، ابراہیم، یحییٰ بن عبداللہ، کی بغاوتیں، اسی اختلاف کا نتیجہ تھیں جن کا حکومت نے مقابلہ تو کیا اور دبا بھی دیا لیکن اس سے حکومت کی جڑیں اندرونی طور پر کھوکھلی ہونا شروع ہو گئیں۔

بغاوتوں کے خاتمے کے ساتھ ساتھ کئی ایک خلفاء نے علویوں کے ساتھ انتہائی برا سلوک بھی کیا۔ منصور کے دورِ حکومت میں بے شمار علوی نظر بند کر لئے گئے اور ان کی جائیدادیں ضبط کر لی گئیں۔ ہارون الرشید کے دور میں یحییٰ بن عبداللہ امان دیے جانے کے باوجود نظر بند کر دیئے گئے۔ اگر چہ بعض خلفاء نے اپنے پیشرو خلفاء کے برعکس علویوں کی خوشنودی بھی

حاصل کرنے کی کوشش کی، مثلاً مہدی نے نظر بند علویوں کو رہا کر کے ان کی جائیدادیں ان کو واپس لوٹا دیں، مامون الرشید نے امام علی رضا کو اپنا ولی عہد بنایا، لیکن اس کے باوجود عباسیوں اور علویوں کے درمیان اختلافات برقرار رہے۔ علویوں نے عباسی حکومت کی کمزوریوں سے فائدہ اٹھا کر کئی آزاد حکومتیں مثلاً ادریسیہ، علویہ اور فاطمیہ وغیرہ قائم کیں۔

5.2 نسلی اختلافات:

بنو امیہ کی حکومت عربوں کے بل بوتے پر قائم تھی، اس لئے اس دور میں تمام اقتدار ان کے پاس تھا اور تمام بڑے عہدوں پر عرب فائز تھے۔ اس کے برعکس عباسی خلافت عجمیوں کے زور سے قائم ہوئی تھی، اس لئے عباسیوں نے بڑے بڑے عہدوں پر عجمیوں کو فائز کیا جس کی وجہ سے عرب عنصر عباسیوں کا دشمن رہا اور وقتاً فوقتاً یہ لوگ عباسیوں کے خلاف بغاوتوں میں بھی حصہ لیتے رہے۔ دوسری طرف یہی عجمی اپنے اختیارات اور اقتدار میں اس حد تک بڑھ گئے کہ خلفاء سے زیادہ اہمیت کے حامل بن گئے جس کی وجہ سے حکومت کو نقصان پہنچا۔ اس کی سب سے اہم مثال ابو مسلم خراسانی اور برامکہ کی ہے جو بالآخر انہی خلفاء کے ہاتھوں تباہی کا شکار ہوئے۔ عباسی خلفاء کی اس پالیسی سے نہ صرف عرب ان سے بدظن ہوئے بلکہ ایرانی بھی اس بے اعتمادی کی وجہ سے ان کے مکمل طور پر وفادار نہ رہے۔

5.3 عباسی فوج میں ترکوں کا داخلہ:

عربی اور ایرانی عناصر کی قوت کو زائل کرنے کیلئے عباسی خلفاء نے ترکوں کو بکثرت فوج میں بھرتی کرنا شروع کیا تھا۔ اس کی ابتداء خلیفہ معتصم کے عہد میں ہوئی تھی، رفتہ رفتہ ترکوں کی طاقت اتنی بڑھ گئی کہ وہ خلیفہ بغداد کے لئے وبال جان ثابت ہوئے اور خلیفہ متوکل کے جانشین ترک امراء کے ہاتھ میں کٹھ پتلی بن گئے، ترک امراء اب اپنی مرضی سے عباسی خلفاء کو مسندِ خلافت پر بٹھانے یا معزول کرنے لگے۔ اس صورت حال کا نتیجہ یہ ہوا کہ خلیفہ کی عظمت عوام کی نظروں میں گر گئی اور اس کی حیثیت بہت کمزور ہوگئی۔

5.4 خودمختار ریاستوں کا قیام:

ترک فوجی سرداروں اور ان کے بعد آل بویہ کے خلافت بغداد پر چھا جانے سے مرکزی حکومت بہت کمزور ہوگئی۔

مرکزی حکومت کی زبوں حالی کو دیکھ کر دور دراز صوبوں کے حاکموں اور سرداروں کو خود مختار ریاستیں قائم کرنے کی جرأت ہوئی، ان ریاستوں کا خلافت بغداد سے تعلق برائے نام ہوتا اور وہ اپنے داخلی اور خارجی معاملات میں یہ آزاد ہوتی تھیں۔ چنانچہ جب عباسی حکومت رو بہ تنزل ہوئی تو طاہریہ، صفاریہ، فاطمیہ، اغلبیہ، سلجوقیہ اور دیالمہ کی خود مختار ریاستیں قائم ہوگئیں، جس سے خلافت بغداد کی سیاسی حیثیت کو سخت نقصان پہنچا۔

5.5 خفیہ تحریکیں:

حکومت فاطمیہ عرصہ دراز تک بغداد کی حریف رہی، زیادہ خطرناک وہ خفیہ تحریکیں تھیں جو اسماعیلیہ اور قرامطہ کے نام سے مشہور ہوئیں۔ انہوں نے عباسی سلطنت کی قیادت کو تسلیم نہیں کیا اور ان کی یہ مخالفت بڑی حد تک عباسی حکومت کے زوال کا باعث بنی۔

5.6 عباسی خلفاء کا اخلاقی انحطاط:

حکومت عباسیہ دیگر ایشیائی سلطنتوں کی طرح ایک شخصی حکومت تھی، اس طرز حکومت کی کامیابی اور ناکامی کا دارومدار بادشاہ کی ذات پر ہوتا ہے، بادشاہ کی انتظامی قابلیت، تدبر اور زود فہمی سے سلطنت کی عظمت بڑھ جاتی ہے، جبکہ اس کی نالائقی سلطنت کے معاملات میں خرابی پیدا کر دیتی ہے اور بالآخر سلطنت کا شیرازہ بکھیر دیتی ہے۔ حکومت عباسی کے پہلے نو تاجداروں کے تدبر اور انتظامی قابلیت نے سلطنت کی شان و شوکت کو بڑھایا مگر خلیفہ متوکل کے جانشین آرام طلب، شراب کے متوالے، نکمے اور نالائق نکلے، امور سلطنت کو سنبھالنا ان کے بس کا روگ نہ تھا۔ وہ اپنے امراء کے ہاتھوں میں کٹھ پتلی بن کر رہ گئے جس سے خلافت کی سیاسی ساکھ بگڑ گئی اور ملک کے طول و عرض میں چھوٹی چھوٹی خود مختار سلطنتیں قائم ہوگئیں۔ ایسی صورت حال میں سلطنت عباسیہ کی تباہی یقینی تھی۔

5.7 عربوں میں قومی روح کا فقدان:

اموی حکومت غیر اسلامی اصولوں کو اختیار کرنے کے باوجود عربوں کی خالص قومی حکومت تھی، تمام کلیدی آسامیوں پر اہل عرب مقرر تھے اور انہیں عجمیوں کے مقابلے میں کئی سیاسی مراعات حاصل تھیں علاوہ ازیں سلطنت کے تمام انتظامی

امور میں عربوں کو ترجیح دی جاتی تھی، اس لئے اہل عرب بھی ایسی حکومت کو اپنی قومی حکومت تصور کرتے ہوئے صدق دل سے اس کی امداد پر تیار رہتے تھے۔ عباسی حکومت چونکہ اہل عجم خصوصاً ایرانیوں اور خراسانیوں کی امداد سے قائم ہوئی تھی اس لئے عباسی خلفاء نے انہیں اپنے ہم قوم عربوں پر ترجیح دیتے ہوئے کلیدی آسامیوں پر فائز کیا۔ اس کا یہ نتیجہ نکلا کہ اہل عرب انتظامی قابلیت کھو بیٹھے امور سلطنت سے بیگانہ ہونے کے بعد انہوں نے تجارت کا شغل اختیار کر لیا یا صحرائے عرب میں واپس جا کر بدستور سابق بدوی طرز پر زندگی بسر کرنے لگے۔ امور سلطنت چلانے کے لیے عباسیوں نے ان ایرانیوں اور ترک سرداروں کی امداد پر بھروسہ کیا جنہیں عربوں کی حکومت سے کوئی ہمدردی نہ تھی۔ کمزور عباسی خلفاء کے زمانے میں حصول اقتدار کی خاطر ایرانی اور ترک سرداروں میں ایسی کشمکش شروع ہوئی جس سے خلافت کا سیاسی وقار لوگوں کی نظروں میں گر گیا۔ اس صورت حال کا نتیجہ یہ نکلا کہ مصیبت کے وقت عباسی خلفاء نہ تو عجمی سرداروں سے اور نہ ہی اپنی قوم سے کوئی امداد حاصل کر سکے اور مایوس کن حالات میں صفحۂ ہستی سے مٹ گئے۔

5.8 فرقہ وارانہ اختلافات اور ابن علقمی کی غداری:

خلافت عباسیہ کے ابتدائی دور کے بعد مسلمانوں کی بدقسمتی سے دو بڑے گروہوں شیعہ اور سنیوں کے درمیان اختلافات بڑی تیزی سے آگے بڑھے اور بغداد میں فرقہ وارانہ فسادات پھوٹ پڑے۔ جس کے اثرات ملک کے دوسرے حصوں میں بھی پھیل گئے۔ عباسی دور کے آخری چند حکمرانوں کے عہد میں ان فسادات میں تیزی آ گئی، جسے عباسی وزیر ابن علقمی اور نصیر الدین طوسی نے مزید ہوا دی۔ انہوں نے مسلمانوں اور خلافت عباسیہ سے غداری کرتے ہوئے ہلاکو خان کو حملہ کی دعوت دی اور مسلمانوں کی تباہی کا سامان فراہم کیا۔

6۔ صلیبی جنگیں

بنو عباس کے عہد حکومت میں گیارھویں صدی عیسوی کے آخری سالوں میں یورپ کے عیسائیوں اور مشرق کی اسلامی دنیا کے درمیان مذہبی جنگوں کا ایک ایسا سلسلہ شروع ہوا جو تقریباً دو سو سال تک جاری رہا۔ یورپ کے عیسائیوں پر مذہبی دیوانگی کا ایک ایسا خوفناک ماحول طاری تھا کہ وہ گلے میں صلیبیں لٹکائے مسلمانوں کو فلسطین کی سرزمین سے نکالنے کا عزم لئے مقدس جہاد پر اپنے گھروں سے نکل کھڑے ہوئے۔ یہ جنگیں فلسطین اور شام کی حدود میں صلیب کے نام پر لڑی گئیں

اس لیے تاریخ میں صلیبی جنگوں کے نام سے مشہور ہوئیں۔ فلسطین اور بیت المقدس کا شہر حضرت عمرؓ کے زمانے میں ہی فتح ہو چکا تھا، جو صدیوں سے مسلمانوں کے قبضہ میں رہا۔ خود عیسائیوں نے زمانہ دراز تک اس قبضہ کے خلاف کوئی آواز نہ اٹھائی تھی مگر گیارھویں صدی کے آخر پر اچانک ان کے دلوں میں بیت المقدس کی فتح کا خیال پیدا ہوا۔ ان جنگوں میں اہل یورپ نے جس تنگ نظری، خون ریزی، بد عہدی، بد اخلاقی، اور سفاکی کا اظہار کیا اس کی مثال تاریخ میں مشکل سے ملے گی۔

6.1 وجوہات:

6.1.1 مذہبی اسباب:

1۔ فلسطین حضرت عیسٰی علیہ السلام کا جائے پیدائش تھا اس لیے عیسائیوں کے لیے مقدس اور متبرک مقام کی حیثیت رکھتا تھا لیکن حضرت عمرؓ کے زمانے سے وہ اسلامی سلطنت کا حصہ بن چکا تھا۔ بیت المقدس مسلمانوں کا بھی قبلہ اول تھا اس لیے بیت المقدس کا شہر اور سرزمین ان کے لیے عیسائیوں سے کہیں زیادہ مقدس تھی۔ مسلمانوں نے ان متبرک مقامات کی ہمیشہ حفاظت کی اور غیر مسلم زائرین جب اپنے مقدس مقامات کی زیارت کے لیے یہاں آتے تو مسلم حکومتیں انہیں ہر طرح کی سہولتیں بہم پہنچاتیں، ان کے گرجے اور خانقاہیں ہر قسم کی پابندیوں سے آزاد تھیں۔ اسلامی حکومت کی اس رواداری کے باوجود متعصب زائرین جب واپس جاتے تو مسلمانوں کی زیادتیوں کے فرضی افسانے گھڑ کر اہل یورپ کے مذہبی جذبات کو بھڑکاتے۔ یورپ کے عیسائی پہلے ہی مسلمانوں کے خلاف تھے اب ان کی اسلام کے خلاف نفرت میں مزید اضافہ ہوا۔

2۔ عیسائیوں میں یہ خیال نیم مذہبی عقیدہ کی صورت میں پھیلا ہوا تھا کہ حضرت عیسٰی علیہ السلام دوبارہ اس دنیا میں نزول فرما کر ایک ایسی عیسائی حکومت قائم کریں گے جس میں صلح و آشتی اور نیکی کا دور دورہ ہوگا۔ لیکن ان کا نزول اسی وقت ہوگا جب یروشلم کا مقدس شہر مسلمانوں کے قبضہ سے آزاد کرایا جائے۔ چنانچہ یورپ کے مختلف ممالک کے عیسائی اس مقدس فرض کی ادائیگی کیلئے کمربستہ ہو گئے۔

3۔ عیسائیت اس وقت دو بڑے فرقوں میں بٹی ہوئی تھی۔ رومن کیتھولک پوپ کے پیرو تھے اور انہیں مغربی یورپ میں بالادستی حاصل تھی جبکہ مشرقی کلیسا یا یونانی کلیسا کا مرکز قسطنطنیہ تھا اور یہ لوگ پوپ کے تحت نہیں تھے۔ ان دونوں کلیساؤں کے درمیان اختلاف شدت سے موجود تھے۔ پوپ نے محسوس کیا کہ اگر یورپ کے رومن کیتھولک جہاد کا

نعرہ لگا کر ایشیائے کوچک کی سلجوقی حکومتوں کو شکست دے دی اور بزنطینی حکومت کو بچا لیں تو مشرقی کلیسا خود بخود مغلوب ہو کر پوپ کے تابع فرمان ہو جائے گا اور اس طرح وہ تمام عیسائی دنیا کا روحانی پیشوا بن جائے گا۔

6.1.2 سیاسی اسباب:

1۔ مسلمانوں نے اپنے عروج کے زمانے میں بڑی بڑی سلطنتیں زیر وزبر کر دی تھیں۔ افریقہ، ایشیا، جزائر بحیرۂ روم (سسلی اور قبرص وغیرہ) اور سپین و پرتگال سب ان کے زیر نگین تھے۔ اب گیارھویں صدی عیسوی میں اسلامی دنیا کی حالت بہت بدل چکی تھی۔ مصر میں فاطمی سلطنت رو بہ زوال تھی۔ اور سسلی میں مسلمانوں کا اقتدار کمزور ہو چکا تھا۔ جس کی وجہ سے بحیرہ روم کے عیسائی زور پکڑ چکے تھے۔ صلیبی جنگیں مسلمانوں کے اس سیاسی غلبہ کے خلاف یورپ کے عیسائیوں کا اجتماعی ردعمل تھا۔

2۔ قسطنطنیہ یورپ کا ایک اہم دفاعی برج تھا۔ جس نے سالہا سال سے مسلمانوں کی یورپ کی طرف پیش قدمی روک رکھی تھی، مگر اب سلجوقی حکمرانوں نے ایشیائے کوچک کے تمام علاقوں کو فتح کر کے قسطنطنیہ کی فتح کی راہیں کھول دی تھیں اور یہاں تک کہ ان کی حکومت ساحل مارمورا تک جا پہنچی تھی۔ اس پر بازنطینی حکمران مائیکل ڈوکس نے 1094ء میں مغربی ملکوں کو اس بڑھتے ہوئے سیلاب کی طرف متوجہ کیا اور ان سے مدد طلب کی چنانچہ ساری عیسائی دنیا نے اس کی اس استدعا کو فوراً قبول کر لیا اور میدان عمل میں نکل آئے۔ اس دوران سلجوقی بھی آپس میں الجھ کر انتشار کا شکار ہو گئے۔ جس سے صدیوں کی قائم کردہ ہیبت صلیبیوں کے دلوں سے نکل گئی اور دیکھتے ہی دیکھتے ان کا ایک سیلاب شام و فلسطین کی طرف امڈ آیا۔

3۔ عالم اسلام میں باہمی اتحاد کا فقدان تھا، بغداد کی عباسی اور مصر کی فاطمی خلافت اور سلجوقی و سپینی حکومتیں انحطاط کا شکار تھیں اور ان کے درمیان باہمی اشتراک کی کوئی صورت موجود نہ تھی۔ ان حالات میں مسلمانوں کے خلاف کارروائی کرنے کیلئے عیسائی یورپ کیلئے سنہری موقع تھا۔

6.1.3 معاشی اسباب:

1۔ اٹلی کے ساحلی شہروں وینس، جنیوا وغیرہ کے تاجر قدیم زمانے سے مشرق وسطیٰ سے تجارت کیا کرتے تھے، طلوع

اسلام کے بعد مشرق وسطیٰ پر مسلمانوں کا قبضہ ہوگیا جس سے اطالوی تاجروں کی اجارہ داری کا خاتمہ ہوگیا۔ ان تاجروں نے محسوس کیا کہ اگر مذہبی جنگ کے ذریعے شام اور فلسطین کا علاقہ مسلمانوں کی حکومت سے الگ کرلیا جائے تو انہیں تجارت کے وہی پرانے مواقع میسر آجائیں گے، چنانچہ انہوں نے ان جنگوں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور صلیبیوں کی ہر ممکن مالی امداد کی۔

2۔ یورپ کے نظامِ حکومت میں جاگیرداری نظام کو بنیادی حیثیت حاصل تھی۔ معاشی نظام میں اس کی خرابیاں ظاہر ہو چکی تھیں دولت کے تمام ذرائع پر امراء، اہل کلیسا اور جاگیرداروں کا قبضہ تھا جبکہ عوام مفلوک الحال تھے اور کاشتکاروں کی حالت ناگفتہ بہ تھی۔ چنانچہ مذہبی طبقہ نے مذہب کی آڑ میں عوامی ردعمل کو روکنے کی کوشش کی تاکہ لوگوں کی توجہ ملک کے معاشی مسائل سے ہٹی رہے۔

3۔ مشرق کی خوش حالی اور حسن بھی ان جنگوں کا باعث بنے۔ صلیبی سپاہی، لوٹ کھسوٹ اور عیش و نشاط کیلئے نکلے تھے اور مغربی امراء اور ان کی اولادیں مشرق میں اپنے لئے نئی جاگیروں کے سہانے سپنے دیکھ رہے تھے۔

6.1.4 فوری وجہ:

پوپ اربن ثانی نے 26 نومبر 1095ء کو فرانس کے مقام کلیر مونٹ میں اپنی ایک تقریر میں عیسائیوں کو شام و فلسطین پر حملے کی تلقین کرتے ہوئے اعلان کیا کہ:

''ان کافروں سے جہاد کرو جو حضرت مسیح کی خانقاہ پر قابض ہوگئے ہیں۔ تم میں سے جو بھی اس جہاد میں شریک ہوگا اس کے سارے پچھلے گناہ معاف کردوں گا اور تم میں سے جو مارا جائے گا اسے بہشت میں جگہ دوں گا''

پوپ کی اس تقریر نے عیسائیوں کے جذبات کو مشتعل کردیا اور یوں صلیبی جنگوں کا آغاز ہوگیا۔

6.2 پہلی صلیبی جنگ:

فرانس کے ایک نواب گاڈفرے کی سرکردگی میں پوپ کے اعلان جنگ کے بعد یورپ کے مسیحی فدائیوں کے چار بڑے لشکر بیت المقدس کی فتح کا عزم لئے روانہ ہوئے، راستے میں جس قدر یہودی ملے انہیں بے دردی سے قتل کردیا۔ لوٹ کھسوٹ کا

بازار گرم کیا اور خود عیسائی علاقوں میں ہی قتل و غارت، اغواء اور عصمت دریوں کا طوفان مچا دیا یہاں تک کہ گرجوں کی قیمتی اشیا تک لوٹ لی گئیں۔ جب یہ لوگ ہنگری پہنچے تو مقامی لوگوں کا صفایا کر کے ہنگری کی سرزمین کو ان کا قبرستان بنا دیا۔ جب بعض لشکر ایشیائے کوچک سے اسلامی علاقے میں داخل ہوئے تو سلجوق حکمران قلیج ارسلان نے ان کا مکمل صفایا کر دیا۔

اگلے برس 1097ء میں مشرقی یورپ کے بادشاہوں نے ایک مشترکہ فوج تیار کی جو دس لاکھ عیسائیوں پر مشتمل تھی، فرانس کے نواب گاڈفرے کی سرکردگی میں یہ فوج اپنی منزل مقصود کی طرف بڑھی اور ایشیائے کوچک میں داخل ہونے کے بعد اس لشکر نے قونیہ کا محاصرہ کر لیا۔ سلجوق حکمران قلیج ارسلان مقابلے میں آیا مگر شکست کھائی۔ عیسائی پیش قدمی کرتے ہوئے انطاکیہ تک پہنچ گئے اور نو ماہ کے محاصرے کے بعد اس پر قبضہ کر لیا۔ شہر پر قبضے کے بعد وہاں کی تمام مسلمان آبادی تہ تیغ کر دی گئی، اس کے بعد عیسائی لشکر شام کے متعدد شہروں پر قبضہ کرتے ہوئے حمص پہنچا۔ حمص پر قبضے کے بعد صلیبی بیت المقدس کی طرف روانہ ہوئے۔ بیت المقدس اس وقت مصر کے فاطمی خلیفہ المستنصر کے قبضہ میں تھا۔ مصری خلیفہ یا کسی اور مسلمان حکمران میں اتنی طاقت نہ تھی کہ وہ اس بلائے عظیم کا مقابلہ کر سکتا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ان صلیبی فوجوں نے ساحلی علاقہ میں قتل و غارت کا بازار گرم کر دیا اور بالآخر 15 جون 1099ء کو عیسائی بیت المقدس میں داخل ہو گئے اور اس پر بڑی آسانی سے قبضہ کر لیا۔ اس کے بعد انہوں نے مسلمان بچوں، عورتوں، بوڑھوں اور کمزوروں کو نہایت بے دردی سے قتل کیا اور اس شہر کی ساٹھ ہزار پر مشتمل پوری آبادی تہ تیغ کر دی گئی۔ صلیبیوں نے یہ فتح اپنے تیرہ لاکھ افراد کی قربانی دے کر حاصل کی۔

6.3 دوسری صلیبی جنگ:

پہلی صلیبی جنگ کی ہولناکیوں اور تباہ کاریوں نے مسلمان حکمرانوں کے لیے یہ موقعہ پیدا کر دیا تھا کہ وہ اپنے اختلافات کو ختم کریں، خلفائے بغداد نے اس سلسلہ میں کوششیں بھی کیں مگر زیادہ کامیاب نہ ہو سکیں۔

آخر کار قدرت نے عالم اسلام کو مزید تباہی سے بچانے کے لیے نور الدین زنگی کی صورت میں سامان پیدا کیا۔ نور الدین زنگی، عماد الدین زنگی کا بیٹا تھا۔ باپ کی وفات کے بعد حلب کا علاقہ اس کے حصہ میں آیا۔ اس نے مسلمانوں میں جہاد کی ایک نئی روح پھونک دی اور عیسائیوں سے بیشتر قلعے واپس چھین لئے۔ وہ انہیں ہر محاذ پر شکست دیتا ہوا ایڈیسا (روحا) کے شہر پر دوبارہ قابض ہو گیا۔ جب عیسائیوں کی شکستوں کی خبریں یورپ پہنچیں تو پوپ یوجین سوم نے دوسری صلیبی جنگ کا

اعلان کر دیا۔ 1147ء میں جرمنی کا بادشاہ کونراڈ سوم اور فرانس کا بادشاہ لوئی ہفتم فوج لے کر اپنے مذہبی بھائیوں کی مدد کے لیے روانہ ہوئے۔ ان کی فوج میں نو لاکھ سپاہی تھے لیکن یہ فوج بھی ہر قسم کی اخلاقی حدود سے آزاد تھی۔ اس فوج کو بھی نورالدین زنگی اور سلجوقیوں کے ہاتھ مختلف مقامات پر شکست کھانی پڑی اور اس طرح اس فوج کا اکثر حصہ تباہ و برباد ہو گیا۔

6.4 صلاح الدین ایوبی اور بیت المقدس کی فتح:

1174ء میں نورالدین زنگی کی وفات کے بعد عالم اسلام کے سیاسی افق پر ایک ایسی شخصیت نمودار ہوئی جس نے یورپ کے بہیمانہ عزائم کو خاک میں ملا دیا۔ اس شخصیت کا نام سلطان صلاح الدین ایوبی تھا۔

سلطان نے پہلے مصر، عرب اور عراق عجم کو اپنے قبضہ میں کیا، 1187ء میں حطین کے مقام پر صلیبی لشکر کو انتہائی ذلت آمیز شکست سے دوچار کیا اور عکہ، صفوریہ، قیساریہ، بیروت اور عسقلان کے شہروں کو زیر نگیں کر لیا۔ اس کے بعد یروشلم کی طرف متوجہ ہوا اور بیت المقدس کا محاصرہ کر لیا، چند ہی دنوں میں محصورین نے رحم کی درخواست کر دی۔ سلطان نے عیسائیوں کو شہری حقوق دے کر انہیں اپنی سلطنت میں رہنے کی اجازت دے دی۔ اس نے صلیبی سپاہیوں کو حکم دے دیا کہ وہ چالیس دن کے اندر اپنے بال بچوں سمیت بیت المقدس سے نکل کر طرابلس چلے جائیں۔ اس نے جنگی سپاہیوں پر معمولی سا زر فدیہ عائد کیا تھا۔ تاہم دس ہزار صلیبی سپاہیوں اور ان کے بال بچوں کا فدیہ خود اپنے پاس سے ادا کر کے انہیں جانے کی اجازت دے دی اور ہزاروں کا فدیہ معاف کر دیا۔ اس فتح میں نہ قتل عام ہوا اور نہ ہی لوٹ مار بلکہ دشمنوں کے ساتھ ہمدردی کا سلوک کیا گیا۔ اس طرح 583ھ مطابق 1287ء کو اٹھاسی برس کے بعد بیت المقدس دوبارہ مسلمانوں کے قبضہ میں آ گیا۔ بیت المقدس پر قبضہ کرنے کے بعد صلاح الدین ایوبی نے یکے بعد دیگرے عیسائیوں کے کئی دوسرے شہر فتح کیے یہاں تک کہ طرابلس اور انطاکیہ کے تمام علاقوں پر سلطان کا قبضہ ہو گیا۔

6.5 تیسری صلیبی جنگ:

بیت المقدس کی فتح صلیبیوں کیلئے پیغام اجل سے کم نہ تھی اس خبر پر سارے یورپ میں پھر تہلکہ مچ گیا۔ پادریوں نے عوام اور خواص کو نئی صلیبی جنگ کے لیے تیار کرنا شروع کیا جس میں انہیں کامیابی ہوئی۔ اس مہم میں یورپ کے تین بادشاہوں یعنی انگلستان کے شاہ رچرڈ، فرانس کے فلپ آگسٹس اور جرمنی کے شہنشاہ فریڈرک باربروسا نے شرکت کی۔ یورپ کی یہ فوجیں عکہ کے قریب پہنچ گئیں۔ سلطان صلاح الدین نے اس متحدہ قوت کا مقابلہ کرنے کے لیے مسلمان حکمرانوں سے

مدد کی درخواست کی۔مگر کسی نے کوئی جواب نہ دیا۔

1189ء میں صلیبیوں نے عکہ کا محاصرہ کرلیا جو دو سال تک جاری رہا، بالآخر شہر کے لوگوں نے جان کی امان کا وعدہ لے کر شہر صلیبیوں کے حوالے کر دیا۔مگر شاہ انگلستان رچرڈ نے بدعہدی کرتے ہوئے محصورین کو قتل کر دیا۔اس کے بعد صلیبی افواج نے عسقلان کے راستے بیت المقدس کا رخ کیا مگر قلیل فوج کے ساتھ سلطان نے اس جوانمردی سے مقابلہ کیا کہ ان کے حوصلے پست ہو گئے۔

جرمنی کا بادشاہ فریڈرک باربروسا ایک دریا کو عبور کرتے ہوئے ڈوب کر مر گیا۔اس کی فوج میں ابتری پھیل گئی اور بہت سے سپاہی گھروں کو لوٹ گئے۔اس لڑائی کے دوران شاہ فرانس اور شاہ انگلستان دونوں بیمار پڑ گئے۔

مسلسل تین سال کی غیر نفع بخش جنگوں نے صلیبیوں کو پریشان کر دیا تھا۔آخر کار شاہ انگلستان رچرڈ نے سلطان صلاح الدین ایوبی سے صلح کر لی۔فریقین کی جانب سے مشترکہ اعلان کیا گیا کہ:

"مسلمان اور عیسائیوں میں صلح ہو چکی ہے۔دونوں قوموں کے مقبوضہ ملکوں میں شہری آزادی جاری رہے گی۔ دونوں ملکوں کے لوگ ایک دوسرے کے ملک میں آزادی کے ساتھ آ جا سکیں گے"۔

اس صلح کے بعد باہر سے آئی ہوئی صلیبی کمک واپس چلی گئی۔اس کے بعد بھی کئی مرتبہ بیت المقدس کو مسلمانوں سے واپس لینے کے لیے مہمیں روانہ کی گئیں، لیکن ان کا کچھ فائدہ نہ ہوا۔

6.6 صلیبی جنگوں کے نتائج:

صلیبی جنگوں کو عیسائیت کی تاریخ میں مقدس جنگیں کہا جاتا ہے، جو دین عیسوی اور صلیب کی حفاظت کے لیے لڑی گئیں، لیکن اگر اس مہم میں شریک ہونے والوں کے طرز فکر اور طرز عمل کا مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ ہر قسم کی انسانی شرافت سے محروم تھے۔وہ بداخلاقی میں اس حد تک بڑھے ہوئے تھے کہ قسطنطنیہ اور یروشلم کو بھول کر جس راہ سے گزرتے وہاں تباہی، ویرانی اور بربادی کے نشانات چھوڑ جاتے۔ان جنگوں میں لاکھوں انسانی جانیں تلف ہوئیں، آبادیاں کھنڈرات میں تبدیل ہو گئیں اور بے شمار عورتیں بیوہ اور بچے یتیم ہو گئے۔یہ جنگیں اپنے پیچھے بھوک اور افلاس چھوڑ گئیں۔

ان جنگوں سے صلیبیوں کا مقصد بیت المقدس پر قبضہ تھا مگر اتنی جانوں کے اتلاف کے باوجود وہ اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہو سکے۔

اسلامی دنیا اگرچہ مادی تباہی اور بربادی کا شکار ہوئی لیکن جہاں تک علمی و ادبی ترقیوں اور تہذیب و تمدن کی پاکیزگی کا تعلق تھا۔ وہ اپنی جگہ قائم تھی، مسلم ثقافت اور تہذیب نے یورپی تہذیب و اقدار سے کوئی منفی اثر نہیں لیا۔ اسلامی ثقافت کی بنیاد قرآن و سنت کے فطری اوصولوں اور صدیوں کے ارتقائی عمل پر قائم تھی جو اپنی قدر و قیمت کے اعتبار سے یورپی تہذیب سے بہت اعلیٰ اور ارفع تھی لہٰذا تاریخ اسلام میں صلیبی جنگوں کا طویل عرصہ بھی ایک سانحہ سے زیادہ اہمیت اختیار نہ کر سکا اور اس کے مسلم معاشرہ پر کوئی حقیقی اور پائیدار اثرات مرتب نہ ہو سکے۔ وقت گزرنے کے ساتھ زخم مندمل ہو گئے اور مسلمان بدستور اپنی علمی و ادبی اور تہذیبی سرگرمیوں میں سعی و جہد بروئے کار لاتے رہے۔

اس کے برعکس یورپ میں ان جنگوں نے نہایت دوررس اثرات پیدا کئے، قرون وسطیٰ کا یورپ جہالت اور پس ماندگی کا شکار تھا۔ صلیبی جب اسلامی ممالک میں آئے تو یہاں کے علوم و فنون اور تہذیب و تمدن سے ان کی آشنائی ہوئی، اس طرح یورپ میں احیائے علوم کی تحریک کی ابتدا ہوئی جس کا احسان وہ کبھی نہیں اتار سکتے۔

خود آزمائی:

1۔ بنو عباس نے اپنی حکومت کے قیام کے بعد بنو امیہ سے کیسا سلوک کیا؟

2۔ سفاح کے کیا معنی ہیں اور یہ کس خلیفہ کا لقب ہے؟

3۔ ابو مسلم خراسانی کے ساتھ خلیفہ منصور نے کیسا سلوک کیا؟

4۔ مقنع کون تھا اور اس کے عقائد کیا ہے۔

5۔ ہارون الرشید کے عہد کو ایک شاندار علمی دور کہا جاتا ہے۔ کیوں؟

6۔ امین اور مامون کے درمیان اختلافات کے اسباب بیان کیجئے۔

7۔ مسئلہ خلق قرآن سے کیا مراد ہے اور مامون نے اس کا انکار کرنے والوں کے ساتھ کیا برتاؤ کیا؟

8۔ خلیفہ معتصم باللہ نے سامرا شہر کیوں آباد کیا؟ اس شہر کا اصل نام کیا تھا؟

9۔ خلافت عباسیہ میں وہ پہلا خلیفہ کون ہے جسے قتل کیا گیا؟

10۔ منتصر باللہ نے اپنے دور حکومت میں علویوں کے ساتھ کیسا برتاؤ کیا؟

11۔ مصر کی فاطمی حکومت کس عباسی خلیفہ کے عہد میں قائم ہوئی؟

12۔ سلجوق کون تھے اور انہوں نے کس کے عہد میں عروج حاصل کیا؟

13۔ خلیفہ ظاہر بامراللہ کی کون سی خوبی اسے دیگر خلفائے بنو عباس سے ممتاز کرتی ہے؟

14۔ مدرسہ مستنصریہ کی بنیاد کس خلیفہ نے رکھی؟

15۔ علویوں نے عہد بنی عباس میں کون کون سی حکومتیں قائم کیں؟

16۔ ترکوں کی بکثرت فوج میں شمولیت نے بنو عباس کے اقتدار کو کیسے نقصان پہنچایا؟

17۔ ابن علقمی اور نصیر الدین طوسی کون تھے اور بنو عباس کے زوال میں ان کا کیا کردار تھا؟

18۔ صلیبی جنگوں کی وجہ تسمیہ بیان کیجئے۔

19۔ صلیبی جنگوں کے مذہبی اسباب کیا تھے۔

20۔ صلیبی جنگوں کی فوری وجہ بیان کی؟

21۔ صلاح الدین ایوبی نے بیت المقدس کی فتح میں کیا کردار ادا کیا؟

22۔ صلیبی جنگوں کے کیا نتائج برآمد ہوئے؟

یونٹ نمبر 13

دور بنو عباس نمبر 2
علمی وادبی کارنامے، سیاسی ومذہبی تحریکیں

تالیف

محی الدین ہاشمی

نظر ثانی

ڈاکٹر محمد سجاد

علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد

فہرست عنوانات

یونٹ کا تعارف

قرون وسطی میں یورپ وحشت و بربریت اور جہالت کی اتھاہ گہرائیوں میں ڈوبا ہوا تھا، ان کے ہاں، سیاست، حکومت، تمدن، تہذیب اور علوم وفنون کا کوئی تصور موجود نہ تھا۔ عین اس وقت مشرق میں عباسیوں کی حکومت میں علم وفن کے بڑے مراکز قائم تھے۔ عباسیوں نے دنیا بھر کے علماء وحکماء کو اپنے دربار میں جمع کیا۔ جابجا یونیورسٹیاں اور لائبریریاں قائم کیں۔ مردہ قوموں کے مردہ علوم کو بھی انہوں نے زندہ کیا اور انہیں عربی میں منتقل کیا۔ اگر عباسیوں نے اس طرف توجہ نہ کی ہوتی تو کیمیا، طبیعات، طب، فلکیات، ریاضی اور دیگر علوم وفنون شاید آج ابتدائی حالت میں ہوتے۔ یہی وہ مسلمان تھے جنہوں نے عباسی دور حکومت میں دینی اور سائنسی علوم کو اپنایا اور انہیں بام عروج تک پہنچا دیا۔

اس علمی ترقی میں کئی عباسی خلفاء نے بھی بڑھ چڑھ کر حصہ لیا ابوجعفر منصور، ہارون الرشید اور مامون الرشید کے نام اس سلسلے میں قابل ذکر ہیں جنہوں نے نہ صرف یہ کہ علماء کی سرپرستی کی بلکہ وہ خود بھی علم کے بہت جویا تھے۔ غرض ان کی اس دلچسپی کی وجہ سے عہد بنی عباس میں علمی وادبی ترقی ہوئی جس کی بدولت یہ عہد تاریخ کا سنہرا دور کہلانے کا مستحق ہوا۔

دور بنی عباس میں کئی ایک سیاسی اور مذہبی تحریکوں نے بھی جنم لیا جن میں علویوں، معتزلہ، اسماعیلیہ اور قرامطہ کی تحریکیں زیادہ نمایاں نظر آتی ہیں۔

اس یونٹ میں آپ عہد بنی عباس کی علمی وادبی سرگرمیوں اور اس عہد کی سیاسی اور مذہبی تحریکوں کا جائزہ لیں گے۔

یونٹ کے مقاصد:

اس یونٹ کے مطالعہ کے بعد آپ اس قابل ہو جائیں گے کہ:

1۔ آپ جان سکیں کہ عہد بنو عباس میں دینی علوم میں علماء نے کس قدر تحقیق و جستجو سے کام لیا اور کتابیں لکھیں۔

2۔ علم طب اور علم کیمیا پر سائنسدانوں کی خدمات پر روشنی ڈال سکیں۔

3۔ عہد عباسیہ میں علم طبیعات، علم فلکیات، علم ریاضی اور علم جغرافیہ پر مسلمان محققین کی کاوشوں سے آگاہ ہو سکیں۔

4۔ اس دور میں شاعری اور ادب کے میدان میں پیدا ہونے والے رجحانات کا جائزہ لے سکیں۔

5۔ علوی تحریک کو عباسی دور میں کن حالات کا سامنا کرنا پڑا، آپ اس پر جامع نوٹ قلمبند کر سکیں۔

6۔ معتزلہ کے عقائد اور خلفائے بنو عباس کے ساتھ ان کے تعلقات پر روشنی ڈال سکیں۔

7۔ اسماعیلیہ اور قرامطہ کے عقائد کی وضاحت اور عالم اسلام کو ان سے پہنچنے والے نقصانات پر بحث کر سکیں۔

1۔ عہد بنو عباس کی علمی وادبی سرگرمیاں

بنو عباس کا دور تہذیبی وتمدنی اور علمی وادبی لحاظ سے اپنی مثال آپ ہے۔ عباسی عہد کی تمام تر عظمت وسر بلندی ان ذہنی اور دماغی تخلیقات کی بدولت ہے جو اس دور میں وجود میں آئیں۔ بنو امیہ کے عہد کی خصوصیت اس عہد کی فتوحات تھیں، جبکہ عباسیوں کا عہد تہذیب وتمدن اور علم وادب کی ترقی کا عہد ہے۔ جس چیز نے عباسی دور کو تاریخ اسلام میں شہرہ آفاق بنایا وہ اس دور کی ذہنی وفکری بیداری ہے۔ اس عہد میں تمام اسلامی علوم وفنون کی ترتیب وتزئین ہوئی۔

ان تمام ترقیات کے سلسلے میں خلفاء کا کردار بھی نہایت اہم ہے۔ خصوصاً ابوجعفر منصور، مہدی، ہارون الرشید اور مامون الرشید نے نہ صرف علوم وفنون کو فروغ دیا اور علماء وقت کی سرپرستی کی بلکہ یہ خود علم کے بہت جو یا تھے۔ مختلف علوم میں ان کی دلچسپی اور معلومات بہت زیادہ تھیں۔ ان خلفاء نے اس بات کا بھی اہتمام کیا کہ جہاں سے بھی ممکن ہو نادر کتب بغداد منگوائی جائیں۔ انہوں نے بے شمار یونانی، ہندی اور فارسی کتب کے تراجم کرائے۔ ''بیت الحکمت'' کے نام سے ایک ادارہ قائم کیا گیا جہاں کاتب، منشی اور مترجم کام کرتے تھے۔ عہد عباسیہ میں مسلمانوں نے علم وادب کو فروغ دینے کے سلسلے میں جو کارہائے نمایاں سرانجام دیئے وہ بلاشبہ تاریخ اسلام کا ایک زریں باب ہے اور جس کا غیر مسلم مورخین بھی کھلے دل سے اعتراف کرتے ہیں، مشہور یورپین مورخ ہٹی (Hitti) کا بیان ہے کہ!

''مسلمانوں کی علمی اور ادبی ترقی نے مشرق وسطی سے نکل کر سسلی اور اندلس کے راستے اقوام یورپ کے ذہنوں کو سیراب کیا اور یورپ میں احیائے علوم کی تحریک پروان چڑھی جس نے نہ صرف یورپ بلکہ تمام متمدن دنیا کی کایا پلٹ دی۔''

اس عہد کی علمی وادبی ترقی کو تین حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

1۔ مذہبی علوم میں خدمات

2۔ سائنسی علوم میں خدمات

3۔ ادبیات میں خدمات۔

1.1 مذہبی علوم اور ان میں ہونے والی خدمات:

مذہبی علوم کے تحت علوم القرآن، تفسیر القرآن، علم حدیث، علم فقہ، علم الکلام اور علم تاریخ آتے ہیں۔ ان پر الگ الگ نظر ڈالتے ہیں کہ اس دور میں ان تمام علوم میں کیا کیا کام ہوا۔

1.1.1 علوم القرآن:

قرآن مجید کا علم تمام علوم میں سرفہرست ہے۔ علوم القرآن میں سب سے زیادہ توجہ ''علم القراءت'' پر دی گئی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ اہل عرب کیلئے تو بغیر اعراب کے قرآن پاک پڑھنا مشکل نہ تھا مگر نو مسلموں خصوصاً جن کا تعلق عرب سے نہیں تھا، کے لیے اس میں بہت دشواری تھی۔ اس ضرورت کے پیش نظر چند علماء نے اس طرف توجہ دی۔ یہ علماء قراء سبعہ کہلاتے ہیں۔ ان ہی کی قراءت پر آج ہماری قراءت قرآن کا مدار ہے۔ ان قراء سبعہ کے نام یہ ہیں: نافع بن عبدالرحمٰن ابوعمرو بن العلاء البصری، عبداللہ بن عامر، عبداللہ بن کثیر، ابوبکر عاصم بن ابی النجد، ابوعمارہ حمزہ بن حبیب الزیات، ابوالحسن علی بن حمزہ الکسائی۔

ان قراء میں سے اکثر نے بنو عباس کا عہد پایا ہے، علم قرآءت کے اولین مصنفین میں ابوعمرو بن العلاء البصری، ربان بن تغلب اور مقاتل بن سلیمان قابل ذکر ہیں۔

علم التجوید پر کئی علماء نے دور بنی عباس میں کتابیں تحریر کیں، جن میں مکی بن ابی طالب کی ''رعاية تجويد القراة'' اور محمد بن جزری کی ''مقدمة جزریہ'' مشہور کتب ہیں۔ آیات قرآنیہ کے اسباب نزول پر حافظ المدینی نے کتاب تحریر کی، علی بن احمد الواحدی نے بھی فن پر کتاب ''اسباب النزول'' تصنیف کی۔

اعجاز القرآن پر خلافت عباسیہ میں بے شمار علماء نے کام کیا، ان میں سے ابوالحسن علی بن حسین رمانی کی ''بیان اعجاز القرآن''، قاضی ابوبکر باقلانی کی ''اعجاز القرآن فی نظمه''، سلیمان الخطابی کی ''المعتضد'' اور کمال الدین زملکانی کی ''البرهان فی اعجاز القرآن'' قابل ذکر ہیں۔

قرآن میں ناسخ اور منسوخ آیات کے بارے میں عباسی عہد میں مقاتل بن سلیمان، ابوعبید قاسم بن سلام، امام داؤد، ابوجعفر نحاس، احمد بن حنبل اور بوسعید النحوی نے کتب تحریر کیں۔

غرض یہ کہ اس دور میں ہزاروں علماء نے اپنے اپنے انداز اور بصیرت سے قرآن پر مختلف موضوعات کے اعتبار سے تحقیق کی اور کتابیں تصنیف کیں۔

1.1.2 علم تفسیر:

بنو امیہ کے عہد میں علم تفسیر پر کوئی قابل ذکر تصنیف نہیں ملتی۔ دراصل اموی دور میں تفسیری روایات تو ملتی ہیں تفسیری تصانیف نہیں۔ اگرچہ علم تفسیر کے بانی عبداللہ بن عباس ہیں لیکن اس علم نے بڑے اور منظم علم کی صورت بنوعباس کے عہد میں ہی اختیار کی۔

عہد بنوعباس میں علم تفسیر پر باقاعدہ کام کا آغاز ہوا۔ اس دور میں تفسیر کے دو مکتب فکر وجود میں آئے۔ ایک وہ مکتب فکر جو یہ نظریہ رکھتے تھے کہ قرآن کی تشریح وتفسیر کے سلسلے میں صرف آیات قرآنی، احادیث اور اقوال صحابہ پر ہی اکتفا کیا جائے اور اس سلسلے میں اپنی رائے اور اجتہاد سے مطلق پرہیز کیا جائے۔ اس قسم کی تسیر کو "تفسیر بالماثور" کہتے ہیں۔

اس دور میں تفسیر بالماثور کی طرز پر جو تفاسیر لکھی گئیں۔ ان میں سے کچھ کے نام ذیل میں دیئے جاتے ہیں۔

1۔ جامع البیان فی تفسیر القرآن .... ابن جریر الطبری
2۔ بحر العلوم .... ابوالليث السمرقندی
3۔ معالم التنزیل......................... ابومحمد حسین البغوی
4۔ تفسیر القرآن العظیم .... حافظ ابن کثیر

ایک طبقہ وہ تھا جس نے یہ محسوس کیا کہ زمانے کی تبدیلی وترقی کے ساتھ ساتھ نئے نئے مسائل کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ لہٰذا ان نئے پیش آمدہ مسائل کو قرآن کی روشنی میں حل کرنے کی ضرورت ہے۔ چنانچہ وہ اصحاب جنہوں نے مختلف

مسائل کو قرآن وسنت کی روشنی میں رائے واجتہاد کے ذریعے حل کیا اور آیات قرآن کی تشریح وتفسیر میں رائے سے کام لیا، وہ اصحاب الرائے کہلائے، ان کی تفسیر کو "تفسیر بالرائے" کا نام دیا گیا۔

بنو عباس کے عہد میں خصوصاً مامون الرشید کے دور میں یونانی علوم کا بہت رواج ہو گیا، ان علوم کے متعارف ہونے سے فلسفہ اور علم الکلام وجود میں آئے۔ لہٰذا ان یونانی علوم کی وجہ سے بہت سے سوالات پیدا ہوئے، علماء مجبور تھے کہ ان کا جواب اسلامی نقطہ نظر سے دیا جائے۔ چنانچہ اصحاب الرائے تفسیر قرآن کے ساتھ ساتھ یہ مسائل بھی زیر بحث لائے۔ مثلاً فخر الدین رازی کی تفسیر "مفاتیح الغیب" جہاں تفسیر وتشریح کے تقاضے پورے کرتی ہے وہاں اس دور کے فکری اور عقلی رجحانات کی نشاندہی بھی کرتی ہے۔

بنو عباس کے عہد کی چند ایک مشہور تفاسیر بالرائے حسب ذیل ہیں:

1۔ مفاتیح الغیب .... فخر الدین رازی

2۔ انوار التنزیل واسرار التاویل .... امام بیضاوی

3۔ البحر المحیط .... ابوحیان

4۔ احکام القرآن .... قاضی ابو اسحاق اسماعیل بن اسحاق

5۔ لباب التاویل فی معانی التنزیل .... خازن

6۔ تفسیر کشاف .... جار اللہ محمود بن عمر الزمخشری

اس کے علاوہ مفسرین نے فقہی اور کلامی تفاسیر بھی لکھیں۔ مثلاً "احکام القرآن" جو امام جصاص کی نہایت اہم کتاب ہے۔ میں انہوں نے صرف ان آیات کی تفسیر لکھی ہے جن میں احکام موجود ہیں۔ اسی طرح امام ابوالحسن اشعری کی "تفسیر اشعری"، جس میں انہوں نے مختلف باطل قوتوں کے عقائد کو رد کیا۔

1.1.3 علم الحدیث:

اموی عہد میں حضرت عمر بن عبدالعزیز نے تدوین حدیث کا کام شروع کرایا۔ اس سلسلے میں ابن شہاب زہری نے

بہت کام کیا۔ تاہم اس باب میں کثرت سے جو کام ہوا اس کا تعلق بنو عباس سے ہے۔

علماء و محدثین نے احادیث کے سلسلے میں یہ بات خاص طور پر پیش نظر رکھی کہ احادیث مستند ہوں، ان کا راوی جھوٹا نہ ہو، روایت کا سلسلہ (اسناد) کسی جگہ ٹوٹا نہ ہو، سند متصل ہو وغیرہ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ احادیث کی تدوین کے ساتھ ساتھ ایک نیا علم ''اسماء الرجال'' بھی وجود میں آ گیا۔ اس کی بدولت راویوں کی زندگی اور ان کے اخلاق و عادات کی تحقیق ہوئی جس سے احادیث کا ایسا محفوظ اور مستند سرمایہ جمع ہو گیا جو اس سے پہلے نہیں تھا۔

عہد عباسیہ میں دوسری صدی ہجری میں جن محدثین نے یہ کام شروع کیا، ان میں سفیان ثوری، مالک بن انس، سفیان بن عیینہ، امام اوزاعی اور عبداللہ بن مبارک کے اسماء گرامی شامل ہیں۔

تدوین حدیث کے سلسلے میں آپ دیکھیں گے کہ دوسری صدی ہجری کی نسبت تیسری صدی ہجری میں زیادہ کام ہوا، اسی زمانے میں عبیداللہ بن موسیٰ بغدادی، مسدد بن مسرید بصری، اسد بن موسیٰ الاموی، نعیم بن حماد الخزاعی، امام احمد بن حنبل، اسحاق بن راھویہ، عثمان بن ابی شیبہ، احمد بن منیع اور احمد بن عمر ابوبکر البزاز نے کتب حدیث تحریر کیں۔

تیسری صدی ہجری کی وہ مشہور کتابیں جن کا شمار کتب احادیث کی امہات میں ہوتا ہے، حسب ذیل ہیں:

1۔ صحیح بخاری .... محمد بن اسماعیل بخاری

2۔ صحیح مسلم .... مسلم بن الحجاج قشیری

3۔ جامع ترمذی .... محمد بن عیسیٰ ترمذی

4۔ سنن ابوداؤد .... ابوداؤد سلیمان بن اشعث

5۔ سنن نسائی .... احمد بن شعیب نسائی

6۔ سنن ابن ماجہ .... محمد بن یزید ابن ماجہ

چوتھی صدی ہجری میں علم حدیث پر جو کتب تحریر کی گئیں ان میں سے چند مشہور کتب حدیث حسب ذیل ہیں:

سنن دارقطنی، صحیح ابن حبان، صحیح ابوعوانہ، صحیح ابن خزیمہ، مسند ابن جمیع محمد بن احمد، مسند ابو حفص بن شاہین عمر بن احمد

بغدادی، مسند خوارزمی۔

پانچویں صدی ہجری میں ابوبکر مرزویہ، احمد بن حسین بیہقی، احمد بن محمد البروقی اور احمد بن ثابت خطیب بغدادی نے احادیث کی تدوین کے سلسلے میں کتابیں لکھی۔

چھٹی صدی ہجری میں سلطنت عباسیہ انتہائی انتشار کا شکار تھی۔ یہ زمانہ بغداد میں انتشار اور بے چینی پر مبنی تھا۔ چنانچہ اس سلسلے جو کام پچھلی چار صدیوں میں ہو رہا تھا، اس میں کمی آ گئی۔ اس صدی میں اندلسی محدثین نے زیادہ کام کیا۔ عباسی محدثین میں حسین بن مسعود البغوی، ابوقاسم علی بن عساکر اور عبدالرحمٰن الجوزی بہت مشہور ہیں۔

غرض عہد عباسیہ میں علم حدیث کو بہت ترقی ہوئی۔ بغداد، مکہ، مدینہ، دمشق، حلب، خراسان، نیشاپور، مرو اور دوسرے بڑے شہروں میں ایک ایک وقت میں کئی کئی سو جید علمائے حدیث، حدیث کا درس دیتے تھے۔

1.1.4 علم فقہ:

فقہ شرعی قوانین کے علم کا نام ہے جو ان کے تفصیلی دلائل (قرآن، سنت، اجماع، قیاس) سے حاصل ہو۔

عہد رسالت میں علم فقہ کو مدون کرنے کی ضرورت نہ تھی کیونکہ ہر معاملے میں راہنمائی کے لیے حضور ﷺ کی ذات اقدس موجود تھی۔ عہد صحابہ کرامؓ میں صحابہ کرامؓ سماجی یا معاشی مسائل میں حل بیان کر دیتے ہیں لیکن جب تابعین اور تبع تابعین کا عہد آیا تو بہت سی تبدیلیاں بھی آ گئیں۔ سلطنت اسلامی کی حدود ایشیاء، افریقہ اور یورپ تک وسیع ہو گئیں۔ معاشرے میں عجمی اور رومی تمدن بھی آ گیا۔ جس سے معاشی اور معاشرتی زندگی میں بہت سی تبدیلیاں پیدا ہو گئیں اور نت نئے مسائل پیدا ہوئے۔ معاشرت، تجارت، معاملات، اور ملکی انتظام سب بہت وسیع اور پیچیدہ شکلیں اختیار کر گئے۔ مفتوحہ ممالک کے مختلف مسائل، جزیہ اور خراج کے معاملات اور اس طرح بہت سے مسائل تھے جو اسلامی احکام کے منتظر تھے، لہذا اس دور کی ایک بڑی ضرورت فقہ کی تدوین تھی، چنانچہ خلافت عباسیہ میں فقہ کی تدوین کا کام شروع ہوا۔ اس عہد میں سب سے پہلے فقہ پر کام کرنے والے امام اعظم نعمان بن ثابت ابوحنیفہ ہیں۔ فقہ کے سلسلے میں چار بڑے نام امام مالک، امام ابوحنیفہ، امام شافعی، اور امام احمد بن حنبل کے ہیں۔ ان ائمہ اربعہ نے عہد عباسیہ میں ضروریات کے لحاظ سے فقہ اسلامی مدون کیا۔ انہوں نے فقہی مسائل کی تدوین اور مسائل کے استنباط میں جو محنت کی اس کے نتیجے میں فقہ اسلامی مدون ہوئی۔ اس عہد میں

اہل سنت کے فقہاء کے دو بڑے گروہ بھی وجود میں آئے۔ اہل عراق نے کثرت کے ساتھ قیاس سے کام لیا جس میں انہیں بصیرت ومہارت حاصل تھی، اس لئے انہیں ''اہل الرائے'' کہا جاتا تھا۔ اہل الرائے کی وہ جماعت جس نے ایک مستقل فقہی مذہب کے طور پر نشونما پائی اور پھر ایک باقاعدہ فقہی مذہب رواج پذیر ہوا، اس کے پیشوا امام ابوحنیفہ تھے دوسرا گروہ ''اہل الحدیث'' کے نام سے معروف تھا اور اس طریق فقہ کے رہنما امام مالک بن انس تھے۔

ان آئمہ اربعہ نے فقہ کی ایسی بنیادیں قائم کیں اور ایسے اصول مرتب کر دیئے جن سے بعد میں پیش آنے والے مسائل اور مشکلات حل کرنے میں مدد لی جاتی رہی اور رہے گی۔

امام ابوحنیفہ کا رہتی دنیا تک قائم رہنے والا کارنامہ فقہ اسلامی کی تدوین ہے، آپ نے اسلامی فقہ کی تدوین کے کام کو باقاعدہ اور باضابطہ طریقے سے سرانجام دیا اور اس مقصد کیلئے آپ نے ایک مجلس قائم کی جس میں مسائل پر تفصیلی بحث کے بعد اس کا کوئی حل دریافت کیا جاتا۔ خوارزمی نے امام ابوحنیفہ کی مجلس کے مرتب کردہ مسائل کی تعداد 83 ہزار بتائی ہے۔ مسائل میں سے 38,000 کا تعلق عبادات سے اور 45,000 کا معاملات سے ہے جن میں زندگی کے تقریباً ہر شعبہ حیات سے متعلق مسائل شامل ہیں۔ امام ابوحنیفہ کے شاگردوں نے بھی اس سلسلے میں بہت کام کیا۔ آپ کے ایک ممتاز شاگرد امام ابو یوسف ہیں۔ انہوں نے جزیہ وخراج کے مسائل کے متعلق مشہور کتاب ''الخراج'' لکھی جس میں آپ نے حکومت کے مالیاتی اور محصولاتی معاملات کو بیان کیا ہے، دوسری کتاب ''اختلاف ابن ابی لیلیٰ'' اور تیسری کتاب ''الرد علی سیر الاوزاعی'' ہے۔

امام ابوحنیفہ کے ایک اور شاگرد امام محمد بن حسن ہیں جن کی چھ کتابیں "**المبسوط**"، "**جامع الکبیر**"، "**جامع الصغیر**"، "**السیر الکبیر**"، "**السیر الصغیر**" اور "**زیادات**" بہت مشہور ہیں۔ ان کے بعد فقہ حنفی پر دور بنوعباس میں احمد بن عمر خصاف نے ''الاسفاف فی احکام الاوقاف'' احمد بن قدوری نے ''مختصر القدوری''، سرخسی نے ''مبسوط''، ابوبکر بن مسعود کاسانی نے ''البدائع'' اور علی بن ابی بکر مرغینانی نے ''بدایۃ شرح ہدایۃ المبتدی'' تصنیف کیں جو حنفی کی اشاعت کا باعث بنیں۔

امام ابوحنیفہ کے بعد امام شافعی دوسرے بڑے امام ہیں۔ ان کی فقہ ''فقہ شافعیہ'' کہلاتی ہے۔ انہوں نے خود بھی اس موضوع پر کتابیں لکھیں جن میں ''کتاب الام''، ''رسالۃ فی ادلۃ الاحکام''، ''کتاب اختلاف الحدیث'' اور ''مسند امام شافعی''

بہت مقبولیت کی حامل ہیں۔

فقہ شافعیہ کی مشہور کتب جو عہد بنی عباس میں لکھی گئیں حسب ذیل ہیں:

امام مزنی کی ''الجامع الکبیر''، ''الجامع الصغیر''، ''مختصر المزنی''، ''المنثور''، الماوردی کی ''الاحکام السلطانیہ''، امام غزالی کی ''الوجیز'' اور امام نووی کی ''المنھاج''۔

امام مالک بن انس فقہ مالکیہ کے بانی ہیں۔ انہوں نے فقہ کی طرز پر ابواب قائم کر کے اپنی کتاب ''موطا'' لکھی جو حدیث کا بہترین مجموعہ ہے۔ آپ کے شاگردوں میں اسد بن الفرات، عبدالسلام التنوخی عرف سحنون، عبدالرحمان بن قاسم، عبداللہ بن وھب اور اشہب بن عبدالعزیز ہیں جنہوں نے فقہ مالکی پر کام کیا۔ ان سب کا تعلق عہد بنوعباس سے تھا۔

امام احمد بن حنبل فقہ حنبلی کے بانی تھے۔ آپ نے حدیث کی کتاب ''مسند احمد'' تالیف کی۔ فقہ حنبلی پر ابوبکر الاثرم نے ''السنن فی فقہ'' ابوالقاسم خرقی نے ''المختصر'' اور ابن قدامہ نے ''المغنی'' لکھیں۔ غرض ان ائمہ اربعہ اور ان کے شاگردوں کی کوششوں کی وجہ سے عملی زندگی میں ایک نظم اور وحدت پیدا ہوگئی۔

1.1.5 علم الکلام:

علم الکلام سے مراد وہ علم ہے جس میں عقلی دلائل سے عقائد پر حجت قائم کی جاتی ہے۔ یہ وہ علم ہے جس کا وجود عہد رسالت ﷺ اور عہد صحابہؓ میں نہیں پایا جاتا تھا۔ قرون اولیٰ میں ساری توجہ دعوت اسلام، فتح و جہاد، اور زندگی کے عملی مسائل اور مفید علوم کے حصول کی طرف تھی۔ اس علم کا آغاز بنو امیہ کے عہد میں ہوا، مگر اس کو ترقی عہد بنوعباس میں ملی۔

دوسری صدی ہجری میں مسلمانوں کا تعاوف یونانی علوم و فلسفے سے ہوا جس کے نتیجہ میں مختلف مباحث پیدا ہوئے۔ مثال کے طور پر اللہ کی ذات و صفات، کلام الٰہی، رویت باری، مسئلہ عدل، مسئلہ تقدیر وغیرہ، جو نہ دینی حیثیت سے ضروری تھے اور نہ دنیاوی حیثیت سے مفید۔ مسلمانوں میں فلسفی گروہ کی قیادت معتزلہ کر رہے تھے۔ عہد بنوعباس میں ان کو ہارون الرشید کے عہد تک عروج حاصل نہیں ہوا تھا، مامون کے زمانے میں، جو یونانی فلسفے اور عقلیت پسندی سے بہت متاثر تھا، معتزلہ کو عروج حاصل ہوا۔ شروع میں امام ابوحنیفہ، امام احمد بن حنبل، اور دوسرے علماء نے علم الکلام کی مخالفت کی، مگر

یونانی علم الکلام اور فلسفہ و منطق کے تراجم نے مسلمانوں کے دلوں میں اسلامی عقائد سے متعلق بہت شکوک و شبہات پیدا کر دیئے۔ لہذا ان کے شکوک کو دور کرنے اور اسلام پر کیے جانے والے اعتراضات کا جواب دینے کے لیے یہی طریقہ استدلال اختیار کرنا ضروری ہو گیا۔ اس طرح اسلامی علم الکلام وجود میں آیا۔

اس علم الکلام کے پیشرو امام ابوالحسن اشعری تھے جن کا عہد تیسری ہجری ہے۔ آپ علم کلام کے مشہور مسلک اشعریہ کے بانی ہیں۔

ابوالحسن اشعری نے جو اسلامی علم الکلام اختیار کیا وہ معتزلہ اور محدثین کے درمیان ایک معتدل مسلک تھا۔ انہوں نے کتاب و سنت کے حقائق اور اہل سنت کے عقائد کو عقلی دلائل سے ثابت کیا۔ اس سلسلے میں انہوں نے باطل عقائد کی تردید میں کتابیں بھی لکھیں۔ ان کی کتاب ''الفصول'' ہندوؤں، یہودیوں، عیسائیوں اور مجوسیوں کے اعتراضات کے جوابات اور رد پر مبنی ہے۔ اس کے علاوہ ان کی مشہور کتابوں میں ''اللمع''، ''الموجز''، ''ایضاح البرھان'' اور ''التبیین عن اصول الدین'' ہیں۔ یہ کتابیں علوم عقلیہ اور علم الکلام کے متعلق ہیں۔

علم الکلام کا دوسرا مشہور مکتب فکر ماتریدیہ کا ہے، اس مسلک کے بانی امام ابو المنصور ماتریدی ہیں۔ انہوں نے ''کتاب التوحید''، ''کتاب المقالات''، ''بیان وھم المعتزلہ'' اور ''تالیفات القرآن'' کے نام سے کتب تحریر کیں۔

علم الکلام میں ایک اور نامور شخصیت امام غزالی کی ہے۔ امام غزالی کے عہد تک فلسفے کو بہت عروج حاصل ہو چکا تھا اور یونانی فلسفے کے عروج سے اسلامی عقائد کو بہت نقصان پہنچا تھا۔ امام غزالی نے علم الکلام کی از سر نو ترتیب و تدوین کی آپ نے عقل اور نقل دونوں لحاظ سے الحادی فلسفہ کا کامیابی سے رد کیا اور وہ تمام ابہامات، شکوک و شبہات جو یونانی فلسفہ کے زیر اثر مسلم سوسائٹی کو گدلا کر رہے تھے، دور کر کے مسلم سوسائٹی کو اس کی اصل کی طرف لوٹا دیا۔ فلسفہ اور باطنیت کا رد کیا اور اس سلسلے میں کئی کتابیں لکھیں جن میں ایک ''مقاصد الفلاسفہ'' ہے۔ اس کتاب میں امام غزالی نے آسان زبان میں منطق اور فلسفہ، اس کے نظریات کو مدون کیا اور پھر ان پر اسلامی نقطہ نظر سے تنقید کی اور کتاب ''تھافتہ الفلاسفہ'' لکھی۔ اس کتاب سے علم الکلام کی تاریخ میں ایک نئے دور کا آغاز ہوا۔

امام غزالی نے خلیفہ مستظہر باللہ کی فرمائش پر باطنی فرقے کے رد میں ایک کتاب "المستظہر" لکھی۔ اس کے علاوہ آپ کی اہم کتب "حجتہ الحق"، "مفصل الخلاف"، "المنقذ من الضلال" اور "احیاء علوم الدین" ہیں۔

ان کے علاوہ ابن حزم نے اس فن پر "الفصل فی الملل والاھواوالنحل"، شہرستانی نے "نہایۃ الاقدام فی علم الکلام"، "المنہاج والبیان" اور "الملل والنحل" تصنیف کیں۔ علامہ فخر الدین رازی نے "نہایۃ العقول"، "اربعین فی اصول الدین"، "البیان والبرھان" اور "کتاب القضاء والقدر"، شیخ شہاب الدین مقتول نے "ھیاکل النور" اور "حکمۃ الاشراق"، علامہ تفتازانی نے "شرح مقاصد"، سیف الدین آمدی نے "وقایق الحقاق" اور "رموز الکنوز" تحریر کیں۔ یوں عہد بنو عباس میں علم الکلام کو بہت عروج حاصل ہوا اور متکلمین نے اس عہد میں معتزلہ اور فلسفہ کے بڑھتے ہوئے سیلاب کو روک کر عقائد اہل سنت اور صحابہ کرامؓ کے طریقے کی پرزور وکالت کی۔

1.1.6 علم تاریخ:

عربی زبان میں علمی تاریخ نویسی کی ابتداء آنحضرت ﷺ کی سیرت کے مطالعے سے ہوئی، اسی لئے یہ تاریخ احادیث میں ملتی ہے خصوصاً ان احادیث میں جن کا تعلق آنحضرت ﷺ کے غزوات سے تھا بعد میں غزوات اور سرایا کی تفصیل کے لئے علم مغازی کی ابتداء ہوئی اور یہ علم بعد میں تاریخ نگاری کا ابتدائی زینہ ثابت ہوا۔ اسلامی تاریخ کی تدوین کا کام بھی عہد بنو عباس میں شروع ہوا۔ عہد عباسیہ کے سب سے پہلے مورخ محمد بن اسحاق تھے۔ جن کا زمانہ دوسری صدی ہجری کا ہے۔ محمد بن اسحاق نے تاریخ میں سب سے پہلی کتاب "السیرۃ والمبتداء والمغازی" لکھی جس کی جامعیت، تفصیل اور معلومات کی فراوانی کی بنا پر اکثر اہل علم نے اسے قدر ومنزلت کی نگاہ سے دیکھا ہے۔

دوسری صدی ہجری میں محمد بن عمر واقدی نے اس فن پر "کتاب المغازی" تحریر کی۔ واقدی نے اپنی کتاب میں واقعات کی تاریخیں متعین کرنے کا التزام کیا ہے۔ مغازی کے سلسلے میں واقدی مقامات غزوات کا خود جا کر مطالعہ کرتے تھے اور پھر اسے لکھتے۔

واقدی کے تلامذہ میں "محمد ابن سعد" کا نام قابل ذکر ہے۔ جنہیں سیرت ومغازی کے فن میں مہارت حاصل تھی۔ انہوں نے "تاریخ اسلام" "الطبقات الکبیر" اور "الطبقات الصغیر" لکھیں۔ تیسری صدی کے مورخین میں ابوحنیفہ دینوری

ہیں۔ علم تاریخ میں ان کی کتاب ''اخبار الطوال'' بہت مشہور ہے۔ اس میں عام عرب مورخین کی طرح حضرت آدم علیہ سلام کے زمانے سے حضور ﷺ کے عہد مبارک تک نظر ڈالی گئی ہے۔ انہوں نے تاریخ کو سن وار مرتب نہیں کیا بلکہ تاریخی واقعات کو قصے کی صورت میں بیان کیا ہے۔ تیسری صدی ہی میں احمد بن یحییٰ البلاذری نے ''فتوح البلدان'' کے نام سے ایک کتاب لکھی جس میں مختلف علاقوں کے فتح ہونے کی تاریخ بیان کی گئی ہے۔ تاریخ پر ان کی ایک دوسری مشہور کتاب ''الاخبار والانساب'' بھی ہے۔

ابن قتیبہ کا شمارہ تیسری صدی ہجری کے نامور مورخین میں ہوتا ہے۔ علم تاریخ میں ان کی کتابیں ''المعارف'' اور ''الامامۃ والسیاستہ'' بہت مشہور ہیں۔ امام طبری کا عہد بھی تیسری صدی ہجری کا ہے۔ آپ نے تاریخ پر شہرۂ آفاق کتاب ''تاریخ الرسل والملوک'' لکھی جس میں حضرت آدمؑ سے لے کر 303 ہجری تک کے حالات و واقعات بیان ہوئے ہیں۔ ''تاریخ الرسل والملوک'' علامہ طبری کی آٹھ سالہ محنت کا نتیجہ اور ثمر ہے۔ کتاب کی تمہید میں انبیائے سابقین مختلف قوموں کے نامور سلاطین، خصوصاً ساسانی دور کے ملوک کا مفصل ذکر ہے۔ علامہ نے اس کتاب کو سن وار واقعات کے لحاظ سے مرتب کیا ہے اور ہر شعبے سے متعلق مختلف روایات کو جمع کر کے تنقید کا کام قارئین پر چھوڑ دیا ہے۔

چوتھی صدی ہجری میں علم تاریخ نے مزید ترقی کی۔ اس عہد میں ایک نمایاں تبدیلی یہ ہوئی کہ مفصل اسناد کا طریقہ جو تیسری صدی ہجری تک مروج رہا، وہ ترک کر دیا گیا۔ مفصل اسناد کا ذکر کرنے کی بجائے اب مختصراً ماخذ کا ذکر کر دیا جاتا، بعد کے مورخین نے تو اکثر اوقات اسناد کا ذکر بالکل ترک کر دیا۔

چوتھی صدی ہجری کے ممتاز مورخین میں سرفہرست ''المسعودی'' تھے انہوں نے تاریخ کے موضوع پر متعدد کتابیں لکھیں۔ علم تاریخ پر آپ کی پر سب سے مفصل کتاب ''اخبار الزمان'' ہے۔ جس میں 306 سن ہجری تک کے واقعات بیان ہوئے ہیں۔

ابو علی ابن مسکویہ'' کا تعلق چوتھی صدی ہجری سے ہے۔ انہوں نے تاریخ کے موضوع پر اپنی مشہور کتاب ''تجارت الامم فی تعاقب الھمم'' لکھی۔ الخطیب بغدادی کا تعلق پانچویں صدی سے ہے۔ آپ کی تصانیف میں سب سے مشہور ''تاریخ بغداد'' ہے۔ اس کتاب کے ابتدائی ابواب میں عباسی دارالحکومت کے مختلف حصوں محلات، دفاتر، مساجد،

سرکاری عمارتوں، مشاہیر، علماء اور محدثین کا ذکر ہے۔

ابن عساکر نے خطیب بغداد کے طریقے پر دمشق کی تاریخ 80 جلدوں میں مرتب کی جس کا نام ''التاریخ الکبیر'' ہے۔

چھٹی صدی ہجری کے مورخین میں ایک ممتاز مورخ ''ابن اثیر'' ہیں انہوں نے ''الکامل فی التاریخ'' لکھی جس میں عالم اسلام کی ابتدائی چھ صدیوں کے حالات بڑے اختصار مگر جامعیت کے ساتھ بیان کئے گئے ہیں۔

1.2 عہد بنو عباس میں سائنسی علوم میں ترقی:

عباسی دور حکومت میں سائنسی علوم میں بھی بہت زیادہ ترقی ہوئی، سائنسی علوم کے ضمن میں آپ سائنس کی مختلف شاخوں، علم طب، علم کیمیا، علم طبیعات، علم فلکیات، علم جغرافیہ اور علم ریاضی کا مطالعہ کریں گے۔

1.2.1 علم طب:

علم طب ایک ایسے کارآمد اور مفید علم کا نام ہے جس کے ذریعے امراض کے اسباب، علامات اور علاج سے پوری طرح واقفیت حاصل کی جاتی ہے، نیز امراض کی تشخیص اور علاج کیا جاتا ہے۔ علم طب کا آغاز یونان سے ہوا تھا جسے بقراط اور جالینوس نے درجہ کمال تک پہنچا دیا۔ اموی عہد میں یونانی طب کی کتابوں کے تراجم کروائے گئے۔

عباسی دور میں علم طب میں بڑا تحقیقی کام ہوا، اس دور کے عظیم طبیبوں نے اپنی علمی خدمات کی بدولت دنیا بھر میں شہرت دوام حاصل کی۔ عباسی دور میں یونانی طب کی قدیم کتابوں کے ترجمے کا کام سرکاری سطح پر شروع ہوا۔ شروع شروع میں یونانی زبان سے ناواقف کی وجہ سے اس شعبہ میں عیسائی علماء کا غلبہ اور بالادستی رہی۔ اس دور میں جرجیس، اس کا بیٹا بختیشوع اور پوتا جبریل نامور اطبا میں شمار کئے جاتے تھے لیکن جلد ہی مسلمان علماء اور سائنسدانوں نے اپنی طبع زاد تصانیف کی بدولت علم طب کے تمام شعبوں میں ایک انقلاب عظیم برپا کر دیا۔ ابن سینا اور الرازی اس ضمن میں خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ بوعلی سینا کی کتاب ''قانون فی الطب'' صدیوں تک مشرق ومغرب کی یونیورسٹیوں میں شامل نصاب رہی۔ اس کے علاوہ اس کی دوسری تصنیف ''کتاب الشفاء'' نے بھی بڑی شہرت پائی۔

مشرقی ممالک کی گرم آب و ہوا کی وجہ سے مسلمان اطباء نے آنکھوں کی بیماریوں (طب العیون) کے بارے میں تحقیقات کیں۔ علی بن عیسیٰ جو گیارہویں صدی عیسوی میں آنکھوں کی بیماریوں کا ایک ماہر طبیب تھا، اس شعبہ میں سند کی حیثیت رکھتا تھا۔ اس نے اس موضوع پر بتیس کتب تصنیف کیں جن میں ''تذکرہ الکحالین''، اٹھارویں صدی عیسوی تک یورپی درس گاہوں میں داخل نصاب رہی۔ اس کتاب کی یہ خصوصیت ہے کہ اس میں آنکھوں کی ایک سو تیس بیماریوں اور ان کے علاج پر بڑی ماہرانہ اور سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔ اس موضوع پر قدیم ترین کتب ابن ماسویہ کی ''دغل العین'' اور حنین بن اسحاق کی کتاب ''العشر'' اور ''مقالات فی العین'' بھی ہیں۔

عباسی دور کے مشاہیر اطباء میں جو شہرت دوام بوعلی سینا اور ابوبکر الرازی کو حاصل ہوئی اور کسی کو نہ ہو سکی۔ بوعلی سینا کی لازوال تصنیف ''قانون فی الطب''، ایک طبی انسائیکلو پیڈیا کی حیثیت سے مغرب کی یونیورسٹیوں میں صدیوں تک ایک بنیادی ماخذ کی حیثیت سے معروف رہی۔ اس میں تقریباً سات سو ساٹھ خاص قسم کی دواؤں کا ذکر ہے جو مختلف بیماریوں کے لیے اس نے تجویز کیں۔ اس کے علاوہ اس کتاب میں بیماریوں کی تشخیص پر بھی خصوصی معلومات فراہم کی گئی ہیں۔

ابوبکر الرازی جو دنیائے اسلام کے عظیم طبیب تھے مختلف موضوعات پر تقریباً ایک سو دو کتب تحریر کیں۔ ان کی مشہور ترین کتاب ''المنصوری'' ہے جو انہوں نے منصور سامانی کے کہنے پر تحریر کی۔ یہ کتاب دس جلدوں پر مشتمل ہے۔ آپ کی ایک اور تصنیف ''الجدری والحصبہ'' ہے جو وبائی بیماریوں پر سب سے پہلی مبسوط کتاب ہے۔ یہ کتاب عربی اور لاطینی متن کے ساتھ 1766ء میں لندن سے بھی شائع ہوئی۔ ان کی سب سے اہم کتاب 'الحاوی' ہے جو علم العلاج اور علم الادویہ میں محققین کے لیے بڑی نفع بخش ہے۔ الرازی نے چیچک اور خسرہ کے موضوع پر بڑی کارآمد تحقیق کی اور زچہ بچہ اور گردوں کے امراض خصوصاً پتھری پر بڑی جامع کتب تحریر کیں۔ آخری عمر میں انہوں نے اپنا ہسپتال بھی قائم کیا جس کا نام بیمارستان رکھا۔

اس دور کے نامور سرجن (متوفی 1031ء) ابوالجراح الزہراوی نے کتاب ''التصریف'' لکھی جس میں سرجری کے اوزاروں کی اقسام اور ان کے استعمال کی تصویریں بنا کر تشریح کی۔ سرجری کے علم کی تشریح کے لئے مسلمان اطباء کو بڑی دشواری انسانی لاشوں اور اعضاء کے حصول کے سلسلے میں لاحق تھی مگر اس کے باوجود انہوں نے سرجری میں بھی بڑا کمال حاصل کیا۔ یوحنا بن ماسویہ انسانی لاشیں میسر نہ آنے کی وجہ سے اپنی لیبارٹری میں بندروں پر تجربات کرتا تھا۔ ابوالعباس المجوسی نے اپنی کتاب ''کامل الصناعۃ''، ابوبکر الرازی نے ''الحاوی'' اور بوعلی سینا نے ''القانون'' میں عملیات جراحی (Surgery) کا

بڑی تفصیل سے ذکر کیا ہے۔ عبداللطیف بغدادی کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ مصر کی سیاحت کے دوران مقس پہاڑ کی چوٹی پر اسے بہت سی انسانی لاشوں کے معائنہ کے مواقع میسر آئے۔ طبی تصانیف میں علی الطبر ی کی کتاب ''فردوس الحکمت''، جو 850ء میں خلیفہ متوکل کے زمانہ میں عربی زبان میں تحریر کی گئی، طب کی مستند ترین کتاب شمار کی جاتی ہے۔ علی الطبر ی پہلے عیسائی تھا جو بعد میں مسلمان ہو کر متوکل کے دربار سے منسلک ہوا اور اس کا ذاتی طبیب مقرر ہوا۔ انسانوں کے علاوہ جانوروں کے علاج معالجہ کے لیے بھی اطباء نے بہت سی کتب تحریر کیں۔ اس دور میں گھوڑوں کی بڑی اہمیت تھی اس لئے اس موضوع پر ابن ابی خرام نے جو خلیفہ معتضد کے اصطبل کا نگران تھا، گھوڑوں کی بیماریوں پر اپنی شہرہ آفاق کتاب ''فروسیہ و شیات الخیل'' تحریر کی۔ الغرض امراض، علاج امراض، تشخیص امراض، علم الادویہ اور علم جراحی یعنی سرجری کے میدان میں مسلمان اطباء نے اپنی منفرد تصنیفات اور تجربات کی بنیاد پر علم طب کو جدید خطوط پر منظم کر کے آنے والی نسلوں کے لئے تحقیق کی نئی راہیں کھول دیں۔

1.2.1.1 شفاخانوں کا قیام:

مسلمان حکمرانوں نے مریضوں کے علاج معالجہ کے لئے اپنے اپنے عہد میں بے شمار شفاخانے یعنی ہسپتال تعمیر کئے۔ اسلام کے قرن اول میں باقاعدہ طور پر جو شفاخانہ قائم ہوا وہ ولید بن عبدالملک نے دمشق میں 77ھ (707ء) میں بنوایا۔ یہ شفاخانہ درحقیقت جزامیوں کے لئے تھا جس میں ان کے لئے طعام و قیام کا بہترین انتظام تھا اور ان کو ہدایت کی گئی تھی کہ باہر آ کر تندرستوں سے نہ ملیں تھا۔ اس شفاخانہ کے لئے باقاعدہ اطباء مقرر کئے گئے تھے۔ اس شفاخانے کا سنگ بنیاد ولید نے بنفس نفیس اپنے ہاتھوں سے رکھا تھا۔

عباسی دور حکومت میں بے شمار شفاخانوں کا قیام عمل میں لایا گیا ہارون الرشید کے وزیر یحییٰ برمکی نے اپنے خرچ سے جو ہسپتال بنوایا اس کا نام بیمارستان برامکہ رکھا گیا۔ مامونی عہد میں بھی اس شعبہ کی طرف خاص توجہ دی گئی خلیفہ متوکل کے زمانہ میں مصر میں جو شفاخانہ تعمیر کیا گیا اس کا نام بیمارستان مغافر رکھا گیا۔ احمد بن طولون کے زمانہ (259ھ) میں ساٹھ ہزار دینار کے خرچ سے ہسپتالبیمارستان احمد بن طولون بنایا گیا۔ اس شفاخانہ میں بلاتخصیص امیر و غریب تمام مریضوں کا علاج کیا جاتا تھا۔ اس کی ایک خصوصیت یہ تھی کہ مریض کے ہسپتال میں داخلے کے بعد اس کے کپڑے اتروا کر ہسپتال کے کپڑے پہنا دیئے جاتے، بستر اور خوراک کا انتظام ہسپتال کے ذمہ ہوتا و صبح و شام اطباء مریض کا معائنہ کرتے تھے۔ اس ہسپتال کے علاوہ

ناگہانی حادثات کے لئے ایک الگ شفا خانہ موجود تھا۔ تیسری صدی ہجری کے اختتام سے پہلے مکہ و مدینہ میں بھی شفا خانے قائم ہو چکے تھے۔ رے، نیشاپور، بغداد اور اس کے نواح میں خلیفہ مقتدر نے متعدد شفا خانے بنائے تھے۔ ان کے علاوہ بغداد کے بیمارستان حربیہ، بیمارستان ابن الفرات، بیمارستان السیدہ، بیمارستان مقتدری اہم ہسپتال تھے۔ قیدیوں کے لئے الگ شفا خانے قائم کئے گئے۔ ان اہم ہسپتالوں کے علاوہ عباسیوں کے زمانہ زوال اور عہد صلاح الدین ایوبی تک مملکت اسلامیہ میں بے شمار شفا خانے قائم کئے گئے جو مسلمانوں حکمران کے نہ صرف سائنسی اشغال سے دلچسپی و سرپرستی کی دلیل ہے بلکہ عوام کی صحت و تندرستی کے لئے ان کے قابل قدر کارناموں کی جیتی جاگتی تصویر ہے۔ جہاں تک ان ہسپتالوں کے حسن نظام کا تعلق ہے، جرجی زیدان کا اقتباس اس کی عکاسی کے لئے کافی ہے کہ: "ان شفا خانوں میں انتہائی طور پر بہترین انتظام تھا جہاں مریضوں کا (ان کے امراض کے لحاظ سے) مختلف جماعتوں اور مرتبہ کے موافق علاج کیا جاتا تھا۔ چنانچہ ان شفا خانوں میں ہر ایک مرض کے لئے ایک علیحدہ وارڈ تھا یا مخصوص وارڈ بنائے گئے جن میں ہر، طبیب جو اس وارڈ کیلئے مخصوص کر دیا جاتا تھا چکر (راؤنڈ) لگاتا تھا اور اس کے آگے وہ تیماردار اور خدمت گزار ہوتے تھے جو شفا خانوں کی طرف سے مریضوں کی خدمت کے لئے مقرر تھے۔ طبیب مریضوں کو (کمال شفقت کیساتھ) تشفی دیتا اور ان کے لیے دوائیں تجویز کرتا تھا۔

1.2.2 علم کیمیا:

اشیاء کی خاصیت اور ماہیت کا علم، علم کیمیا کہلاتا ہے، علم کیمیا پر بنو امیہ کے عہد میں کام کا آغاز ہو چکا تھا۔ خالد بن یزید بن معاویہ کو پہلا مسلمان کیمیا دان کہا جاتا ہے، جس نے کئی یونانی اور مصری کتابوں کے ترجمے کرنے کے علاوہ کتاب "الحرارت"، "الصحیفة الصغیر"، "الصحیفة الکبیر" اور کتاب "وصیة الی ابنه فیٔ الصنعة" کے نام سے کتابیں لکھیں۔

علم کیمیا میں تجرباتی اعمال کی روایت کے بانی جابر بن حیان تھے۔ جابر نے کیمیائی تجربوں کا آغاز کر کے حقیقی معنوں میں جدید کیمسٹری کی بنیاد رکھی۔ جابر کیمیا کے تمام تجرباتی عملوں مثلاً تقطیر، تبخیر، کشید وغیرہ سے واقف تھا۔ جابر عمل تکلیس (دھاتوں کا کشتہ بنانا) سے بھی واقف تھا۔ اس نے اپنی کتاب میں چمڑا رنگنے، فولاد بنانے، دھاتوں کو صاف کرنے، موم جامہ بنانے، لوہے کو زنگ سے بچانے کے لیے اس پر وارنش کرنے، بالوں کے لیے خضاب تیار کرنے اور اسی طرح کئی چیزوں کے بنانے کے طریقے بیان کئے۔ جابر نے سلفائیڈ سے سفیدہ، سنکھیا اور کحل حاصل کرنے کے طریقے بتائے، اس نے

نباتاتی تیزابوں مثلاً تیزاب لیموں، تیزاب سرکہ اور تیزاب طرطیز کے متعلق اہم معلومات فراہم کیں۔ جابر کا سب سے اہم کارنامہ یہ ہے کہ اس نے تین معدنی تیزابوں کو دریافت کیا۔ ان تیزابوں کو اس نے پہلی بار قرع انبیق (ریٹارٹ) کی مدد سے تیار کیا۔ اس نے ماءالملوک (Acqua Ragia) بنایا۔ جابر نے علم کیمیا پر تقریباً 700 رسائل لکھے جن میں ''الخواص الکبیر''، ''الخواص الصغیر''، ''کتاب الاسرار''، ''کتاب المجر دان''، ''کتاب البروج'' اور ''کتاب الراس'' بہت مشہور ہیں۔

جابر کے بعد دوسرا عظیم کیمیا دان ابوبکر زکریا رازی ہے۔ اس نے علم کیمیا میں جابر کی تحقیقات سے فائدہ اٹھایا۔ اور اپنے تمام کیمیائی عملوں کو عام فہم زبان میں بیان کیا۔ اس نے علم کیمیا پر 26 کتابیں لکھیں۔ رازی نے اپنی کتاب ''الاسرار'' میں کیمیاوی عملیات پر تجرباتی بنیادوں کی روشنی میں بحث کی ہے۔ مختلف معادن سے کیمیاوی مرکبات تیار کرنے کے عمل تکلیس، تشمیع، تحلیل، تصعید، تقطیر، تحقیہ، استنزال، شوی، طبخ، تملغم وغیرہ کے طریقے بتائے۔ اس نے سوڈیم کاربونیٹ کو پوٹاشیم کاربونیٹ سے الگ کیا۔ رازی نے ان تجرباتی عملوں کیلئے آلات تیار کئے اور ان آلات کی تشریح بھی کی جو کیمیا میں استعمال ہوتے ہیں۔ اس نے بہت سی اشیاء کا وزن مخصوص معلوم کیا۔ اس مقصد کے لیے ایک خاص قسم کا ترازو ''میزان طبعی'' بنایا۔ کیمیا میں رازی نے کئی کتابیں تصنیف کیں جن میں ''صفتہ الکیمیا''، ''کتاب الاسرار'' اور ''کتاب الامجاز'' نہایت اہم ہیں۔

بوعلی سینا نے کیمیا میں بھی بہت سی گرانقدر خدمات انجام دی ہیں۔ اس کی کتاب ''الشفاء'' فلسفہ، طبیعات، ریاضی، اور کیمیا پر مبنی ہے۔ ابن سینا نے بہت سی کیمیاوی ایجادات بھی کیں جن میں اہم آب نقرہ (چاندی کا پانی یا ملمع)، آب زر (ایسڈ آف نائٹروسیڈ اور کلوریٹ) پوٹاش، روح نوشادر، نمک نوشادر اور زیت الزاج (پھٹکری کا جوہر اس کا پانی اور روغن) ہیں۔ ابن سینا نے معدنی اشیاء کو چار گروہوں میں تقسیم کیا یعنی پتھر، پگھلنے والی اشیاء، آتش گیر مادے اور نمکیات۔

یعقوب کندی کا شمار بھی عہد عباسیہ کے نامور کیمیا دانوں میں ہوتا ہے۔ اس نے کیمیا عطر پر ایک رسالہ لکھا جس میں عطر کشید کرنے کے طریقے بیان کئے۔ اس نے ایک رسالہ رنگ سازی اور رنگ ریزی پر لکھا۔ ایک رسالہ ایسے فولاد پر لکھا جسے تلوار پر چڑھا کر اس سے دندانے نہیں پڑتے۔

ان کیمیا دانوں کے علاوہ بنوعباس کے عہد میں اصطفن، ابونصر فارابی، ابومنصور، موفق، طغرائی اور ذوالنون مصری عظیم کیمیا دان شمار کئے جاتے ہیں۔

OOOOOOOOOOOOOOOOOOOOOOOOOOOOOOOOOOOOOOOOOOOOOOOOOOOO

1.2.3 علم طبیعات:

علم طبیعات وہ علم ہے جس میں مادے، توانائی اور ان کے باہمی تعلق کا مطالعہ کیا جاتا ہے۔ اس علم کے کئی شعبے ہیں۔ مثلاً میکانیات (مشینوں اور آلات کا علم)، حرکیات، بصریات وغیرہ۔ علم طبیعات کا وجود بھی قدیم یونان میں پایا جاتا تھا۔ ارسطو نے طبیعات پر ایک کتاب بھی لکھی، مگر اس سلسلے میں اس نے کوئی تجربہ نہیں کیا۔

مسلمانوں نے عہد بنو عباس میں اس شعبہ سائنس میں بڑا کمال حاصل کیا اور بہت سی چیزیں دریافت کیں۔ انہوں نے کئی کتابیں لکھیں اور تجربات کیے۔ مامون کے عہد میں حقیقی علم طبیعات کی بنیاد پڑی اور روشنی، کسوف و خسوف، اور خواص اشیاء پر کتابیں لکھی گئیں۔ معدن پگھلانے کے آلات دریافت ہوئے، جرثقل کے قوانین پر روشنی ڈالی گئیں۔ سمندروں، پہاڑوں کے ذخائر پر بحث کی گئی۔

1.2.3.1 عہد عباسیہ کے مشہور ماہر طبیعات:

الف) ابن الهيثم:

علم طبیعات میں سب سے بڑا نام ابن الهيثم کا ہے۔ اس نے طبیعات میں چوالیس کتابیں تصنیف کیں جن میں "کتاب المناظر" کو سب سے زیادہ شہرت نصیب ہوئی اس کتاب میں آنکھ کی ساخت، انعطاف، نور، فضا میں انعطاف نور، کہکشاں، اور قوس وقزح کے موضوعات شامل ہیں۔ ابن الهيثم نے آنکھ کی بناوٹ کی تشریح کی اور اس کے مختلف حصوں اور کام کے بارے میں بتایا۔ چاند گرہن اور سورج گرہن پر بھی تحقیقات کیں۔ سورج گرہن کے وقت آفتاب کے جو حالات اور نیم دائرہ شکلیں بن جاتی ہیں، ان کا عکس اس نے کھڑکیوں کے پردوں میں سوراخ کر کے سامنے دیوار پر لیا۔

ابن الهيثم نے روشنی کے بارے میں کئی قوانین دریافت کئے اور تجربوں سے ان کے ثبوت فراہم کئے، ان میں سے دو قوانین جو آج بھی تسلیم کئے جاتے ہیں یہ ہیں:

1۔ شعاع واقع، عمودی خط اور شعاع منعکس تینوں ایک ہی سطح میں پائے جاتے ہیں۔

2۔ شعاع واقع اور شعاع منعکس عمودی خط کے ساتھ مساوی زاویے بناتے ہیں۔

ب) البیرونی:

فزکس کا موضوع البیرونی کی توجہات کا مرکز رہا، انہوں نے روشنی کے بارے میں یہ انکشاف کیا کہ روشنی کی رفتار آواز کی رفتار کے مقابلے میں تیز ہوتی ہے۔ البیرونی نے پانی کو موضوع تحقیق بنایا اور فوارے میں پانی چڑھ آنے، سطح آب کے ہموار ہونے اور گہرائی کے ساتھ ساتھ پانی کے دباؤ میں اضافہ ہونے کی سائنسی توجیہات پیش کر کے ماسکونیات (Hydrostaitsties) کی بنیاد رکھی۔ البیرونی کا ایک کارنامہ یہ ہے کہ اس نے آٹھ قیمتی پتھروں اور دھاتوں کا وزن مخصوص تقریباً صحیح متعین کیا اور اس موضوع پر ایک رسالہ ''حجریات'' لکھا۔ اس نے قدرتی، تجارتی اور طبعی نقطۂ نظر سے بے شمار دھاتوں کے حالات لکھے۔

ج) ابوبکر زکریا رازی:

ابوبکر زکریا رازی کے بارے میں آپ پہلے بھی پڑھ چکے ہیں۔ انہوں نے فزکس کے عنوانات، مادہ، حرکت، مکان، زمان، مناظر اور بصریات پر کتابیں تصنیف کیں۔ رازی نے مختلف اشیاء کی باہمی کشش اور کشش ثقل کو اپنی کتابوں میں موضوع بحث بنایا۔ وہ پہلے سائنس دان ہیں جنہوں نے انکشاف کیا کہ زمین باہمی کشش کے سہارے فضا میں معلق ہے۔

د) ابن سینا:

ابن سینا نے معدنیات اور مستحجرات پر قلم اٹھایا۔ پہاڑوں کی ساخت واضح طور پر بیان کی اور پہاڑوں، پتھروں، دھاتوں اور دیگر معدنی اشیاء کی خاصیتوں پر روشنی ڈالی۔ حرکت، اتصال، قوت اور نور کا مطالعہ کیا۔ انہوں نے طبیعات پر ''رسالہ فی الطبیعات'' ''رسالہ الاجرام السماویہ'' اور رسالہ ''فی القوت الانسانیہ و ادار'' تحریر کئے۔

ھ) جمعیت اخوان الصفا:

اخوان الصفا فلسفیوں کی ایک خفیہ جماعت تھی جو عراق میں قائم ہوئی۔ بنوعباس کے عہد میں یہ جماعت بھی مصروف عمل نظر آتی ہے۔ اس انجمن کا مقصد فلسفہ کی اشاعت اور ترقی تھا، اس نے ایک دائرۃ المعارف مرتب کیا جو 52 رسائل پر

مشتمل تھا۔ اس میں 17 رسائل طبیعات پر مبنی ہیں جن میں مد و جزر، مناظر اور عناصر کی تفصیل درج ہے۔

عہد عباسیہ میں طبیعات کی ایک شاخ میکانیات میں بھی بہت کام ہوا۔ شمسی اور آبی گھڑیاں تیار ہوئیں، قطب نما اور بارود بنائے گئے۔ میکانیات میں سب سے پہلا نام احمد بن موسیٰ بن شاکر کا ہے جس نے نویں صدی عیسوی میں ایسی مشینیں ایجاد کیں کہ عقل دھنگ رہ جاتی ہے۔

1.2.4 علم ہیئت وفلکیات:

علم ہیئت وفلکیات میں فلکی اجسام، سورج، چاند، ستاروں اور سیاروں کے بارے میں مطالعہ کیا جاتا ہے۔ عربوں میں زمانہ جاہلیت میں علم نجوم سے کسی حد تک شغف پایا جاتا تھا لیکن ان کے ہاں نہ تو فلکیات کے منظم مطالعے کا کوئی اہتمام تھا نہ تصور۔ مسلمانوں میں علم ہیئت وفلکیات کی باقاعدہ ابتدا عباسی خلیفہ ابوجعفر منصور کے عہد میں ہوئی۔ اس نے جب بغداد کی بنیاد رکھی تو شہر کا خاکہ خالد بن برمک، ماہر علم ہیئت نو وقت ایرانی اور ایک یہودی ما شاء اللہ کے زیر ہدایت تیار ہوا۔

مامون الرشید کے عہد میں اس علم کو خوب ترقی حاصل ہوئی۔ اس کے عہد میں یونانی اور ہندی کتب ہیئت کے تراجم کیے گئے۔ بغداد کے محلّہ شماسیہ میں شاہی حکم کے مطابق نومسلم انجینئر ابوطیب سند بن علی (متوفی ۲۲۴ھ) کی سرپرستی میں ایک رصدگاہ تعمیر کی گئی۔ مامون ہی کے عہد میں دمشق کے جبل قاسیون پر ایک اور رصدگاہ کا قیام عمل میں آیا جس کے سربراہ حکیم یحییٰ بن منصور (متوفی ۲۱۴ھ) مقرر کیے گئے۔ ان دو رصدگاہوں کے علاوہ بغداد کے تین ماہر ہیئت بھائیوں احمد بن موسیٰ بن شاکر، محمد بن موسیٰ بن شاکر اور حسن بن موسیٰ بن شاکر نے دریائے دجلہ کے کنارے باب الطاق میں اپنے مکان کے اندر ایک رصدگاہ قائم کر رکھی تھی۔ چوتھی صدی ہجری میں سلطان شرف الدولہ نے بغداد میں ایک رصدگاہ تعمیر کرائی جس میں عبدالرحمان الصوفی (متوفی ۳۸۶ھ) ابوالوفا محمد بن احمد البوزجانی (۳۸۸ھ) اور احمد الصاغانی (۳۷۹ھ) کام کرتے تھے۔

سلجوقی سلاطین میں جلال الدین ملک شاہ (485ھ) نے رے میں ایک رصدگاہ بنوائی جس میں عمر خیام کی نگرانی میں فلکیات پر تحقیق کی جاتی تھی۔ 863ھ میں تیموری شہزادے الغ بیگ نے سمرقند میں ایک رصدگاہ قائم کی جس میں قاضی زادہ رومی اور الکاشی جیسے عظیم سائنس دان کام کرتے تھے۔ سمرقند کی رصدگاہ کی پیروی عالم اسلام کے دوسرے شہروں میں بھی

کی گئی اور صرف ہندوستان میں جے پور، اجین، دہلی، متھر ا اور بنارس میں پانچ رصد گاہوں کا قیام عمل میں آیا۔ مسلمانوں نے آخری اہم رصد گاہ استنبول میں قائم کی جو 983ھ اور 985ھ کے درمیان تعمیر ہوئی۔ ان بڑی رصد گاہوں کے علاوہ اسلامی دنیا کے مختلف شہروں میں چھوٹی چھوٹی رصد گاہیں تھیں، جہاں ماہرین فلکیات کام کرتے تھے۔

علم ہیئت مسلمانوں نے جن قوموں سے اخذ کیا تھا ان کے یہاں اس کی حیثیت زیادہ تر نظری علم کی تھی یونانی کے علم کا ہر طرف شہرہ تھا لیکن افلاک ونجوم کا مشاہدہ کرنے کے لیے ان کے پاس معمولی آلات تھے۔ مسلمانوں نے سب سے پہلے آلات سازی، آلات کی تنصیب اور ان کے استعمال کی طرف توجہ دے کر ہیئت کو سائنسی بنیادوں پر کھڑا کیا۔ الفرازی پہلے شخص ہیں جنہوں نے اصطرلاب تیار کیا۔ محمد بن موسیٰ الخوارزمی نے اصطرلاب اور اصطرلاب سازی کے موضوع پر دو کتابیں قلم بند کیں۔ جابر بن سنان نے رصد کا ایسا آلہ ایجاد کیا، جس سے زاویوں کی پیمائش منٹوں تک کی جاسکتی تھی۔ اس آلے کو کرد ی اصطرلاب (Spherical Astrolabe) کا نام دیا گیا۔

اصطرلاب کے فن پر مختلف علماء نے تحقیقات کیں۔ اس کی سب سے ترقی یافتہ شکل الزرقالی نے ایجاد کی جس کا نام صحیفہ زرقالیہ پڑا۔ صحیفہ زرقالیہ کی ایجاد علم ہیئت میں بجائے خود ایک ایسا کارنامہ تھا جو مشرق ومغرب کی فلکیاتی تاریخ میں موضوع بحث بن گیا۔ علی بن عیسیٰ الاصطرلابی نے ایک اور آلہ سدس (Sextant) ایجاد کیا جس سے کم سے کم فاصلہ کی پیمائش کی جاسکتی تھی۔ اس کے علاوہ مسلمانوں نے ثالث (Triquetrum) اور تکونی آلے، عکس ساز آلے، آنکھ کے پیمانے، مزولے (Quardrant) اور زاویہ گیر (Dioptra) بنائے، صحیح اور درست پیمائش کیلئے ابن سینا نے آج کے ورنیر کی طرح ایک آلہ تیار کیا۔ وقت کی پیمائش کے لیے مسلمانوں نے کئی طرح کی گھڑیاں ایجاد کیں اور گھڑی میں پنڈولم کا استعمال سب سے پہلے انہوں نے ہی کیا۔

افلاک اور اجرام سماوی کو سمجھنے اور سمجھانے کے لیے انہوں نے آسمانی گلوب تیار کیے جن میں ستاروں کے جھرمٹ متناسب حجم کے ساتھ دکھائے جاتے تھے۔ ول دوران ایک آسمانی کرے کا ذکر اس طرح کرتے ہیں:

''1081ء میں ابراہیم السعدی نے معلومات کے مطابق قدیم ترین آسمانی گلوب بنایا۔ پیتل کے اس کرے کا قطر 209 ملی میٹر تھا۔ اس کی سطح پر ستاروں کے 47 جھرمٹ کندہ کرائے گئے تھے، جن میں 1015 ستارے ان کے حجم کے تناسب سے دکھائے گئے تھے''۔

فلکیات کے شعبے میں محمد بن جابر البتانی کی خدمات اور دریافتیں بہت اہم ہیں۔انہوں نے اپنے مشاہدات کی روشنی میں مشہور یونانی ہیئت دان بطلیموس کی غلطیوں کی نشان دہی کر کے ان کی تصحیح کی اور ان کے بتائے گئے غلط تخمینوں کی جگہ درست اور صحیح یا کم از کم آج کی تسلیم شدہ مقداروں سے بڑی حد تک قریب قیمتیں دریافت کیں۔ فرانس کے ایک سائنس دان Lalande (1807ء) نے البتانی کو تاریخ عالم کے ان بیس سرکردہ ہیئت دانوں میں رکھا جو فلکیات کے امام گزرے ہیں۔

مسلمانوں کے فلکیاتی کارنامے تذکرہ نگاری میں دب کر رہ گئے ہیں۔عام طور پر مسلم سائنس دانوں کے سوانحی تذکروں کو ان کے کارناموں کی بہ نسبت زیادہ توجہ دی جاتی ہے اور ان کے علمی انکشافات اور ایجادات علمی انداز میں پیش نہیں کیے جاتے۔یورپ اور امریکہ کے مصنفین نے مسلم سائنسدانوں کے ایسے انکشافات کا ذکر کیا ہے جن سے مسلمان بے خبر ہیں۔ہیئت کا میدان بھی ایسے انکشافات اور علمی خدمات سے خالی نہیں ہے جو مسلمانوں کا طرہ امتیاز ہیں۔ان میں سے چند ایک یہ ہیں۔

1) مسلم سائنسدانوں نے زمین کا صحیح محیط معلوم کرنے کی کوشش کی۔عہد عباسی میں خلیفہ مامون الرشید نے الفرغانی اور ان کے ہم کار سائنسدانوں کو حکم دیا کہ بطلیموس کے افکار کو تجربے اور مشاہدے کی کسوٹی پر پرکھا جائے اور زمین کا محیط معلوم کیا جائے۔چنانچہ مسلم سائنسدانوں نے زمین کی دو مرتبہ الگ الگ طریقوں سے پیمائش کی۔پیمائش کے بعد الفرغانی نے حساب لگایا تو زمین کا محیط 25009 میل نکلا جبکہ زمین کا اصلی محیط 24858 میل ہے۔ان کے بعد البیرونی نے زمین کا محیط دریافت کرنے کی کوشش کی جو الفراغانی کے مقابلے میں زیادہ بارآور ثابت ہوئی۔البیرونی کا معلوم کیا ہوا محیط 24779 تھا۔الفرغانی کے بتائے گئے محیط میں صرف 151 میل کا فرق ہے اور البیرونی کے معلوم کیے گئے محیط اور آج کے محیط میں یہ فرق گھٹ کر محض 79 میل رہ جاتا ہے۔

2) فلکیات میں مسلمانوں کی ایک قابل قدر خدمت یہ ہے کہ انہوں نے دائرۃ البروج کے انحراف کی وہ مقدار معلوم کی جو یونانیوں کی دریافت کی ہوئی مقدار سے زیادہ صحیح اور حقیقت حال کے مطابق ہے۔مسلم ہیئت دانوں نے اس سلسلے میں جو کوشش کی ہیں ان کی تفصیل ڈریپر نے اس طرح دی ہے۔

A.D 830. Almaimo	(المامون)	23	35	52"
"879Albategnius at Aracte	(البتانی بمقام رقہ)	23	35	00"
987Abul Wefa,at Bagdad	(ابوالوفاء بمقام بغداد)	23	35	00"
995 Aboul Rihan	(ابوریحان البیرونی)	23	35	00"
1080 Arzachael	(الزرقالی)	23	34	00"

مامون الرشید کی دریافت کرائی گئی مقدار میں 52 سیکنڈ کا اضافہ اور الزرقالی کی بتائی گئی قیمت میں اصل قیمت سے ایک منٹ کم ہے۔ البتانی، ابوالوفاء بوز جانی اور البرونی کی دریافت کی ہوئی مقداریں درست اور صحیح ہیں۔ ان کے علاوہ ابن یونس نے انحراف دائرۃ البرج کی مقدار 32.25 دریافت کی تھی انہیں شامل کیا جا۔ئےتو دستیاب شواہد کی حد تک چار مسلم ماہرین فلکیات ایسے ہوئے ہیں جن کی معلوم کی ہوئی قیمتیں درست ہیں۔

3) سیاروں کی سالانہ حرکات کا موضوع بھی مسلمانوں کی توجہ کا مرکز رہا ہے۔ سمرقند کی رصدگاہ میں تیار کی گئی فلکیات زیج جرجانی (زیج گورگانی) جو الغ بیگ کے زمانے میں مرتب کی گئی، اس موضوع پر حیرت انگیز نتائج سامنے لاتی ہے۔ الغ بیگ کے نام (لقب گورگان) سے معنون اس فلکیاتی جدول میں مسلم سائنسدانوں کی ذہنی صلاحیتوں کا قابل لحاظ مظاہرہ ہوا ہے۔ زیج میں پانچ روشن سیاروں کی سالانہ حرکات کی مقداریں اور جدید دور کی قیمتیں چند سیکنڈوں کے فرق کے ساتھ اتنی مطابقت رکھتی ہیں کہ عقل دنگ رہ جاتی ہے۔ الغ بیگ کے زمانے کی دریافت کردہ قیمتوں اور آج کے دور کی معلوم کی ہوئی قیمتوں کا موازنہ ذیل میں دیا جاتا ہے۔ جدید دور کی قیمتیں دو مشہور ہیئت دانوں Alembert اور Lalande نے معلوم کی ہیں۔

نام سیارہ	الغ بیگ کی دریافت کردہ مقداریں	اصل مقدار	ہیئت داں جس نے اصل قیمت معلوم کی
زحل	12 13 39"	12 13 36"	d.Alembert
مشتری	30 20 34"	30 20 31"	d.Alembert
مریخ	191 17 15"	191 17 31"	Lalande
زہرہ	22 4 17 32"	22 4 17 30"	Lalande
عطارد	53 43 13"	53 43 3"	Lalande

زحل، مشتری، مریخ، اور زہرہ کی سالانہ حرکات کی جو مقداریں الغ بیگ اور ان کے سائنس دانوں نے دریافت کی ہیں، ان میں اور جدید دور کی قیمتوں میں بالترتیب 2,5,3,3 سیکنڈوں کا فرق ہے۔ گویا چاروں سیاروں کے متعلق قیمتوں میں زیادہ سے زیادہ فرق پانچ سیکنڈ ہے۔ ان میں سے دو سیاروں کی قیمتوں میں یہ فرق گھٹ کر صرف 3 سیکنڈ اور ایک کی قیمتوں میں مزید گھٹ کر صرف 2 سیکنڈ رہ جاتا ہے۔ عطارد سیاروں میں زیادہ تیز رفتاری سے گردش کرتا ہے جس سے مشاہدے میں غلطی کا امکان زیادہ رہتا ہے، اس لیے یہ فرق بڑھ کر دس سیکنڈ ہو گیا ہے۔

4) فلکیات میں مسلمانوں کا ایک کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے شمسی سال کا ایسا کیلنڈر تیار کیا جو مروجہ گریگورین کیلنڈر سے بھی بہتر ہے۔ مسلمانوں نے شمسی سال کا طول مدت معلوم کرنے کی پہلی کوشش مامون الرشید کے عہد میں کی تھی۔ اس کے بعد تیسری صدی ہجری میں البتانی نے سال کی لمبائی معلوم کی۔ ان کی دریافت کردہ مدت یونانیوں کی بتائی گئی مدت کے مقابلے میں آج کی تسلیم شدہ مدت سے قریب تر ہے۔ جلال الدین ملک شاہ کے عہد میں عظیم ہیئت داں اور ماہر ریاضی عمر خیام نے تاریخ جلالی کے نام سے ایک کیلنڈر تیار کیا۔ انہوں نے تحقیق و مشاہدے کے بعد شمسی سال کی اوسط طول مدت معلوم کی جو جدید طرز بیان کے مطابق 365.2424 دن قرار پائی۔ مروجہ گریگورین کیلنڈر میں جسے ہم سن عیسوی کہتے ہیں، یہ اوسط مدت 365.2425 دن ہے جبکہ شمسی سال کی اصل طول مدت 365.2424 دن ہی ہے۔ آج کے مروجہ

کیلنڈر میں اصل کیلنڈر (شمسی سال) سے 0.0003 دن کی زیادتی ہے جو 3333 برسوں میں جمع ہو کر ایک دن بن جاتی ہے جس سے تاریخ میں ایک دن کا فرق پڑے گا۔ اس کے برعکس خیام نے جو کیلنڈر تیار کیا وہ آج کے کیلنڈر سے اس بنا پر بہتر ہے کہ اس میں اصلی شمسی سال سے جو سورج کی سالانہ گردش کی تکمیل پر منحصر ہوتا ہے، صرف 0.0002 دن کی زیادتی ہے جو پانچ ہزار برسوں میں ایک دن بنتی ہے۔ گویا مروجہ گریگورین کیلنڈر میں ایک دن کا فرق 3333 برسوں کے بعد پڑے گا جبکہ خیام کیلنڈر میں ایک دن بدلنے کی ضرورت 5000 سال بعد پڑے گی۔

جدید کیلنڈر کے ارتقاء کے ماہر کیلوئیس (calvius) کا بیان ہے کہ کوپرنکس وہ پہلے شخص ہیں جنھوں نے سال کی بالکل صحیح مدت دریافت کی۔ مگر موصوف کا یہ بیان صحیح نہیں ہے۔ کوپرنکس نے پاپائے روم کی ایماء پر کیلنڈر کی درستی کے لیے چند اصلاحات تجویز کیں اور سال کی درست مدت معلوم کرنے کی کوشش کی مگر انہیں وہ کامیابی نصیب نہیں ہوئی جو ان سے چار سو سال پہلے عمر خیام کے حصے میں آئی۔ بعد کے سائنسدانوں نے واضح کر دیا۔ کہ سال کے طول اوسط میں کوپرنکس سے اٹھائیس (سیکنڈ) کی غلطی ہوئی ہے جب کہ خیام کی دریافت سال کے اصلی طول اوسط سے صرف 11.3 سیکنڈ زیادہ ہے۔ خیام کی اس قابل داد ہنر مندی کا اعتراف عیسائی مؤرخین اور مستشرقین نے بھی کیا ہے۔

1.2.5 علم ریاضی:

عہد بنو عباس میں تمام ہیئت دان ریاضی دان بھی ہوتے تھے۔ علم ریاضی میں مسلمانوں نے یونانی علم سے استفادہ کیا، مگر زیادہ معلومات ہندوؤں سے حاصل کر کے انہیں عربی میں ڈھالا گیا۔ آئے اس بات کا جائزہ لیتے ہیں کہ علم ریاضی میں عہد عباسیہ میں کیا ترقی ہوئی۔

1.2.5.1 عہد عباسیہ کے مشہور ریاضی دان:

ریاضی اور اس سے متعلقہ تمام علوم میں بہت سے ماہرین کے نام سامنے آتے ہیں جنھوں نے بے شمار خدمات سرانجام دیں۔

الف) محمد بن موسیٰ الخوارزمی:

خوارزمی مامون الرشید کے زمانے کا ایک نامور ریاضی دان تھا۔اس نے الجبرا پر کتاب ''المختصر من حساب الجبر والمقابلہ'' تصنیف کی جس میں اس نے الجبرے کو ایک الگ اور مستقل سائنس کی حیثیت سے پیش کیا۔ریاضی اور اس کی شاخوں حساب اور جبر و مقابلہ (ایک قسم کا حساب جس میں اعداد کی بجائے حروف استعمال کئے جاتے ہیں) پر خوارزمی کی تصانیف تاریخی حیثیت رکھتی ہیں۔اس نے الجبرے کے متعدد سوالات کو جیومیٹری کی اشکال سے واضح کیا۔اس نے صفر کا استعمال رائج کیا، جبکہ اس سے پہلے صفر کی جگہ خالی چھوڑ دی جاتی تھی۔بعد میں اس خلا کو پر کرنے کے لیے دائرہ یا نقطہ استعمال کیا جانے لگا۔ہندی کتب ریاضیات میں 400ء کے لگ بھگ صفر کا استعمال ہوا۔وارزمی نے اس کو اکائی دھائی کے نظام پر رائج کر کے رقوم نویسی میں قابل قدر اصلاح کی۔

ب) البیرونی:

البیرونی نے ریاضی میں ہندسوی سلسلے جمع کرنے کا طریقہ رائج کیا۔ریاضی اور ہیئت اس کے خاص مضامین تھے۔اس سلسلے میں اس نے یونانی اور ہندی ریاضی دونوں سے استفادہ کیا۔اس نے ''تعبیر المیز ان لتقدیر الازھان'' نامی ایک ترازو بنایا جس کے ذریعے اوقات معلوم کرنے کا طریقہ دریافت کیا۔اس کی کتابیں ''تفہیم'' اور ''قانون مسعودی'' بہت مشہور ہیں۔''قانون مسعودی'' اپنے مضامین کے اعتبار سے ہیئت و ریاضی کا ایک فنی انسائیکلو پیڈیا ہے۔

ج) ابوالوفا بورجانی:

بورجانی کا شمار نامور سائنسدانوں میں ہوتا ہے۔جو علم المثلثات کے اولین موجدوں میں سے ہیں۔انہوں نے پرکار کے ایک ہی پھیلاؤ سے ہندسی مسائل کو حل کیا ہے۔

د) محمد بن موسی بن شاکر:

علم الہندسہ ریاضیات کے اس علم کا نام ہے جسے جیومیٹری کہتے ہیں، اس علم میں موسی بن شاکر اور اس کے تینوں

بیٹوں محمد، احمد، اور حسن نے بڑا کمال حاصل کیا ۔ محمد بن موسیٰ نے مرکز اثقال، ہندسہ، ساخت مخروطات پر بہت سی کتابیں لکھیں۔ ان میں سے سب سے اہم تصنیف ''معرفۃ المساحت الاشکال البسیط والکریہ'' اور جس میں جیومیٹری کے مسائل پر خالص ہندی نقطۂ نظر سے بحث کی گئی ہے۔ علم ریاضی کی یہ پہلی کتاب ہے جس میں رقبہ اور حجم نکالنے کا یونانی قاعدہ دائرے اور کرے کی پیائش کیلئے استعمال ہوا ہے۔ اس نے ایک اعلیٰ قسم کا کیمیائی تراز وایجاد کیا جس کی ساخت پر ایک رسالہ بھی لکھا۔

ر) عمر خیام:

عمر خیام کا تعلق بھی عباسی دور سے ہے۔ یہ اپنے عہد کا دنیا کا سب سے بڑا ریاضی دان تھا، اس نے الجبرا کے موضوع پر ایک کتاب ''جبر و مقابلہ'' لکھی۔ الجبرے میں اس نے خوارزمی کی پیروی کی اور اس میں مزید اضافہ کر کے جدید الجبرے کی بنیاد رکھی۔ اس نے الجبرے کی مساواتوں کو جیومیٹری کی اشکال سے ثابت کیا اور مساوات مکعب کا حل بتایا۔

ان نامور ریاضی دانوں کے علاوہ البطانی، جابر بن رقیہ، ابوالکامل، شجاع بن اسلم، ابراہیم بن سنان، قسطا بن لوتا، غیاث الدین الکاشی اور المار دینی کا شمار بھی عباسی دور کے بڑے ریاضی دانوں میں ہوتا ہے۔

1.2.6 علم جغرافیہ:

علم جغرافیہ سے مراد وہ علم ہے جس میں زمین کی اقالیم میں تقسیم، پہاڑوں، دریاؤں، اور سکان ارضی سے بحث کی جائے اور طول بلد وعرض بلد کا تعین کیا جائے نیز سمندروں، صحراؤں، اور جنگلات کے احوال معلوم کئے جائیں۔

انسان نے جب سے زمین پر سیر وتفریح کا آغاز کیا ہے اسے اس امر سے دلچسپی رہی ہے کہ وہ بعد مسافت کا تعین کرے۔ مختلف علاقوں کے طبعی اختلافات کا جائزہ لے کر کسی بھی جگہ کے محل وقوع، آب ہوا، پیداوار، پہاڑوں، دریاؤں اور جنگلوں کی تفصیلات سے آگاہ ہو۔ مسلمانوں میں تسخیر عالم کا شوق، حج بیت اللہ کی عظمت وتقدس، جہت قبلہ کا تعین ایسے امور ہیں جن کے باعث مسلمانوں نے دوسرے علوم کی طرح جغرافیہ کو بھی اپنی تحقیقات کی آماج گاہ بنایا۔

مامون الرشید نے اپنے عہد حکومت میں 69 سائنسدانوں کو جغرافیائی تحقیقات اور دنیا کے نقشے کی ترتیب وتدوین پر مقرر کیا تھا۔ ان کی تحقیقات سے حاصل ہونے والے مواد کی بنیاد پر محمد بن موسیٰ الخوارزمی نے عربی میں جغرافیہ کی پہلی کتاب

''صورۃ الارض'' کے نام سے لکھی، جس کے ساتھ ایک نقشہ بھی تھا۔ اس کے بعد خلیفہ مامون الرشید کے حکم سے ڈاک اور پرچہ نویسی کے منتظم نے تیسرے صدی ہجری (نویں صدی عیسوی) میں جغرافیہ کے موضوع پر ''المسالک والممالک'' کے عنوان سے ایک کتاب لکھی، ڈاک کا یہ ناظم جغرافیہ دان ابن حرداذبہ (المتوفی 300ھ) تھا جسے مسلم جغرافیہ کا باوا آدم مانا جاتا ہے۔ تیسری صدی ہجری کے نصف آخر میں احمد بن اسحٰق ابی یعقوب بن واضح الکاتب الیعقوبی (المتوفی 283ھ) نے ''کتاب البلدان'' تصنیف کی۔ یعقوبی کے بعد ابن رستہ (المتوفی 310ھ) نے ''الاعلاق النفیسۃ'' اور ابن الفقیہ الہمدانی نے ''کتاب البلدان'' ہی کے عنوان سے ایک کتاب لکھی۔ چوتھی صدی ہجری کے ربع اول میں قدامہ بن جعفر الکاتب (المتوفی 310ھ) نے ''کتاب الخراج وصنعۃ الکتاب'' تحریر کی، جس میں انہوں نے گیارہویں باب کے ذیل میں راستوں، ڈاک کی منزلوں اور سرحدوں کی تفصیل دی ہے۔ تقریباً اسی زمانے میں مشہور مورخ ابوالحسن علی بن حسین المسعودی نے اپنا سفرنامہ ''کتاب القضا والتجارب'' کے نام سے تیار کیا، جس میں مصنف نے چشم دید واقعات ومشاہدات اور تجربات کی بنیاد پر وسیع اور اہم جغرافیائی مواد پیش کیا۔ ان کی دوسری کتابوں ''مروج الذہب ومعادن الجواہر'' اور ''التنبیہ والاشراف'' میں بھی ان کی سیاحت کے حالات ملتے ہیں۔

مسلم جغرافیہ نگاری میں بلخ کے مکتب فکر کو اس لحاظ سے بڑی اہمیت حاصل ہے کہ اس میں اسلامی رنگ نمایاں ہو کر سامنے آیا ہے۔ یہ مکتب فکر ابوزید احمد بن سہیل بلخی (المتوفی 322ھ) کے نام پر دبستان بلخ کہلاتا ہے۔ آپ نے ''صور الاقالیم'' کے نام سے ایک کتاب تصنیف کی جسے بنیاد بنا کر جغرافیہ دان ابواسحٰق ابراہیم بن محمد الفارسی الاصطخری نے ''المسالک والممالک'' کے عنوان سے ایک کتاب لکھی جس میں ہر ملک رنگین نقشے میں دکھایا گیا تھا۔ اصطخری کی درخواست پر ابوالقاسم محمد بن حوقل البغدادی (المتوفی (367ھ/977ء) نے ان نقشوں پر نظر ثانی کی اور ''صورۃ الارض'' کے عنوان سے ایک کتاب (366ھ/977ء) میں قلم بند کی۔ ابوریحان محمد بن احمد البیرونی نے 1030ء میں اپنی شاہکار کتاب ''تاریخ الہند'' تصنیف کی۔ اس کتاب میں وہ اہم جغرافیائی مواد پیش کیا گیا جو اس پہلے دوسری کتب میں نظر نہیں آتا۔

اندلس میں مشہور جغرافیہ داں ابوعبید عبداللہ بن عبدالعزیز نے ''معجم ما استعجم من اسماء البلاد والمواضع'' کے نام سے ایک جغرافیائی لغت تیار کی، جس میں مختلف شہروں اور جگہوں کے ناموں کی املاء پر روشنی ڈالی گئی۔ سپین کے اس عظیم جغرافیہ داں نے ایک اور کتاب بھی جغرافیہ کے موضوع پر تصنیف کی جو ''کتاب المسالک والممالک'' کے نام سے معروف ہے۔

قرونِ وسطی کے ایک مشہور جغرافیہ دان محمد بن محمد ادریسی (560ھ) نے اس فن پر اپنی شہرہ آفاق کتاب "المشتاق فی اختراق الآفاق" تحریر کی جسے یورپ کے تعلیمی اداروں میں تین سو سال تک حرف آخر کی حیثیت حاصل رہی۔

زمین کی گولائی سے مسلمان آٹھویں صدی عیسوی میں واقف ہو گئے تھے۔ ادریسی نے اسے مان کر اپنے پیش رو ہم مذہبوں کی تصدیق کی۔ جغرافیہ کے بارے میں صحیح مواد فراہم کرنے کے علاوہ ادریسی نے نقشہ کشی کے فن کو معراج کمال تک پہنچایا۔ انہوں 1154ء میں پوری دنیا کا ایک نقشہ بنایا۔ یہ نقشہ چاندی کا تھا جس میں کمال مہارت کیساتھ دنیا کے ممالک دکھائے گئے تھے۔ نقشے میں پہاڑ، دریا، اور جنگل اور وادیاں بھی دکھائی گئی تھیں۔ وہ ازیں انہوں نے چاندی کا ایک آسمانی کرہ بھی بنایا۔

اس عہد کے ایک اور جغرافیہ دان یاقوت حموی نے سیاحت کے دوران اپنے مشاہدے اور مطالعے کے ذریعے حاصل کیے گئے جغرافیائی مواد اور دوسری معلومات کو اپنی کتاب "معجم البلدان" میں قلم بند کیا ہے۔ اُن کی یہ کتاب Lestrange کے الفاظ میں جغرافیائی معلومات کا خزانہ ہے جس کی قدر و قیمت کا جتنا زیادہ اندازہ لگایا جائے اس میں کسی مبالغے کا امکان نہیں ہوگا۔

زمین کی ہیئت کے بارے میں قدیم اور مشہور عام نظریہ یہ تھا کہ زمین چپٹی ہے۔ اہل یورپ اپنے محدود علم کے مطابق نشاۃ ثانیہ تک زمین کو چپٹی مانتے تھے مگر مسلمان صرف پچاس برس کے مطالعہ سے اس نتیجے پر پہنچے کہ زمین گول ہے۔ اسی اساس پر انہوں نے جغرافیہ میں اپنے تحقیقاتی عمل کی ابتداء کی۔ مامون الرشید نے اپنے ریاضی دانوں اور ماہرین ہیئت کو حکم دیا تھا کہ وہ زمین کا سائز اور محیط متعین کریں۔ چنانچہ خط نصف النہار کے ایک قوس کی پیائش کی گئی۔ اس کے نتیجے میں ایک درجے کی لمبائی 56.2/3 میل قرار پائی جو غیر معمولی حد تک درست ہے۔ مسلم سائنسدانوں کے تخمینے اور آج کے تخمینے میں صرف آدھ میل بلکہ ڈریپر کے بیان کے مطابق صرف ایک تہائی میل کا فرق ہے۔

جغرافیہ میں مسلمانوں نے شہروں کے محل وقوع کے تعین میں عرض بلد اور طول بلد سے کام لینے کی روایت قائم کی۔

البیرونی نے ہندوستان کے مختلف شہروں کے محل وقوع کا تعین کرتے وقت ان کے عرض بلد اور طول بلد بھی دریافت کیے۔ جن میں سے گیارہ شہروں کے عرض بلد اور طول بلد آج بھی درست اور صحیح ہیں۔ ساتویں صدی ہجری میں ابن سعد (652ھ) نے "کتاب الجغرافیہ فی الاقالیم السبعة" میں مشہور شہروں اور مقامات کا محل وقوع بیان کیا۔ ان کے

بیان کیے ہوئے طول بلد اور عرض بلد آج بڑی حد تک درست ہیں، ان کے بعد ابوالفدا ء نے ''تقویم البلدان'' میں بہت سے مقامات کا طول بلد اور عرض بلد دیا ہے جو درستی اور صحت کی بناء پر قابل داد کارنامہ ہے۔ المغرب میں ابوالحسن افریقی نے بطلیموس کے جغرافیہ کی اصلاح کے لیے افریقہ کے چوالیس شہروں کا عرض بلد معلوم کیا۔

مسلم سائنسدانوں نے بطلیموس کی غلطیوں کی تصحیح کرکے علم جغرافیہ کی بہت بڑی خدمت انجام دی۔ بطلیموس نے بحر متوسط کی لمبائی 19° زیادہ قرار دی تھی، جس میں اصل لمبائی سے چار سوفرسخ کی غلطی واقع ہوگئی تھی۔ مسلمانوں نے اسے درست کرکے جو لمبائی دریافت کی وہ تقریباً اصل تخمینے کے برابر ہے۔

1.3 عہد بنی عباس کی ادبی سرگرمیاں:

ادب سے مراد زبان کا وہ علم ہے جو نحو و بیان، عروض، انشاء، اور معانی و بیان پر مشتمل ہو۔ آیئے دیکھتے ہیں کہ دیگر علوم کی طرح عہد عباسیہ میں ادب کی مختلف اصناف، نحو و بیان اور شعروادب کے میدان علم میں کیا کام ہوا۔

1.3.1 نحو و بیان:

نحو و بیان کا علم حضرت علیؓ کا ایجاد کردہ ہے۔ آپ نے اپنے ایک شاگرد ابوالاسود الدولی کو علم نحو کے کچھ اصول لکھ کر دیئے اور ان کی وضاحت اور تفصیل بھی بتائی۔ اس طرح عربی میں علم نحو کی بنیاد پڑی اور بعد ازاں یہ باقاعدہ علم کی صورت اختیار کر گیا۔ عہد بنوعباس میں بہت سے ماہرین نحو پیدا ہوئے جنہوں نے بہت شہرت حاصل کی۔ جن ماہرین نحو نے اس موضوع پر کتابیں تصنیف کیں ان میں عیسی بن عمر ثقفی ہیں۔ انہوں نے علم نحو پر ''الجامع'' اور ''المکمل'' لکھیں۔ خلیل بن احمد نے ''کتاب العین''، ''کتاب النغم''، ''کتاب العروض''، ''کتاب النقط والشکل'' اور ''کتاب الایقاع'' لکھیں

سیبویہ جن کا تعلق دوسری صدی ہجری سے ہے ایک مشہور امام نحو اور علم عروض کے بانی ہیں۔ انہوں نے کتاب ''المصادر'' لکھی۔ جو نہایت بنیادی اور اہم کتاب ہے۔ سیبویہ کے علاوہ عباسی عہد میں ماہرین نحو کے بہت سے نام ہیں۔ جن میں امام ابی زید اصمعی، زجاج، ابن السراج، الکسائی، السرخسی، ابن قتیبہ اور ابن کیسان بہت مشہور ہیں۔

1.3.2 شعروادب:

عباسی دور میں نظم ونثر دونوں میدان میں بہت زیادہ ترقی ہوئی اور عربی وفارسی دونوں زبانوں میں شعراء اور ادباء نے عظیم شاہکار تخلیق کیے۔ عربی شاعری میں ابونواس، سیف بن ابراہیم، مروان بن یوسف، متنبی اور ابوالعلامعری قابل ذکر ہیں۔ عربی نثر نویسوں میں جاحظ، ثعلبی ابوالفرج، بدیع الزماں اور حریری نے نئے نئے اسلوب اختیار کیے جو عربی فصاحت وبلاغت میں اضافہ کا باعث بنے۔ عربی زبان میں ترجمہ شدہ سب سے اولین ادبی تخلیق کلیلہ ودمنہ اسی دور سے متعلق ہے۔

عربی ادبیات کے علاوہ فارسی ادبیات کو جس قدر فروغ عباسی دور میں حاصل ہوا، کسی دور میں حاصل نہ ہو سکا۔ رودکی، فردوسی، ثنائی، ناصر خسرو، عرفی، نظامی گنجوی وغیرہ اس دور کے ممتاز ترین فارسی شعراء میں شامل کیے جاتے ہیں۔

اموی دور کی شاعری میں ہمیں سیاسی وسماجی حالات، مذہبی اختلافات وغیرہ موضوعات بکثرت ملتے ہیں۔ عہد بنوعباس میں خلیفہ مامون الرشید کے دور میں مدحیہ اور عشقیہ شاعری کو بہت فروغ نصیب ہوا جس سے عباسی دور کی شاعری میں ایک نیا اسلوب پیدا ہوا۔ اس دور میں انداز واسلوب میں غیر معمولی گہرائی پیدا ہوئی، جو عہد بنوعباس کی معاشرت، اور طرز زندگی کا نتیجہ تھی۔ عربوں کی دیہاتی زندگی، اس کی سختی اور صحرائیت کی سنگلاخی کی جگہ اب تہذیب، خوشحالی اور عیش وعشرت لے چکی تھی اور نئے طرز معاشرت، ماحول، تہذیب اور خوبصورت مناظر نے شعر وسخن میں ایک نئی لہر دوڑا دی تھی۔

ان تبدیلیوں کی وجہ سے شاعری میں فنی اعتبار سے بھی وسعت اور ترقی ہوئی اور شاعروں نے غیر مانوس الفاظ کا استعمال ترک کر دیا۔ قصیدہ نگاری میں یہ تبدیلی ہوئی کہ کھنڈروں کے ذکر سے قصیدہ کی ابتداء کے بجائے محلات اور شراب کے اوصاف بیان ہونے لگے۔ چنانچہ دور عباسیہ کی شاعری میں عیاشی، سرمستی اور بوالہوسی بھی صاف چھلکتی ہے۔ خاص طور پر ابونواس، رابعہ بن حباب، حسین الضحاک، اور مسلم بن ولید کی شاعری میں شراب، غلمان، سرمستی اور عیاشی کا ذکر بہت نمایاں ہے۔

عباسی عہد میں سیاسی مقاصد کے لئے بھی شاعری کو استعمال کیا گیا۔ اس دور میں کچھ شعراء کی ہمدردیاں علویوں کے ساتھ تھیں، لہذا وہ عقیدت میں ان کی مدح وتوصیف اور عباسی خلفاء کی ہجو لکھتے تھے۔ عباسی عہد کے ابتدائی دور میں ہی اندلس میں ایک اموی شہزادے عبدالرحمان نے اموی حکومت قائم کر لی تھی۔ ہذا اندلسی شعراء کے ذریعے عباسیوں پر سیاسی حملے کئے جاتے جس کے جواب خلفائے بنوعباس نے بھی شعراء سے عباسی خلافت کے استحقاق اور فوقیت کے لئے مدد لی۔ ہارون

الرشید کے دربار میں صرف یہی شعراء اذن شعر گوئی حاصل کر سکتے تھے۔ اس دور میں شعراء مقبول عام ہوئے اور مانے ہوئے بہترین شعراء میں شمار ہوئے۔ ہارون الرشید کے عہد میں شاعروں کی ایک جماعت بغداد میں مقیم رہتی تھی جن میں مسلم بن ولید، مروان بن ابی حفصہ، ابوالعتاہیہ اور ابونواس شامل تھے۔ ہارون جب بھی کوئی مجلس منعقد کرتا، یہ شعراء اس میں شریک ہوتے اس کے علاوہ خاص خاص تقریبات پر شعراء کا ایک گروہ بغداد آتا تھا جن میں کلثوم بن عمر، منصور، قمری اشجع سلمی وغیرہ شامل تھے۔

ہارون کی طرح مامون الرشید نے بھی شعراء کی بڑی قدر کی۔ مامون کے عہد کے مشہور شعراء میں ابراہیم صولی، اصمعی، اور صریح الغوانی ہیں۔ مامون کے بعد دوسرے عباسی خلفاء نے بھی شاعروں کو بہت عزت دی۔ اکثر خلفاء مثلاً ہارون، مامون، اور واثق اللہ خود شاعری بھی کرتے تھے۔ غرض خلفاء عباسیہ کی دلچسپی اور قدر دانی اور قوم کے نئے رجحانات نے اس عہد کی شاعری پر بہت اثر ڈالا۔

2۔ عہد بنی عباس کی سیاسی و مذہبی تحریکیں

2.1 علوی تحریک:

اموی حکومت کے خلاف علویوں اور عباسیوں نے مل کر جدوجہد کی تھی، اس وقت علوی اور ان کے حامی یہ خیال کرتے تھے کہ عباسی علویوں کے استحقاق خلافت کو تسلیم کرتے ہیں اور اموی اقتدار کے خاتمے کے بعد وہ خلافت کی باگ ڈور علویوں کے ہاتھ میں دے دیں گے۔ مگر تحریک کی کامیابی کے بعد عباسیوں نے اپنی خلافت کا اعلان کر دیا اور علوی پہلے کی طرح محروم رہے۔ چنانچہ عباسی حکومت کے قیام کے بعد علویوں نے سیاسی میدان میں قدم رکھ کر اپنے حق کے حصول کیلئے جدوجہد کا آغاز کر دیا۔

ابوجعفر المنصور کے عہد میں علویوں کی سرگرمیاں اور حصول خلافت کی جدوجہد تیز ہوئی۔ یہ جدوجہد علوی خاندان کے ایک ممتاز بزرگ محمد بن عبداللہ (نفس الزکیہ) اور ان کے بھائی ابراہیم کی بغاوت کے نتیجہ میں سامنے آئی۔ محمد بن عبداللہ اور ابراہیم بن عبداللہ نے اپنے حق کے حصول کیلئے ساتھیوں کی تعداد میں اضافہ کر لیا اور اب بہت سے لوگ ان کے ہاتھ پر

بیعت کر کے ان کے حق خلافت کو تسلیم کرنے لگے۔ منصور نے ان کے خلاف لشکر بھیجا جس سے دوران جنگ میں دونوں بھائی شہید ہو گئے۔ نفس زکیہ اور ابراہیم کی شہادت کے بعد منصور نے ان کے خاندان کے دیگر افراد کو انتقام کا نشانہ بنایا، ان کے مکانات مسمار کر دیئے، جائیدادیں ضبط کر لیں اور تمام افراد خانہ کو قید میں ڈال دیا۔ منصور کی ان سختیوں کی بناء پر علویوں کا زور تو ٹوٹ گیا، لیکن اس سے ان کے دلوں میں عباسی خلافت سے منافرت نے ایک مستقل صورت اختیار کر لی۔

علویوں کے دلوں سے اس ناخوشگواری اور عباسیوں سے نفرت کو دور کرنے کیلئے مہدی نے علویوں سے نرم پالیسی اختیار کی جس میں اس کی نرم طبیعت کو بھی دخل تھا۔ اس نے ابوجعفر کے عہد کے نظر بند علوی اور ان کے حامیوں کو رہا کر کے ان کی ضبط شدہ جائیدادیں واپس کر دیں اور یوں ان کی خوشنودی حاصل کرنے کی کوشش کی۔ وقتی طور پر وہ اس میں اس حد تک کامیاب تو ہوا کہ اس کے دور میں علوی خاموش رہے اور کوئی بغاوت نہ ہوئی لیکن یہ خاموشی دیگر تک برقرار نہ رہ سکی۔ علوی اس پالیسی کو بھی عباسیوں کی ایک چال سمجھنے لگے اور ان کی ناراضگی بدستور جاری رہی۔

عباسی خلیفہ ہادی کے دور میں علویوں میں سے حسین بن علی نے مدینہ میں خروج کیا۔ عراق کے تمام شیعان علی نے ان کے ہاتھ پر بیعت کر کے ان کے حق خلافت کو تسلیم کر لیا اور حکومت کے خلاف متحد ہو گئے۔ لیکن میدان جنگ میں عباسی طاقت سے شکست کھائی اور حسین بن علی جاں بحق ہو گئے۔

ہارون الرشید کے عہد میں نفس الزکیہ کے بھائی یحییٰ بن عبداللہ نے خروج کیا۔ ہارون نے ان کی سرکوبی کیلئے فضل بن یحییٰ برمکی کو لشکر دے کر روانہ کیا۔ فضل نے یحییٰ کو سمجھا بجھا کر صلح کیلئے آمادہ کر لیا، لیکن امان دینے کے بعد ہارون نے انہیں نظر بند کر دیا۔ اس وعدہ خلافی اور نظر بندی سے علویوں پر عباسیوں کا ایک برا تاثر قائم ہوا۔

مامون نے اپنے عہد میں ایک بار پھر مہدی کی طرح علویوں کی خوشنودی حاصل کرنے کیلئے کوشش کی۔ اس نے علوی خاندان کے ایک فرد امام علی رضا کو اپنا ولی عہد نامزد کر کے علویوں سے تعلقات خوشگوار کرنے کی ایک اہم ترین مثال پیش کی اور اپنی بیٹی کی شادی بھی ان سے کر کے اپنے تعلقات کو گھریلو رشتے جوڑ کر استوار کرنے کا قدم اٹھایا۔ بدقسمتی سے امام علی رضا کا انتقال مامون کی زندگی میں ہو گیا اور خلافت علویوں میں منتقل ہونے کا خواب ایک بار پھر ادھورا رہ گیا۔

باوجودیکہ مامون نے علویوں کے ساتھ اپنا طرز عمل اپنے پیشرو خلفاء کے مقابلہ میں بدل دیا اور ان کے ساتھ حسن اخلاق سے پیش آیا، علوی اس سے خوش نہ ہوئے، انہیں جب بھی موقع ملا شورش برپا کر دی۔ 207ھ میں عبدالرحمن بن احمدی

علوی نے یمن میں علم بغاوت بلند کیا۔ مامون نے دینار بن عبداللہ کو ان کی سرکوبی کیلئے مامور کیا، دینار نے انہیں امان دے کر اطاعت پر راضی کر لیا اور اپنے ساتھ دربار خلافت میں لے آیا۔

اس بغاوت کے بعد مامون علویوں سے اتنا بددل ہو گیا کہ انہیں مزید مراعات دینی بند کر دیں۔

خلفائے بنی عباس میں متوکل کا رویہ علویوں سے سب سے زیادہ نامناسب تھا۔ وہ علویوں کے ساتھ عداوت میں اتنا بڑھا ہوا تھا کہ ان کے ساتھ محبت رکھنے والوں کی جان و مال کو اپنے لئے مباح سمجھتا تھا۔ اس نے اپنے لڑکوں کے اتالیق کو محض اس لئے ہلاک کروا دیا کہ اس نے حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ کے ساتھ عقیدت مندی کا اظہار کیا تھا۔ علاوہ ازیں جس کسی علوی کی طرف سے مخالفت کا ذرہ بھر بھی شبہ ہوتا اسے نظر بند کرا دیتا، اس بنا پر علویوں اور عباسیوں کی پرانی عداوت پھر شدت اختیار کر گئی۔

عباسی علوی مخالفت کا نتیجہ یہ ہوا کہ علوی بار بار کی شکست کے باوجود بھی جدوجہد میں پیچھے نہ ہٹے اور آخر کار طبرستان اور جرجان کا علاقہ عباسیوں سے نکل کر علویوں کے ہاتھ آ گیا جس سے ان کا حوصلہ بڑھ گیا۔ عباسی خلیفہ معتز کے عہد میں وہ انتہائی جوش وخروش سے اٹھے اور اسمٰعیل بن یوسف علوی نے مکہ میں خروج کیا اور مکہ ومدینہ میں کامیابی حاصل کی۔ اس دور میں علویوں کو عروج ہونے لگا۔

خلیفہ معتمد بن متوکل کے عہد میں ابراہیم بن محمد نے مصر میں اور علی بن زید علوی نے کوفہ میں حکومت عباسیہ کے خلاف خروج کر کے اپنی طاقت کا اظہار کیا۔ پھر معتضد کے عہد میں محمد بن زید علوی نے خراسان کو بھی حاصل کرنے کی کوشش کی لیکن ناکامی ہوئی اور محمد بن زید قتل ہوئے۔ خلافت عباسیہ کے خلاف علوی مسلسل جدوجہد کرتے رہے۔ تا آنکہ انہوں نے اپنی آزاد حکومتیں ادریسیہ، علویہ اور فاطمیہ کر لیں۔ ان میں سے خاص طور پر فاطمی حکومت تقریباً تین سو سال تک خلافت عباسیہ کی حریف بنی رہی۔

2.2 معتزلہ:

جب اسلام عرب کی سرزمین سے نکل کر اہل عجم میں پھیلا اور اس کے ساتھ یونانی فلسفہ اور منطق کی ترویج ہوئی تو مختلف مذہبی عقائد ومسائل زیر بحث آنے لگے اور فلسفیانہ موشگافیوں کا آغاز ہوا۔ شروع شروع میں جبر وقدر کا مسئلہ علمی

مباحثہ کا سب سے اہم موضوع رہا۔ اموی دور کے آخری حصے میں فرقہ معتزلہ کی ابتداء ہوئی۔ یہ لوگ دینی عقائد کو عقل کی کسوٹی پر پرکھتے تھے اور مذہب اور فلسفہ میں مطابقت پیدا کرنے کے قائل تھے۔ انہوں نے بہت سے اختلافی مسائل میں روایتی نقطہ نگاہ سے انحراف کرتے ہوئے اپنا الگ مسلک قائم کیا۔

فرقہ معتزلہ کا بانی واصل بن عطاء (80ھ تا 131ھ) امام حسن بصری کا شاگرد تھا۔ ایک دن امام حسن بصری کے سامنے ایک مسئلہ پیش ہوا کہ جو شخص گناہ کبیرہ کا مرتکب ہو، آیا وہ کافر ہے یا مسلمان۔ واصل نے اس کا جواب دیا کہ وہ نہ کافر ہے اور نہ مسلمان بلکہ وہ ان دونوں کے درمیانی درجہ میں ہے۔ اس کے بعد واصل نے مسجد کے ایک کونہ میں الگ بیٹھ کر اپنے نقطہ نگاہ کی تشریح شروع کر دی۔ اس کے اس طرح الگ بیٹھ جانے پر امام حسن بصری نے کہا ''اعتزل عنا'' (وہ ہم سے جدا ہو گیا)۔ اسی فقرہ سے واصل کے فرقہ کا نام معتزلہ (الگ ہونے والے) پڑ گیا۔ اس فرقہ کے پیرو اپنے آپ کو ''اہل العدل و التوحید'' کہتے تھے۔

2.2.1 معتزلہ کے عقائد:

واصل بن عطاء اور اس کے ساتھی عمرو بن عبید نے یونانی فلسفہ کے زیر اثر رفتہ رفتہ بہت سے نئے عقائد وضع کئے اور اپنے بہت سے حامی بنا کر ایک فرقہ کی شکل اختیار کر لی۔ یہ وہ زمانہ تھا جب یونانی منطق کے زور سے اسلام کے عقائد و نظریات پر شدید تنقید کی جا رہی تھی۔ معتزلہ بظاہر اسلام کے دفاع کیلئے کوشاں تھے لیکن اس مقصد کے لیے انہوں نے اسلام کو اپنی عقل کے مطابق ڈھالنا شروع کر دیا معتزلہ کے عقائد کا خلاصہ درج ذیل ہے:

1۔ معتزلہ عقل کی برتری کے قائل تھے ہر چیز کو منطق و عقل کے معیار پر پرکھتے تھے۔ جو تعلیمات اسلامی انہیں عقل سے ماوراء نظر آتی تھیں، ان کی وہ عقلی توجیہات کر لیتے تھے۔ اسی وجہ سے مغربی مفکرین نے انہیں عقلیت پرست (Rationalist) قرار دیا ہے۔

2۔ معتزلہ کا ایک عقیدہ یہ تھا کہ قرآن پاک کا صرف مفہوم نبی کریم ﷺ پر نازل ہوا تھا جسے الفاظ کا جامہ انہوں نے خود پہنایا تھا۔ اس کو وہ کچھ اس انداز میں بیان کرتے تھے کہ قرآن مخلوق ہے اور ہر مخلوق حادث (جو ازل یعنی ہمیشہ سے نہ ہو) ہوتی ہے اس لئے قرآن پاک بھی حادث ہے۔ ان کا یہ خیال بھی تھا کہ انسانی افعال سے متعلقہ قوانین

ماحول کی تبدیلی کے ساتھ بدلتے رہتے ہیں۔اس عقیدہ سے دین کے احکام کو حکمرانوں کے ہاتھوں شدید خطرہ تھا اس لئے علمائے حق نے اس کی شدید مخالفت کی۔

3۔ معتزلہ کا یہ عقیدہ بھی تھا کہ خدا کا وجود اس کی صفات سے الگ نہیں ہے اور خدا کا اس طرح کا کوئی وجود نہیں ہے، جسے مادی آنکھوں سے دیکھا جا سکے۔

4۔ معتزلہ قیامت کے روز مردوں کے جی اٹھنے کے بھی قائل نہ تھے۔ان کے نزدیک قیامت کا تمام تر مفہوم مادی اجسام سے نہیں بلکہ روحانی احساسات سے متعلق تھا۔خدا تعالی کا ادراک بھی روحانی آنکھوں سے ہی ممکن تھا اور جزا وسزا بھی روحسانی احساسات ہی کی شکل میں ممکن تھے۔

5۔ معتزلہ تقدیر کے قائل نہ تھے ان کا عقیدہ تھا کہ انسان اپنے تمام افعال میں خودمختار ہے، اسی وجہ سے اسے نیک کاموں کی جزا اور برے کاموں کی سزا ملے گی وہ تقدیر کے تصور کو اللہ تعالیٰ کی صفت عدل کے منافی خیال کرتے تھے۔

2.2.2 معتزلہ کا عروج:

معتزلہ کی بھرپور سرکاری سرپرستی کا دور مامون الرشید کے عہد سے شروع ہوتا ہے۔مامون معتزلی عقائد کے اس قدر زیر اثر آ چکا تھا کہ وہ خلق قرآن کا عقیدہ نہ رکھنے والوں کو کافر خیال کرنے لگا۔218ھ میں اس نے حکم دیا کہ جو قاضی خلق قرآن کو تسلیم نہیں کرتے ان سب کو معزول کر دیا جائے۔اس کے بعد اس نے فرمان جاری کیا کہ ممالک اسلامیہ کے تمام علماء اور مذہبی پیشواؤں کے تحریری بیانات قلم بند کر کے روانہ کئے جائیں۔جب یہ بیانات مامون کی نظر سے گزرے تو ان میں سے اکثر نے خلق قرآن سے اختلاف کیا تھا۔اس پر مامون نے ان تمام لوگوں پر سختی کرنے کا حکم دیا اور کہا کہ جو لوگ اس عقیدہ سے باز نہ آئیں انہیں قید کر کے طرطوس جہاں وہ اس وقت مقیم تھا، روانہ کیا جائے۔اس وقت کی نابغہ روزگار شخصیت امام احمد بن حنبلؒ اور محمد بن نوحؒ کو پابہ زنجیر بغداد روانہ کیا گیا، محمد بن نوح راستے میں ہی وفات پا گئے۔جبکہ احمد بن حنبلؒ کے بغداد پہنچنے سے پہلے خود مامون کا انتقال ہو گیا، مرتے ہوئے وہ اپنے جانشین معتصم باللہ کو امام احمد بن حنبل پر سختی کی وصیت کرتا گیا۔

معتصم اور واثق بھی مامون کی مذہبی حکمت عملی پر گامزن رہے، ان کے عہد میں قاضی احمد بن داؤد، جو کہ معتزلہ فرقہ کے ممتاز عالم تھے، کو عباسی دربار میں بڑا اثر ورسوخ حاصل رہا۔ان دونوں خلفاء نے غیر معتزلہ علماء پر انتہائی سختیاں کیں، امام

احمد بن حنبلؒ کو اس قدر کوڑے لگوائے جاتے تھے کہ آپ بیہوش ہو جاتے تھے اور پھر جب ہوش آتا تو آپ سے پہلا سوال یہ کیا جاتا تھا کہ قرآن حادث ہے یا قدیم، آپ فوراً جواب دیتے کہ قدیم ہے۔ اس پر دوبارہ انہیں زدوکوب کیا جاتا تھا۔ ان خلفاء نے امام موصوف کو انعام واکرام کا بھی لالچ دیا مگر آپ ہر موقعہ پر صرف یہی جواب دیتے ''میرے سامنے قرآن وحدیث میں سے کوئی دلیل پیش کرو گے تو میں تسلیم کرنے کو تیار ہوں''۔

2.2.3 زوال:

امام احمد بن حنبلؒ کی بے پناہ قربانی بالآخر بارآور ہوئی۔ خلیفہ متوکل نے برسراقتدار آتے ہی حکومت کی پالیسی کو بدل دیا، اس نے امام موصوف کی بڑی عزت کی اور معتزلی علماء کو حکومت کے عہدوں سے ہٹادیا۔ عوام میں پہلے ہی معتزلی عقائد مقبول نہیں تھے، اب حکومت کی سرپرستی ختم ہونے کے بعد یہ فرقہ تقریباً ختم ہو گیا اور صرف چند اصحاب علم ان عقائد کی طرف مائل رہے۔ چوتھی صدی ہجری میں ابوالحسن اشعری جو یونانی فلسفہ اور علم الکلام کے ماہر تھے نے معتزلہ کا اپنا ہتھیار یعنی منطقی استدلال نہایت کامیابی کے ساتھ معتزلہ ہی کے خلاف استعمال کیا اور اس طرح اس فرقہ کے اپنے ہی ہتھیاروں سے مقابلہ کر کے اسے بالکل ختم کر دیا۔

2.3 اسماعیلیہ:

اسلام کے ابتدائی دور میں ہی مسئلہ خلافت پر مسلمانوں میں اختلاف پیدا ہو گیا تھا اور اکثر فرقوں کی ابتداء اسی مسئلہ سے ہوئی۔ شروع میں یہ فرقے سیاسی نوعیت کے تھے، لیکن بعد میں انہوں نے مذہبی رنگ اختیار کر لیا۔ شیعہ حضرت علیؓ اور ان کی اولاد کو خلافت کا موروثی حق دار خیال کرتے تھے اور ان کے علاوہ جو شخص بھی خلیفہ بننے کا دعویدار ہو وہ ان کے نزدیک غاصب تھا، خواہ اسے جمہور امسلمانوں نے ہی کیوں نہ منتخب کیا ہو۔ ان کے خیال میں امام جو خدا کا مقرر کردہ ہو، صرف وہی مسلمانوں کی سیاسی اور مذہبی رہنمائی کا مجاز تھا۔ حضرت امام حسینؓ کی شہادت کے بعد شیعہ تین فرقوں میں تقسیم ہو گئے۔ ان میں سے فرقہ امامیہ سب سے اہم تھا۔ جو صرف حضرت علیؓ کی فاطمی اولاد کو خلافت کا مستحق سمجھتے تھے جبکہ زیدیہ کیسانیہ نے حضرت علیؓ کی غیر فاطمی اولاد یعنی محمد بن حنفیہ اور ان کی اولاد کو امامت اور خلافت کا اہل قرار دیا۔

امامیہ کے چھٹے امام حضرت جعفر صادق کی وفات (765ء) پر یہ فرقہ دو گروہوں میں تقسیم ہو گیا۔ اس کی وجہ یہ ہوئی

کہ امام موصوف نے پہلے اپنے بڑے لڑکے اسماعیل کو اپنا جانشین مقرر کیا مگر بعد میں ان سے ناراض ہو کر ان کی نامزدگی کو منسوخ کر دیا اور اپنے دوسرے لڑکے موسیٰ کاظم کو اپنا جانشین نامزد کر دیا۔ امامیہ کی اکثریت نے امام موسیٰ کاظم اور ان کے خاندان کی امامت کو تسلیم کر لیا۔ چونکہ ائمہ کی تعداد بارہ تک تھی۔ اس لئے امامیہ کی اس شاخ کو اثنا عشریہ کہتے ہیں۔ امامیہ کے ایک گروہ نے امام موسیٰ کاظم کی امامت کو تسلیم کرنے سے انکار کر کے امام اسماعیل کو اپنا پیشوا بنا لیا، امام اسماعیل چونکہ اپنے والد کی زندگی میں ہی وفات پا گئے تھے۔ اس لئے ان کے پیروؤں نے امام جعفر صادق کی وفات کے بعد ان کے بیٹے موسیٰ کاظم کے بجائے اسماعیل کے لڑکے محمد بن اسمٰعیل کو اپنا امام بنا لیا، یہ لوگ اسماعیلیہ کہلانے لگے۔ چونکہ ان کے ائمہ ظاہر کی تعداد سات تھی، اس لئے ان کو سبعیہ (ہفت امامیہ) بھی کہتے ہیں۔

2.3.1 اسماعیلیہ کے عقائد:

اسماعیلیہ کا عقیدہ تھا کہ امام کا تقرر اور معزولی کسی انسان کے ہاتھ میں نہیں ہے بلکہ یہ منصب خدا کی طرف سے امام کے بڑے بیٹے کو خود بخود ودیعت ہو جاتا ہے۔ اس لئے امام جعفر صادق اپنے بڑے بیٹے اسماعیل کی جانشینی منسوخ کرنے کے مجاز نہ تھے اور امام اسماعیل فوت نہیں ہوئے بلکہ مستور ہو گئے ہیں اور آئندہ پھر ظہور کریں گے۔

ان کا عقیدہ تھا کہ امام محمد بن اسماعیل آخری اور مکمل امام ہیں جن پر ائمہ ظاہر کا سلسلہ ختم ہو جاتا ہے۔ اس فرقہ کے عقائد کے مطابق اس کے بعد بھی امام موجود رہے لیکن وہ مخفی ہو گئے، اس لئے بعد میں اسماعیلی داعی امام مخفی کے نام پر دعوت پھیلاتے تھے۔

اسماعیلیہ کا ایک انتہا پسند طبقہ مسئلہ تناسخ کا بھی قائل تھا، ان کے نزدیک خدا کی ذات امام اسماعیل میں حلول کر گئی تھی اس لئے وہ وفات نہیں پا سکتے تھے، وہ صرف عارضی طور پر کچھ عرصہ کیلئے دنیا سے غائب ہو گئے ہیں۔ اسماعیلی عقائد میں سب سے دل چسپ عقیدہ یہ تھا کہ قرآنی الفاظ کے دو معانی ہیں، ایک ظاہری اور ایک باطنی، دین کا اصل مدعا یہ ہے کہ احکام خداوندی کے باطنی (اندرونی) اور اصلی معانی معلوم کئے جائیں کیونکہ ظاہری الفاظ تو محض پردہ ہیں جن کے پیچھے اصلی معانی کو چھپا دیا گیا ہے تاکہ نااہل افراد ان کی حقیقت تک نہ پہنچ سکیں۔ جہاں تک باطنی معانی کا تعلق ہے وہ صرف امام وقت ہی جانتا ہے اور وہ کسی آیت کا جس طرح بھی مطلب بیان کرے وہی صحیح ہوگا۔

اس نظریہ کی آڑ میں اسماعیلی قرآنی آیات کی مختلف تاویلیں پیش کرتے تھے اور ان کا ترجمہ اپنی حسب منشا کرتے تھے۔ اسی لئے اسماعیلیہ کو فرقہ ''باطنیہ'' بھی کہا جاتا ہے۔

2.3.2 عبداللہ بن میمون القداح:

اسماعیلیہ کو مقبول بنانا اور اس میں مندرجہ بالا عقائد و نظریات شامل کرنا درحقیقت ایک ایرانی شخص عبداللہ بن میمون کا کارنامہ ہے۔ پہلے یہ فرقہ بالکل غیر معروف تھا، لیکن عبداللہ نے اس کی ایسی زبردست اور موثر خفیہ تنظیم کی کہ اس کی مثال تاریخ میں مشکل سے ملے گی۔

عبداللہ میمون اہواز کے ایک معمولی طبیب کا لڑکا تھا، اس نے اسماعیلی فرقہ میں داخل ہو کر اس کی تنظیم نو کا بیڑا اٹھایا۔ شروع میں اس نے بصرہ کو اپنا مرکز بنایا، مگر بعد میں شمالی شام کے شہر سلمیہ میں منتقل ہو گیا۔ اس نے ہر طرف خفیہ داعیوں کا جال بچھا دیا جو فقیروں اور تاجروں کے بھیس میں ہر جگہ پہنچ جاتے تھے۔ ان کا دعوتی طریقہ کار یہ تھا کہ یہ پہلے لوگوں کے دلوں میں مروج اسلامی عقائد کے بارے میں تشکیک پیدا کرتے پھر انہیں اپنے عقائد کی دعوت دیتے اور انہیں باور کراتے کہ عنقریب امام مستور ظاہر ہو کر ان کے دکھوں کا مداوا اور دنیا سے ظلم کو دور کرینگے۔ ان داعیوں کے پاس نامہ بر کبوتر بھی ہوتے تھے جن کے ذریعے وہ ہر جگہ کے حالات لکھ کر عبداللہ بن میمون کے پاس پہنچا دیتے جنہیں وہ سنا کر عوام پر اپنی غیب دانی کا سکہ جماتا۔ اس طرح اس کے مریدوں کی تعداد سرعت سے بڑھنے لگی۔

عبداللہ بن میمون نے اپنے پیروؤں کو داعی اور رفیق کے درجوں میں تقسیم کیا، جو داعی زیادہ معتمد بن جاتا اسے رفیق بنا دیا جاتا تھا۔ اسماعیلی مذہب کے اسرار کے مکمل علم کے لئے اس نے کم وبیش نو منازل مقرر کیں اور بہت کم پیروان سب منازل کو طے کر پاتے تھے۔ چونکہ اس وقت کوئی امام ظاہر موجود نہ تھا، اس لئے عبداللہ امام مخفی کا نائب تھا۔ اسے امام سے وہی نسبت تھی جو حضرت ہارون کو حضرت موسیٰ سے تھی، عبداللہ نے 261ھ (874ء) میں وفات پائی۔

عبداللہ کی خفیہ تنظیم کو خاطر خواہ کامیابی حاصل ہوئی اور شمالی افریقہ میں اسماعیلی دعوت خوب پھیلی۔ اس تنظیم کے داعی حسین الشیعی نے 909ء میں شمالی افریقہ کی اغلبیہ حکومت کا خاتمہ کر کے اسماعیلی امام کی خلافت قائم کر دی جسے حکومت فاطمیہ کہا جاتا ہے۔ بعض مورخین کے نزدیک فاطمی حکومت کا بانی عبداللہ بن میمون کا پوتا سعید تھا جس نے عبیداللہ مہدی کا لقب

اختیار کر کے فاطمی ہونے کا دعویٰ کیا۔ اس خاندان میں اڑھائی سو سال سے زیادہ عرصہ تک حکومت رہی جس کا خاتمہ صلاح الدین ایوبی کے ہاتھوں 1171ء (567ھ) میں ہوا۔

2.3.3 حسن بن صباح:

حسن بن صباح طوس کا رہنے والا تھا۔ حسن نظام الملک طوسی اور عمر خیام بچپن میں ہم جماعت تھے، قیام رے کے دوران وہ اسماعیلی مذہب میں داخل ہوا اور پھر مصر منتقل ہو گیا۔ مصر کے فاطمی حکمران مشرقی ممالک میں اسماعیلی دعوت پھیلانا چاہتے تھے، چنانچہ انہوں نے حسن بن صباح کی ذہانت اور قابلیت سے متاثر ہو کر اسے اپنا خاص داعی بنا کر مشرقی ممالک میں بھیجا۔

1090ء میں حسن بن صباح نے اپنے پیروؤں کی مدد سے ماژندان کے پہاڑی علاقہ کے ایک قلعہ ''المَوت'' پر قبضہ کر لیا۔ یہ قلعہ کوہ البرز کے اوپر سطح سمندر سے دس ہزار دوسوفٹ کی بلندی پر واقع تھا، اس قلعہ کے محل وقوع نے اسے ناقابل تسخیر بنا دیا تھا۔ یہاں سے حسن بن صباح کے پیرو نواحی علاقوں کو تاراج کرتے تھے، رفتہ رفتہ انہوں نے بہت سے قلعوں پر قبضہ کر لیا اور آذربائیجان اور شمالی شام کے بعض حصے حسن کے زیر اثر آ گئے۔ سلطان ملک شاہ سلجوقی نے المَوت کی تسخیر کیلئے دو مہمیں روانہ کیں مگر وہ ناکام رہیں۔

''المَوت'' جیسے محفوظ مقام میں بیٹھ کر حسن بن صباح نے اسماعیلی دعوت کی از سر نو تنظیم کی۔ وہ خود ''داعی الدعاۃ'' کہلاتا تھا، اس کے نیچے ہر صوبہ میں ایک ''داعی الکبیر'' ہوتا تھا، جس کے ماتحت بہت سے داعی ہر جگہ پھیلے ہوتے تھے۔ عام داعیوں کو ترقی دے کر رفیق کا درجہ دیا جاتا تھا پھر ان میں سے داعی الکبیر مقرر کئے جاتے تھے۔ اس کے علاوہ حسن بن صباح نے ایک اور تحریک منظم کی جس کے اراکین فدائی کہلاتے تھے۔ یہ لوگ اپنی جان پر کھیل کر اس کا ہر حکم بجالاتے تھے۔ مشہور سیاح مارکو پولو جس نے 1272ء میں اس علاقے کا سفر کیا، لکھتا ہے کہ حسن بن صباح نے نہایت خوبصورت باغ لگوایا جس میں حسین و جمیل لڑکیاں موجود رہتی تھیں اور کسی کو اندر جانے کی اجازت نہ تھی۔ نوجوان فدائیوں کی جماعت ہمیشہ حسن بن صباح کے پاس رہتی تھی، ان میں سے دو دو چار چار فدائیوں کو بھنگ پلا کر بے ہوش کر کے باغ میں پہنچا دیا جاتا تھا۔ جب وہ ہوش میں آتے اور اپنے آپ کو سرسبز و شاداب باغ میں گل اندام لڑکیوں کے جھرمٹ میں پاتے۔ تو خیال کرتے کہ وہ حقیقی جنت میں پہنچ گئے ہیں۔ اس کے بعد انہیں جام کوثر کے بہانے دوبارہ

بھنگ پلادی جاتی اور بے ہوشی کی حالت میں باہر پہنچادیا جاتا۔

اس تجربے سے گزرنے کے بعد اپنے امام پر فدائیوں کا یقین نہایت پختہ ہو جاتا تھا۔ حسن بن صباح جب کسی کو قتل کروانا چاہتا تو ان فدائیوں میں سے کسی کو بلا کر اس کا حکم دے دیتا اور کہتا کہ اس کے صلے میں اسے دوبارہ بہشت کی سیر کرائی جائے گی اور بالفرض وہ اس مہم میں مارا گیا تو بھی آخرت میں اسے ہمیشہ کیلئے جنت مل جائیگی۔ بھنگ کو عربی میں حشیش کہتے ہیں اس لئے اس جماعت کو حشیشین بھی کہا جاتا ہے۔

فدائیوں کے خنجر کا پہلا شکار نظام الملک طوسی تھا جسے 1092ء میں قتل کیا گیا، اس کے بعد وقتاً فوقتاً بہت سے لوگ بڑے پراسرار طریقہ سے قتل ہوتے رہے جن میں خلفاء، سلاطین، امراء اور علماء سب شامل تھے۔ ان واقعات سے ہر طرف خوف وہراس پھیل گیا۔ حسن بن صباح نے 1124ء میں وفات پائی۔ اس کے بعد یہ تحریک اس کے جانشینوں کے ہاتھ میں رہی جن میں رشید الدین سنان کا نام قابل ذکر ہے یہ شیخ الجبل کہلاتا تھا، اس نے مصیاد کے مقام کو اپنا مستقر بنایا۔

1256ء میں ہلاکو خان نے "الموت" کو فتح کر کے اس کی اینٹ سے اینٹ بجادی اور بڑی تعداد میں اسماعیلی تہ تیغ ہوئے، 1260ء میں تاتاریوں نے مصیاد پر قبضہ کرلیا۔ اس کے بعد 1272 میں مملوک سلطان بیبرس نے شام کے باقی ماندہ فدائیوں کا بھی صفایا کردیا۔

2.4 قرامطہ:

عبداللہ بن میمون کا ایک داعی حمدان نامی تھا جس کا لقب قرمط تھا۔ اس لفظ کے معانی میں اختلاف ہے، بعض عرب مؤرخین کے نزدیک حمدان چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتا اور چونکہ ایسے شخص کو عربی میں قرمط کہتے ہیں اس لئے وہ اسی لقب سے مشہور ہوا۔ اور اس کے پیرو قرامطہ (واحد قرمطی) کہلانے لگے۔

قرمط نے شروع میں کوفہ کو اپنا مرکز بنایا، جہاں حبشی غلاموں اور کاشتکاروں کی آبادی زیادہ تھی۔ یہ لوگ اپنے آقاؤں کے ہاتھوں سخت نالاں تھے جو ان کی کمائی کا بڑا حصہ لے جاتے تھے۔ حمدان قرمط نے ان لوگوں کو منظم کیا اور انہیں یقین دلایا کہ عنقریب امام اسمٰعیل ظاہر ہو کر انہیں تمام مظالم سے نجات دلائیں گے۔ اس پر عوام اس کے ساتھ ہو گئے اور یہ تحریک کافی زور پکڑ گئی۔

حمدان قرمط اگر چہ فرقہ اسماعیلیہ سے تعلق رکھتا تھا لیکن اس نے نئے نئے مذہبی اور سماجی اصول وضع کئے، اس نے اشتراکی اصولوں پر اپنی جماعت کی بنیاد رکھی۔ قرامطہ نے چندہ جمع کر کے ایک مشترکہ فنڈ قائم کیا جس سے ساری جماعت کی ضروریات پوری کی جاتی تھیں۔ ان میں باہمی مساوات قائم تھی، مختلف صنعتوں کی بنیاد پر پیشہ وروں کی تنظیم کی گئی۔ مذہب میں کئی تبدیلیاں کر کے اسے ایک نئی شکل دی، اس کا کہنا تھا کہ:

1۔ امام صرف سات ہیں:

i۔ امام حسین

ii۔ علی زین العابدین

iii۔ امام باقر

iv۔ امام جعفر صادق

v۔ امام اسماعیل

vi۔ امام محمد بن اسماعیل

vii۔ امام عبداللہ

2۔ بیت المقدس قبلہ ہے۔

3۔ نمازیں صرف چار ہیں۔

4۔ سال میں صرف دو روزے فرض ہیں۔

5۔ شراب حلال ہے۔

حمدان قرمط کے خطرناک عزائم کے پیش نظر حاکم کوفہ نے اسے قید کر دیا، مگر وہ ایک کنیز کی منت سماجت کر کے جیل خانہ سے نکل جانے میں کامیاب ہو گیا اس رہائی کو اس نے اپنی کرامت پر محمول کیا اور اس کے پیروؤں نے مشہور کرنا شروع کر دیا کہ اسے کوئی چیز نقصان نہیں پہنچا سکتی۔ اب اس نے عراق میں مزید قیام مناسب نہ سمجھا اور وہاں سے شام چلا آیا۔

قرمط کے ایک پیرو ابو سعید جنابی نے بحرین میں اس قدر اثر ورسوخ حاصل کیا کہ 889ء میں اس نے وہاں ایک خود مختار حکومت قائم کر لی۔ جس کا صدر مقام احساء تھا۔ اگلے سال اس نے جنوبی عراق پر حملہ کیا اور خلیفہ معتضد کے لشکر کو شکست دے کر خوب لوٹ مار کی، اس کے دو سال بعد اس نے شام پر فوج کشی کی اور ہر طرف تباہی و بربادی پھیلا دی۔ 903ء

میں جنابی نے یمامہ کو فتح کر لیا اور عمان پر فوج کشی کی۔

301ھ (914ء) میں جنابی کے قتل کے بعد اس کا بیٹا ابو طاہر قرامطہ کا قائد بنا جو سفاکی اور ظلم و تشدد میں اپنے باپ سے بھی دو قدم آگے تھا۔ عراق، عرب اور شام میں قرامطہ نے اپنی تباہ کاریوں سے قیامت برپا کر دی تھی۔ یہ لوگ حاجیوں کے قافلوں کو لوٹ لیتے تھے، اس دوران خلیفہ بغداد کی طرف سے جس قدر فوجیں روانہ کی گئیں ان سب کو ناکامی ہوئی یہاں تک کہ 317ھ (930ء) میں ابو طاہر نے عین حج کے دن مکہ معظمہ پر حملہ کر دیا۔ اس نے حاجیوں کا قتل عام کیا، خانہ کعبہ کی بے حرمتی کی، غلاف کو پھاڑ ڈالا، خانہ کعبہ کو لوٹا اور جاتے ہوئے حجر اسود کو اکھاڑ کر اپنے ساتھ لے گئے۔ پورے بیس سال تک حجر اسود ان کے پاس رہا، اس کے بعد فاطمی خلیفہ منصور جسے وہ اپنا پیشوا تسلیم کرتے تھے، کے حکم سے انہوں نے اس پتھر کو واپس کیا۔ ابو طاہر کی یہ لوٹ مار ایک عرصہ تک جاری رہی، یہاں تک کہ 323ھ میں اس کے خوف سے کوئی مسلمان حج کو نہیں گیا۔ عباسی خلفاء میں اتنی ہمت نہیں تھی کہ قرامطہ کو مغلوب کر سکتے۔ ان حالات میں نہ جانے یہ فتنہ کیا گل کھلاتا مگر 326ھ میں خود قرامطہ کی جماعت میں پھوٹ پڑ گئی جس سے ان کا زور ٹوٹ گیا۔

خود آزمائی:

1۔ قراء سبعہ سے کیا مراد ہے؟ ان کے نام لکھیے۔

2۔ اعجاز القرآن پر عہد عباسیہ میں کیا کام ہوا؟ مختصراً بیان کیجئے۔

3۔ تفسیر بالماثور اور تفسیر بالرائے سے کیا مراد ہے۔

4۔ چوتھی صدی ہجری میں علم حدیث پر لکھی جانے والی کتب میں سے چند ایک کا تعارف کرائیے۔

5۔ اہل الحدیث اور اہل الرائے کی اصطلاح کن کیلئے استعمال کی جاتی تھی؟

6۔ امام ابوحنیفہ نے فقہ اسلامی کی تدوین کے سلسلے میں کیا خدمات سرانجام دیں؟

7۔ علم الکلام سے کیا مراد ہے اور اسلامی علم کلام کیوں وجود میں آیا؟

8۔ علم الکلام میں امام غزالی کی خدمات پر روشنی ڈالیے۔

9۔ تیسری صدی ہجری میں علم تاریخ میں ہونے والے کام کا جائزہ پیش کیجئے۔

10۔ تاریخ بغداد کس کی تصنیف ہے اور یہ کتنی جلدوں میں لکھی گئی؟

11۔ مسلمانوں نے عہد عباسیہ میں آنکھوں کی بیماریوں پر کیا تحقیقات کیں؟

12۔ عباسی حکومت میں ہسپتالوں میں مریضوں کو کیا سہولیات فراہم کی جاتی تھیں؟

13۔ علم کیمیا میں جابر بن حیان کے کارناموں پر روشنی ڈالیے۔

14۔ روشنی کے بارے میں ابن الہیثم کے ان قوانین کو بیان کیجئے جو آج بھی تسلیم کئے جاتے ہیں۔

15۔ جمعیت اخوان الصفاء نے علم طبعیات میں کیا خدمات سرانجام دیں؟

16۔ مامون الرشید کے دور میں کون کون سی رصدگاہیں قائم کی گئیں؟

17۔ زمین کا محیط معلوم کرنے کے لیے مسلمان سائنسدانوں کی خدمات پر روشنی ڈالیے۔

18۔ عمر خیام کا تیار کردہ شمسی کلینڈر موجودہ گریگورین کیلنڈر سے کیوں زیادہ بہتر ہے؟

19۔ الخوارزمی نے علم ریاضی میں کیا خدمات سرانجام دیں؟

20۔ مسلمان سائنس دانوں نے علم جغرافیہ میں بطلیموس کی کن غلطیوں کی تصحیح کی؟

21۔ سیبویہ کون تھا اور اس نے کون سی کتاب تحریر کی؟

22۔ عباسی دور کے چند فارسی شعراء کے نام لکھیے۔

23۔ متوکل باللہ نے علویوں کے ساتھ کس سلوک کا مظاہرہ کیا؟

24۔ عباسی عہد میں شعراء کے درمیان گروہ بندی کے کیا اسباب تھے؟

25۔ معتزلہ کے عقائد کیا تھے؟

26۔ فرقہ اسماعیلیہ کب وجود میں آیا؟

27۔ اسماعیلیہ کے عقائد پر روشنی ڈالیے۔

28۔ ابوطاہر قرامطی نے عرب اور شام میں کیا مظالم ڈھائے مختصراً بیان کیجئے۔

یونٹ نمبر 14

سپین میں مسلمانوں کا عروج وزوال، مصر اور شمالی افریقہ کی مسلم حکومتیں

تالیف

محی الدین ہاشمی

نظر ثانی

ڈاکٹر محمد سجاد

علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد

فہرست عنوانات

یونٹ کا تعارف:

سپین براعظم یورپ کا ایک جزیرہ نما ہے، یہ علاقہ بنوامیہ کے عہد میں شمالی افریقہ کے گورنر موسیٰ بن نصیر کی ہدایات پر اس کے ایک سالار طارق بن زیاد کے ہاتھوں فتح ہوا، بنوامیہ کے زوال کے بعد ایک اموی شہزادہ عبدالرحمٰن فرار ہو کر یہاں پہنچا اور کسی طرح ایک آزاد حکومت قائم کرنے میں کامیاب ہوگیا۔ عبدالرحمٰن کے بعد اس کی اولاد میں سے عبدالرحمٰن ثانی، عبدالرحمٰن ثالث اور الحکم ثانی نے اپنی محنت، قابلیت، صلاحیت اور عزم و حوصلے سے اپنی حکومت کو شہرت کی بلندیوں تک پہنچا دیا۔ لیکن افسوس کہ بعد کے حکمرانوں کی نااہلی اور اپنوں ہی کی غداری کی وجہ سے سپین سے مسلمانوں کو اس طرح نکلنا پڑا کہ وہاں ایک بھی مسلمان باقی نہ رہا۔ سپین کی تاریخ، مسلمان قوم کے عروج وزوال کی مکمل داستان ہے۔

اس یونٹ میں آپ عہد بنوعباس کے دوران مصر اور شمالی افریقہ میں قائم ہونے والی خودمختار حکومت ... دولت ادریسیہ، دولت اغلبیہ، دولت طولونیہ، دولت عبیدیہ اور مصر کی عباسی حکومت اور ان کے عروج و زوال کا بھی جائزہ لیں گے۔

یونٹ کے مقاصد:

اس یونٹ کے مطالعہ کے بعد آپ اس قابل ہو جائیں گے کہ:

1۔ سپین میں اموی حکومت کے قیام پر روشنی ڈال سکیں۔
2۔ اس دور میں جس طرح ملکی فتوحات ہوئیں ان سے آگاہی حاصل کر سکیں۔
3۔ عبدالرحمٰن ثانی اور عبدالرحمٰن ثالث کے دور حکومت کی خصوصیات کا جائزہ لے سکیں۔
4۔ اس بات کا اندازہ کر سکیں کہ جس قوم نے مدتوں تک نہایت شان و شوکت سے حکومت کی اس کا انجام اس قدر المناک کیوں کر ہوا۔
5۔ طوائف الملوکی کے زمانے میں مختلف خاندانوں کے کردار اور حالات سے آگاہ ہو سکیں۔
6۔ سلطان صلاح الدین ایوبی کے کردار اور خدمات پر روشنی ڈال سکیں۔
7۔ مصر میں عباسی خلافت کی حیثیت کے بارے میں جان سکیں۔

1۔ سپین میں مسلمانوں کا عروج وزوال

اموی خلیفہ ولید بن عبدالملک کے عہد میں طارق بن زیاد اور موسیٰ بن نصیر نے سپین کو فتح کر لیا تھا۔ موسیٰ بن نصیر کو جب خلیفہ کی طرف سے حکم ملا کہ طارق بن زیاد کو ساتھ لے کر واپس شام آ جائے تو اس نے قرطبہ کو سپین کا دارالحکومت قرار دے کر اپنے بیٹے عبدالعزیز کو وہاں کا حاکم بنا دیا۔

چنانچہ عبدالعزیز کو پہلا امیر اندلس کہا جاتا ہے۔ امیر عبدالعزیز کے بعد اندلس کے حاکم یکے بعد دیگرے کبھی دربار خلافت سے، کبھی ممالکِ مغربیہ کے والی کے دربار اور کبھی مسلمانان اندلس کے انتخاب سے مقرر ہوتے رہے۔ اندلس کے ان حاکموں کو امیرانِ اندلس کے نام سے پکارا جاتا ہے۔

بدقسمتی سے اندلس میں ابتدا ہی سے اندرونی خلفشار نے سر اٹھا لیا۔ اس کی وجہ دراصل عربوں اور بربریوں کی باہمی مناقشت تھی۔ طارق بن زیاد کے ہمراہ زیادہ تر شمالی افریقہ کے بربر قبائل آئے تھے مگر ان کی فتوحات کا ثمرہ موسیٰ بن نصیر کے عرب قبائل نے اچک لیا۔ بربریوں کو اندلس کا پہاڑی اور غیر زرخیز علاقہ حفاظت کیلئے تفویض کر دیا گیا، اس طرزِ عمل نے اندلس میں عربی اور بربریوں کے درمیان نفاق اور جنگ کا وہ سدابہار بیج بو دیا جو بالآخر مسلمانوں کے سپین سے اخراج پر منتج ہوا۔

اموی خلفائے بغداد نے بھی اندلس کے معاملات میں براہِ راست زیادہ دلچسپی نہ لی، نتیجہ یہ ہوا کہ اندلس افریقہ کے صوبے کا ایک انتظامی یونٹ بنا رہا۔ افریقہ کا گورنر اپنی مرضی اور بعض اوقات خلیفۂ بغداد کو اطلاع کئے بغیر ہی اندلس میں حکمران مقرر کر دیتا تھا۔ اس دوعملی سے اندلس کا نظم ونسق بالکل تباہ ہو گیا تھا۔

علاوہ ازیں عرب قبائل کی باہمی رقابتیں بھی ازسرنو ابھر آئیں، مضری اور یمنی قبائل کی باہمی دشمنی نے معاملات کو اور بگاڑ دیا اور ملک صحیح معنوں میں بدنظمی اور بدامنی کا اکھاڑہ بن گیا۔ عربوں کے قبائلی مناقشات نے ایسی بھیانک صورت اختیار کر لی کہ جب عبدالرحمٰن اموی جان بچا کر شمالی افریقہ پہنچا تو وہ مٹھی بھر بربریوں کی مدد سے اندلس کی شامی حکومت کو شکست دے کر چند سالوں میں پورے اندلس پر قابض ہو گیا۔

1.1 عبدالرحمٰن الداخل (138ھ تا 172ھ بمطابق 756ء تا 788ء):

132ھ میں جب بنوعباس نے دمشق کی اموی حکومت کا تختہ الٹ دیا اور شاہی خاندان کے افراد کو چن چن کر قتل کیا گیا تو بنوعباس کے دستِ انتقام سے جو چند اموی اشراف بچ گئے۔ انہی میں عبدالرحمٰن نامی ایک بیس سالہ نوجوان بھی تھا، جو دسویں اموی خلیفہ ہشام بن عبدالملک کا پوتا تھا۔ قدرت نے اس نوجوان کو غیر معمولی صلاحیت اور ذہانت عطا کی تھی' یہ عباسی سپاہ سے بچتا ہوا اور پانچ سال تکقبیلہ درقبیلہ پھرتا ہوا شمالی افریقہ جا پہنچا۔ اس کی ماں چونکہ قیوطہ کے بربری قبیلہ نفزہ کی ایک عورت تھی جس کی وجہ سے بربر قبائل نے اسے اپنی پناہ میں لے لیا اور اسے ہر قسم کے تعاون کا یقین دلایا۔

اندلس کے جنوب میں دمشق کی شامی فوجیں پڑاؤ ڈالے ہوئے تھیں۔ عبدالرحمٰن نے ان شامی فوجوں میں اتنا اثر ورسوخ پیدا کر لیا کہ آخر کار انہوں نے عبدالرحمٰن کو اپنا امیر بنالیا۔ اس کی قیادت میں یہ فوجیں جنوبی اندلس کے تمام شہروں پر یکے بعد دیگرے قبضہ کرتی چلی گئیں اور کئی سالوں کی مسلسل جدوجہد کے بعد تقریباً پورے ملک پر عبدالرحمٰن کا قبضہ ہو گیا۔ اب عبدالرحمٰن الدخل نے عباسی خلیفہ کا نام خطبے سے نکال دیا اور ایک آزاد اموی ریاست کی بنیاد رکھی' اس نے اپنے لئے خلیفہ کے بجائے امیر کا لقب پسند کیا۔ عبدالرحمٰن نے بربریوں کی مدد سے اندلس کو فتح کیا تھا چنانچہ اس نے بربریوں کی ایک منظم فوج تیار کی اور ان کے ساتھ بڑی فیاضی سے سلوک کیا، اس طرح بربر قبائل اس کے جانثار بن گئے۔

عبدالرحمٰن کو بار بار مختلف بغاوتوں سے دوچار ہونا پڑا۔ عباسی حکمران اپنے ایجنٹوں کے ذریعہ بربروں اور عربوں کو عبدالرحمٰن کے خلاف اکساتے تھے۔ چونکہ عبدالرحمٰن اندلس میں اجنبی تھا اور کوئی خاص قبیلہ یا گروہ اس کی حمایت پر نہیں تھا اس وجہ سے یہ سادہ لوح عرب اور بربر عباسیوں کے ایجنٹوں کے جھانسے میں آجاتے اور علم بغاوت بلند کر دیتے تھے۔ ان باغیوں میں سرفہرست یوسف الفہری سابق امیر اندلس کا نام آتا ہے جو اپنا کھویا ہوا وقار حاصل کرنا چاہتا تھا۔ اس نے اپنے یمنی قبائل کو ساتھ لے کر اشبیلیہ پر حملہ کر دیا لیکن سن 58-756ء میں مصارہ اور لکسہ پر اسے پے در پے شکستیں ہوئیں۔ اس کے بعد اس کے ساتھی اس سے علیحدہ ہو گئے اور انہوں نے یوسف کو قتل کر کے اس کا سر عبدالرحمٰن کو پیش کر دیا۔

عباسی خلیفہ منصور کو جب یہ معلوم ہوا کہ عبدالرحمٰن نے اس کا نام خطبۂ جمعہ سے خارج کر کے اپنی آزادی کا اعلان کر دیا ہے' تو اس نے اپنے افریقی سپہ سالار علاء بن مغیث کو ہدایت کی کہ وہ اندلس پر چڑھائی کرے۔ اس موقعہ سے فائدہ اٹھا کر یوسف بن عبدالرحمٰن کے ایک عزیز ہاشم بن عبداللہ خیری نے جو شہر طلیطلہ کا رئیس تھا، بربریوں کو لالچ دے کر اپنے ساتھ

ملا لیا اور علاء بن مغیث کے ساتھ مل کر اندلس پر حملہ کر دیا۔ عبدالرحمٰن کو اب دو محاذوں پر لڑنا پڑ رہا تھا، لیکن اس نے میدانِ جنگ میں علاء بن مغیث کو شکست فاش سے دوچار کیا اور دشمن کے بڑے بڑے سرداروں اور سپہ سالار کے سر خلیفہ منصور کے پاس بھیج دیئے۔ اس مہم سے فارغ ہو کر عبدالرحمٰن نے باغیانِ طلیطلہ کا قلع قمع کیا اور بعد میں یمنیوں کی ایک بغاوت کو فرو کیا۔

عبدالرحمٰن کا ایک قابلِ ذکر مخالف گروہ ان عیسائیوں کا تھا جنہوں نے جبل البرکات میں ایسٹریاس کی ایک چھوٹی سی ریاست قائم کر لی تھی۔ عبدالرحمٰن کی مصروفیت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے وہاں کے حکمران فرڈی عینڈ نے مسلمانوں پر پے در پے حملے شروع کر دیئے اور جنوبی فرانس کے وہ علاقے جن پر مسلمانوں نے قبضہ کیا ہوا تھا واپس چھین لئے۔

777ء میں فرانس کے بادشاہ شارلیمان نے ایسٹریاس کی حکومت اور اندلس کے باغی سرداروں ابوالاسود بن یوسف الفہری، عبدالرحمٰن بن حبیب اور برشلونہ کے گورنر سلیمان بن یقظا الاعرابی کو اپنے ساتھ ملا کر سپین پر حملے کا منصوبہ بنایا۔ جب شارلیمان جبل البرانس سے گزر کر سپین میں داخل ہوا تو باغی عرب سرداروں میں دیرینہ تعصب کی بنا پر پھوٹ پڑ گئی۔ سلیمان اور عبدالرحمٰن بن حبیب کی مناقشت یہاں تک بڑھی کہ ابنِ حبیب مارا گیا۔ ادھر شارلیمان جب کچھ شمالی علاقوں کو فتح کرتا ہوا سرقسط تک پہنچا تو شہریوں نے اس کا زبردست مقابلہ کیا اور اپنے گورنر حسین بن یحیٰی انصاری کی قیادت میں اسے بری طرح شکست دی۔ اسی اثناء میں فرانس میں سیکسوں کی بغاوت کی خبر نے شارلیمان کو اور بھی پریشان کر دیا اور اس نے ناکام واپس جانے کی ٹھانی اور جاتے جاتے وقت سلیمان الاعرابی کو غدار سمجھ کر پکڑ لیا۔ اس پر سلیمان کے بیٹوں نے اس کی فوج کے عقب پر حملہ کر کے اپنے باپ کو رہا کرا لیا۔ ساتھ ہی بسکنس کے لوگوں نے رونسیوو کی تنگ گھاٹی میں ایسا دھاوا بولا کہ فرانسیسی فوج بالکل تباہ ہو گئی۔ بعد ازاں عبدالرحمٰن خود فرانسیسیوں کے تعاقب میں جنوبی فرانس تک گیا اور کئی قلعوں کو مسمار کر ڈالا۔ آخر کار شارلیمان نے عبدالرحمٰن سے صلح کر لی۔

عبدالرحمٰن کو علم وادب کی اشاعت کا خاص طور پر شوق تھا، وہ لوگوں میں علم کا شوق پیدا کرنے کیلئے مشاعرے اور مناظرے کی مجالس قائم کرتا اور خود بھی ان میں شریک ہوتا تھا۔ اس نے مختلف ممالک سے علماء وفضلاء کو سپین بلایا اور ان کی خوب قدر دانی کی۔

عبدالرحمٰن نے ہر جگہ مساجد اور رفاہِ عامہ کی عمارات تعمیر کرائیں، دارالحکومت قرطبہ کی شان وشوکت بڑھانے کیلئے اس نے خوبصورت عمارات بنانے میں زیادہ توجہ صرف کی۔ شہر میں صاف پانی پہنچانے کیلئے ایک تالاب کھدوایا۔ شہر کے

اطراف میں ایک فصیل تیار کرائی اور شام کے اپنے ایک آبائی محل کے نمونہ پر اپنے لئے شہر قرطبہ کے باہر ایک قلعہ تعمیر کرایا۔ اس نے ملک میں سڑکوں کا جال بچھایا، ڈاک کا بہترین انتظام کیا، ہر پڑاؤ پر گھوڑے رکھے تاکہ ملک کے ہر حصہ سے جلد از جلد اطلاعات دار الخلافہ پہنچ سکیں۔

عبدالرحمٰن نے اپنی وفات سے دو سال پہلے 786ء میں مسجد حرام اور مسجد اقصیٰ کے نمونے پر قرطبہ کی جامع مسجد بنوانی شروع کی۔ اس مسجد کی تکمیل اور توسیع اس کے جانشینوں نے کی اور بہت جلد یہ مسجد مغرب میں اسلام کی مشہور عبادت گاہ بن گئی۔

1.2 ہشام بن عبدالرحمٰن (172ھ تا 180ھ بمطابق 788ء تا 796ء):

عبدالرحمٰن کی وفات کے بعد اس کا لڑکا ہشام 33 سال کی عمر میں سپین کا امیر مقرر ہوا۔ اس کے دو بھائیوں سلیمان اور عبداللہ نے اس کے انتخاب کو تسلیم نہ کیا اور بغاوت کر دی۔ وہ ہشام کے مقابلہ میں آئے مگر یکے بعد دیگرے دونوں بھائیوں کو شکست ہوئی، مجبوراً انہوں نے معافی کی درخواست کی۔ ہشام نے ان کی خطا معاف کر کے ان کے ساتھ عزت وتکریم کا برتاؤ کیا۔

بھائیوں کی بغاوت سے فارغ ہو کر ہشام نے جنوبی فرانس پر حملہ کیا اور تمام جنوبی فرانس اور شہر ناربون' جو عرصہ تک صوبہ بونیہ کے مسلمان گورنر کا دار الحکومت رہ چکا تھا' دوبارہ فتح کر لیا۔ واپسی پر ایسٹریاس کے عیسائیوں نے مسلمانوں کی فوج کے عقبی حصے کو لوٹنے کی کوشش کی جس پر ہشام نے اپنے وزیر یوسف بن بخت کو ان کی سرکوبی کیلئے بھیجا۔ ایسٹریاس کے عیسائی مسلمانوں کے حملے کی تاب نہ لا سکے اور ان کا حاکم گرفتار کر لیا گیا اور ادائے خراج کے وعدے پر یہ علاقہ اسی کو واپس کر دیا کیونکہ اس علاقہ کو مسلمانوں نے اپنی سکونت کے لائق نہیں پایا تھا۔

سلطان ہشام نے مسجد قرطبہ کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کا خاص اہتمام کیا۔ جنوبی فرانس اور عیسائی صوبوں سے جو مالِ غنیمت مسلمانوں کے ہاتھ آیا تھا اس میں سے تقریباً 45 ہزار اشرفیاں اس کی تعمیر پر خرچ کیں۔

ہشام کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ اس نے سپین میں عربی کو لازمی قرار دیا جس کی وجہ سے نہ صرف اسلام کی اشاعت میں بڑی مدد لی بلکہ چند ہی سالوں میں سپین کی مقامی عیسائی آبادی نے مسلمانوں کے افکار، طرزِ معاشرت اور

تہذیب وتمدن کو اختیار کر لیا اور مسلمانوں کے عیسائی آبادی سے قریبی تعلقات قائم ہو گئے۔

ہشام نے اپنے عہد میں مالکی فقہ کو ریاستی قانون کی بنیاد قرار دیا۔ وہ امام مالکؒ سے بہت متاثر تھا اور امام مالک بھی ہشام کی بڑی قدر و منزلت کرتے تھے۔ سلطنتِ عباسیہ کی حدود میں رہنے کے باوجود وہ صرف ہشام کو خلیفۃ المسلمین ہونے کا مستحق گردانتے تھے کیونکہ وہ عباسی خلفاء کے برعکس نہایت ہی عابد و زاہد، عقلمند اور بہادر تھا۔ وہ سادہ لباس پہنتا تھا، غریبوں کی شکایات سنتا اور ان کے مصائب دور کرنے کی کوشش کرتا تھا۔ ہشام نے سرکاری خزانہ سے ایسے افراد کیلئے وظائف مقرر کئے جو امام مالکؒ کی خدمت میں فقہ اور حدیث کی تعلیم حاصل کرنے کیلئے جاتے تھے۔

1.3 الحکم اوّل (180ھ تا 206ھ بمطابق 796ء تا 822ء)

ہشام کے بعد اس کا بیٹا الحکم اول سپین کے تخت پر بیٹھا۔ مؤرخ ابن اثیر کے قول کے مطابق وہ صاحب علم و دانش اور باہمت حکمران تھا، مگر ساتھ ہی شان و شوکت کا دلدادہ شکار کا شوقین، عیش و نشاط کی محفلوں کو پسند کرتا اور گویوں کو انعام و اکرام سے نوازتا تھا۔

حکم کو تخت پر بیٹھے ابھی تھوڑا ہی عرصہ گزرا تھا کہ مراکش میں اس کے دونوں چچاؤں عبداللہ اور سلیمان نے اس کے خلاف علمِ بغاوت بلند کیا۔ اولاً عبداللہ نے سمندر کو عبور کر کے بلنسیہ پر قبضہ کیا اور پھر عبداللہ اور سلیمان دونوں مل کر حکم کے خلاف میدانِ جنگ میں اترے۔ لڑائی میں سلیمان مارا گیا جبکہ عبداللہ نے حکم کے پاس معافی کی درخواست بھیج دی جسے اس نے قبول کر لیا۔ 181ھ میں طلیطلہ کے باشندوں نے بغاوت کی مگر حکم کے گورنر عمرو بن یوسف نے بڑی سختی سے باغیوں کی بیخ کنی کر دی۔ قرطبہ کے لوگوں نے بھی شورش برپا کی مگر اسے دبا دیا گیا۔

حکم کی مصروفیتوں سے فائدہ اٹھاتے ہوئے فرانسیسیوں نے سپین کی اسلامی مقبوضات پر دست درازی شروع کر دی۔ شارلیمان نے حکم کے دشمنوں کی پشت پناہی کی مگر حکم نے عیسائیوں کو متعدد معرکوں میں شکست دے دی۔ بالآخر شاہِ فرانس شارلیمان کو اس سے صلح کا عہدنامہ کرنا پڑا۔

1.3.1 وفات اور کارنامے:

حکم نے 206ھ (822ء) میں وفات پائی۔ وہ اپنے عہد کا سخت گیر حکمران اور وہ پہلا شخص تھا جس نے سپین میں

فوج کو منظم کیا۔ اس کے عہد میں اندلسی مسلمان اور عیسائی بکثرت آپس میں شادیاں کرتے تھے اور ایسے جوڑوں کی اولاد کو مولدین کہتے تھے۔ خالص عربی النسل لوگ اِن مولدین کو حقارت آمیز نظروں سے دیکھتے تھے اور انہیں حکومت کے اعلیٰ عہدوں پر فائز نہ ہونے دیتے تھے۔ حکم نے اس غیر اسلامی رجحان کو کم کرنے کی کوشش کی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ دونوں گروہوں کی نظروں میں گر گیا۔

1.4 عبدالرحمٰن ثانی (206ھ تا 238ھ بمطابق 822ء، 852ء):

الحکم کی وفات کے بعد اس کا بیٹا عبدالرحمٰن ثانی تخت پر بیٹھا۔ اس کے عہد میں نارمن سپاہیوں نے سپین کے ساحلی مقامات پر لوٹ مار شروع کر دی مگر اسلامی بحری بیڑے اور بری فوج نے ان کی سرگرمیوں کا مناسب تدارک کیا۔ شاہِ فرانس کی شہ پر مریڈا اور ٹولیڈو کے عیسائیوں نے بھی شورشیں برپا کیں مگر انہیں سختی سے دبا دیا گیا۔

اسلام کے خلاف مسیحی تحریک کا آغاز اسی خلیفہ کے عہد میں ہوا۔ عبدالرحمٰن نے اسے نرمی سے دبانے کی کوشش کی مگر اسے کامیابی نہ ہوئی، نتیجتاً اسے بہت سے سرغنوں کو سخت سزائیں دینا پڑیں۔

1.4.1 سیرت اور کارنامے:

عبدالرحمٰن ثانی اپنے والد کے برعکس علوم وفنون کا دلدادہ تھا اور اکثر علماء وفضلاء کو اس کی سرپرستی حاصل تھی۔ موسیقی سے اسے خاص لگاؤ تھا، رفتہ رفتہ موسیقی سے دلچسپی سپین کے عربوں کی ثقافت کا حصہ بن گئی۔

عبدالرحمٰن ثانی کے عہد میں رعایا فارغ البال تھی، ملک بھر میں متعدد عالیشان محلات تعمیر کئے گئے، سڑکیں اور شاہرائیں تیار کی گئیں، ڈاک کا بہترین نظام کیا گیا اور مساجد، مدرسے اور شفا خانے بکثرت تعمیر ہوئے۔ ملک کے دفاعی انتظامات کو تکمیل تک پہنچانے کی خاطر اس نے ایک شاندار بحری بیڑہ تیار کیا اور قرطاجنہ اور قادلیس کے مقامات پر اسلحہ سازی کے کارخانے کھولے۔ عبدالرحمٰن کے عہد کی شاندار تہذیبی روایات اور عربوں کی خوش وضعی کے انداز دیکھ کر اہلِ یورپ نے بھی اپنے تہذیبی ڈھانچہ میں عربوں کا تہذیبی رنگ بھرا۔

1.5 محمد اوّل (238ھ تا 273ھ بمطابق 852ء تا 886ء):

عبدالرحمٰن ثانی کے بعد اس کا بیٹا محمد تخت پر بیٹھا۔ اس نے اندلس کی حکومت کو باقاعدہ اصولوں پر منظم کیا اور ملکی انتظامات کیلئے قواعد وضوابط مرتب کئے۔ اس نے ایسے منصب داروں کو معزول کیا جو دیندار نہ تھے اور ان کی جگہ متشرع لوگوں کو مقرر کیا۔

متعصب عیسائیوں اور باغیوں کے سلسلے میں اس نے باپ کی نرم روی کو ترک کر دیا۔ طلیطلہ کے لوگوں نے جب بغاوت کی تو اسے بڑی سختی سے دبایا گیا۔ سرحدی عیسائی شہزادوں اور بادشاہ فرانس کی شہ پر ملک میں خانہ جنگی کا سلسلہ شروع ہوا مگر محتاط طبیعت اور دانشمندی کے باعث سپین میں عربوں کی سلطنت پارہ پارہ ہونے سے بچ گئی اور ناخوشگوار حالات کے باوجود عوام کی حالت بہتر رہی۔ (886ء) میں محمد کا انتقال ہو گیا، اس کی معیادِ حکمرانی 34 سال اور کچھ ماہ تھی۔

محمد علوم وفنون کا سرپرست تھا، وہ خود ایک اچھا شاعر وخطیب تھا اور اس کا شمار اپنے زمانے کے بہترین خطاطوں میں ہوتا تھا۔ یہ اس کی بدقسمتی تھی کہ اس کا عہد مسلسل بدعنوانیوں اور مصائب کا دور بنا رہا۔ اندرونی بغاوتوں کے علاوہ ملک میں زلزلے، وباء اور قحط سالی کی بلائیں نازل ہوتی رہیں، مگر ان مصائب میں وہ نہ گھبرایا اور سلطنت کو روبہ تنزل ہونے سے بچانے کی سعی کرتا رہا۔

1.6 منذر بن محمد (273ھ تا 275ھ بمطابق 882ء تا 888ء):

امیر منذر اپنے باپ محمد کی وفات کے بعد چوالیس سال کی عمر میں تخت پر بیٹھا۔ چونکہ اس کی عمر جنگی معرکوں میں گزری تھی اس لئے اسے مہمات کا تجربہ تھا مگر اس کے عہد میں ملک کی حالت بہت بگڑ گئی۔ سرحدی عیسائیوں نے سرحدی قلعوں پر قبضہ کر لیا۔ ابن حفصون، جس نے محمد کے عہد میں بغاوت کی تھی، نے پھر سر اٹھایا اور جب منذر اس کی سرکوبی کیلئے روانہ ہوا تو وہ قلعہ بند ہو کے بیٹھ گیا۔ ابھی حفصون سے کشمکش کا یہ سلسلہ جاری تھا کہ منذر کے سوتیلے بھائی عبداللہ نے سازش کر کے اسے مروا ڈالا۔

1.7 عبداللہ بن محمد (275ھ تا 300ھ بمطابق 888ء تا 913ء):

منذر کی کوئی اولاد نہ تھی اس لئے اس کے انتقال کے بعد اس کا بھائی عبداللہ بن محمد تخت پر بیٹھا۔ عبداللہ کے عہد میں ملک میں انتشار بہت پھیل گیا تھا، تخت نشین ہوئے اسے ابھی تین سال نہ ہوئے تھے کہ اندلس کے بہت بڑے حصے میں عرب امراء نے جا بجا خود مختار ریاستیں قائم کر لیں، لورقا اور سرقسطہ نے حکومتِ قرطبہ سے علیحدگی اختیار کر لی، بربری امراء نے سپینکے مغربی اور پرتگال کے جنوبی اضلاع پر قبضہ کر لیا اور سیاسی طور پر خود مختار ہو گئے اور سرحدی ڈاکو ابن حفصون نے غرناطہ کے پہاڑی علاقہ میں اپنی ریاست قائم کر لی۔

عبداللہ نے کل 24 برس حکومت کی اور 68 سال کی عمر میں انتقال کیا۔ اس کی حکومت کے ابتدائی پندرہ سالوں میں عیسائیوں نے جا بجا شورشیں برپا کیں جس سے ملک میں عدمِ استحکام آیا مگر آخری سالوں میں تجارت، زراعت اور صنعت کو فروغ حاصل ہوا۔

1.8 عبدالرحمٰن ثالث (300ھ تا 350ھ بمطابق 913ء تا 961ء):

عبداللہ نے اپنے تمام بیٹوں کی موجودگی میں اس بات کا اعلان کیا تھا کہ اس کی وفات کے بعد اس کا جانشین اس کا پوتا عبدالرحمٰن ہوگا۔ چنانچہ عبداللہ کی وفات کے بعد عبدالرحمٰن اکیس سال کی عمر میں تخت پر بیٹھا۔

1.8.1 پالیسیاں اور کارنامے:

تخت نشین ہوتے ہی عبدالرحمٰن نے کئی ناجائز ٹیکس معاف کر دیئے۔ اس نے اپنی پالیسی کی وضاحت کرتے ہوئے اعلان کیا کہ جو سرکش امراء فوراً ہتھیار ڈال کر حلفِ وفاداری اٹھا لیں گے ان سے کوئی تعرض نہ کیا جائے گا۔ اس اعلان کے ہوتے ہی بہت سے عیسائی اور مسلمان قلعہ داروں، رئیسوں اور جاگیرداروں نے عبدالرحمٰن ثانی کی اطاعت قبول کر لی۔

اندرونی جھگڑوں کو رفع کرنے کے بعد سلطان عبدالرحمان گردونواح کی ریاستوں کی طرف متوجہ ہوا۔ سب سے

پہلے اس نے ابن حفصون کی سرکوبی کی پھر ایک سال کی جنگ کے بعد ریاست طلیطلہ کی عیسائی ریاست کو فتح کرلیا۔ جب ابن حفصون مرگیا تو سیرانیا کے علاقہ کو عبدالرحمٰن نے اپنی قلمرو میں شامل کرلیا۔ ان دنوں جب مراکش میں ادریسی خاندان کے خاتمے پر بدامنی شروع ہوئی تو اس نے اپنا بحری بیڑہ روانہ کردیا جس پر مختلف سرداروں نے فوراً عبدالرحمٰن کی سیادت کو قبول کرلیا اور یوں 919ء میں مراکش سپین کی اسلامی سلطنت کا ایک صوبہ بن گیا۔ سرقسطہ کے گورنر محمد بن ہشام نے عیسائی ریاستوں سے ساز باز کرکے بغاوت کی، مگر عبدالرحمٰن نے سب کو شکست دے کر محمد بن ہشام کو گرفتار کرلیا۔ جلیقیہ، لوار اور لیون کی عیسائی ریاستوں نے بھی سلطان کی عسکری قوت کا لوہا مان کر اس کے ساتھ سفارتی تعلقات قائم کرلئے۔

فوجی کارناموں کے علاوہ عبدالرحمٰن نے علم وادب کی بڑی سرپرستی کی، اس نے قرطبہ میں بے شمار مدارس قائم کئے جہاں طلباء کی رہائش اور خورد ونوش کے مصارف شاہی خزانے سے ادا کئے جاتے تھے۔ تفسیر، حدیث، فقہ، فلسفہ، طب اور ہیئت کے بے شمار عالم اس کے دربار کی زینت تھے۔ خلیفہ عبدالرحمٰن نے اپنے عہدِ حکومت میں بہت سی عمارتیں بنوائیں، بے شمار باغات لگوائے، کئی خوبصورت مساجد اور محلات تعمیر کرائے جن میں بعض عمارات اب تک موجود ہیں۔

1.8.2 عبدالرحمٰن کا انتظامِ سلطنت:

عبدالرحمٰن کے حسنِ انتظام کے متعلق مسلم وغیر مسلم مؤرخین رطب اللسان ہیں۔ ان کے بیان کے مطابق عبدالرحمٰن کی مساعی کی بدولت سپین دنیا کی طاقتور مملکتوں میں شمار ہونے لگا۔ سڑکیں محفوظ تھیں، اور مسافر اور تاجر بلا روک ٹوک ملک کے ایک حصہ سے دوسرے حصہ تک سفر کرسکتے تھے۔ ملک میں صنعت وحرفت ترقی پر تھی اور ملک کی تجارت کا یہ عالم تھا کہ حکومت کو صرف غیر ملکی محاصل سے ایک کروڑ بیس لاکھ دینار حاصل ہوتے تھے۔ اس کے علاوہ حکومت کے ذرائع آمدن بے شمار تھے۔ ملک کی حفاظت کے لیے ایک طاقتور فوج اور زبردست بحری بیڑہ ہر وقت تیار رہتا تھا۔

عبدالرحمٰن نے قرطبہ شہر میں گھر گھر پائپ لائنوں کے ذریعے پانی پہنچانے کا انتظام کیا۔ اس وقت قرطبہ کی آبادی دس لاکھ سے زائد تھی، جس میں دو لاکھ مکانات، اسی ہزار چار سو دکانیں، تین ہزار مساجد، سات سو حمام اور چار ہزار تین سو گودام تھے۔ ساری سڑکیں پتھر کی تھیں، شہر سے ڈیڑھ گھنٹے کی مسافت پر اس نے قصر الزہراء تعمیر کرایا جس کے اردگرد مدینۃ الزہراء کے نام سے ایک شہر آباد ہوگیا۔

عبدالرحمٰن الناصر کے سنہری کارناموں کے پیشِ نظر ہم کہہ سکتے ہیں کہ وہ نہ صرف سپین کے اموی حکمرانوں میں سب سے زیادہ لائق تھا بلکہ ایک لحاظ سے وہ سپین میں مسلمانوں کی عظمت کو بچانے والا تھا۔ اس کی تخت نشینی کے وقت سپین میں مسلمانوں کی حالت دگرگوں تھی اور اموی حکومت قرطبہ اور اس کے گردونواح تک محدود تھی مگر چند ہی سالوں کے اندر اس نے باغیوں کا قلع قمع کیا، عیسائی طاقت کو نیچا دکھایا اور ملک میں کامل امن و امان قائم کیا۔ محاصل کی فراوانی سے سلطنت کی آمدنی میں اس قدر حیرت انگیز اضافہ ہوا کہ اس کی آمدنی یورپ کی عیسائی طاقتوں کی مجموعی آمدنی سے بھی زیادہ ہوگئی۔ 327ھ میں عبدالرحمٰن نے امیر المومنین اور ناصر لدین اللہ کا لقب اختیار کیا۔ سپین کے اموی حکمرانوں میں یہ پہلا شخص تھا جس نے اپنے آپ کو خلیفہ کہلوانے کی جرأت کی تھی۔ اس سے پہلے سپین کے اموی حکمران امیر کہلاتے تھے جبکہ خلیفہ کا لقب صرف بغداد کے عباسی حکمرانوں کیلئے مخصوص تھا۔

1.9 الحکم ثانی (350ھ تا 366ھ بمطابق 961ء تا 976ء):

عبدالرحمٰن ثالث کی وفات کے بعد اس کا بیٹا حکم ثانی المستنصر باللہ کے لقب سے تخت نشین ہوا۔ وہ ایک عالم اور علم پرور حکمران تھا، اس کا علمی انہماک اس قدر تھا کہ اس کے بارے میں یہ غلط فہمی پیدا ہوگئی تھی کہ وہ تلوار کا دھنی نہیں ہے۔ چنانچہ لیون، نویرہ اور قشتالہ کے عیسائیوں نے صلح کے معاہدے توڑ کر جارحانہ کارروائیاں شروع کر دیں مگر حکم نے انہیں عبرتناک شکست سے دوچار کیا۔ اس طرح اس نے اپنی پیشن قلمرو کو نہ صرف مستحکم کیا بلکہ اسے وسعت بھی دی۔

حربی صفات اور انتظامی قابلیتوں سے بہرہ ور ہونے کے علاوہ حکم ثانی علماء کے حق میں بہت سخی تھا۔ اس کے دربار میں علماء اور فلسفیوں کا جمگھٹا لگا رہتا تھا، بغداد، مصر اور ایشیائی شہروں سے علوم قدیم و جدید کے نادر نسخے منگوایا کرتا تھا۔ مؤرخ ابوالفراج اصفہانی جب اپنی کتاب ''الاغانی'' کو ابھی لکھ رہے تھے کہ حکم ثانی نے انہیں ایک ہزار دینار بھیج دیے کہ وہ کتاب کو ختم کرتے ہی اس کی ایک نقل جلد قرطبہ روانہ کر دیں۔ ملک میں تعلیم عام تھی، اسلامی سپین میں ابتدائی مدارس اتنی تعداد میں تھے کہ ہر شخص نوشت وخواند سے واقف تھا۔

خلیفہ حکم ثانی 16 سال حکومت کرنے کے بعد 976ء میں انتقال کر گیا۔

1.10 ہشام ثانی (366ھ تا 399ھ بمطابق 976ء تا 1008ء):

حکم ثانی کی وفات کے بعد اس کا بیٹا ہشام ثانی گیارہ سال کی عمر میں تخت نشین ہوا۔ چونکہ یہ ابھی کمسن تھا اس لئے وزیر محمد بن ابی عامر اس کا سرپرست بنا مگر زیادہ مدت نہ گزری تھی کہ اس کی نیت بدل گئی اور وہ مخالف امراء کو قتل کر کے سیاہ وسفید کا مالک بن گیا۔ اس نے خلیفہ کو نظر بند کر دیا اور امراء و وزراء بڑی مشکل سے خلیفہ کی خدمت میں باریابی حاصل کر سکتے تھے۔

خلیفہ پر قابو پانے کے بعد محمد بن ابی عامر، حاجب المنصور کے لقب سے ملک پر حکومت کرنے لگا۔ سکوں پر اس کا نام کندہ ہوا، اور خطبہ میں بھی خلیفہ کے نام کے ساتھ اس کا نام شامل کیا گیا، تمام احکامات اسی کے نام سے جاری ہوتے تھے۔ منصور حاجب نے اپنے عہدِ اقتدار میں باون جنگی معرکوں میں شرکت کی اور تمام لڑائیوں میں کامیاب رہا۔

394ھ میں حاجب المنصور کا انتقال ہو گیا اور اس کی جگہ اس کا بیٹا عبدالملک المظفر کے لقب سے حاجب بنا۔

1.11 اموی خلافت کا زوال اور ملک میں طوائف الملوکی:

عبدالملک نے اپنے والد منصور کے نقش قدم پر چلتے ہوئے سلطنت کے وقار کو چھ برس تک قائم رکھا، اس نے عیسائیوں کے خلاف آٹھ مرتبہ کامیابی سے جہاد کیا، علم وادب کی سرپرستی کی اور ہر لحاظ سے اس نے اپنی انتظامی صلاحیتوں کا ثبوت دیا۔ 399ھ میں اس کی وفات کے بعد ہشام نے اس کے بھائی عبدالرحمٰن بن منصور کو اپنا حاجب مقرر کیا۔ نیا حاجب نہ صرف بہت جلد سلطنت کا مختار کل بن گیا بلکہ اس پر اکتفا نہ کرتے ہوئے اس نے ہشام سے قرطبہ کی جامع مسجد میں اپنی ولی عہدی کا اعلان کرا دیا۔ عبدالرحمٰن کی یہ حرکت بنو امیہ کے حامیوں کو ناگوار گزری، چنانچہ اس کی عدم موجودگی میں اس کے مخالف امراء نے قرطبہ میں محمد بن ہشام بن عبدالجبار بن عبدالرحمٰن ثانی کو مہدی باللہ کے لقب سے تخت پر بٹھا لیا اور خلیفہ ہشام کو معزول کر دیا۔ اس خبر کے سنتے ہی عبدالرحمٰن قرطبہ واپس آیا مگر بگڑے ہوئے حالات پر قابو نہ پا سکا۔ اس کے رفقاء میں سے ایک نے اس کا سر قلم کر کے مہدی کے پاس بھیج دیا، اس طرح بنی عامر کے سیاسی اقتدار کا خاتمہ ہو گیا۔

مہدی کے زمانے میں بربریوں اور رعایا کے باہمی تعلقات بگڑ گئے۔ مہدی نے بربریوں کی طرف داری کی جس پر رعایا نے سلیمان بن حکم کو مستعین باللہ کے لقب سے خلیفہ بنا لیا۔ سلیمان نے عیسائی بادشاہ الفانسو کی مدد سے مہدی کو شکست
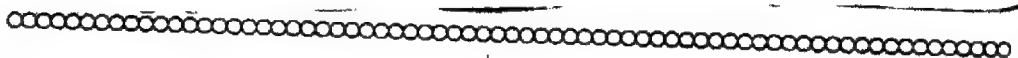
دے کر قرطبہ پر قبضہ کرلیا۔ مہدی نے الفانسو سے ساز باز کر کے مستعین کو شکست دی اور قرطبہ پر دوبارہ قبضہ کرلیا۔ ان واقعات سے تنگ آ کر لوگوں نے مہدی کو قتل کر کے ہشام ثانی کو دوبارہ اپنا خلیفہ بنا لیا۔

مستعین اور الفانسو نے مل کر ہشام کا قرطبہ میں محاصرہ کرلیا اور جان بچانے کیلئے ہشام روپوش ہوگیا۔ ان حالات میں 403ھ میں مستعین قرطبہ پر قبضہ کر کے دوبارہ خلیفہ بن گیا، مگر اس کے زمانے میں جابجا خودمختار ریاستیں قائم ہوگئیں۔

سن 407ھ تک مستعین قرطبہ اور اس کے مضافات پر حکومت کرتا رہا، آخر مراکش کے ادریسی خاندان کے ایک نوجوان علی بن حمود نے اشبیلیہ کے قریب مالکہ کے مقام پر مستعین کو شکست دے کر اسے قتل کردیا۔ اسی کے ساتھ سپین میں بنوامیہ کا چراغ 407ھ میں ہمیشہ کے لئے گل ہوگیا۔

2۔ سپین کی خودمختار حکومتیں اور خاندان

بنوامیہ کی حکومت کے ختم ہوتے ہی اسلامی اندلس متعدد چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں تقسیم ہوگیا۔ چند اہم خودمختار ریاستوں اور خاندانوں کا حال حسب ذیل ہے:

2.1 بنوحمود کا خاندان:

اس خاندان کے بانی علی بن حمود کا تعلق مراکش کے ادریسی خاندان سے تھا۔ اس نے اولاً طنجہ میں اپنی خودمختاری کا اعلان کیا پھر 407ھ میں مستعین کو شکست دے کر قرطبہ میں اپنی حکومت قائم کرلی اور ناصر لدین اللہ کا لقب اختیار کیا۔ ایک سال بعد ہی صقلبی غلاموں نے بغاوت کی اور اسے قتل کر کے اس کے بھائی قاسم کو اپنا حکمران تسلیم کرلیا۔ قاسم کو 415ھ میں قید کرلیا گیا اور بارہ سال بعد اسے قتل کرادیا۔

تقریباً نصف صدی کے سیاسی اتار چڑھاؤ کے باوجود خاندانِ بنوحمود کے افراد اہلِ قرطبہ پر حکومت کرتے رہے تا آنکہ 450ھ میں اشبیلیہ کے بادشاہ القاسم بن عباد نے بنوحمود کی حکومت کا خاتمہ کردیا۔

2.2 بنوعباد کا خاندان:

بنوعباد کی حکومت کا مرکز اشبیلیہ کا شہر تھا۔ یہاں قاضی ابوالقاسم محمد بن اسماعیل بن عباد اللخمی نے اپنی آزاد حکومت قائم کر لی اور بیس برس تک حکومت کی۔ اس کے کے انتقال کے بعد اس کا بیٹا ابوعمر عباد ریاست اشبیلیہ کا سربراہ بن گیا اور معتضد کا لقب اختیار کیا۔ اس نے قرمونہ، قرطبہ وغیرہ کو فتح کر کے اشبیلیہ کی ریاست کو وسعت دی، لیکن بدقسمتی سے معتضد کی غرناطہ کے بادشاہ سے لڑائی شروع ہوگئی۔ مسلمانوں کی باہمی ناچاقی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے 447ھ میں قسطلہ اور لیون کے بعد فرڈیننڈ اول نے اشبیلیہ پر یلغار کر کے معتضد کو اپنا باجگزار بنالیا۔

461ھ میں معتضد انتقال کر گیا اور اس کا بیٹا معتمد تخت نشین ہوا۔ 468ھ میں معتمد نے عیسائی بادشاہ الفانسو چہارم کو خراج دینا بند کر دیا جس پر الفانسو نے اولاً طلیطلہ پر حملہ کر کے اس پر قبضہ کر لیا پھر پورے اندلس کو فتح کرنے منصوبے بنانے لگا۔ معتمد نے شمالی افریقہ کے مرابطی بادشاہ یوسف بن تاشفین سے امداد کی درخواست کی جو ایک زبردست فوج لے کر معتمد کے پاس پہنچ گیا۔ ذلاقہ کے مقام پر عیسائیوں اور مسلمانوں کی زبردست لڑائی ہوئی جس میں عیسائیوں کو عبرتناک شکست ہوئی اور الفانسو تین سو سپاہیوں سمیت جان بچا کر فرار ہوگیا۔

ذلاقہ کی شکست کے باعث عیسائیوں کے تمام منصوبے خاک میں مل گئے مگر مسلمانوں نے عیسائیوں کی اس ذلت آمیز شکست سے چنداں فائدہ نہ اٹھایا اور وہ بدستور باہمی جھگڑوں میں مصروف رہے، ان حالات کے پیش نظر یوسف بن تاشفین اندلس پہنچ گیا اور اکثر ریاستوں کو اپنی قلمرو میں شامل کر لیا۔ اس موقع پر معتمد نے عیسائیوں سے مل کر یوسف بن تاشفین کے خلاف سازباز کی جس کی پاداش میں اسے 484ھ میں گرفتار کر کے افریقہ بھیج دیا گیا۔ اس طرح بنوعباد کی حکمرانی کا دور ختم ہوگیا۔

2.3 سپین پر مرابطین کا دورِ حکمرانی:

یوسف بن تاشفین شمالی افریقہ کا حکمران تھا جسے خلیفۂ بغداد کی طرف سے امیر المسلمین کا خطاب دیا گیا تھا۔ معتمد کی گرفتاری کے بعد پورا سپین یوسف کے قبضے میں آ گیا اور 485ھ میں سپین مراکش (شمالی افریقہ) کے مرابطین کا ایک صوبہ بن گیا۔

یوسف بن تاشفین نے پندرہ سال اندلس پر حکومت کرنے کے بعد 500ھ میں اس جہانِ فانی سے رحلت کی۔ اسلامی اندلس کے علاوہ شمالی افریقہ کے علاقے تیونس سے لے کر بحر اٹلانٹک تک اس کے زیرِ نگیں تھے۔

یوسف بن تاشفین کی وفات کے بعد اس کا بیٹا ابوالحسن علی تخت نشین ہوا۔ نیا حکمران بھی مردِ مجاہد ثابت ہوا، اس نے پرتگال کے پایۂ تخت لزبن اور متعدد عیسائی شہروں کو فتح کیا اور 513ھ میں سرقسط شہر کو عیسائیوں سے چھین لیا۔ ان فتوحات کے بعد وہ 515ھ میں اپنے بھائی تمیم بن یوسف کو اندلس کا گورنر مقرر کر کے مراکش واپس چلا گیا۔ سن 537ھ میں علی بن محمد یوسف نے وفات پائی۔

علی بن یوسف کی وفات کے بعد ابو محمد تاشفین مراکش کے تخت پر بیٹھا مگر صرف دو سال کی حکومت کے بعد 539ھ میں انتقال کر گیا۔ اس کے بعد اس کا بیٹا ابو اسحاق ابراہیم تخت نشین ہوا، لیکن دو سال کے اندر ہی مؤحدین نے عبدالمومن کی سرکردگی میں اسے شکست دے کر پورے مراکش پر قبضہ کر لیا۔ مراکش پر مرابطین کی حکومت ختم ہو جانے پر سپین میں بھی طوائف الملوکی پھیل گئی جس سے فائدہ اٹھاتے ہوئے مؤحدین نے 542ھ میں اندلس کو اپنی قلمرو میں شامل کر لیا۔

بحیثیت مجموعی مرابطین حکمران پرہیزگار اور باعمل مجاہد تھے اور انہوں نے نہایت آڑے وقت میں اندلس میں مسلمانوں کے سیاسی وقار کو قائم رکھا اور عیسائی حکمرانوں کو نیچا دکھایا۔

2.4 مؤحدین کا دورِ حکومت:

محمد بن عبداللہ بن تومرت سلسلۂ موحدین کا بانی تھا جو مراکش کے ایک گاؤں میں پیدا ہوا۔ اس نے امر بالمعروف و نہی عن المنکر سے اپنی تحریک کا آغاز کیا اور بہت جلد مراکش کے باشندے کافی تعداد میں اس کے مرید ہو گئے۔ چونکہ وہ توحید پر زیادہ زور دیتا تھا اس لئے اس کے مریدوں کو لوگ مؤحدین کے نام سے پکارنے لگے۔

کچھ مدت کے بعد محمد بن عبداللہ بن تومرت نے مہدی موعود ہونے کا دعویٰ کر دیا۔ علی بن تاشفین نے اسے جلاوطن کر دیا، ابن تومرت نے مراکش کے پہاڑی علاقوں میں پناہ لے لی اور وہاں اپنا گروہ بنا لیا۔

ابن تومرت نے 534ھ میں وفات پائی مگر اپنی وفات سے قبل تقریباً آٹھ سال کے عرصے میں اس نے مراکش

کے ایک معقول حصے پر اپنا تسلط جما لیا تھا۔ وفات سے قبل اس نے اپنے ایک مرید عبدالمومن کو اپنا نائب اور سپہ سالار مقرر کر کے اسے امیر المومنین کا خطاب دیا۔ علی بن تاشفین کی وفات کے بعد عبدالمومن کی حکومت پورے مراکش میں مسلم ہوگئی۔

مرابطین اور موحدین کی باہمی کش مکش کے باعث اندلس کے عیسائی حکمرانوں نے اندلس کے اسلامی علاقوں پر حملے کرنے شروع کر دیئے۔ الفانسو ہفتم اسلامی علاقوں کو تباہ کرتا ہوا قرطبہ کی دیواروں تک پہنچ گیا۔ چنانچہ 539ھ میں عبد المومن نے اہلِ قرطبہ کی امداد کیلئے ایک زبردست فوج اور جنگی بیڑہ روانہ کیا۔ عبدالمومن کے جرنیلوں نے عیسائیوں کو شکستیں دیں اور تقریباً پانچ سال کے عرصے میں انہوں نے طریف، اشبیلیہ اور قرطبہ کے مقامات پر قبضہ کر لیا۔ 555ھ تک تمام اندلس کے امراء نے عبدالمومن کی اطاعت کا حلف اٹھا لیا۔

1163ء میں عبدالمومن کی وفات کے بعد اس کا بیٹا یوسف تخت نشین ہوا۔ اس کے عہد حکمرانی کے ابتدائی ایام میں اطلس قبائل نے معمولی شورش برپا کی مگر یوسف نے جلد ہی ان پر قابو پا لیا۔ امن وامان کو قائم رکھنے کیلئے اس نے اندلس میں بیس ہزار فوج متعین کر دی، رفاہ عامہ کے کاموں کی طرف بھی توجہ دی اور متعدد مساجد، سڑکیں، پل اور عمارات تعمیر کرائے۔

سلطان یوسف کی وفات کے بعد اس کا بیٹا سلطان یعقوب المنصور 580ھ میں تخت پر بیٹھا۔ اس کے عہد میں عیسائیوں نے طلیطلہ کے بادشاہ الفانسو دوم کی ماتحتی میں پھر ایک مرتبہ اندلس کے مسلمانوں سے 591ھ میں جنگ چھیڑ شروع کر دی۔ الفانسو دو لاکھ کا لشکر لے کر یعقوب المنصور کے مقابلے میں آیا مگر اُسے شکست ہوئی۔ الفانسو کے ایک لاکھ چھیالیس ہزار سپاہی مقتول ہوئے اور تقریباً نصف لاکھ کے قیدی ہوئے۔ اس کامیابی کے بعد منصور نے آگے بڑھ کر طلیطلہ کا محاصرہ کر لیا۔

ان شاندار فتوحات کو حاصل کرنے کے بعد سلطان 595ھ میں مراکش میں اس جہان فانی سے رحلت کر گیا۔ منصور کے عہد کی فتوحات اور لوگوں کی خوش حالی اسلامی اندلس کی عظمت کی آخری تصویر تھی۔ یعقوب المنصور کے عہد حکومت میں مراکش سے لے کر طرابلس تک ممالک افریقہ، اندلس، جزیرہ صقلیہ (سسلی) اور بحیرہ روم کے دوسرے جزائر سب اس کی سلطنت میں شامل ہو گئے تھے اور سلطنتِ موحدین کا فرماں رواں دنیا کے عظیم الشان سلاطین میں شمار ہوتا تھا۔

ooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooo

سلطان یعقوب المنصور کی وفات کے بعد اس کا لڑکا سلطان ابو عبداللہ محمد ناصر کے لقب سے 595ھ (1199ء) میں تخت نشین ہوا۔ یہ سلطان اپنے نامور باپ کے مقابلے میں تدبر اور انتظامی قابلیت میں بدرجہا کم تھا تاہم اپنے عہد کے ابتدائی سالوں میں اس نے امورِ سلطنت کو سنبھالے رکھا۔ 608ھ میں سپین کے عیسائی حکمرانوں نے متحد ہو کر اسلامی علاقے پر یلغار کر دی، سلطان نے اپنی فوج کے ساتھ ڈٹ کر مقابلہ کیا مگر قبائلی مناقشات کے باعث اس جنگ (جنگِ طولوسیہ) میں مسلمانوں کو شکست ہوئی۔ فیصلہ کن جنگ کے بعد متعصب عیسائیوں نے نہ صرف لاکھوں مسلمانوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا بلکہ اسلامی تہذیب کے ہر نقش کو مٹانے کی کوشش کی۔ انہوں نے آباد شہروں کو کھنڈرات میں تبدیل کر دیا گیا۔ سلطان اس شکست سے دل برداشتہ ہو کر 610ھ میں فوت ہو گیا اور اپنی وفات سے قبل اپنے بیٹے یوسف ابو یعقوب کو اپنا جانشین نامزد کر گیا۔

سلطان یوسف ابو یعقوب سولہ سال کی عمر میں تخت پر بیٹھا، اس کے دور میں مرسیہ میں ابو محمد نے اپنی خود مختار حکومت قائم کر لی۔ دس سال حکومت کرنے کے بعد سلطان یوسف کا انتقال ہو گیا۔ اس کے بعد اس کا بھائی عبدالواحد تخت نشین ہوا لیکن نو ماہ کے قلیل عرصہ کے بعد اسے فنا کے گھاٹ اتار دیا گیا۔ اس صورت حال میں مرسیہ کے خود مختار حاکم ابو محمد کے حوصلے بڑھ گئے، اس نے مراکش جا کر وہاں کے حاکم عبدالملک کو معزول کر دیا اور خود ملک کا حکمران بن گیا یوں عملی طور پر اندلس میں موحدین کے سیاسی اقتدار کا 625ھ میں خاتمہ ہو گیا۔

اس دور میں متعدد مسلم ریاستوں نے عیسائیوں کی جارحیت روکنے کی کوشش کی لیکن ایک ایک کر کے تمام صوبے عیسائیوں کے ہاتھوں فتح ہوئے، صرف غرناطہ کا ایک صوبہ رہ گیا جس پر مسلمانوں کی حکومت تھی۔

2.5 غرناطہ کا خاندان بنی نصر:

غرناطہ کی سلطنت کا بانی یوسف ابن الاحمر تھا جس نے 633ھ میں غرناطہ کی آزاد ریاست کی بنیاد ڈالی۔ اگلے تین سالوں میں اس نے المیریہ اور لارقہ کے علاقوں پر اپنے اقتدار کا سکہ بٹھا دیا، قشتالہ کے عیسائی حکمران کو شکست دی، متعدد فوجی مہموں کو سر کرنے کے علاوہ اس نے ایک شاندار محل بنوایا جو تاریخ میں قصر الحمراء کے نام سے مشہور اور آج تک موجود ہے۔ 671ھ میں اس نے وفات پائی۔

نصر بن یوسف ابن الاحمر اور اس کے انیس جانشینوں نے غرناطہ پر 633ھ سے 897ھ تک حکومت کی۔ کافی مدت تک ان مسلمان حکمرانوں کا عیسائی بادشاہوں سے جھڑپوں کا سلسلہ جاری رہا جن کا کوئی خاص نتیجہ برآمد نہ ہوا۔

غرناطہ کا اٹھارہواں حکمران سلطان ابوالحسن ایک باہمت اور دلیر شخص تھا۔ یہ 870ھ میں تخت نشین ہوا، اس کے زمانے میں ریاست غرناطہ کا رقبہ صرف چار ہزار مربع میل پر مشتمل تھا۔ انہی ایام میں قسطیلیہ کے نئے بادشاہ فرڈی نینڈ کی شادی ارغوان کی شہزادی ازبیلا سے ہوئی تھی، اس اتحاد کی بدولت ان دونوں کی ریاستوں کا مجموعی رقبہ سوا لاکھ مربع میل ہو گیا اور ان کی فوجی طاقت میں غیر معمولی اضافہ بھی ہوا۔ 887ھ میں سلطان ابوالحسن نے لوشہ کے مقام پر فرڈی نینڈ کو شکست دی مگر اسی دوران سلطان ابوالحسن کے بیٹے ابوعبداللہ نے باپ کے خلاف علم بغاوت بلند کر کے غرناطہ پر قبضہ کر لیا۔ اس پر ابوالحسن مالقہ چلا گیا اور اس مقام کو پایۂ تخت بنا لیا، باپ اور بیٹے کی خانہ جنگی سے عیسائیوں نے خوب فائدہ اٹھایا، چنانچہ انہوں نے ایک جنگ میں ابوعبداللہ کو شکست دے کر اسے قید کر لیا، ادھر سلطان ابوالحسن پر فالج کا ’ ہوا اور وہ اندھا ہو گیا۔ سلطان نے امورِ سلطنت سے کنارہ کشی کرتے ہوئے اپنے بھائی ابوعبداللہ زغل کو تخت پر بٹھا دیا۔

انیسویں حکمران ابوعبداللہ زغل کے زمانے میں فرڈی نینڈ اور ازابیلا نے 890ھ میں غرناطہ پر فوج کشی کی مگر شکست کھائی۔ مسلمانوں میں خانہ جنگی کرانے کی نیت سے فرڈی نینڈ نے ابوعبداللہ کو اپنی قید سے آزاد کرا دیا۔ ابوعبداللہ قید سے چھوٹتے ہی مالقہ پر قابض ہو گیا۔ اس نے اپنے چچا ابوعبداللہ زغل سے دوستانہ مراسم قائم رکھنے کے وعدے پر لوشہ کا علاقہ لے لیا جسے اس نے اگلے سال فرڈی نینڈ کے حوالے کر دیا۔ اس کے بعد چچا اور بھتیجے کے درمیان خانہ جنگی کا سلسلہ شروع ہو گیا، ان حالات سے فائدہ اٹھاتے ہوئے فرڈی نینڈ نے مالقہ پر قبضہ کر کے سلطان ابوعبدا [illegible] زغل کو اپنے ساتھ ملا لیا اور ابوعبداللہ سے غرناطہ اور قصر الحمراء کا مطالبہ کیا۔

مسلمانوں کے پاس اب صرف غرناطہ کا شہر باقی رہ گیا تھا، ابوعبداللہ کے انکار پر 890ھ میں فرڈی نینڈ اور ازابیلا کی متحدہ فوجوں نے غرناطہ کا محاصرہ کر لیا۔ آخر عبداللہ نے فرڈی نینڈ سے مذہبی آزادی، جان، مال اور آبرو کی حفاظت کا وعدہ لے کر 2 ربیع الاول 897ھ (2 جنوری 1492ء) کو ہتھیار ڈال دیئے۔

غرناطہ پر قبضہ کرنے کے بعد فرڈی نینڈ اور ازابیلا نے مسلمانوں پر بے پناہ مظالم توڑنے شروع کر دیئے۔ مسلمانوں کو زبردستی عیسائی بنانے کی مہم شروع کر دی گئی، معمولی بہانوں سے انہیں اسلام ترک کرنے پر مجبور کیا جاتا یا انہیں قتل

کر دیا جاتا، ان کی جائیدادیں ضبط کی جاتیں اور سپین کی مقدس مذہبی عدالت ان کو زندہ جلانے کا حکم دیتی رہی۔ تقریباً ایک صدی تک سپین کے عیسائی حکمران مسلمانوں کو اپنے انسانیت سوز مظالم کا نشانہ بناتے رہے، آخر 1018ھ (1610ء) میں تمام مسلمانوں کو سپین سے نکل جانے کا حکم دیا گیا۔ چنانچہ ہزاروں کی تعداد میں مسلمان افریقہ کی طرف خستہ وخراب حالت میں ہجرت کر گئے۔ ایک عیسائی مؤرخ کے اندازے کے مطابق 897ء میں سقوطِ غرناطہ سے 1018ھ (1610ء) تک تقریباً تیس لاکھ مسلمانوں کو سپین سے جلاوطن کیا گیا، نتیجتاً سپین سے مسلمانوں کا نام ونشان مٹ گیا۔

3۔ مصر اور شمالی افریقہ کی مسلم حکومتیں

3.1 دولتِ ادریسیہ (172ھ تا 309ھ):

تیسرے عباسی خلیفہ مہدی کے ایامِ حکمرانی تک شمالی افریقہ کے تمام اسلامی مقبوضات خلیفۂ بغداد کے جاری کردہ فرامین کے تابع تھے مگر خلیفہ ہادی کے عہدِ حکومت میں حضرات امام حسینؓ کے خاندان کے ایک نامور شخص حسین بن علی نے علم بغاوت بلند کیا اور شکست کھا کر مارے گئے۔ ان کے ماموں ادریس بن عبداللہ جان بچا کر مغربی افریقہ یعنی مراکش بھاگ نکلنے میں کامیاب ہو گئے۔ ادریس محمد نفس الزکیہ کے بھائیوں میں سے تھے، مراکش کے بربر قبائل نے ان کے ہاتھ پر بیعت کر کے انہیں امیر تسلیم کر لیا، اس طرح انہوں نے 172ھ (788ء) میں ادریسی حکومت قائم کر لی۔

ادریس اول ایک قابل حکمران ثابت ہوا، اس نے فاس کا شہر بسایا اور ملک کا نظم ونسق بہترین اصولوں پر قائم کیا۔ امن وامان قائم ہو جانے کی وجہ سے یہ ریاست بہت جلد علم وتہذیب کا مرکز بن گئی۔ یہ بات عباسی حکمرانوں کو ناگوار گزری چنانچہ انہی کی ایما پر کسی شخص نے اسے زہر دے کر ہلاک کر دیا۔

ادریس کی وفات کے بعد جو بچہ ان کے ہاں پیدا ہوا، بربریوں نے اس کا نام بھی ادریس رکھ کر اس کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ گیارہ سال کی عمر میں اس نے سلطنت کا انتظام مکمل طور پر اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ ادریس ثانی اپنے والد سے زیادہ کامیاب حکمران ثابت ہوا اور اس نے متعدد فتوحات حاصل کر کے اپنی قلمرو کو وسیع کیا۔ ابنِ خلدون کے مطابق

اس حکمران نے اپنی وسیع فتوحات کے ذریعے اپنا سکہ شمالی افریقہ کے لوگوں کے دلوں پر بٹھایا اور وہاں عباسیوں کے اقتدار کا خاتمہ کر دیا۔

825ء میں ادریس ثانی کی وفات کے بعد اس کا بیٹا محمد تخت نشین ہوا۔ اس نے اپنے بھائیوں کا اعتماد حاصل کرنے کی خاطر انہیں مختلف صوبوں کا والی بنا دیا، اس کی پالیسی کامیاب رہی۔ ایک کے سوا تمام صوبوں کے والی آخری دم تک اس کی وفاداری کا دم بھرتے رہے۔ محمد نے 833ء میں وفات پائی۔ محمد بن ادریس کی وفات کے بعد ادریسی سلطنت کے پانچ حکمران گزرے جن کے عہد میں ملکی انتظام کی کیفیت اچھی رہی اور رعایا کی حالت بھی بحیثیت مجموعی بہتر رہی۔ اس خاندان کا آخری حکمران یحیٰی سوم بڑا فاضل اور قابل فقیہہ تھا مگر اس میں انتظامی قابلیت کی کمی تھی۔ اس نے کچھ مدت تک تمام ادریسی مقبوضات کو اپنے قابو میں رکھا مگر جلد ہی مصر کے فاطمی حکمران نے مراکش پر حملہ کر کے اسے اپنے قبضے میں لے لیا جس کے ساتھ ہی ادریسی سلطنت کا خاتمہ ہو گیا۔

3.2 اغلبی حکومت (184ھ تا 296ھ بمطابق 801ء تا 909ء):

ہارون الرشید کے زمانہ میں افریقہ شورشوں کی زد میں رہا۔ شمالی افریقہ کا گورنر یزید بن حاتم وفات پا گیا تو بربریوں نے اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے علمِ بغاوت بلند کر دیا۔ کئی ایک مہمات دربارِ خلافت سے یکے بعد دیگرے روانہ کی گئیں لیکن فتح سے ہمکنار نہ ہو سکیں۔ ایک دوسرے گورنر مغیرہ بن بشر کی درشتگیٔ مزاج کی بنا پر خود عباسی فوج ہی نے بغاوت کر دی، افریقی باغیوں کے سردار عبداللہ بن جارود نے فوجیوں کو مزید بھڑکایا تو انہوں نے نئے گورنر عبداللہ بن یزید کو بھی قتل کر دیا۔ عبداللہ بن جارود نے اب تمام افریقی قبائلی سرداروں کو ایک جھنڈے تلے جمع کر لیا اور عباسی اقتدار کیلئے مستقل خطرہ بن گیا۔ ہارون الرشید نے ہرثمہ بن اعین، یحیٰی بن موسیٰ اور محمد بن مقاتل جیسے تجربہ کار افراد کو یہ مہم سر کرنے کیلئے روانہ کیا لیکن سب مہمات ناکام رہیں۔

ان حالات میں ابراہیم بن اغلب نے اپنی خدمات اس شرط پر ہارون کے سپرد کیں کہ افریقہ کی امارت اس کے خاندان کو دی جائے گی اور وہ وہاں امن وامان قائم کر کے چالیس ہزار دینار خراج دیگا۔ ہارون نے ان شرائط پر افریقہ کی حکومت ابراہیم بن اغلب کے سپرد کر دی اس نے باغیوں کو پے در پے شکستیں دیں۔ ان کامیابیوں سے خوش ہو کر ہارون الرشید نے افریقہ کی ولایت مستقل طور پر ابراہیم کے خاندان کے سپرد کر دی اور ابراہیم افریقہ میں اغلبیہ کی نیم خود مختار

حکومت قائم کرنے میں کامیاب ہوگیا۔ ابراہیم نے تقریباً بارہ سال حکومت کی۔ اس کی ذات میں سلطنت کے نظم ونسق کو درست کرنے کی صلاحیتیں موجود تھیں۔ وہ فہم و ذکاء اور کردار و گفتار کے لحاظ سے اپنے ہم عصروں میں ممتاز تھا۔ اس نے قیروان کے قریب ایک نیا شہر عباسیہ آباد کر کے اسے اپنا پایہ تخت بنایا۔ اس نے 166ھ میں وفات پائی۔

ابراہیم بن اغلب کے بعد اس خاندان کے دس فرمانروا گزرے۔ ان میں سے تیسرا فرمانروا زیادۃ اللہ، بڑا ذکی اور زود فہم تھا، اس نے علوم وفنون کی سرپرستی کی۔ اس کے عہد میں سسلی کے جزیرہ پر مسلمانوں نے قبضہ کرلیا اور اطالیہ میں اسلامی فتوحات کا سلسلہ شروع ہوا جو کئی برس تک جاری رہا۔ پلرموں کا علاقہ فتح ہونے کے بعد جزیرہ سسلی سلطنت اغالبہ کا ایک صوبہ بن گیا۔ 223ھ میں زیادۃ اللہ نے وفات پائی۔

اسی طرح ابو ابراہیم جو چھٹا حکمران تھا' بڑا کامیاب سیاستدان ثابت ہو۔ کہا جاتا ہے کہ اس نے ملک کو اندرونی شورشوں اور بیرونی حملوں سے بچانے کیلئے دس ہزار قلعے تعمیر کرائے، اس کے عہدِ حکومت میں ملک میں امن وامان تھا اور رعایا خوش حال تھی۔

آٹھواں فرماں روا ابراہیم بن احمد بھی ایک اچھا منتظم اور سیاست دان تھا۔ اس نے تمام بغاوتوں سے حکومت کو بچا کر فتوحات کا سلسلہ جاری رکھا۔ اس کے عہد کے آخری ایام میں مصر کی فاطمی حکومت کے ایک داعی ابوعبداللہ حسین بن محمد شیعی نے مراکش وافریقہ کے درمیان حد پر جنوبی شہر کتامہ میں محبتِ اہل بیت کی ترغیب و تزئین کر کے کافی طاقت حاصل کرلی اور اس شہر پر قابض ہوگیا۔ اسی دوران ابراہیم بن احمد کی وفات ہوگئی۔

آخری حکمران ابومضر زیادۃ اللہ کے دور میں ابوعبداللہ شیعی نے بڑی طاقت حاصل کرلی اور ابومضر کی نااہلی کی وجہ سے وہ کئی شہروں پر قابض ہوگیا۔ ابومضر حالات کو اپنے خلاف دیکھ کر شام بھاگ گیا، اس کے افریقہ سے نکلنے کے ساتھ ہی سلطنت اغلبیہ کا خاتمہ ہوگیا اور ابوعبداللہ شیعی نے مصر کے فاطمی حکمران کیلئے لوگوں سے بیعت لے کر قیروان کو فاطمی خلافت میں شامل کر دیا۔

3.3 دولتِ طولونیہ: (254ھ تا 292ھ)

دولتِ طولونیہ کا بانی احمد بن طولون تھا جس نے مصر میں طولونیہ حکومت کی بنیاد رکھی۔ احمد کا باپ طولون ایک ترکی غلام تھا جسے بخارا کے عامل نے مامون الرشید کی خدمت میں ہدیہ کے طور پر بھیجا تھا۔ احمد نے خلیفہ مستعین کے دور میں کئی اہم

کارنامے سرانجام دیئے۔

معتز باللہ جب عباسی خلافت پر متمکن ہوا تو اس نے احمد بن طولون کو مصر کا حاکم مقرر کیا۔معتز کی وفات کے بعد احمد نے عباسی خلافت کی کمزوریوں سے فائدہ اٹھا کر مصر کو خلافتِ عباسیہ سے آزاد کرا لیا،یوں طولونیہ حکومت باقاعدہ طور سے قائم ہوگئی۔

معتمد کے عہد میں ابنِ طولون کو بڑا عروج حاصل ہوا۔عیسیٰ بن شیخ نے جو والی شام تھا بغاوت کر دی جسے فرو کرنے کا کام احمد بن طولون کے سپرد ہوا۔اس نے انتہائی جانفشانی سے یہ بغاوت ختم کر دی جس پر شام کی ولایت اسی کے سپرد کر دی گئی۔اس واقعہ نے ابنِ طولون کی اہمیت کو بڑھا دیا اور مصر کا شعبہ خراج اور شامی سرحدوں کی حفاظت بھی اس کے نام پر ہوگئی۔یوں وہ مصر،شام اور اسکندریہ کے وسیع علاقے کا حاکم بن گیا۔

ان علاقوں کی حاکمیت کے بعد اس نے حکومت کے ہر شعبہ میں ترقی دی۔اس نے ایک نیا شہر بسایا جس میں خوبصورت عمارات،سڑکیں،مسجدیں اور حمام بنوا کر لوگوں کو سہولتیں فراہم کیں ان ترقیوں نے احمد طولون کی حکومت کو مہذب حکومتوں کے ہم پلہ کر دیا تھا۔انہی ترقیوں کے نتیجے میں احمد طولون کے اردگرد کئی حاسد امراء پیدا ہوگئے اور سازشوں کے جال بچھا کر خلیفہ کو اس کا مخالف بنا دیا۔چنانچہ خلافتِ عباسیہ کے سربراہِ حکومت موفق نے اسے مصر سے ہٹانے کا حکم دے کر اس کی جگہ والی دمشق ماجور کو' جو ابن طولون کا مخالف بھی تھا' بھیجا۔ماجور کو البتہ یہ ہمت نہ ہوسکی کہ ابن طولون کا مقابلہ کرے۔اسی دوران ابن طولون کو دمشق حاصل کرنے کا موقع بھی مل گیا جسے اس نے مصر کی حکومت سے ملحق کر دیا۔

معتمد چونکہ برائے نام خلیفہ تھا،اس کے اپنے بھائی موفق سے اختلافات پیدا ہوگئے۔یہ اختلاف اسقدر بڑھ گئے کہ معتمد ابن طولون کے دامن میں پناہ لینے پر آمادہ ہوگیا۔احمد نے معتمد کی بیعت توڑنے پر موفق کے خلاف اعلانِ جہاد کیا اور مصر کے لوگوں کو موفق کے خلاف کر کے ان سے اعلانِ جہاد پر دستخط لیلیے۔اسی دوران 270ھ میں احمد بن طولون کا انتقال ہوگیا۔

احمد بن طولون کے بعد اس کا بیٹا خمارویہ 270ھ میں طولونیہ مصر کے تخت پر بیٹھا۔موفق اپنا لشکر لے کر خمارویہ کے مقابلے میں آیا،دمشق میں مقابلہ ہوا اور موفق نے اس پر قبضہ کر لیا جسے تھوڑے ہی دن بعد خمارویہ نے دوبارہ واپس لے لیا۔بعد میں خمارویہ کی موفق کے ساتھ صلح ہوگئی جس پر خمارویہ نے اس کے نام کا خطبہ جاری کیا۔موفق نے مصر و شام کی حکومت

خماریہ کی اولاد کو مورثیت میں دیدی۔ خمارویہ 282ھ میں غلاموں کے ہاتھوں قتل ہو گیا۔

خمارویہ کے بعد اس کا بیٹا جیش حکمران بنا لیکن چھ ماہ بعد اس کا فوج کے سالاروں کے ساتھ اختلاف ہو گیا جنھوں نے اسے معزول کر کے اس کے بھائی ہارون کو تخت پر بٹھا دیا۔ ہارون اپنے باپ اور دادا کے اوصاف سے محروم تھا، اس نے اپنی نا اہلی سے عباسی خلافت اور امراء کو اپنا مخالف بنا دیا، یہاں تک کہ خود اس کی حدود میں رہنے والے امراء بھی اس کے مخالف ہو گئے۔ ایک طولونی حاکم نے عباسی امیر محمد بن سلیمان کو مصر پر حملہ کی دعوت دے کر اپنی مدد کا یقین دلایا۔

یہ عباسی خلیفہ مکتفی کا دور تھا جو خود بھی ہارون سے ناخوش تھا اس لئے محمد بن سلیمان اور امیر دمیانہ نے مصر پر فوج کشی کر دی۔ بہت سے امراء ہارون کا ساتھ چھوڑ کر ابنِ سلیمان کے ساتھ ہو گئے، ان امراء نے عباسی خلیفہ کی اطاعت کی دعوت دی۔ لوگ اب ہارون کا ساتھ چھوڑتے جا رہے تھے' اسی حالت میں اس کے خاندان کے مخالف لوگوں نے اسے 292ھ میں قتل کر دیا۔

ہارون کے قتل میں اس کا چچا شیبان شریک تھا جو اس کے بعد تخت کا مالک بن بیٹھا لیکن ہارون کے قتل پر اس کے بہی خواہ شیبان کے مخالف ہو گئے۔ انہوں نے کئی امراء کو ساتھ لے کر اس کے خلاف کارروائی کی' شیبان بھی مقابلہ کے لیے آیا لیکن اسے کامیابی نہ ہوئی اور مجبوراً اسے محمد بن سلیمان کی اطاعت قبول کرنا پڑی۔ 192ھ میں عباسی امیر کا قبضہ فسطاط پر ہوا اور خلیفہ کے نام خطبہ پڑھا گیا۔ محمد بن سلیمان نے طولونی خاندان کے تمام افراد کو گرفتار کر کے بغداد بھجوا دیا، اس طرح 292ھ میں طولونی حکومت کا خاتمہ ہو گیا۔

3.4 دولتِ ایوبیہ (1171ء تا 1250ء):

صلاح الدین ایوبی کے والد نجم الدین ایوب کی مناسبت سے اس خاندان کی حکومت کو ایوبیہ کا نام دیا گیا۔ صلاح الدین ایوبی کا تعلق کرد خاندان سے تھا۔ نجم الدین ایوب اتابک زنگی کی طرف سے بعلبک کا قلعہ دار تھا۔ جب نور الدین زنگی نے صلاح الدین کے چچا اسد الدین شیرکوہ کو مصر میں صلیبیوں کے خلاف فوج کشی کے لیے روانہ کیا تو صلاح الدین ایوبی بھی اس کے ہمراہ تھا۔ شیرکوہ نے فاطمی وزیر شاور سعدی کو شکست دے کر مصر پر اپنا تسلط قائم کر لیا۔ اس پر فاطمی خلیفہ عاضد نے اسے

اپنا وزیر مقرر کردیا، اس کے دو ماہ بعد 1169ء میں شیر کوہ نے وفات پائی تو منصب وزارت صلاح الدین ایوبی کے سپرد کردیا گیا۔ 1171ء میں اس نے فاطمی خلیفہ کو معزول کر کے مصر میں نورالدین زنگی کے نام کا خطبہ جاری کردیا۔

1174ء میں نورالدین زنگی کی وفات کے بعد صلاح الدین ایوبی مصر کا خودمختار حکمران بن گیا۔ تھوڑے ہی عرصہ میں اس نے شام، یمن اور حجاز کے علاقے بھی فتح کر لئے۔ 1175ء میں خلیفۂ بغداد نے سلطان کی حکومت کو تسلیم کرلیا۔ سلطان صلاح الدین ایوبی کی زندگی کا بقیہ حصہ عیسائیوں کے ساتھ مسلسل جہاد میں گزرا۔

بیت المقدس 1099ء سے عیسائیوں کے قبضے میں تھا، سلطان نے صلیبیوں کو حطین کے مقام پر بری طرح شکست دی۔ بیس ہزار صلیبیوں میں سے اکثر قتل ہوئے اور باقی ماندہ گرفتار کر لئے گئے، ان میں بیت المقدس کا بادشاہ بھی تھا۔ اب سلطان بیت المقدس کی طرف بڑھا اور ایک ہفتہ کے محاصرے کے بعد اسے فتح کرلیا۔ بیت المقدس 490ھ سے سنہ 588ھ تک یعنی 98 سال کے قریب عیسائیوں کے قبضے میں رہا تھا۔ عیسائیوں نے جب بیت المقدس کو فتح کیا تھا تو مسلمانوں کے خون کی ندیاں بہادی تھیں لیکن سلطان صلاح الدین ایوبی نے جب اس مقدس شہر کو عیسائیوں کے قبضے سے چھڑایا تو کسی عیسائی باشندے کو نقصان نہیں پہنچایا۔

بیت المقدس کی فتح کا حال سن کر پورے براعظم یورپ میں ایک حشر برپا ہوگیا اور گھر گھر کہرام مچ گیا۔ فلپ شہنشاہ فرانس، رچرڈ شیر دل بادشاہ انگلستان، فریڈرک شہنشاہ جرمنی اور بہت سے چھوٹے حکمران، نواب اور امراء متفقہ طور پر ایک بہت بڑا لشکر لے کر پورے براعظم ایشیا کو فتح کرنے اور اسلام کا نام ونشان مٹانے کے ارادے سے حملہ آور ہوئے۔ عیسائی افواج کا یہ لشکر اس شان وشوکت کے ساتھ ملک شام کی طرف بڑھا کہ بظاہر براعظم ایشیا کی خیر نظر نہ آتی تھی مگر مقامِ حیرت ہے کہ سلطان صلاح الدین ایوبی نے چار سال تک کئی سو لڑائیاں لڑ کر عیسائیوں کے اس بے پایاں لشکر کو خاک وخون میں ملادیا اور انہیں بیت المقدس کی دیواروں تک نہیں پہنچنے دیا۔ تیسری صلیبی جنگ کے بعد ناکام ونامراد عیسائی سلاطین نہایت ذلت کے ساتھ واپس ہوئے تو سلطان صلاح الدین ایوبی نے عیسائیوں کو یہ رعایت عطا کی کہ وہ اگر بیت المقدس میں محض زیارت کیلئے آئیں تو کسی قسم کی روک ٹوک نہیں کی جائے گی۔

تیسری صلیبی جنگ کے خاتمہ کے بعد دوسرے ہی برس 589ھ میں اسلامی دنیا کا یہ نامور جرنیل اس دنیا سے رخصت ہوگیا اور جامع مسجد دمشق کے قریب دفن ہوا۔

ان مذکورہ لڑائیوں میں صلاح الدین نے جس شرافت وانسانیت کا برتاؤ کیا اور جس شجاعت و جفاکشی کا اظہار کیا اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ آج تک تمام یورپ میں سلطان صلاح الدین ایوبی کو عزت وعظمت کے ساتھ یاد کیا جاتا ہے اور اس کے نام کو شجاعت وشرافت کا مترادف سمجھا جاتا ہے۔ حالانکہ سلطان صلاح الدین ایوبی نے پورے براعظم یورپ کو ان مقصد میں ناکام ونامراد کر کے واپس بھگا دیا تھا۔

صلاح الدین ایوبی کی وفات کے بعد اس کا بیٹا عثمان ملک العزیز کے لقب کے ساتھ تخت نشین ہوا۔ اس نے چھ سال حکومت کی۔ 595ھ میں جب وہ فوت ہوا تو اس کی جگہ اس کا بیٹا منصور تخت نشین ہوا مگر کمسنی کی وجہ سے اسے ایک سال کے بعد معزول کر دیا گیا۔ اس کے بعد سلطان صلاح الدین ایوبی کا بھائی ملک عادل تخت نشین ہوا۔ یہ صلاح الدین ایوبی کے بعد اس خاندان کا دوسرا نامور فرمانروا ثابت ہوا جسے ایوبی خاندان کا دوسرا بانی کہا جاتا ہے۔ اس نے ایوبی حکومت کو صلیبیوں سے بچانے میں اہم کردار ادا کیا۔ اس کی وفات 615ھ میں ہوئی۔ اس کے بعد اس کا بیٹا ملک کامل تخت نشین ہوا جو ایک نیک نام بادشاہ تھا۔ سنہ 635ھ میں اس کا انتقال ہوا تو اس کی جگہ اس کا بیٹا ملک عادل ابوبکر تخت نشین ہوا۔ دو برس کے بعد امراءِ مصر نے اس کو محبوس کر کے اس کے بھائی ملک صالح نجم الدین کو مصر کے تخت پر بٹھا دیا۔ ملک صالح نے دس سال حکومت کی اور عیسائیوں کے ساتھ ایک لڑائی میں شہید ہو گیا۔ اس کے بعد ملک معظم توران شاہ بن ملک صالح 647ھ میں تخت نشین ہوا مگر چند ہی مہینے کی حکومت کے بعد اسے قتل کر دیا گیا جس کے بعد مصر میں مملوک ایبک نے ملوک حکومت کی بنیاد ڈالی۔ اس طرح مصر سے ایوبی حکومت کا خاتمہ ہو گیا۔

4۔ خلافتِ عباسیہ مصریہ

خاندانِ عباسیہ کے آخری خلیفہ مستعصم باللہ کے قتل ہو جانے کے بعد اس کا چچا ابوالقاسم احمد تاتاریوں کی قید سے نکل کر بھاگنے میں کامیاب ہو گیا اور شام کے کسی علاقے میں روپوش ہو گیا۔ اس وقت مصر میں ممالیک کی حکومت تھی اور مملوکوں کے خاندان کا چوتھا بادشاہ ملک الظاہر بیبرس حکمران تھا جس نے چند معزز عربوں کا ایک وفد ابوالقاسم احمد بن ظاہر باللہ عباسی کی تلاش میں روانہ کیا۔ یہ لوگ ابوالقاسم احمد کو ہمراہ لے کر مصر پہنچے۔ ملک الظاہر، ابوالقاسم کے قریب پہنچنے کی خبر سن کر مصر کے تمام علماء وارائین کو لے کر استقبال کے لیے اپنے دارالسلطنت قاہرہ سے نکلا اور نہایت عزت واحترام سے شہر میں لا کر اسے تخت خلافت پر بٹھا دیا۔ اس نے ابوالقاسم کے ہاتھ پر 659ھ بیعت خلافت کی [illegible]

کا خطبہ پڑھوایا اور سکوں پر خلیفہ کا نام نقش کرایا۔ خلیفہ نے اپنی طرف سے ملک الظاہر کو نائب السلطنت قرار دے کر اسے سلطنتِ مصر کے سیاہ وسفید کا مالک بنا دیا۔ تخت نشین ہونے کے بعد ابوالقاسم احمد بغداد کو تاتاریوں کے قبضے سے چھڑانے کے لیے ایک لشکر لے کر عراق روانہ ہوا۔ لڑائی میں اس کے لشکر کو شکست ہوئی اور وہ خود لڑائی میں کہیں گم ہو گیا یا مارا گیا، اس طرح صرف چھ ماہ کے عرصے کے بعد اس کا دورِ خلافت ختم ہو گیا۔

خلیفہ کے مفقود الخبر ہونے کے بعد ملک الظاہر نے ایک اور عباسی شہزادے کا پتہ لگا کر بلوایا اور اس کو خلیفہ بنایا۔ اس شہزادے کا نام ابوالعباس احمد بن حسن بن علی بن ابی بکر بن خلیفہ مسترشد باللہ بن مستظہر باللہ تھا۔ اس کے پردادا تک کوئی خلیفہ نہ ہوا تھا۔ اس طرح خلیفہ مسترشد کی اولاد میں پھر خلافتِ عباسیہ شروع ہوئی۔ ابوالعباس احمد حاکم بامراللہ کے لقب کے ساتھ 8 محرم سنہ 661ھ کو تخت نشین ہوا۔

تھوڑی مدت کے بعد خلیفہ ملک الظاہر سے کسی بات پر الجھ پڑا جس پر ملک الظاہر نے خلیفہ کو نظر بند کر دیا۔ تقریباً 27 سال نظر بندی میں گزارنے کے بعد حاکم نے 701ھ میں وفات پائی۔ اس کی مدتِ خلافت چالیس سال سے زائد تھی مگر اس کا زیادہ تر حصہ زنداں میں گزرا۔ حاکم بامراللہ کی وفات کے بعد حسب ذیل افراد بالترتیب خلیفہ کے منصب پر فائز ہوئے:

خلیفہ مستکفی باللہ اول (701ھ تا 740ھ) تقریباً چالیس سال دورِ خلافت کے بعد وفات پا گیا۔

خلیفہ واثق باللہ (740ھ تا 741ھ) صرف چھ ماہ بعد منصفِ خلافت سے معزول کر دیا گیا۔

خلیفہ حاکم بامراللہ دوم (741ھ تا 748ھ)

خلیفہ معتضد باللہ اول (748ھ تا 763ھ)

خلیفہ متوکل علی اللہ اول (763ھ تا 785ھ) 785ھ میں معزول کر کے نظر بند کر دیا گیا۔

خلیفہ واثق باللہ (785ھ تا 788ھ)

خلیفہ معتصم باللہ (788ھ تا 791ھ)

خلیفہ متوکل علی اللہ اول (791ھ تا 808ھ) زندان سے نکال کر دوبارہ مسندِ خلافت پر بٹھایا گیا، 808ھ میں وفات ہوئی۔

خلیفہ مستعین باللہ (808ھ تا 816ھ) — 816ھ میں معزول کر دیا گیا۔

خلیفہ معتضد باللہ (816ھ تا 845ھ) — انتیس برس منصب خلافت پر فائز رہنے کے بعد فوت ہو گیا۔

خلیفہ مستعین باللہ ثانی (845ھ تا 854ھ)

خلیفہ قائم بامر اللہ (854ھ تا 859ھ) — معزول کر کے اسکندریہ بھیج دیا گیا جہاں 883ھ میں اس کی وفات ہو گئی۔

خلیفہ مستنجد باللہ ثانی (859ھ تا 884ھ)

خلیفہ متوکل علی اللہ ثانی (884ھ تا 903ھ)

خلیفہ مستمسک باللہ (903ھ تا 920ھ)

خلیفہ متوکل علی اللہ سوم (920ھ تا 923ھ)

مصر کے عباسی خلفاء محض نام کے خلیفہ تھے، ہندوستان اور دیگر ممالک کے مسلمان بادشاہ ان سے سندِ حکومت اور خطاب حاصل کرتے تھے۔ مصر کے مملوک سلاطین بھی اپنے آپ کو ان خلفاء کا نائب السلطنت ہی کہتے' بظاہر تعظیم وتکریم کا برتاؤ کرتے اور خطبوں میں ان کا نام لیتے تھے لیکن حقیقت میں ان کو کوئی قوت وشوکت حاصل نہ تھی بلکہ ان کی تنخواہ مقرر تھی۔ مملوک سلاطینِ مصر انہیں نہ تو آزادنہ کہیں آنے جانے کی اجازت دیتے تھے، نہ کسی شخص کو ان سے ملنے کی اجازت تھی۔ یہ خلفاء اپنے اراکینِ خاندان کے ساتھ گویا اپنے محل میں نظر بند رہتے تھے۔

خلیفہ متوکل علی اللہ سوم کی تخت نشینی کے چوتھے سال سلطنتِ عثمانیہ کے فرمانروا سلطان سلیم اول نے مصر فتح کر کے مملوکوں کی حکومت کا خاتمہ کر دیا۔ اس نئی صورتِ حال میں متوکل سلطان سلیم اول کے حق میں منصب خلافت سے دستبردار ہو گیا اور رسول اکرم ﷺ کے تبرکات تلوار، جھنڈا، چادر مبارک اور حرمین شریفین کی کنجیاں اس کے حوالے کر دیں۔ اسی طرح مصر میں 18 عباسی خلفاء کا 265 سالہ دورِ خلافت اختتام کو پہنچا۔

مصر میں مملوکوں کی حکومت کے خاتمہ کے ساتھ ہی عباسی خلافت کا ٹمٹماتا ہوا چراغ ہمیشہ کے گل ہو گیا اور منصب خلافت قبیلۂ قریش سے ترکوں کی دولتِ عثمانیہ کو منتقل ہو گیا۔

خود آزمائی:

1۔ عبدالرحمٰن الداخل کون تھا؟

2۔ ہشام بن عبدالرحمٰن کا سب سے بڑا کارنامہ کیا تصور کیا جاتا ہے؟

3۔ الحکم اول کو اپنے عہد میں کن بغاوتوں کا سامنا کرنا پڑا؟

4۔ عبدالرحمٰن ثالث نے ملک کے نظم ونسق میں کیا انقلابی تبدیلیاں لائیں؟

5۔ الحکم ثانی ایک علم دوست حکمران تھا، تبصرہ کیجئے۔

6۔ ہشام ثانی کے دور میں اصل اقتدار کا مالک کون تھا؟

7۔ بنو حمود کی حکومت کہاں پر تھی اور اس کا خاتمہ کیسے ہوا؟

8۔ یوسف بن تاشفین نے سپین کے مسلمانوں کی مدد کس طرح کی؟

9۔ موحدین کون تھے اور انہوں نے سپین میں عیسائیوں کی یلغار کو کیسے روکا؟

10۔ غرناطہ پر عیسائیوں کے قبضے کے بعد مسلمانوں سے کیسا سلوک روا رکھا گیا؟

11۔ دولت ادریسیہ کے بانی کون تھے اور یہ حکومت کہاں قائم ہوئی؟

12۔ شمالی افریقہ کا علاقہ کن شرائط پر ابراہیم بن اغلب کے حوالے کیا گیا تھا؟

13۔ دولت طولونیہ کی بنیاد کہاں رکھی گئی اور اس حکومت کا خاتمہ کیسے ہوا؟

14۔ بیت المقدس کی فتح کے بعد صلاح الدین ایوبی نے وہاں کی غیر مسلم آبادی کے ساتھ کیسا برتاؤ کیا؟

15۔ مصر میں خلافت عباسیہ کی بنیاد کیسے پڑی؟

16۔ مصر کے عباسی خلفاء کس قدر با اختیار تھے، مختصراً وضاحت کیجئے۔

یونٹ نمبر 15

برصغیر میں مسلم حکومت کا ارتقاء، آغاز تا قیام پاکستان

تالیف

پروفیسر ڈاکٹر محمد باقر خان خاکوانی

نظرثانی

ڈاکٹر محمد سجاد

علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد

فہرست عنوانات

یونٹ کا تعارف:

عہد رسالت مآب ﷺ اور خلفائے راشدین میں دعوت اسلام کا آغاز ہو چکا تھا، حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ کے عہد میں سواحل وسندھ تک اسلام کا پیغام پہنچ چکا تھا۔ عہد اموی میں مشہور فاتح محمد بن قاسم کی سندھ میں فتوحات نے اس دعوت کے ابلاغ واستحکام میں نمایاں کردار ادا کیا۔ یہاں کی رعایا مسلمان فاتحین کے اخلاق وکردار اور اعلیٰ انسانی رویوں سے بہت متاثر ہوئی اور بکثرت دولت ایمان سے مستفیض ہوئے۔ محمد بن قاسم کے بعد سندھ کے علاقے میں بعض عرب حکومتیں وجود میں آئیں۔

بعض ازاں غزنوی خاندان نے مختلف اوقات میں سرزمین ہند میں اسلام کا پرچم بلند کیا، تاہم ہندوستان میں باقاعدہ مسلم حکومت کا بانی شہاب الدین غوری تھا، جس نے اسلامی سلطنت کی بنیاد رکھی۔ اس کے بعد سلاطین دہلی کے حکمرانوں میں قطب الدین ایبک، شمس الدین التمش، ناصرالدین نے اس ریاست کو استحکام بخشا، اس کے بعد تغلق سلاطین کا عہد آتا ہے، جس میں اسلامی شعائر کی ترویج واشاعت ہوئی اور علوم وفنون میں ترقی ہوئی، برصغیر میں مسلم حکومت کے آخری خاندان کا نام خاندان مغلیہ ہے جس کے بانی ظہیرالدین بابر نے اس کی بنیاد رکھی، برصغیر میں عہد مغلیہ میں مسلمانوں کی ایک وسیع حکومت تھی، اس کے ابتدائی سالوں میں ریاست کی حدود میں وسعت کر کے علوم وفنون میں ترقی ہوئی، فنون تعمیر میں مغلوں نے نمایاں کردار ادا کیا۔ تاہم وہ اس سلسلہ حکمرانی کو عہد جدید کے تقاضوں کے مطابق استوار نہ کر سکے، اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ سات سمندر دور کے لوگوں نے جو جدید علوم وفنون اور ٹیکنالوجی سے آراستہ تھے ان کے علاقے میں کمال ہوشیاری سے قبضہ کر لیا، ایسٹ انڈیا کمپنی جو تجارتی غرض سے ہندوستان آئی تھی، اس نے آہستہ آہستہ ہندوستان میں اپنی حکومت کی راہ ہموار کی اور آخر کار 1857ء میں اس نے ہندوستان پر اپنی حکومت قائم کر لی۔ 1857ء تا 1947ء تک برطانوی عہد حکومت میں ہندوؤں اور مسلمانوں نے کوشش کی کہ آزادی حاصل کریں۔

آخر کار مسلمانوں نے الگ تشخص اختیار کرتے ہوئے مسلم لیگ کے پلیٹ فارم سے ایک الگ اسلامی مملکت پاکستان کیلئے جدوجہد کی جو آخر کار کامیاب ہوئی۔

اس یونٹ میں آپ برصغیر میں مسلم حکومت کی مختصر تاریخ کا مطالعہ کریں۔

ooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooo

یونٹ کے مقاصد:

امید ہے کہ اس یونٹ کے مطالعہ کے بعد آپ اس قابل ہو جائیں گے کہ!

1۔ برصغیر میں مسلم حکومت کے آغاز و ارتقاء کے بارے میں جان سکیں۔

2۔ برصغیر میں مسلمان حکمرانوں اور خاندانوں کے بارے میں جان سکیں۔

3۔ برصغیر میں مختلف مسلم عہد حکومت میں جو تعلیمی و تہذیبی ترقی ہوئی اس سے آگاہی حاصل کر سکیں۔

4۔ برصغیر میں ایسٹ انڈیا کمپنی اور برطانوی حکومت کے اقتدار کے بارے میں جان سکیں۔

5۔ تحریک پاکستان اور قیام پاکستان کے بارے میں جان سکیں۔

1۔ جنوبی ہند کے اسلام اور مسلمان سے تعلقات

عام طور سے ہندوستان میں اسلام کی ابتدائی تاریخ کا تصور محمد بن قاسم سے وابستہ ہے، حالانکہ ان سے بہت پہلے جنوبی ہندوستان کے تعلقات اسلام اور مسلمانوں کے ساتھ استوار ہو چکے تھے، بزرگ بن شہریار رامہرمزی کی تصریح کے مطابق عہد رسالت ہی میں ایک وفد سرندیپ سے مدینہ منورہ روانہ ہوا تھا، جو بعض رکاوٹوں کی وجہ سے عہد فاروقی کی ابتداء میں وہاں پہنچا، اور براہ راست اسلام کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کی کوشش کی، نیز ہندوستان کے ساحلی علاقوں میں عرب تاجروں کیلئے بڑی کشش تھی، سندھ کے مقابلہ میں یہاں ان کو تجارتی سامان اور قسم قسم کی چیزیں زیادہ ملتی تھیں، اور سرندیپ اور چین کے تجارتی اسفار میں آتے جاتے تھے ان کو مہاراجگان و لبھی رائے کے دیس سے گزرنا پڑتا تھا، ان وجوہ سے سرندیپ، چیمور، سوپارہ، سندان، تھانہ بھروچ، اور کھمبائت وغیرہ کے قدیم تجارتی تعلقات نے جدید اسلامی تعلقات میں بڑی مدد دی، اور طرفین کے قدیم تعارف نے جدید علاقہ کو بہت جلد استوار کر دیا۔

2۔ محمد بن قاسم ثقفی کی آمد

یوں تو ہندوستان پر مسلمانوں کے بحری و بری حملے حضرت عمرؓ کے زمانے سے ہی شروع ہو گئے تھے پھر حضرت عثمانؓ حضرت علیؓ، حضرت معاویہؓ کی خلافت کے کارناموں میں مکران، قیقان، بلیکہ، بنوں اور لاہور تک اسلامی دستوں کے آنے اور جنگ کرنے کے واقعات کا ذکر ملتا ہے، لیکن باقاعدہ حملہ اور فتح خلیفہ ولید بن عبدالمالک کے زمانے میں مشہور اسلامی جرنیل محمد بن قاسمؒ کے زیر قیادت ہوئی۔

محمد بن قاسمؒ کے دور میں اسلام کے تیزی سے پھیلنے اور اس صنم خانے سے کعبہ کو پاسباں فراہم ہونے کی بہت بڑی وجہ یہ تھی کہ اس نے اپنے دور میں غیر مسلم رعایا کو وہی حیثیت دی جو صحابہ کرام نے اہل فارس کو دی تھی۔ یعنی نکاح اور ذبیحہ کے علاوہ دیگر تمام امور میں ان کے ساتھ اہل کتاب کا برتاؤ کیا جائے اور ان کے مندروں کی حیثیت ایران کے آتش کدوں کی

طرح رکھی گئی اور جس طرح صحابہ نے آتش کدے نہیں توڑے اسی طرح مصالحت کے بعد مندر بھی محفوظ رہنے دیئے گئے۔ چنانچہ بعض روایات میں آتا ہے کہ محمد بن قاسمؒ کے چلے جانے کے بعد وہاں لوگوں نے اس کا مجسمہ بنالیا تھا۔

3۔ ہندوستان میں عربوں کی حکومتیں

برعظیم پاک و ہند میں عربوں نے سب سے پہلے سندھ اور ملتان کے علاقے فتح کیے۔ سندھ پر عربوں کے عہد حکومت کی تاریخ سے متعلق معلومات کے ذرائع جو ہم تک پہنچی ہیں بہت ہی کم ہیں اور ان سے سندھ میں مسلمانوں کی علمی سرگرمیوں کے بارے میں کوئی معلومات حاصل نہیں ہوتیں۔ مسعودی نے منصورہ اور ملتان کے بیان میں لکھا ہے کہ 4-303ھ (16-915ء) میں جب اس نے ان شہروں کو دیکھا تھا تو یہ خوشحال اور ترقی یافتہ شہر تھے مگر اس نے یہاں کے اصحاب علم کا کوئی ذکر تک نہیں کیا۔ حالانکہ مقدسی نے منصورہ کے بعض علماء کا تذکرہ کیا ہے جن میں قاضی ابو محمد منصوری بھی شامل ہیں۔ مقدسی نے یہ بھی لکھا ہے کہ یہاں کا قاضی امام داؤد ظاہر یہ عقائد رکھتا تھا اور وہ کئی کتابوں کا مصنف بھی تھا۔

یہ بات قرین قیاس نہیں کہ ان شہروں میں جو عربوں کے عہد حکومت میں بہت ہی خوشحال تھے، کوئی عالم نہ ہوا ہو۔ ہمیں یہ علم ہے کہ ابو حفص محدث بصری جو ایک روایت کے مطابق کتاب تصنیف کرنے والے پہلے مسلمان تھے، عربوں کی فتوحات کے ابتدائی زمانہ میں سندھ آئے تھے۔ وہ تبع تابعین میں سے تھے اور اس لحاظ سے وہ احادیث روایت کرنے کی بنا پر اس شہر میں مرکزی اہمیت کے حامل ہوں گے۔ اور امکانات کے پیش نظر یہ قیاس کیا جاسکتا ہے کہ اس عہد میں منصورہ (بھکر) دیبل (ٹھٹھہ) اور ملتان اسلامی علوم کے مرکز بن گئے تھے۔

عربوں کی حکومتیں تقریباً چار سو سال تک رہیں، لیکن وہ وسطی ہندوستان میں نہ پہنچ سکے بلکہ صرف سندھ اور ملتان محدود رہے عربوں کے بعد پھر ترکیوں کا دور آتا ہے جنہوں نے تقریباً تمام برصغیر پر اسلام کے پرچم کو لہرادیا، ان کا آغاز آل یمین سے ہوتا ہے۔

4۔ آل یمین کا عروج وزوال

برصغیر اور ایران میں غزنوی خاندان کی حکومت کو آل یمین کی حکومت کہتے ہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ خلافت عباسیہ کی طرف سے محمود غزنوی کو یمین الدولہ کا خطاب دیا تھا۔

یہ درست ہے کہ ہندوستان کے اولین مسلمان فاتحین عرب تھے، لیکن ان کا ہندوستان پر حملہ تاریخی اعتبار سے ایک ضمنی واقعہ بتایا جاتا ہے کیوں کہ ان کی فتوحات کا حلقہ صرف سندھ اور ملتان تک محدود رہا۔ تاہم جس مہم کی ابتداء عربوں نے کی تھی اس کی تکمیل ترکوں کے ہاتھوں ہوئی۔ آٹھویں اور نویں صدی عیسوی میں ترکوں کو بغداد کے عرب خلفاء پر غلبہ حاصل ہو گیا تھا۔ عربوں کے مقابلے میں ترک زیادہ جنگجو ثابت ہوئے، انہوں نے اسلامی سلطنت کو بڑی وسعت عطا کی۔ ترک بہادر ہونے کے ساتھ ساتھ مضبوط اور طاقتور بھی تھے۔ ان کا انداز نظر بھی عربوں سے مختلف تھا۔ ان کے ارادے بلند تھے اور وہ مشرق میں ایک مضبوط اور طاقتور سلطنت قائم کرنے کے اہل تھے۔ بقول ڈاکٹر لین پول ترکوں کی فتوحات دسویں اور گیارھویں صدی کی اسلامی سلطنت کی بنیادی اور اہم ترین کڑیاں ہیں۔

4.1 الپتگین:

سب سے پہلا ترک جس کا اسلامی فتوحات ہند کے سلسلہ میں تذکرہ آتا ہے۔ وہ الپتگین تھا۔ وہ ایک بڑا حوصلہ مند اور صاحب صلاحیت انسان تھا۔ ابتداء میں وہ بخارا کے سامانی سلطان عبدالمالک کا غلام تھا۔ محض اپنی قابلیت کی وجہ سے ترقی کرتے ہوئے اس نے حاجب الحجاب جیسا اعلیٰ منصب حاصل کر لیا اور 956ء میں خراسان کا گورنر مقرر ہوا۔ جب 963ء میں سلطان عبدالمالک کا انتقال ہو گیا تو اس کی جانشینی کے لئے مختلف لوگوں نے جدوجہد کی جن میں سلطان کا چچا اور ایک بھائی المنصور پیش پیش تھے۔ الپتگین سلطان کے چچا کا حامی تھا۔ لیکن منصور کو کامیابی حاصل ہوئی اور اس نے بخارا کے تخت پر قبضہ کر لیا۔ اس وجہ سے الپتگین اپنے آٹھ سو جاں نثاروں کے ساتھ غزنی میں آ کر پناہ گزین ہوا۔ منصور نے اس کو غزنی سے نکالنے اور گرفتار کرنے کے لئے کئی بار چڑھائی کی، لیکن ہر مرتبہ شکست کھائی اور غزنی اور اس کے اردگرد کا علاقہ الپتگین ہی کے زیر نگین رہا۔ جہاں آٹھ برس تک کامیابی کے ساتھ حکومت کرنے کے بعد الپتگین اس دنیا سے رخصت ہوا۔

4.2 سبکتگین:

سبکتگین کا زمانہ سلطنت 977ء سے 997ء تک ہے۔ تخت پر بیٹھنے کے بعد سبکتگین نے اپنی سلطنت کو وسعت دینی شروع کی۔ اس نے لغمان اور سیستان کو فتح کیا اور کئی سال کی مسلسل جدوجہد اور جنگی کارروائی کے بعد 994ء میں خراسان پر قبضہ کر لیا۔ اس کا حوصلہ اور ارادے بلند تھے۔ اس کے روز افزوں اقتدار کو شمالی مغربی ہند کے ہندو شاہی حکمران جے پال نے موجب خطر سمجھتے ہوئے سبکتگین کے استیصال پہ کمر باندھی اور ریاست غزنی سے چھیڑ چھاڑ کر کے سبکتگین کے ہندوستان پر حملہ کا جواز پیدا کر دیا۔

چنانچہ سبکتگین کی سب سے پہلی لڑائی راجہ جے پال سے ہوئی جس کی سلطنت سرہند سے لمغان (جلال آباد) تک اور کشمیر سے ملتان تک پھیلی ہوئی تھی۔ اس خاندان کے حکمرانوں کے صدر مقام او ہند۔ لاہور اور بھٹنڈہ میں تھے۔

4.3 سلطان محمود غزنوی:

سبکتگین نے مرتے وقت اپنے دوسرے بیٹے اسماعیل کو اپنا جانشین نامزد کیا۔ محمود باپ کی وفات کے وقت نیشاپور میں تھا۔ اس نے خط و کتابت کے ذریعے اسماعیل کو بلخ اور بخارا کی حکومت پیش کی۔ بشرطیکہ وہ غزنی کا ملک محمود کے حوالے کر دے۔ مگر اسماعیل نے محمود کی پیشکش کو ٹھکرا دیا۔ اس طرح دونوں بھائیوں میں لڑائی ٹھن گئی۔ اس لڑائی میں اسماعیل مغلوب ہوا اور محمود مارچ 998ء میں غزنی کے تخت پر بیٹھا۔

تخت نشینی کے وقت سلطان محمود غزنوی کی سلطنت میں صرف موجودہ افغانستان، خراسان اور مشرقی ایران کے ممالک شامل تھے۔ اس نے تخت نشینی کے ایک ہی سال بعد سیستان کا ملک بھی لے لیا۔ اور خلیفہ اسلام سے سلطان ہونے کا فرمان اور یمین الدولہ کا خطاب حاصل کیا۔ بعد ازاں محمود کو بخارا اور کاشغر کے حکمرانوں سے دو دو ہاتھ کرنے پڑے۔ ان جھگڑوں سے فارغ ہوتے ہی اس نے برصغیر ہندو پاکستان کا رخ کیا۔

اگلے ستائس سال یعنی 1000ء سے 1026ء تک اس نے ہندو پاکستان پر تقریباً سترہ (17) حملے کئے اور ہر مرتبہ اس نے اپنے مخالفوں پر نمایاں کامیابی حاصل کی۔ ستائس برس کی مدت میں اس نے پشاور، ملتان، کانگڑہ، متھرا، تھانیسر، قنوج، گوالیار اور سومنات کے حکمرانوں کو متواتر شکستیں دے کر ان کے علاقوں سے کئی من ہیرے اور جواہرات اور کروڑوں روپے کا مال غنیمت

حاصل کیا۔ راجہ جے پال ثانی کی متواتر بدعہدیوں کے باعث 1026ء میں سلطان محمود نے لاہور کو مستقل طور پر اپنی سلطنت میں شامل کرلیا اور اپنے غلام ایاز کو وہاں کا گورنر مقرر کردیا۔ اس طرح ہندوستان میں پہلی اسلامی حکومت کی مستقل طور پر بنیاد پڑی۔ سومنات پر حملہ کرنے کے چار سال بعد محمود غزنوی نے 59 سال کی عمر میں 1030ء میں وفات پائی۔

عربوں کے بعد غزنویوں کے دور کا آغاز ہوا۔ اس خاندان کا عظیم حکمران محمود غزنوی علم اور ثقافت کا زبردست حامی تھا۔ اس نے دور دراز ایشیائی ممالک کے بعض ممتاز ترین علماء کی سرپرستی کی اور ان کو اپنے دربار میں جمع کرلیا۔ سلطان محمود کو فارسی سے خاصی دلچسپی تھی لیکن اس کی عربی قابلیت بھی معمولی نہ تھی۔ حنفی اور شافعی مسلک کے پیرو علماء کے عالمانہ مباحثوں میں وہ گہری دلچسپی رکھتا تھا۔ صرف یہی نہیں بلکہ اس نے فقہ پر ایک کتاب بھی لکھی جس کا نام "**الفرید فی الفروع**" ہے۔ حاجی خلیفہ نے اس کا ذکر تعریف کے ساتھ کیا ہے۔ اسی بادشاہ کے عہد حکومت میں البیرونی ہندوستان آیا تھا تاکہ ہندو ثقافت اور علوم کا براہ راست مطالعہ کرے۔ اور یہاں اس نے اپنی مشہور تصنیف "**کتاب الهند**" کے لئے مواد جمع کیا۔ البیرونی نے اپنی تصنیف "**قانون مسعودی**" سلطان محمود غزنوی کے فرزند مسعود غزنوی کے نام معنون کی۔ اور "**الجماهر فی الجواهر**" اور "**الدستور**" سلطان مودود کے لئے لکھیں۔ سلطان محمود غزنوی نے لاہور کو اپنی سلطنت کے ان علاقوں کا دارالحکومت بنایا جو دریائے سندھ کے مشرق میں واقع ہیں اور اس کے بعد یہ شہر ہر زمانہ میں اسلامی علوم کا ایک اہم مرکز بنا رہا۔ اور یہاں بہت سے نامور علماء اور اہل قلم پیدا ہوئے۔ شیخ محمد اسماعیل (متوفی 448ھ۔1056ء) ہند میں آنے والے پہلے محدث و مفسر تھے اور انہوں نے مسعود غزنوی کے عہد میں لاہور میں سکونت اختیار کی تھی۔ یہاں مسعود بن سعد بن سلمان کا ذکر کرنا بھی ضروری ہے جو سلطان مسعود ثالث کے دربار سے منسلک تھے۔ مسعود بن سعد ایک مشہور و ممتاز شاعر تھے اور اس نے عربی، فارسی اور ہندی تین زبانوں میں شاعری کی۔

4.4 محمد غوری:

ہندوستان میں اسلامی سلطنت کا حقیقی بانی معزالدین محمد بن سام تھا۔ جسے شہاب الدین غوری کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ اگرچہ محمد بن قاسم ہندوستان پر پہلا حملہ آور مسلمان تھا، لیکن وہ اپنی بے وقت موت کے باعث ہندوستان میں مسلمانوں کی حکومت قائم کرنے میں کامیاب نہ ہوسکا۔ محمود غزنوی بھی ہندوستان میں اسلامی سلطنت قائم کرنے سے قاصر رہا اور اس کے حملوں کا مستقل اثر صرف پنجاب تک محدود رہا۔ چنانچہ محمد غوری ہی وہ پہلا مسلمان حکمران ہے جس نے اسلامی حکومت کے قدم ہندوستان میں جمائے۔

ہندوستان کے عظیم حکمران پرتھوی راج سے ترائین کے مقام پر دوسری لڑائی تاریخ ہند کا ایک قابل ذکر واقعہ ہے جس میں محمد غوری نے ہندوستانی ریاستوں کے خلاف بے مثال فتح حاصل کی۔ وی اے سمتھ کے کہنے کے مطابق 1192ء میں ترائین کی دوسری جنگ مسلمانوں کے ہندوستان پر حملہ کی واضح نشاندہی کرتی تھی بعد کے تمام زبردست حملے اور ہندوؤں کی یقینی شکستوں کا اندازہ دلی پر شمال کی جانب سے اس زبردست تاریخی حملے سے عیاں تھا۔

اس فتح کے بعد ساری ہندوستانی فوجوں میں ابتری پھیل گئی اور راجپوتوں میں سے کوئی بھی ایسا راجکمار نہ تھا جو ہندوستان میں مسلمانوں کی پیش قدمی کو روک سکے جس کے نتیجہ میں مسلمانوں نے آسانی سے سرسوتی، سمانہ، کرام اور ہانسی کو فتح کرلیا۔ اجمیر پہلے ہی مفتوح ہو چکا تھا سلطان نے تباہ شدہ مندروں کے ستونوں اور بنیادوں پر مساجد اور اسلامی تبلیغی درسگاہیں تعمیر کیں، اس کے علاوہ رسم و رواج اور قوانین کی بھی از سر نو تشکیل کی گئی۔

پرتھوی راج کے ایک بیٹے کو اجمیر کا ناظم بنایا گیا۔ جس نے خراج دینے کا وعدہ کیا اور قطب الدین ایبک کو مقبوضات ہند کا ناظم اعلیٰ بنا کر محمد غوری واپس غزنی چلا گیا۔ قطب الدین نے جلد ہی میوات، کول اور دہلی کو فتح کر کے دلی کو پایہ تخت بنالیا۔

5۔ سلاطین دہلی

برصغیر میں سلاطین دہلی کی سلطنت کا آغاز شہاب الدین غوری کے غلام قطب الدین ایبک کی حکومت سے ہوتا ہے اور مغلیہ دور سے قبل تک رہتا ہے، ان کو سلاطین دہلی اس لئے کہتے تھے کہ ان کی حکومت اکثر اوقات دہلی کے گردونواح تک محدود رہی اور بقیہ ہندوستان پر ان کا قبضہ مکمل نہ ہوسکا۔

5.1 قطب الدین ایبک:

قطب الدین ایبک (1202ء تا 1210ء) کو اسلامی تاریخ میں بڑی اہمیت حاصل ہے۔ اسے ہندوستان میں خاندان غلاماں کی حکومت کا بانی کہا جاتا ہے۔ ایبک ایک ترک غلام تھا۔ نیشاپور میں اس نے تعلیم و تربیت حاصل کی تھی۔ اس

کی صورت وشکل نہیں تھی اس لئے جب شہاب الدین غوری نے بہت سے غلام خریدے تو ایبک کو بدصورتی کی وجہ سے نہیں خریدا۔ ایبک نے اس سلطان سے کہا کہ آپ نے جہاں بہت سے غلام لئے ہیں، مجھ کو خدا کے لئے خرید لیجیے۔ سلطان اس جواب سے بہت خوش ہوا اور قطب الدین ایبک کو بھی خرید لیا۔

قطب الدین ایبک نے بادشاہ کی حیثیت سے صرف چار سال حکومت کی لیکن اگر صوبہ داری کا زمانہ بھی شامل کرلیا جائے تو برکوچک میں تقریباً اٹھارہ سال حکومت کی۔ صوبہ داری کی حیثیت سے اس کا دارالحکومت دہلی تھا، لیکن بادشاہ ہونے کے بعد وہ زیادہ تر لاہور میں رہا اور یہیں اس کا انتقال ہوا۔ اس کی قبر لاہور میں اب تک موجود ہے۔

قطب الدین ایبک ایک عادل بادشاہ تھا اس کی سخاوت کی وجہ سے لوگ اسے لکھ بخش کہتے تھے۔ اس نے دہلی میں ''قوت اسلام'' کے نام سے ایک عظیم الشان مسجد بنائی جس کے کھنڈر اب بھی موجود ہیں۔ دہلی کا مشہور ''قطب مینار'' اسی مسجد کا مینار تھا۔ اس کی تعمیر قطب الدین کے زمانہ میں شروع ہوئی تھی لیکن تکمیل اس کے جانشین التمش کے زمانہ میں ہوئی۔

5.2 شمس الدین التمش:

قطب الدین ایبک کے بعد اس کا ایک غلام التمش (1211ء تک 1236ء) جانشین ہوا۔ التمش نے تقریباً 26 سال حکومت کی۔ اس کے زمانہ میں جنوب کی طرف بھیلسہ اور اجین فتح ہوئے۔ التمش ہی کا زمانہ تھا جب چنگیز خان نے وسط ایشیا اور ایران پر حملہ کیا، لیکن وحشی منگول دریائے سندھ کو پار کر کے پاکستان اور بھارت پر حملہ کرنے کی ہمت نہ کر سکے، التمش نے یہاں ایک مضبوط حکومت قائم کر لی تھی۔

قطب الدین ایبک جس طرح ہندوستان کی اسلامی حکومت کا بانی ہے اسی طرح التمش کو یہ فخر حاصل ہے کہ اس نے اس نئی اسلامی سلطنت کی بنیادیں مضبوط کیں۔ التمش بڑا نیک دل بادشاہ تھا۔ وہ علم وادب کا بھی سرپرست تھا۔ انصاف کا اس کو بڑا خیال رہتا تھا۔ اس نے حکم دے رکھا تھا کہ مظلوم پیلے رنگ کے کپڑے پہنا کریں تا کہ وہ ان کو دیکھ کر پہچان لے اور ان کے ساتھ انصاف کرے۔ اس کے علاوہ التمش نے اپنے محل کے باہر دروازہ پر گھنٹیاں لٹکا رکھی تھیں تا کہ یہ مظلوم ان کو بجا کر بادشاہ کو بلا سکیں۔

التمش کے بعد اس کی لڑکی رضیہ سلطانہ (1236ء تا1240ء) نے تین سال تک حکومت کی، اسلامی تاریخ میں یہ پہلا موقع تھا کہ ایک عورت خودمختار ہوئی۔

5.3 ناصر الدین محمود:

رضیہ سلطانہ کے بعد کئی سال ہنگامے رہے جن کے دوران اس کے بھائی بہرام اور مسعود تخت نشین ہوئے۔ آخر کار امراء نے اس کے بھائی ناصر الدین محمود (1246ء تا 1266ء) کو اپنا بادشاہ منتخب کر لیا۔ ناصر الدین بڑا سیدھا اور نیک دل بادشاہ تھا۔ سلطنت کے خزانے کو رعایا کی امانت سمجھتا تھا اور خود قرآن مجید لکھ کر روزی کماتا تھا۔ وہ ایک عابد اور درویش قسم کا بادشاہ تھا اور حکومت کیلئے زیادہ موزوں نہیں تھا۔ ناصر الدین کو خود اس بات کا احساس تھا۔ وہ چونکہ نیک دل تھا اور چاہتا تھا کہ حکومت میں کوئی خرابی نہ ہو اس لئے اس نے ایلتمش کے ایک غلام غیاث الدین بلبن کو جو پنجاب کا صوبہ دار رہ چکا تھا اپنا وزیر اعظم بنا کر سلطنت کا سارا انتظام اس کے سپرد کر دیا اور خود اللہ اللہ کرنے لگا۔ ناصر الدین نے بلبن کو تاکید کر دی کہ "تم کوئی ایسا کام نہ کرنا جس سے میری خدا کے سامنے رسوائی ہو"۔

غیاث الدین بلبن نے بیس سال تک ناصر الدین کے زمانہ میں وزیر اعظم کی حیثیت سے حکومت کی اور جب سلطان کا انتقال ہو گیا تو امراء نے اس کو بادشاہ بنا لیا۔ بادشاہ کی حیثیت سے بلبن نے بیس سال اور حکومت کی۔

5.4 غیاث الدین بلبن:

بلبن (1266ء تا 1286ء) غلام خاندان کا سب سے مشہور اور با عظمت حکمران ہوا ہے۔ بادشاہ بننے سے پہلے وہ شراب پیا کرتا تھا۔ لیکن جب بادشاہ بن گیا تو اس نے شراب سے توبہ کر لی۔ نماز کا ایسا پابند ہوا کہ تہجد تک کی نماز قضا نہیں کرتا تھا۔ وہ علماء اور نیک لوگوں کی صحبت میں رہنے لگا۔

بلبن کے زمانے میں ایران اور اس سے ملے ہوئے ملکوں میں منگولوں کا زور بڑھ گیا تھا بغداد کو تباہ کرنے کے بعد وہ مغرب میں شام اور مصر پر اور مشرق میں مغربی پاکستان پر مسلسل حملے کرنے لگے۔ بلبن نے ان حملوں کو روکنے کیلئے ایک طاقتور فوج تیار کی اور اس فوج کی مدد سے اس نے منگولوں کو بار بار شکست دی۔ ملتان کے گورنر شیر خاں (1246ء تا 1268ء) اور محمد سلطان (1268ء تا 1284ء) نے منگولوں کے حملے پسپا کرنے میں بڑا نام پیدا کیا۔ محمد سلطان بلبن کا بیٹا تھا جس طرح مصر کے مملوک حکمرانوں نے منگولوں سے مصر کو تباہ ہونے سے بچایا اسی طرح دہلی کے غلام بادشاہوں نے اور خاص کر بلبن نے پاکستان اور بھارت کو تباہ ہونے سے بچایا۔

بلبن کے زمانہ میں اسلامی دنیا کے اس حصہ کے لوگوں نے جن پر منگولوں کا قبضہ ہو گیا تھا ہزاروں کی تعداد میں دہلی آ کر پناہ لی۔ صرف اس کے دربار میں پندرہ بادشاہ اور شہزادے پناہ گزیں تھے۔

بلبن ایک عادل اور رعایا پرور بادشاہ تھا، اس کی حکومت میں بڑا امن و امان تھا اور کوئی سرکاری عہدے دار ڈر کے مارے رعایا پر ظلم نہیں کر سکتا تھا۔

5.5 جلال الدین خلجی:

خلجی خاندان بھی غلام خاندان کی طرح نسلاً ترک تھا، لیکن افغانستان میں عرصہ دراز تک رہائش اختیار کرنے کی وجہ سے ترکوں کی خصوصیات کھو چکا تھا اور پٹھانوں کے طور طریقے اختیار کر لئے تھے۔

جلال الدین خلجی نے کل سات سال حکومت کی، وہ بڑا نیک حکمران تھا۔ بادشاہ بننے سے پہلے وہ پنجاب کا صوبہ دار تھا اور اگر چہ اس نے سرحدوں کے محافظ کی حیثیت سے منگولوں کے حملوں کو روکنے میں بڑی شجاعت اور بہادری کا اظہار کیا تھا لیکن خونریزی سے اس کو فطرتاً نفرت تھی۔ وہ کہا کرتا تھا کہ:

"اگر بادشاہی قتل و غارت گری اور مخالفین کو قتل اور قید کرنے کا نام ہے تو میں ایسا بادشاہ نہیں۔ میں پیغمبر اسلام ﷺ کی شریعت کے خلاف ایک کام بھی نہیں کر سکتا"

مورخین نے لکھا ہے کہ اس کے دور میں خوشحالی کا دور دورہ تھا اور کوئی مظلوم ایسا نہ تھا جس کے ساتھ انصاف نہ کیا گیا ہو۔ لیکن اس نیک دل حکمران کو اس کے حریص اور جاہ پسند بھتیجے، علاؤالدین نے دھوکے سے قتل کر کے دہلی کے تخت پر قبضہ کر لیا۔

5.6 علاءالدین خلجی:

علاءالدین خلجی (1299ء تا 1319ء) حکمران بن گیا، علاءالدین کے عہد میں دہلی کی اسلامی سلطنت انتہائی عروج پر پہنچ گئی۔ ناصر الدین محمود اور بلبن کے عہد میں فتوحات رک گئی تھیں اور حکومت کی پوری توجہ منگولوں کے حملوں کو روکنے پر تھی۔ علاءالدین کے زمانہ میں منگولوں کا حملہ بڑی حد تک دور ہو گیا تھا، اس لئے اب علاءالدین خلجی نے فتوحات کی طرف توجہ کی، اس کی فوجوں نے سب سے پہلے مالوہ، گجرات اور راجپوتانہ کو فتح کیا اس کے بعد ایک نومسلم سردار ملک کافور کی قیادت میں

دریائے نربدا کو پار کر کے اس کی فوجیں دکن میں داخل ہوگئیں اور 1311ء تک راس کماری تک سارا علاقہ فتح کرلیا۔ اس طرح سوائے کشمیر کے پورے پاکستان اور بھارت پر اسلامی حکومت قائم ہوگئی۔

6۔ تغلق سلاطین کا عہد

خاندان تغلق کا بانی سلطان غیاث الدین تغلق مذہب اور علماء کا بہت احترام کرتا تھا اور تاریخ میں یہ واقعہ لکھا ہوا ہے کہ ایک مرتبہ سلطان کی موجودگی میں سماع کی حلّت و حرمت پر مناظرہ ہوا تھا۔ اس مناظرہ کے سرکردہ حضرت نظام الدین اولیا نے موسیقی کے جواز پر اس خوبی سے بحث کی کہ سلطان اس سے بہت متاثر ہوا۔ پہلے وہ موسیقی کو ناجائز تصور کرتا تھا مگر اس مناظرہ کے بعد وہ اس کے جواز کا قائل ہوگیا۔

6.1 سلطان محمد تغلق:

اس خاندان کا دوسرا فرماں روا سلطان محمد تغلق بہت سے علوم و فنون کا ماہر اور علم کا قدر دان و سرپرست تھا۔ اس نے معین الدین عمرانی دہلوی کو جو ایک ممتاز عالم اور کئی کتابوں کے مصنف تھے، اس کام پر مامور کیا کہ وہ شیراز جائیں اور اس دور کے نامور مصنف قاضی عضد الدین کو دہلی آنے پر آمادہ کریں۔ لیکن جب اس کی اطلاع شیراز کے حاکم ابواسحاق کو ہوئی تو اس نے قاضی کو اپنا وطن چھوڑنے کی اجازت نہیں دی۔ محمد تغلق نے ایک اور مشہور عالم دین شمس الدین یحییٰ کو حکم دیا تھا کہ وہ کشمیر جا کر وہاں اسلام کی اشاعت کریں مگر فوری علالت کی وجہ سے وہ یہ فرض انجام نہ دے سکے۔ یہ بات حیرت انگیز ہے کہ محمد تغلق خود عالم تھا اور علماء کی سرپرستی بھی کرتا تھا۔ لیکن اس کے عہد میں دہلی میں علماء کا ویسا جمگھٹا نہیں تھا جو ان پڑھ علاؤ الدین خلجی کے زمانہ میں تھا۔ عبدالحق حقی کی رائے یہ ہے کہ علاؤ الدین خلجی کے بعد ہند میں علم و دانش کا معیار گرتا چلا گیا اور اگرچہ محمد تغلق ہر قسم کے علوم کا قدر دان تھا مگر اس کے عہد میں باکمال لوگوں کی تعداد اتنی زیادہ نہ تھی جتنی کہ علاؤ الدین خلجی کے عہد میں تھی۔

6.2 فیروز شاہ تغلق:

سلطان محمد تغلق کے جانشین فیروز تغلق کا شمار ہند کے سب سے زیادہ دین دار مسلمان بادشاہوں میں ہوتا ہے اور وہ بھی بڑا عالم اور علم کا قدر دان و سرپرست تھا۔ اس کے عہد میں کئی مشہور مصنف ہوئے جنہوں نے زیادہ تر فقہ پر کتابیں لکھیں۔ ان میں قاضی شہاب الدین دولت آبادی کے استاد مولانا خواجگی، ''شرح هدایه'' کے مصنف قاضی حمید الدین دہلوی، عربی

کے شاعر احمد تھانیسری جن کا "قصیدہ الدالیہ" بہت مشہور ہوا اور عبدالقتد رجنھوں نے "لامیتہ العجم" کے جواب میں ایک شاہکار "القصیدۃ الامیۃ" لکھا تھا قابل ذکر ہیں۔

فیروز شاہ تغلق کے دربار سے متعلق ایک امیر تاتارخاں بھی علم کا بڑا قدردان تھا اور اس کی سرپرستی میں ایک ممتاز محقق عالم بن عطا اندا پتی نے "الفتاویٰ التاتارخانیہ" کے نام سے فقہ پر ایک کتاب لکھی تھی۔ یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ مشہور ومعروف لغت "القاموس" کا مصنف مجدالدین فیروز آبادی اسی بادشاہ کے زمانہ میں ہندوستان آیا تھا۔

سلاطین دہلی کے زمانہ میں ملک کو بڑی ترقی دی گئی۔ فیروز پور، جونپور اور کئی نئے شہر بسائے گئے۔ پاکستان میں ملتان، اوچہ، دیپال پور اور لاہور کے شہروں کو عروج ہوا۔ دہلی میں جو پہلے معمولی سی بستی تھی ملک کا سب سے بڑا شہر بن گیا۔ یہاں قوت الاسلام اور پناہ دو بڑی جامع مسجد تھیں۔ حوض شمسی اور حوض خاص نام کے دو بڑے تالاب تھے۔ ان میں سے ایک تالاب دو میل لمبا اور ایک میل چوڑا تھا۔ شہر کے لوگ ان تالابوں کا پانی پیتے تھے اور ان کے کنارے سیر وتفریح کیا کرتے تھے غیاث الدین تغلق نے یہاں ایک قلعہ بنایا تھا جو اس زمانے میں سب سے زیادہ بڑا قلعہ تھا۔ بعد میں اس قلعہ کو تیمور نے تباہ کردیا، اب اس کے کھنڈرات باقی ہیں۔ دہلی کا وہ حصہ جو فیروز شاہ نے آباد کیا تھا۔ فیروز آباد کہلاتا تھا یہ اپنی عمارتوں اور خوبصورتی کی وجہ سے تمام شہر سے بڑھا ہوا تھا۔ شہر کی آبادی دس میل تک مسلسل چلی گئی تھی۔

شہر میں ایک ہزار مدرسے تھے جن میں مدرسہ فیروز شاہی اتنا بڑا اور خوبصورت تھا کہ اس زمانہ کا مورخ لکھتا ہے کہ "جو کوئی باہر سے اس مدرسہ میں آتا تھا یہی سمجھتا تھا کہ جنت میں آگیا ہوں" دہلی کی ایک اور قابل دید چیز وہاں کا گھڑیال تھا۔ اس گھڑیال سے نمازوں کا وقت، روزہ کھولنے کا وقت، سایہ کا حال، رات اور دن کے گھنٹے معلوم ہوتے تھے۔ لوگ سینکڑوں کی تعداد میں آکر اس کو دیکھا کرتے تھے۔

6.3 مزید خاندانوں کی حکومتیں:

تغلق خاندان کے بعد پھر امیر تیمور، سادات اور لودھی خاندان کی حکومت رہی ان تمام کی حکومتیں قابل ذکر نہیں۔ اور لودھی خاندان کے آخری فرمانروا ابراہیم لودھی سے ظہیر الدین بابر نے جو خاندان مغلیہ کا بانی ہے، حکومت حاصل کر کے برصغیر میں مغلیہ سلطنت کی بنیاد رکھی۔

7۔ مغلیہ سلطنت کا آغاز

7.1 ظہیر الدین بابر:

بابر نے برصغیر کا رخ کیا جہاں لودھی خاندان کی حکومت تھی۔ بابر برصغیر کے ان علاقوں پر جو تیمور فتح کر چکا تھا اپنا خاندانی حق سمجھتا تھا۔ ان کو حاصل کرنے کیلئے اس نے کئی حملے کیے اور اپریل 1566ء کو پانی پت کی پہلی جنگ میں ابراہیم لودھی کو شکست دے کر دہلی پر قبضہ کر لیا۔ اس کے لڑکے ہمایوں نے آگے بڑھ کر آگرہ پر قبضہ کر لیا۔ بابر اپنے آبائی وطن خراسان میں تو حکومت قائم کرنے میں ناکام ہو گیا لیکن ہندوستان میں ایک ایسی عظیم سلطنت کی بنیاد ڈالی جو اپنی وسعت، آبادی، وسائل، شان و شوکت اور کارناموں میں وسط ایشیا کی تیموری سلطنت سے بازی لے گئی۔

7.2 ہمایوں:

بابر کا بیٹا ہمایوں (1530ء تا 1556ء) باپ کی طرح شریف، نیک اور رحم دل تھا۔ میدان جنگ میں بھی وہ کسی سے پیچھے نہیں ہوتا تھا۔ باپ کے ساتھ بیشتر لڑائیوں میں حصہ لیا۔ پانی پت اور کنواہہ کی جنگ میں شریک تھا۔ آگرہ اسی نے فتح کیا تھا، لیکن عیش پسند اور آرام طلب تھا اور اپنی فوج اور سرداروں کو وہ بابر کی طرح پوری طرح قابو میں نہیں رکھ سکتا تھا۔ اس کے ابتدائی چند سال کامیابی کے ہیں۔ اس نے افغانوں کو لکھنؤ کے پاس شکست دے کر مشرق کی طرف پسپا ہونے پر مجبور کر دیا۔ اس کے ایک باغی سردار نے جب گجرات کے بادشاہ بہادر شاہ کے پاس پناہ لی اور بہادر شاہ نے اس کو ہمایوں کے حوالے نہیں کیا، تو ہمایوں نے بہادر شاہ کو شکست دے کر 1535ء میں مالوا اور گجرات پر قبضہ کر لیا۔ اس کے بعد ہمایوں نے بنگال کا رخ کیا جہاں ایک افغان سردار شیر خان قابض ہو گیا تھا۔ ہمایوں نے بنگال کا دارالحکومت گو آسانی سے فتح کر لیا لیکن وہاں عیش میں پڑ گیا۔ اس کو نہیں معلوم تھا کہ اس کا حریف شیر خان صلاحیت، بہادری اور جفاکشی میں دوسرا بابر ہے، شیر خان نے اس کی واپسی کے راستے بند کر دیئے اور جب ہمایوں گھبرا کر واپس ہوا تو شیر خان نے چوسا کے مقام پر اس کو شکست دی۔ ہمایوں وہاں سے شکست کھا کر دوبارہ ایران چلا گیا اور ایران کے صفوی خاندان کے بادشاہ کی مدد سے دوبارہ اس نے ہندوستان پر حملہ کیا تو اس وقت شیر شاہ سوری فوت ہو چکا تھا اس نے ان سے جنگ کر کے اپنی کھوئی ہوئی سلطنت دوبارہ حاصل

کر لی، لیکن اس کی زندگی نے وفا نہ کی اور وہ جلد ہی فوت ہو گیا اور اس کے بعد اس کا 10 سالہ بیٹا اکبر تخت نشین ہوا اور ہمایوں کا کمانڈر بیرم خان اس کا اتالیق مقرر ہوا۔

7.3 اکبر اعظم:

اکبر نے کل پچاس سال حکومت کی اور اس عرصہ میں اتنی بڑی سلطنت قائم کر دی جو وسعت میں تقریباً دہلی کی سلطنت کے برابر تھی۔ یہ صحیح ہے کہ دکن کا بڑا حصہ اور جنوبی ہند اکبر کی سلطنت میں شامل نہ تھا لیکن کشمیر، بلوچستان، کابل اور قندھار اس کی سلطنت میں شامل تھے یہ وہ علاقے ہیں جو دہلی کی سلطنت میں شامل نہ تھے۔

اکبر اگر چہ پڑھا لکھا نہیں تھا لیکن اس نے سلطنت کا ایسا انتظام کیا اور ملک کو ایسی ترقی دی کہ تعجب ہوتا ہے۔ اس نے اپنی سلطنت کو پندرہ صوبوں میں تقسیم کیا اور ہر صوبہ میں ایک صوبہ دار مقرر کیا۔ اس نے کاشتکاروں کے متعلق شیر شاہ کی اصلاحات کو ترقی دی۔ اس کام میں فتح اللہ شیرازی اور ایک ہندو راجہ ٹوڈرمل نے جو شیر شاہ کے زمانہ میں کام کر چکا تھا، اکبر کی بڑی مدد کی۔ اکبر نے انتظام ملک کے متعلق نئے نئے قوانین بھی بنائے جن پر اتنا زمانہ گزرنے کے بعد آج بھی عمل ہوتا ہے۔

7.4 نورالدین جہانگیر:

اکبر کے بعد اس کا لڑکا سلیم، نورالدین جہانگیر کے لقب سے تخت نشین ہوا۔ جہانگیر (1605ء تا 1627ء) اپنے باپ کے برعکس آرام طلب اور عیش پسند تھا۔ اکبر کے تمام لڑکے دربار کے غیر مذہبی ماحول میں پرورش پانے کی وجہ سے شراب کے عادی تھے۔ شراب اکبر بھی پیتا تھا، لیکن اعتدال کے ساتھ، اس کے لڑکوں نے اس معاملے میں حد کی قید اڑا دی تھی۔ نتیجہ یہ نکلا کہ شہزادہ مراد اور شہزادہ دانیال شراب نوشی کی کثرت کی وجہ سے جوانی میں ہی مر گئے۔ جہانگیر بھی اس مرض میں مبتلا تھا اور اگر اس کی عقلمند بیوی نور جہاں اس کی شراب کم نہ کر دیتی تو شاید جہانگیر کا حشر بھی اپنے بھائیوں کی طرح ہوتا۔

7.5 شہاب الدین شاہجہان:

جہانگیر کے بعد اس کا بیٹا خرم شہاب الدین محمد شاہجہاں کے لقب سے تخت نشین ہوا۔ اس دور کے اہم سیاسی واقعات میں سے ایک ہگلی (بنگال) میں پرتگیزوں کا ہنگامہ ہے، جس کے بعد پرتگیزوں کو 1632ء میں مستقل طور پر نکال دیا

گیا۔ قندھار جس پر مغلوں نے جہانگیر کے زمانے میں قبضہ کرلیا تھا۔ 1638ء میں ایران نے پھر واپس لے لیا۔ اس کے بعد شاہجہان نے تین مرتبہ قندھار لینے کی کوشش کی، لیکن کامیابی نہیں ہوئی۔ وسط ایشیا میں بخارا کے حکمران امام قلی کے بعد اس کے بھائی نذر محمد کو جب ازبکوں نے نکال باہر کیا، تو ازبکوں کی خانہ جنگی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے شاہجہاں نے اپنے آبائی وطن پر قبضہ کرنے کی کوشش کی اور 1686ء میں بدخشاں اور بلخ پر قبضہ کرلیا، لیکن دہلی کے سپاہی موسم کی شدت سے گھبرا گئے اور شاہجہاں کو اپنی فوجیں واپس بلانا پڑیں۔

7.6 محی الدین اورنگزیب عالمگیر:

شاہجہاں کے بعد اس کا لڑکا اورنگزیب، محی الدین عالمگیر کے لقب سے تخت سلطنت پر بیٹھا۔ اورنگزیب ہندوستان کا سب سے بڑا تیموری حکمران ہے جس طرح عربوں کی سلطنت ولید کے زمانے میں سلجوقیوں کی سلطنت ملک شاہ کے زمانے میں اور عثمانی سلطنت وزیراعظم محمد پاشا صوقولّی کے زمانے میں اپنے نقطہ عروج پر پہنچی تھی، اسی طرح دہلی کی تیموری سلطنت اورنگزیب عالمگیر کے زمانے میں اپنے نقطہ عروج پر پہنچی۔ اورنگزیب حیرت انگیز صلاحیتوں کا مالک تھا۔ وہ لڑکپن ہی سے بہادر، ذہین اور نیک طبیعت تھا۔

اورنگزیب اس برصغیر کا سب سے بڑا بادشاہ ہے وہ صرف اس لحاظ سے ہی بڑا نہیں کہ اس کے قبضہ میں سارا ملک تھا بلکہ اس لحاظ سے بھی کہ اخلاق، عادت، محبت، دیانت، انصاف اور حکومت کی ذمہ داری اور رعایا پروری کے لحاظ سے بھی وہ بے مثل تھا۔ وہ سرکاری آمدنی کو اپنے ذاتی خرچ میں نہیں لاتا تھا، کیونکہ وہ رعایا کا مال تھی۔ رعایا سے جو رقم ٹیکس کے ذریعے وصول کی جائے اسے رعایا پر ہی خرچ کرنا چاہیے۔ اسے اپنے ذاتی عیش و آرام کی تعمیر پر خرچ کرنا بری عادت ہے۔ خلفائے راشدین نور الدین زنگی، صلاح الدین ایوبی خود ہندوستان میں ناصر الدین محمود کا یہی طریقہ تھا۔ اورنگزیب نے بھی اس اعلیٰ مثال پر عمل کیا۔

7.7 مغلیہ سلطنت کا زوال:

1707ء میں اورنگ زیب عالمگیر کی وفات کے ساتھ ہی مغلیہ سلطنت جس کا آغاز 1526ء میں ہوا تھا زوال پذیر ہوگئی مگر اس کے باوجود بھی یہ سلطنت ڈیڑھ سو سال بعد 1857ء میں مکمل طور پر ختم ہوئی، اس ڈیڑھ سو سال میں نو اہم حکمرانوں نے حکومت کی۔ جن کے نام یہ ہیں۔ بہادر شاہ، جہاندار شاہ، فرخ سیر، محمد شاہ، احمد شاہ، عالمگیر ثانی، شاہ عالم ثانی، اکبر ثانی،

بہادر شاہ ثانی جسے بہادر شاہ ظفر کہتے ہیں۔ مغلیہ دور کے آخری تاجدار تھے، جن سے انگریز فوجوں نے اقتدار لے کر 1857ء میں ہندوستان میں مغلیہ عہد کا خاتمہ کر دیا اور برطانوی عہد کا آغاز ہو گیا۔

مغلیہ دور کے زوال میں ہندوستان پر 1739ء میں نادر قلی ایران کے حاکم نے حملہ کر کے دہلی تک قبضہ کر لیا مگر مال سمیٹ کر حکومت دوبارہ مغلیہ تاجدار محمد شاہ کے حوالہ کر دی اور 1751ء میں احمد شاہ ابدالی والی افغانستان نے ہندوستان کو فتح کیا لیکن اقتدار احمد شاہ کے پاس ہی رہنے دیا۔

7.8 مغلیہ دور کے تعلیمی وتہذیبی آثار:

عہد مغلیہ میں برعظیم پاک و ہند میں مسلمانوں کی حکومت کا آخری اور زریں دور تھا، عربی کے مصنف جتنی بڑی تعداد میں ہوئے اتنے کسی اور خاندان کے عہد حکومت میں نہیں ہوئے۔ عہد مغلیہ کے بعض مصنف بیرون ہند بھی مشہور ہوئے اور ان کی تصانیف عرب، مصر اور ترکی میں بہت قدر کی نگاہ سے دیکھی گئیں۔ ان مصنفوں میں فیضی، عبدالحق دہلوی، عبدالحکیم سیالکوٹی، شاہ ولی اللہ دہلوی، غلام علی آزاد بلگرامی اور محب اللہ بہاری بہت ممتاز ہیں۔ عہد مغلیہ پر اس عام تبصرہ کے بعد اس خاندان کے اہم بادشاہوں کے عہد کی قلمی سرگرمیوں کا مختصر حال بیان کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

اکبر کے بارے میں یہ اختلافی مسئلہ ہے کہ وہ ان پڑھ تھا یا نہیں، لیکن اس میں کوئی شبہ نہیں کہ وہ عربی سے بالکل ناواقف تھا۔ تاہم وہ علوم کا ایک عظیم ترین سرپرست تھا اور مختلف علوم وفنون کے ماہر اور صاحبات کمال اس کے عظیم الشان دربار سے منسلک تھے۔ "آئین اکبری"، "منتخب التاریخ" اور "طبقات شاہ جہانی" سب میں اس عہد کے اولیا اور علماء کے ناموں کی فہرستیں موجود ہیں۔ ملک الشعراء فیضی کو عربی زبان پر حیرت انگیز قدرت حاصل تھی۔ جس کا ثبوت اس کی "سواطع الالہام" اور "صواد الکلم" جیسی تصانیف سے ملتا ہے جن میں شروع سے آخر تک کوئی نقطہ دار حرف استعمال نہیں کیا۔ نور اللہ شوستری ایک ممتاز شیعہ عالم اور کئی کتابوں کے مصنف تھے۔ میر کلاں اسی بادشاہ کے عہد میں ہرات سے ہند آئے تھے اور اکبر نے ان کو اپنے بیٹے سلیم کا استاد مقرر کیا تھا۔

شاہ جہان اپنے والد جہانگیر سے بھی زیادہ عالم وفاضل تھا اور اس کو مذہب سے گہرا شغف بھی تھا، چنانچہ اس نے مسلمہ علوم کو بہت فروغ دیا اور اس کے شاندار عہد حکومت میں علماء اور صاحبان کمال بڑی تعداد میں موجود تھے جن میں محمود

جونپوری، نورالحق، عبدالحکیم سیالکوٹی، عبدالرشید، عبدالباقی اور محب اللہ آبادی سب سے زیادہ مشہور ہیں، یہ سب کئی کتابوں کے مصنف بھی تھے۔

شہنشاہ اورنگزیب عالمگیر ان سب سے بڑھ کر عالم و فاضل اور بہت زیادہ مذہبی و متقی تھے۔ انہوں نے اپنی سلطنت میں اسلامی علوم کی اشاعت اور مسلمانوں کی تعلیمی ترقی کیلئے نہایت خلوص اور مستعدی سے کام کیا۔

عالمگیر نے شیخ نظام کی سرکردگی میں ممتاز علمائے دین کی ایک مجلس مقرر کی تھی تاکہ حنفی فقہ نہایت جامع شکل میں مرتب کی جائے اور اس اہم اور زبردست کام پر کثیر دولت صرف کی۔ حنفی فقہ کا یہ مجموعہ "فتاویٰ عالمگیری" ہے جو بیرون ہند "فتاویٰ الھندیہ" کے نام سے زیادہ مشہور ہے۔ عہد عالمگیری کے علماء میں مُلّا جیون، محب اللہ آلہ آبادی، میرزاہد اور ملا قطب الدین سہالوی خاص طور پر قابل ذکر ہیں اور یہ سب متعدد کتابوں کے مصنف بھی ہیں۔

شہنشاہ عالمگیر کی وفات کے بعد سلطنت مغلیہ کی عظمت وقوت زوال پذیر ہونے لگی۔ بہادر شاہ علماء کی صحبت میں رہنا بہت پسند کرتا تھا۔ مگر محمد شاہ عیش وعشرت اور عیاشی میں شرمناک حد تک مبتلا ہو گیا اور اس کے بعد مغل بادشاہ بااقتدار نہیں رہے لیکن یہ عجیب بات ہے کہ عالمگیر کی وفات کے بعد سلطنت مغلیہ کے بسرعت زوال اور ملک میں بدامنی ہو جانے کے باوجود اس زمانہ میں بہت سے علماء پیدا ہوئے جن میں عبدالجلیل بلگرامی، غلام علی آزاد، فضل امام، فضل حق خیرآبادی، تراب علی، محمد حسن، محمد مبین، ثناء اللہ پانی پتی، حمداللہ اور احمد علی سندیلوی خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

8۔ برصغیر میں برطانوی عہد کا آغاز

اٹھارویں صدی عیسوی کے آغاز کے ساتھ ہی ہندوستان کی تاریخ ایک نئے دور میں داخل ہوئی۔ گزشتہ دو صدیاں برصغیر میں مغلوں کے قیام و استحکام پر مبنی تھیں۔ اب حالات بدل چکے تھے اس صدی کی ابتداء کا سب سے اہم سانحہ شہنشاہ اورنگزیب عالمگیر کی وفات ہے جو 1707ء میں ہوئی۔ جبکہ رموز سلطنت سے ناآشنا عمر رسیدہ شہزادے اپنے اسلاف کی طرح سلطنت کو مزید وسعت اور تحفظ فراہم کرنے کے بجائے جنگ جانشینی میں ملوث ہو گئے۔ ایسٹ انڈیا کمپنی جس کی حیثیت اورنگزیب کے دور تک محض ایک تجارتی ادارے کی تھی اس کے اقتدار اور اختیار میں اضافہ ہو گیا۔ سب سے پہلے اس ادارے

نے اپنی اصلاح کی۔ قدیم ایسٹ انڈیا کمپنی لندن اور جدید انگلش کمپنی اورنگزیب کے آخری دور میں ہندوستان میں قائم ہوئی تھی دونوں کو ایک پلیٹ فارم پر لایا گیا اور بالخصوص بنگال میں برطانوی طاقت کو مضبوط کیا گیا اور برطانوی نیوی کی مدد سے اپنی فوجی طاقت کو تقویت پہنچانے کا اہتمام کیا گیا اور یوں ہندوستان کی مقامی سیاسی قوتوں کے بالمقابل ایک خارجی طاقت اپنے پیر جمانے لگی جو مستقبل میں ہندوستان کی تقدیر کا فیصلہ کرنے والی تھی۔

ہندوستان میں مغلیہ حکومت کے عروج کے زمانہ میں یورپی قوموں کی آمد شروع ہو چکی تھی، جب اورنگزیب عالمگیر کے بعد یہ سلطنت کمزور ہوئی تو ان قوموں نے بھی اس خطہ پر اپنی حکمرانی کے خواب دیکھنے شروع کر دیئے۔ مجموعی طور پر برطانیہ، فرانس، اٹلی پرتگال اور ہالینڈ کے وفود مختلف اوقات میں 1498 سے لیکر 1761ء تک اس خطہ میں قدم جمانے کیلئے مختلف تدابیر کو روبہ عمل لانے میں مصروف رہے، لیکن تمام ناکام رہے اور آخر کار فرانس اور برطانیہ میں 1741ء سے 1761ء تک تین اہم جنگیں ہوئیں جن میں برطانیہ نے فرانس کو شکست دے کر بلاشرکت غیرے اس خطہ میں اپنی عملداری قائم کرنے کی کوششیں شروع کر دیں۔

8.1 برطانوی حکومت کا آغاز (1857ء تا 1947ء)

برطانوی برصغیر میں تاجروں کے روپ میں آئے اور مختلف علاقوں میں تجارتی کوٹھیاں اور قلعے قائم کر کے اپنی طاقت کو وہاں تک محدود رکھتے تھے۔ ان کا قیام زیادہ تر کلکتہ، ممبئی، مدراس اور ہگلی غیرہ میں ہوتا تھا۔ لیکن مغلیہ سلطنت کے زوال کے بعد طوائف الملوکی کی وجہ سے ان میں بھی حکمرانی کا شوق پیدا ہوا اور انہوں نے اس وقت کے مختلف حکمرانوں کے ساتھ جوڑ توڑ کر کے اپنی طاقت کو مضبوط کیا اور 1757ء میں نواب سراج الدولہ کو بنگال میں پلاسی کے میدان میں شکست دے کر اپنی حکومت کا آغاز کیا اور گورنمنٹ آف برطانیہ کی طرف سے ان علاقوں کا باقاعدہ گورنر مقرر ہونا شروع ہو گیا۔ 1765ء میں لارڈ کلائیو ان مقبوضات کا گورنر مقرر ہوا، لیکن ابھی تک یہ علاقہ ایسٹ انڈیا کمپنی کے ماتحت تصور ہوتے اور گورنر کمپنی کے آگے جواب دہ ہوتا تھا۔ 1765ء سے 1857ء کی جنگ آزادی تک انگریزوں نے اپنی عملداری اور اثرات سارے برصغیر میں پھیلا دیئے لیکن ان کی باقاعدہ حکومت 1857ء کی جنگ آزادی کی ناکامی کے بعد قائم ہوئی۔ اس جنگ میں جن کو انہوں نے غدر کا نام دیا تھا۔ مغلیہ حکومت کا خاتمہ ہو گیا اور انگریز بلاشرکت غیرے سارے برصغیر کے حکمران بن گئے اور اس کے ساتھ ہی کمپنی کی حکومت ختم ہو گئی اور برٹش پارلیمنٹ نے 1858ء میں ایک قانون پاس کر کے ہندوستان کا انتظام براہ راست شاہ انگلستان کے ماتحت ہو کر دیا اور پہلا وائسرائے لارڈ کیننگ مقرر ہوا۔

1857ء میں برطانوی حکومت کے مکمل کنٹرول کر لینے کے بعد لارڈ کیننگ سے لے کر لارڈ ماؤنٹ بیٹن تک کل بیس وائسرائے مختلف اوقات میں ہندوستان میں تعینات کئے گئے اور انہوں نے اپنے ادوار میں متعدد اقدامات کئے، اسی دور میں ہندوستان میں تحریک آزادی ہند کا آغاز ہوا جو متعدد ادوار سے گزر کر پھر تحریک پاکستان کی صورت بھی اختیار کر گئی اور یہ عوامی تحریک 1947ء میں کامیاب ہوئی اور اس طرح برصغیر میں برطانوی عہد کا خاتمہ 14 اگست 1947ء کو ہوا اور دو عظیم سلطنتیں ہندوستان اور پاکستان معرض وجود میں آئیں۔

9۔ تحریک آزادی ہند

برطانوی حکومت کے غلبہ سے نجات حاصل کرنے کیلئے انیسویں صدی کے وسط سے علانیہ و خفیہ تعلیمی و تبلیغی اور سیاسی و ادابی متعدد طریقوں کی آزادی کی تحریکوں کا آغاز ہو چکا تھا۔ اس آغاز سے لے کر 1916ء تک مسلمانوں کا یہ خیال ایک عرصہ تک رہا کہ ہندوستان کی آزادی ہندو مسلم اتحاد کے بغیر ممکن نہیں، اس سلسلہ میں انہوں نے ہندوؤں سے مل کر 1905ء میں تحریک ریشمی رومال شروع کی جس میں پیغام رسانی کیلئے ریشمی رومال کے کنارے استعمال کئے جاتے تھے۔ اس تحریک میں مولانا محمود الحسن دیوبندی کا عالمگیر کردار قابل ذکر ہے۔ بعد ازاں دوسری تحریک خلافت 1912ء میں شروع کی پھر تیسری تحریک ہجرت 1914ء میں شروع ہوئی، اس طرح تحریک ردعیسائیت، تحریک ترک موالات تمام تحریکیں مسلمانوں نے ہندوؤں کے ساتھ مل کر چلائیں لیکن ہر تحریک کے اختتام پر انہیں یہ بات واضح طور پر محسوس ہوئی کہ ہندو ان کو ساتھ ملا کر ہندوؤں کے غلبہ کی جدوجہد میں مصروف ہیں۔ ہندوؤں کے غلبہ کیلئے کانگریس کے اہم لیڈروں نے شدھی اور سنگھٹن کی تحریکیں شروع کیں۔ شدھی سے مراد اپنا مذہب تبدیل کر کے ہندومت اختیار کرنا تھا اور سنگھٹن کا مقصد ہندوؤں کو اسلحہ کے استعمال کی تربیت دینا تھی تا کہ وہ مسلمانوں کو کچل سکیں۔ شردھانند اور ڈاکٹر مونجے ان تحریکوں کے روح رواں تھے جو کانگریس کے مرکزی لیڈر تھے۔

مسلمانوں نے ہندوؤں کے اس رویہ کو دیکھ کر 1916ء میں میثاق لکھنؤ کے بعد تحریک آزادی ہند کو تحریک پاکستان کا نام دے کر ہندوؤں سے علیحدہ اپنی کوششوں کا آغاز کر دیا۔

10- تحریک پاکستان

بیسویں صدی کے ابتدائی سالوں میں مسلم لیگ کی یہی کوشش رہی کہ ہندوؤں اور انگریزوں سے مسلمانوں کی جداگانہ قومی ہستی کو منوالے۔ اس لئے 1931ء تک اس کا نصب العین مسلمانان ہند کی علیحدہ سیاسی تنظیم اور جداگانہ انتخاب کے حق کو حاصل کرنا تھا۔ چنانچہ 1909ء میں مسلمانوں کو جداگانہ انتخاب کا حق حاصل ہو گیا۔ 11-1910ء میں طرابلس اور بلقان کی جنگوں نے مسلمانوں میں سیاسی بیداری کے جذبہ کو مزید تقویت دی۔ بعد ازاں 1913ء میں کانپور میں ایک مقام پر سڑک کو سیدھا کرنے کیلئے مسجد کا ایک حصہ ڈھایا گیا۔ اس پر مسلمان مشتعل ہو گئے اور حکومت نے ان پر گولی چلا دی۔ لیگ کو اسی زمانے میں کافی رسوخ حاصل ہوا۔ 1916ء میں کانگریس اور مسلم لیگ نے مل کر لکھنؤ میں سیاسی حقوق کے متعلق ایک باہمی سمجھوتہ کیا جو میثاق لکھنؤ کے نام سے مشہور ہے۔ اس سمجھوتے کی رو سے مسلمانوں کو ان صوبوں میں زیادہ نمائندگی مل گئی جہاں ان کی تعداد تھوڑی تھی اور اس کے عوض پنجاب اور بنگال کے مسلمان اپنی اکثریت کھو بیٹھے۔

1930ء میں آلہ آباد کے مقام آل انڈیا مسلم کانفرنس کا سالانہ اجلاس منعقد ہوا، اس جلسہ کے صدر سر محمد اقبال تھے، انہوں نے اپنے صدارتی خطبے میں اس بات کی توضیح کی کہ مسلمانان ہند اپنی مذہبی وقومی روایات کے اعتبار سے ایک فرقہ نہیں بلکہ ایک علیحدہ قوم ہے اور ان کے سیاسی مسائل کا بہترین حل یہ ہے کہ ہندو پاکستان کے شمال مغربی حصے میں ایک علیحدہ اسلامی ریاست قائم کر دی جائے جو مسلمانوں کی اکثریت والے صوبوں یعنی پنجاب، شمال مغربی سرحدی صوبہ، سندھ، بلوچستان اور کشمیر پر مشتمل ہو۔

ڈاکٹر محمد اقبال کے اس بلند نصب العین کے باوجود مسلم لیگ نے 1921ء سے 1932ء تک کانگریس سے باعزت سمجھوتہ کرنے کی کوششیں کیں تاکہ وہ متحدہ ہندوستان میں مسلمانوں کو اسلامی طرز پر زندگی بسر کرنے کے مواقع میسر ہوں مگر 1931ء میں دوسری گول میز کانفرنس کے موقع پر محمد علی جناح کو یقین ہو گیا کہ ہندو مسلمانوں سے کسی صورت میں بھی باعزت سمجھوتہ کرنے کیلئے تیار نہیں۔ اس لئے دوسری گول میز کانفرنس کی ناکامی کے بعد مسلم لیگ کی پالیسی بدل گئی۔ اس وقت سے قائداعظم محمد علی جناح نے مسلمانوں کو جداگانہ قومیت کا تخیل دے کر انہیں کانگریس میں جذب ہونے سے روکا اور ان کیلئے ایک علیحدہ ہوم لینڈ کا مطالبہ کیا۔

ان باتوں کے باوجود قائداعظم محمد علی جناح نے 15 اگست 1939ء کو اپنی تقریری میں اس امر کی توضیح کر دی کہ پارلیمنٹری طرز کی جمہوری حکومت برصغیر ہندو پاکستان کیلئے غیر موزوں ہے جہاں بے شمار قومیں آباد ہیں اور ملک مذکورہ میں ہندو مسلمان دو جدا قومیں ہیں۔ مارچ 1940ء میں بمقام لاہور آل انڈیا مسلم لیگ کا وہ تاریخی اجلاس منعقد ہوا جس میں باقاعدہ طور پر پاکستان کی قرارداد پاس ہوگئی۔ جس کی رو سے مسلمانوں نے تقسیم ہند کا مطالبہ کرتے ہوئے ایک ایسی خودمختار مملکت کے حصول کا نصب العین پیش کیا جو ہندو پاک کے شمال مغرب اور شمال مشرق میں مسلمانوں کی اکثریت والے جغرافیائی لحاظ سے علاقہ جات پر مشتمل ہو۔

10.1 قرارداد پاکستان:

1940ء کا سال برعظیم کے مسلمانوں کی سیاسی وقومی زندگی میں نہایت اہم اور انقلاب آفریں ثابت ہوا۔ اس سال مسلم لیگ نے ہندوستان میں ایک آزاد مسلم مملکت کے قیام کا مطالبہ کیا۔ یہ مطالبہ 23 مارچ کو لاہور میں مسلم لیگ کے ایک عظیم الشان سالانہ اجلاس میں پیش کیا گیا۔ اس وقت تک برعظیم کے مسلمانوں میں ایک آزاد اسلامی مملکت کا تصور عام ہو چکا تھا اور اب وہ اسے اپنے قومی اور سیاسی مسائل کا واحد حل سمجھنے لگے تھے۔ اس مرحلے تک پہنچتے پہنچتے محمد علی جناح کو مسلمانوں میں قائداعظم کی حیثیت اور مقبول حاصل ہو چکی تھی۔ قرارداد پاکستان کے پیش کئے جانے سے کچھ ہی دن قبل لندن کے ایک جریدے میں قائداعظم کا ایک بہت اہم مضمون شائع ہوا۔ جس کے آخری حصے میں انہوں نے لکھا کہ ہندوستان کیلئے ایک ایسا آئین وضع کرنا چاہیے جو اس حقیقت پر مبنی ہو کہ ہندوستان میں دو قومیں بستی ہیں اور جس کی رو سے دونوں قومیں حکومت میں برابر کی حصہ دار ہوں۔

مسلم لیگ کے اس تاریخی اجلاس میں ہندوستان کے بیشتر سرکردہ رہنما شریک تھے اور حاضرین کی تعداد ایک محتاط اندازے کے مطابق پچاس ہزار سے زائد تھی۔ اے کے فضل الحق نے اس موقعہ پر وہ تاریخی قرارداد پیش کی جسے مسلم لیگ کی ایک ذیلی مجلس نے مرتبہ کیا تھا۔ اس قرارداد کے اہم حصے میں کہا گیا تھا کہ!

''ہندوستان کے آئینی مستقبل کے متعلق مسلمانوں کو وہی تجویز قابل قبول ہوگی جس کے تحت صوبائی سرحدوں میں ضروری ردوبدل کر کے ملک کی تقسیم اس طرح کی جائے کہ ان علاقوں میں آزاد ریاستیں قائم ہوسکیں جہاں مسلمانوں کی اکثریت ہے یعنی ہندوستان کے شمال مغربی اور شمال مشرقی خطے۔ ان ریاستوں میں جو صوبے شامل ہونگے ان کو مکمل خودمختاری

اور اقتدار اعلیٰ حاصل ہوگا''

اس قرارداد نے برعظیم کے مسلمانوں میں ایک تازہ روح پھونک دی۔ مسلمانوں نے جب ایک متعین مقصد کی حیثیت میں اس نظریئے کو اختیار کرلیا تو ان کی جدوجہد آزادی ایک نہایت اہم مرحلہ میں داخل ہوگئی۔

10.2 کرپس مشن کی تجاویز:

تحریک آزادی کے دوران جنگ عظیم ثانی (1939ء تا1944) شروع ہوگئی۔ جس میں برطانیہ کا بنیادی کردار تھا، اس جنگ عظیم کی وجہ سے برطانیہ کی مرکزی حکومت کمزور ہوگئی جس کے اثرات برصغیر پر بھی پڑے۔

1941ء میں جاپان بھی جنگ میں کود پڑا، اس کی وجہ سے مشرق کے اندر برطانیہ کی جنگی پوزیشن کمزور ہوئی اور دشمن کے ہندوستان میں داخل ہوجانے کا خطرہ پیدا ہوا۔ ایسی حالت میں برطانوی حکومت نے سر اسٹافورڈ کرپس کو چند تجاویز کے ساتھ ہندوستان بھیجا تاکہ وہ کانگریس کو برطانیہ کی حمایت پر راضی کرے، ان تجاویز میں یہ یقین دلایا گیا تھا کہ جنگ کے ختم ہونے ہی برطانیہ ہندوستان کو نوآبادیوں کا درجہ عطا کرے گا، اس کا آئین وفاقی ہوگا اور صوبوں وعلاقوں کو یہ حق حاصل ہوگا کہ وہ مرکز سے علیحدہ ہوسکیں۔ کانگریس نے ان تجاویز کو حقارت سے ٹھکرادیا، مسلم لیگ نے بھی یہی صورت اختیار کی اس لئے ان میں تقسیم ملک کی کوئی اسکیم شامل نہیں تھی۔ صوبوں اور علاقوں کو وفاق سے علیحدہ ہونے اور رہنے کا حق ضمناً اور الجھے ہوئے انداز میں دیا گیا تھا۔

کرپس کی ناکامی کے بعد 1942ء میں کانگریس کے برطانیہ کے خلاف۔ 'ہندوستان چھوڑ دو' کی تحریک چلائی اور تشدد کی راہ اختیار کی، لیکن اس کا کوئی نتیجہ برآمد نہ ہوا، برطانوی حکومت نے سختی سے اسے کچل ڈالا اور تمام ممتاز کانگریسی رہنماؤں کو گرفتار کرلیا۔ مسلم لیگ قدرتی طور پر اس تحریک سے علیحدہ رہی۔

10.3 شملہ کانفرنس:

1945ء میں جنگ ختم ہوئی اور برطانیہ نے اقتدار منتقل کردینے پر آمادگی ظاہر کی لیکن سوال یہ تھا کہ اقتدار کو منتقل کیا جائے۔ اس سلسلہ میں وائسرائے نے شملہ میں کانگریس اور مسلم لیگ کے رہنماؤں کی ایک کانفرنس بلائی اور اس بات پر زور

ڈالا کہ دونوں جماعتیں مل کر حکومت بنائیں، لیکن کانگریس مسلم لیگ کو مسلمانوں کی نمائندہ جماعت تسلیم کرنے کیلئے تیار نہ تھی۔ لہذا اس نے انکار کر دیا۔ ایسی صورت میں مسلم لیگ نے انتخاب کی تجویز پیش کی جسے کانگریس نے منظور کر لیا۔ چنانچہ 1946ء میں انتخاب عمل میں آیا۔

صوبائی قانون کی مجالس میں مسلمانوں کی نشستیں پانچ سو ساٹھ تھیں جب انتخاب ہوا تو ان میں سے چار سو ستائیس مسلم لیگ نے حاصل کر لیں اور یوں یہ واضح کر دیا کہ کانگریس مسلمانوں کی نمائندگی نہیں کرتی، صرف مسلم لیگ مسلمانوں کی نمائندہ جماعت ہے۔

10.4 وزارتی مشن:

انتخاب کے بعد مارچ 1946ء میں حکومت برطانیہ نے ایک مشن بھیجا جو تین وزراء پر مشتمل تھا اس لئے وزارتی مشن کے نام سے موسوم ہوا، اس کا مقصد کانگریس اور مسلم لیگ کے درمیان ثالثی کا فرض انجام دے کر انہیں حق خود اختیاری عطا کرنا تھا، ان کے منصوبہ میں سہ گونہ وفاق تجویز کیا گیا تھا، اس کے ساتھ ایک کمزور مرکز تھا جو گویا سیاسی وحدت کا نشان تھا اس منصوبہ کو بھی کانگریس نے نامنظور کر دیا۔

10.5 عبوری حکومت:

مشن کی ناکامی کے بعد وائسرائے نے مرکز میں نمائندہ حکومت بنانے کی پھر کوششیں شروع کیں چنانچہ دونوں جماعتوں سے گفت وشنید کے بعد اس نے جواہر لال نہرو کو عبوری حکومت بنانے کی دعوت دی کانگریس اس پر تیار ہوگئی، لہذا مسٹر نہرو نے حکومت بنائی جس میں مسلم لیگ بھی شامل ہوگئی۔

اس عبوری حکومت کے قیام کے فوراً بعد ہندو مسلم فسادات کا سلسلہ شروع ہوا اور اکتوبر 1946ء میں صوبہ بہار کے اندر ہندوؤں نے مسلمانوں کا قتل عام کیا، یہ واقعہ اتنا سنگین تھا کہ پورے ہندوستان میں ہلچل مچ گئی اور اس بات کا خطرہ پیدا ہوا کہ ملک خوفناک خانہ جنگیوں کا شکار ہو جائے گی، ساتھ ہی ان فسادات نے یہ بھی ثابت کر دیا کہ مسلم لیگ کا دعویٰ صحیح ہے اور فی الحقیقت ہندو اور مسلمان دو علیحدہ علیحدہ قومیں ہیں۔

میدان سیاست میں شکست کھانے کے بعد ہندوؤں نے زور آزمائی شروع کر دی تھی اور تشدد پر اتر آئے تھے مگر اس ذریعہ سے بھی کامیابی حاصل کر لینا کوئی یقینی بات نہ تھی مسلم رہنماؤں نے انہیں خبردار کر دیا تھا کہ وہ مسلمانوں کا قتل عام بند کریں ورنہ وہ بھی طاقت کے خلاف طاقت استعمال کرینگے، دوسری طرف فروری 1947ء میں برطانوی وزیراعظم لارڈ اٹیلی نے ہندوستان کو چھوڑ دینے کی ایک تاریخ مقرر کر دی کہ انگریز ہر حالت میں جون 1948ء تک حکومت سے دست بردار ہو جائیں گے، لہٰذا کانگریس اور مسلم لیگ کو سمجھوتہ کر کے اسے سنبھالنے کیلئے تیار ہو جانا چاہیے ورنہ اس برصغیر کی تباہی کی پوری ذمہ داری ان پر ہوگی، اس وائسرائے کو بھی حکومت برطانیہ نے واپس بلا لیا اور اس کی جگہ پر لارڈ ماؤنٹ بیٹن کو مقرر کیا۔

11۔ مسلم لیگ کی جدوجہد کا نیا دور

''قرارداد پاکستان'' مسلمانوں کے عقیدے کا ایک جزو بن چکی تھی۔ مگر انہوں نے اپنی جو منزل متعین کی تھی اس تک پہنچنے کیلئے انہیں ابھی بہت دور چلنا تھا۔ ہندوؤں کا ردعمل بہت ہیجانی تھا، انہوں نے جتنی زیادہ قوت اور شدت سے مخالفت کی مسلمانوں کو اس کی ضرورت کا اتنا ہی احساس ہوتا گیا۔ کانگریس اور مسلم لیگ میں حائل خلیج مزید وسعت اختیار کر گئی۔ دوسری جنگ عظیم شروع ہوتے ہی ہندوستان کی سیاسی فضا میں بھی ہلچل پیدا ہو گئی۔ مسلم لیگ نے ستمبر 1939ء میں حکومت سے مطالبہ کیا تھا کہ کوئی بھی آئینی منصوبہ مسلم لیگ کے صلاح مشورے اور منظوری کے بغیر ہندوستان میں نافذ نہ کیا جائے۔ 2 جون 1940ء میں قائداعظم نے وائسرائے سے ملاقات کی اور اسے آگاہ کیا کہ مسلم لیگ حکومت سے جنگ میں صرف اسی صورت میں تعاون کرے گی جب کہ ہندوستان میں کوئی بھی مستقل یا عبوری آئینی ڈھانچہ لیگ کی منظوری کے بغیر نافذ نہ کیا جائے۔ کچھ دن کے بعد قائداعظم نے حکومت کو یہ بھی تجویز کیا کہ حکومت برطانیہ کی طرف سے ایسا کوئی اعلان نہیں ہونا چاہیے جو کسی طرح اس بنیاد یا بنیادی اصولوں کے خلاف ہو جو ہندوستان کی تقسیم اور شمال و مغرب اور مشرق میں مسلم ریاستیں قائم کرنے کیلئے ''قرارداد پاکستان'' میں طے کر دیئے گئے ہیں۔ وہ نصب العین اب مسلم ہندوستان کا عام عقیدہ بن گیا ہے۔ وائسرائے نے ان تجاویز کے اس حصے کو تسلیم کر لیا چنانچہ مسلم لیگ نے اس کو اپنے اس موقف اور نقطہ نظر کی کامیابی قرار دیا جو اس نے ''قرارداد پاکستان'' میں اختیار کیا تھا۔

مسلمانوں کیلئے اب ہندوستان کی تقسیم اور پاکستان کا قیام ایک واضح اور معین مقصد تھا اور اس کیلئے ان میں بڑا جوش پایا جاتا

تھا۔ ایک سمجھدار طبقہ اس کیلئے منصوبے، نقشے اور خاکے بنانے میں منہمک ہوگیا۔ مسلم لیگ بہت زیادہ منظم اور فعال ہوئی۔ اس کی شاخیں اپنی اپنی تنظیم کو درست اور مستعد کرنے میں لگ گئیں۔ رضا کاروں کی جمعیتیں تشکیل پانے لگیں اور انہوں نے اپنے آپ کو مسلم لیگ کے ضوابط کے مطابق منظم کرنا شروع کیا۔ مسلم لیگ کی مرکزی مجلس عاملہ نے ایک قرارداد میں طے کیا کہ ہر سال 23 مارچ کا دن مسلم لیگ یوم پاکستان کے طور پر منائے۔ اس دن "قرارداد پاکستان" کے اصولوں کی تشریح کی جائے اور تمام مسلمانوں پر واضح کیا جائے کہ تمام قومی اور سیاسی مسائل کا یہی واحد حل ہے۔ ایک اور قرارداد میں یہ طے کیا گیا کہ ہر تیسرے مہینے صوبائی اور ضلعی لیگیں ہفتہ مسلم لیگ منائیں جس میں مسلم لیگ کے مقاصد اور لائحہ عمل کی وضاحت کی جائے، مسلم لیگ کے لئے رکنیت سازی کی جائے اور مسلمانوں کی اقتصادی معاشرتی اور تعلیمی ترقی کیلئے تعمیر کام کیے جائیں۔

11.1 تقسیم ہند کا منصوبہ:

لارڈ مونٹ بیٹن ہندوستان کا آخری وائسرائے تھا اس کا تعلق برطانیہ کے شاہی خاندان سے تھا۔ مونٹ بیٹن کے پیش نظر اس وقت ہندوستان کی آزادی کے سوا کوئی اور متبادل صورت باقی نہیں تھی۔ ہندوستان میں سب فریق حصول آزادی پر متفق تھے۔ صرف اختلاف اس امر پر تھا کہ آزادی کے بعد ایک آزاد و خود مختار مملکت ہونی چاہیے یا دو۔ برطانیہ کی طرف سے ہندوستان کی آزادی کے فیصلے کا مسلم لیگ اور کانگریس دونوں نے خیر مقدم کیا۔ لیکن اس اعلان نے بیک وقت دونوں کیلئے جہاں بہتر امیدیں پیدا کی تھیں وہیں خدشات کو بھی ابھارا تھا۔ کانگریس ابھی تک پورے برعظیم پر اقتدار کیلئے ہاتھ پاؤں مار رہی تھی لیکن اسے یہ اندیشہ بھی تھا کہ شاید پورا برعظیم اس کی گرفت میں نہ آسکے۔ ایسی صورت میں وہ برعظیم کا زیادہ سے زیادہ حصہ اپنے قبضے میں رکھنا چاہتی تھی، چنانچہ اس نے پنجاب اور بنگال کی تقسیم کا بھی مطالبہ کر دیا۔ اس صورت حال میں مسلم لیگ کو انگریزوں کے رویئے سے بڑی حد تک تشویش سی تھی۔ اس کیلئے مسلم اکثریتی صوبوں بالخصوص پنجاب اور سرحد کی سیاسی حالت بھی تشویشناک تھی۔ پنجاب میں مسلمانوں، سکھوں اور ہندوؤں کی باہمی کشمکش نے خانہ جنگی کی صورت اختیار کر لی تھی۔ اور صوبہ سرحد میں مسلم لیگ کا اثر اور زور اس قدر بڑھ چکا تھا کہ عوام کانگریسی حکومت کیخلاف بغاوت پر آمادہ تھے۔ اب وہاں مسلم لیگ کی بڑھتی ہوئی قوت نے کانگریس کی اس دولت کا اثر خاک میں ملا دیا تھا کہ جس سے وہ کسی زمانے میں اپنے ہم خیال رہنماؤں کے ذریعے سرحدی مسلمانوں کے ووٹ خرید ا کرتی تھی۔ پنجاب میں سکھوں کے رہنما خاصا اشتعال پیدا کر رہے تھے۔ حکومت برطانیہ کیلئے اب یہی راستہ تھا کہ جلد از جلد ہندوستان کو تقسیم کر کے خود کنارہ کش ہو جائے۔ چنانچہ کئی ابتدائی

مرحلوں کے بعد اس نے ایک منصوبہ ہندوستان کو تقسیم کر کے خود کنارہ کش ہو جائے۔ چنانچہ کئی ابتدائی مرحلوں کے بعد اس نے ایک منصوبہ ہندوستانیوں کو بہت حد تک اتفاق رائے سے تیار کیا جو حرف آخر تھا اور اس میں کسی ردوبدل کی گنجائش نہ تھی۔ 3 جون 1946ء کو اس فیصلے کا اعلان کیا گیا، جو یہ تھا کہ برطانیہ کے واپس چلے جانے سے پہلے ہندوستان کو دو آزاد اور خود مختار مملکتوں بھارت اور پاکستان میں تقسیم کر دیا جائے گا۔ دونوں مملکتوں کو اس کا اختیار ہوگا کہ چاہیں تو دولت مشترکہ سے الگ ہو جائیں۔ پہلے یہ کہا گیا تھا کہ جون 1948ء تک ہندوستان کو مکمل آزادی دے دی جائے گی۔ لیکن اس منصوبے کے تحت یہ کہا گیا کہ 15 اگست تک تقسیم کے سلسلے میں تمام ضروری کارروائی مکمل ہو جائے اور اس تاریخ کو ہندوستان پر برطانیہ کا اقتدار ختم ہو جائے۔ اسی تاریخ کو دیسی ریاستوں پر بھی برطانوی حکومت کا اقتدار اعلیٰ ختم ہو جائے۔ اس کے بعد ہر ریاست کو یہ فیصلہ کرنے کا اختیار ہو کہ بھارت میں شامل ہو یا پاکستان میں بالکل آزاد ہو جائے۔

یہ فیصلہ بہت کچھ مسلمانوں کی خواہش اور منشاء کے مطابق تھا پاکستان کے قیام کا مطالبہ منظور کر لیا گیا تھا اور یہ قائد اعظم اور مسلم لیگ کی بہت بڑی کامیابی تھی۔ لیکن ابھی اور بھی دشواریاں موجود تھیں۔ حکومت برطانیہ نے تقسیم کا فیصلہ تو کر لیا تھا۔ لیکن یہ تقسیم اس صورت میں عمل میں آ سکتی تھی کہ بنگال اور پنجاب کے صوبے بھی تقسیم ہوں۔ مسلم اکثریت کے صوبوں کو یہ اختیار دیا گیا کہ وہ چاہیں تو پاکستان میں شامل ہوں یا اس سے الگ رہیں۔ مغربی پنجاب، مشرقی بنگال اور سندھ میں یہ فیصلہ کرنے کا اختیار اسمبلی کو دیا گیا اور بلوچستان میں شاہی جرگے کو، صوبہ سرحد اور آسام کے مسلم اکثریتی ضلع سلہٹ میں استصواب کا اہتمام کیا گیا اور ہر بالغ کو رائے دہی دینے کا اختیار دیا گیا۔ 10 جون کو مسلم لیگ نے اور 13 جون کو کانگریس نے اس منصوبے کو منظور کر لیا۔ 30 جولائی تک مسلم اکثریت کے علاقوں میں رائے شماری مکمل ہو گئی۔ ان تمام علاقوں کے مسلمانوں کی غالب اکثریت نے پاکستان کے حق میں رائے دی۔ چنانچہ اب ہندوستان کے سیاسی نقشے میں بہت بڑا تغیر یقینی تھا۔

11.2 تقسیم کے مسائل اور قیام پاکستان:

صوبوں کی تقسیم کے ساتھ 3 جون کا منصوبہ مسلم لیگ نے صرف اس لئے قبول کیا تھا کہ حصول پاکستان کی اس کے سواء اور کوئی صورت بھی نہیں تھی۔ وائسرائے مونٹ بیٹن نے یہ دھمکی دی تھی کہ وہ ملک کو کانگریس کے حوالے کر دیں گے۔ حکومت برطانیہ نے ہندوستان چھوڑ کر چلے جانے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ اس کیلئے تاریخ مقرر کر دی تھی اور برطانوی افواج تو رفتہ رفتہ واپس بھی جانے لگی تھیں۔

اصولی طور پر تو اقتدار کی منتقلی کا عمل جون 1948ء تک مکمل ہونا تھا لیکن اس دوران کانگریس نے ایک بہت دوررس منصوبہ بنایا اور وائسرائے سے یہ طے کیا کہ اگر آزادی مقررہ مدت سے پہلے دے دی جائے تو بھارت برطانوی دولت مشترکہ میں شمولیت اختیار کر لے گا۔ جو کام پندرہ ماہ کی مدت میں ہونا تھا اب 15 اگست تک دو ماہ کے قلیل عرصے میں انجام پانے والا تھا۔ اس عجلت کے تمام تر فوائد بھارت کے حصے میں اور نقصانات پاکستان کے حصے میں آتے تھے۔ مسلم لیگ کے لئے یہ تاریخ بڑی پریشان کن تھی اور کانگریس کیلئے اس میں کوئی دشواری نہ تھی۔ اسے حکومت ہند کی انتظامیہ جوں کی توں ورثہ میں مل رہی تھی۔ حکومت کے تمام محکموں کے علاوہ افواج کے صدر دفاتر بھی دہلی میں تھے۔ مسلمان سول اور فوجی افسروں کی تعداد بہت کم تھی اور ان کے نہ رہنے سے وہاں کوئی خاص فرق نہیں پڑتا تھا۔ دو ماہ کا عرصہ اتنا کم تھا کہ اس کے اندر انتظامیہ اور افواج کی تقسیم خوش اسلوبی سے ناممکن تھی۔ چونکہ تقسیم مالی سال کے وسط میں ہو رہی تھی اور مالی سال اپریل سے مارچ تک ہوتا تھا۔ اس لئے بجٹ اور حساب کتاب کی الجھنیں بھی اپنی جگہ تھیں جنہیں دور کرنا ضروری تھا۔ پھر کرنسی اور زرمبادلہ کے مسائل تھے۔ پاکستان کیلئے اپنی کرنسی ضروری تھی لیکن دو ماہ میں کرنسی نوٹوں اور نئے سکوں کی ڈھلائی ناممکن تھی۔ دیگر اثاثے ریلوے مواصلات اور قرضے بھی ایک شدید مسئلے کی حیثیت رکھتے تھے۔ لیکن اس کے باوجود مسلم لیگ نے قائداعظم کی قیادت میں اس چیلنج کو قبول کرتے ہوئے یہ تاریخ منظور کی اور 14 اگست 1947ء کو تحریک آزادی اپنے اختتام کو پہنچی اور برصغیر سے برطانوی عہد کا خاتمہ ہوا اور دو سلطنتیں پاکستان اور ہندوستان معرض وجود میں آ گئیں، پاکستان کا معرض وجود میں آنا ایک نظریہ یعنی اسلام کا ذہین سنت تھا۔

11.3 قیام پاکستان کے محرکات اور کامیابی کے اسباب

اوپر کے صفحات میں تحریک پاکستان کا پس منظر پیش کیا گیا ہے جس سے ان محرکات کا بخوبی اندازہ ہو جاتا ہے جو اس تحریک کے پیچھے کارفرما تھے اور جن کی نشاندہی شاندار اس طور پر کی جا سکتی ہے۔

1۔ مسلمانوں کا شاندار سیاسی پس منظر

2۔ اسلامی نظریہ حیات کی ہمہ گیری اور جاذبیت

3۔ اپنی روایات اور تہذیب و تمدن کی قیمت کا احساس اور ان کے تحفظ کا جذبہ

4۔ آزاد رہنے کی تڑپ

5۔ ہندوؤں کی جارحیت

6۔ متحدہ ہندوستان میں من حیث القوم ختم ہو جانے کا خطرہ

7۔ اپنے ذریں دور کو واپس لانے کا جوش اور ولولہ

قیام پاکستان کے یہ وہ اہم محرکات تھے جنھوں نے مسلمانوں کو ایک آہنی دیوار کی طرح مخالف طاقتوں کے مقابلہ میں کھڑا کر دیا اور وہ بالآخر اپنا مقصد حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے۔

اس وضاحت کے بعد اب اس تحریک کی کامیابی کے اسباب کا جائزہ لینے کی کوشش کی جاتی ہے۔

تحریک پاکستان کی کامیابی کے گوناگوں اسباب میں سے چند اہم یہ ہیں:۔

1۔ اپنے نظریہ حیات، روایات اور تمدنی ورثہ کی قدر و قیمت کا شدید احساس

یہ ایک ظاہر بات ہے کہ ایک انسان کے نزدیک جس چیز کی جتنی قدر و قیمت ہوتی ہے اسی لحاظ سے اس کے حصول اور تحفظ کا جذبہ اس کے اندر ابھرتا ہے، اس کی صلاحیتیں بروئے کار آتی ہیں اور وہ قربانیاں دیتا ہے۔ مسلمانوں کے نزدیک ان کا دین ان کی روایات اور ان کا تمدنی ورثہ سب سے قیمتی چیزیں تھیں جب انہیں خطرہ لاحق ہوا تو ان کے تحفظ کے لئے ان کی تمام صلاحیتیں بھی ابھر کر آئیں اور وہ ہر طرح کی قربانی دینے کیلئے تیار ہو گئے، اگر مسلمانوں میں ان کے تحفظ کا اتنا شدید احساس نہ ہوتا تو ہرگز وہ ایسی خوفناک تحریک چلانے پر آمادہ نہ ہوتے اور آگ کے جنگل اور خون کے دریا سے گزرنے کے بجائے مصالحت کی راہ اختیار کر لیتے۔

مسلمان اس شدید احساس کے ساتھ قوت ایمانی بھی رکھتے تھے انہیں اچھی طرح معلوم تھا کہ ان کی آبادی ہندوؤں کے مقابلہ میں ایک تہائی سے بھی کم ہے، دولت اسلحہ اور ساز و سامان کے اعتبار سے انہیں کوئی مقام حاصل نہیں، جس طرح آج کل ہندوستان میں مسلمان پچیس کروڑ کی تعداد میں موجود ہیں لیکن ان کی ذرہ برابر بھی حیثیت نہیں۔ پھر بھی پوری طاقت کے ساتھ حصول مقصد کیلئے اٹھ کھڑے ہوئے، یہ قوت ایمانی تھی اسلیئے کہ ان حالات میں تقسیم ملک کی تحریک چلانا اور پھر اسے کامیابی سے ہمکنار کرنا صرف مسلمانوں کا کام تھا، اگر ان کی جگہ پر کوئی دوسری قوم ہوتی یا صورت حال اس کے برعکس ہوتی یعنی ہندوؤں کی آبادی مسلمانوں کے مقابلہ میں تہائی ہوتی تو عالمی تاریخ کے پس منظر میں یہ بات یقین کے ساتھ کہی جا سکتی ہے کہ وہ کبھی اتنی

خطرناک تحریک چلانے کی جرأت نہ کرتی اور یہ تو بالکل ہی ناقابل تصور ہے کہ وہ تقسیم کرانے میں کامیاب ہو جاتی۔

تحریک کی کامیابی کا تیسرا سبب مسلم تاریخ کا وہ حصہ تھا جو اسلاف کی سرفروشی کی داستانوں سے بھرا پڑا تھا اور جو ہر قدم پر مسلمانوں کیلئے فیضان کا ذریعہ بن رہا تھا، اس نے مسلمانوں کے دلوں میں ایک نیا ولولہ پیدا کیا اور ذہنوں پر یہ نقش بٹھایا کہ دنیا کی تمام قومیں میدان تدبر، میدان سیاست اور میدان جنگ میں اس قوم سے شکست کھا چکی ہیں۔ جن کے یہ وارث ہیں لہذا انہیں بھی سرفروشی کی ویسی ہی مثالیں قائم کرنی چاہئیں۔

مسلمانوں کو قائداعظم کے تدبر اور ان کی سیاسی بصیرت پر پورا اعتماد تھا، اس لئے پوری قوم کے ساتھ ان کی حمایت کی اور ہر ہر قدم پر ان کا ساتھ دیا۔

خود آزمائی:

1۔ برصغیر پاک و ہند میں مسلم حکومت کے ارتقاء پر مختصر نوٹ لکھیں۔

2۔ برصغیر میں سلطان محمود غزنوی اور اس کے خاندان نے جو فتوحات حاصل کیں ان کا جائزہ لیجئے۔

3۔ سلاطین دہلی کے عہد میں برصغیر میں جو تعلیمی و تہذیبی کام ہوا اس پر تبصرہ کریں۔

4۔ مغلیہ سلطنت کے حکمرانوں میں سے اکبر کے عقائد و نظریات بیان کریں۔

5۔ مغلیہ سلطنت کے زوال کے اسباب بیان کریں۔

6۔ برصغیر میں تحریک پاکستان کے اسباب و محرکات کا جائزہ لیجئے۔

یونٹ نمبر 16

خلافت عثمانیہ آغاز وارتقاء، اہم کارنامے

تالیف

پروفیسر ڈاکٹر محمد باقر خان خاکوانی

نظر ثانی

ڈاکٹر محمد سجاد

علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد

فہرست عنوانات

یونٹ کا تعارف:

خلافت عباسیہ کے اضمحلال وزوال کے بعد کئی خاندانی حکومتوں کا آغاز ہوا جو سلطنت عباسیہ کے علاقوں میں خود مختاری کی بنیاد پر قائم ہوئیں۔ ماوراالنہر کے علاقے میں سلجوقیوں کی حکمرانی تھی۔ جبکہ برصغیر پاک وہند میں سلاطین دہلی حکمران تھے۔ اس زمانے میں ترک نسل کے ایک قبائلی سردار اور جنگ جوارطغرل نے آہستہ آہستہ اپنی حکومت اور عمل داری کا آغاز کیا، بعدازاں ارطغرل کے انتقال کے بعد اس کے بیٹے عثمان خان نے اس کو باقاعدہ ایک سلطنت کی شکل دی اور اسی کے نام کی نسبت سے عثمانی حکومت اور بعدازاں سلطنت عثمانیہ کے نام سے یہ عہد موسوم کیا جاتا ہے۔

عثمانی خلفاء نے آخرکار خلافت عباسی کی جگہ لے لی اور اس کی وسعت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ براعظم ایشیاء، یورپ اور افریقہ ان کے زیر اثر تھا۔ اور عثمانی خلفاء میں سے سلطان محمد فاتح نے قسطنطنیہ کو فتح کر کے روم کی عظیم سلطنت کا خاتمہ کر دیا۔ اپنے وسیع وعریض رقبہ اور فتوحات کی بدولت یہ عہد خلافت بہت ممتاز ہے، عثمانی خلفاء نے اپنے عہد اقتدار میں اسلامی تہذیب وتمدن کو فروغ دیا۔ اسلامی قانون کی تنفیذ کی۔ مجلۃ الاحکام العدلیہ کی تدوین کی، تاہم عثمانی خلفاء وقت کے تقاضوں کو ازبر نہ کر سکے اور یورپ کے صنعتی انقلاب وسائنسی ٹیکنالوجی کی ترقی کو اپنے یہاں رواج نہ دے سکے یہی وجہ ہے کہ جب یورپ کی اقوام نے جدید فنون وعلم سائنس میں ترقی کر لی اور آہستہ آہستہ اپنے علاقوں کو حاصل کرنا شروع کر دیا تو ترکی کیلیے اس قبضہ کو برقرار رکھنا مشکل ہو گیا۔ آخری دوصدیوں میں عثمانی خلافت بہت کمزور ہو گئی اور آخرکار اتاترک نے اس خلافت کا خاتمہ کر کے جدید سیکولر جمہوریت کی بنیاد رکھی۔

اس یونٹ میں آپ خلافت عثمانیہ کے آغاز وارتقاء اور عروج وزوال کے بارے میں مطالعہ کرینگے۔

یونٹ کے مقاصد:

امید ہے کہ اس یونٹ کے مطالعہ کے بعد آپ اس قابل ہو جائیں گے کہ!

1۔ عثمانی خلافت کے آغاز وارتقاء کے بارے میں جان کر سکیں۔
2۔ عثمانی خلفاء کی فتوحات کے بارے میں جان سکیں۔
3۔ خلافت عثمانیہ کے عہد میں تہذیبی کاموں کا جائزہ لے سکیں۔
4۔ خلافت عثمانیہ کے عروج وزوال کے اسباب ومحرکات بیان کر سکیں۔

1۔ سلطنت عثمانیہ

سلطنت عثمانیہ عالم اسلام کی سب سے عظیم اور طویل ترین سلطنت تھی۔ اس نے ساڑھے چھ سو سال تک دنیا میں اپنی حکومت کا ڈنکا بجایا۔ اس سلطنت کی حکومت تین براعظموں یورپ، ایشیا اور افریقہ پر محیط تھی، یہ عالم اسلام کی واحد سلطنت تھی جس نے براعظم یورپ میں عظیم ترین فتوحات کیں اور آج بھی یورپ میں مسلمانوں کی آبادیاں اسی سلطنت کی نیک یادوں میں سے ایک ہیں جن میں البانیہ، مقدونیہ، کوسوو اور بوسنیا بہت اہم ہے۔

اس سلطنت کا دور (621ھ بمطابق 1223ء تا 1342ھ بمطابق 1924ء) ہے، اس خاندان کی حکومت کو ہم چار ادوار میں تقسیم کرتے ہیں۔

1) ابتدائی دور
2) سلطانی دور
3) خلافت عثمانیہ کا آغاز
4) زوال کا دور

ابتدائی دور ارطغرل سے شروع ہو کر مراد اول تک چلتا ہے، جس میں یہ حکمران کہلاتے تھے لیکن کوئی خاص لقب اختیار نہیں کیا تھا۔

دوسرے دور میں بایزید اول نے سلطان کا لقب اختیار کیا اور پانچ اہم حکمران اس دور میں گزرے جو محمد اول، مراد دوم، محمد فاتح اور بایزید دوم ہیں۔

تیسرے دور میں خلافت اسلامیہ جو اس وقت عباسی خاندان کے پاس تھی، سلطنت عثمانیہ کے فرمانروا سلیم اول کو منتقل ہوگئی اور اس طرح یہ حکومت سلطنت عثمانیہ سے خلافت عثمانیہ میں تبدیل ہوگئی، اس دور کے دو اہم حکمران سلیم اول اور سلیمان اعظم ہیں۔

چوتھے دور میں یہ حکومت زوال کا شکار رہی اور یہ دور سلیم ثانی سے شروع ہوکر آخری خلیفہ عبدالمجید ثانی تک رہا اور یہ دور (974ھ بمطابق 1566ء تا (1342ھ بمطابق 1924ء تک محیط ہے، اس دور میں کل سینتیس (37) حکمران ہوئے۔

1.1 سلطنت عثمانیہ کا ابتدائی دور:

جس زمانے میں برصغیر کے علاقے میں غیاث الدین بلبن اور علاؤ الدین خلجی حکومت کر رہے تھے اس زمانے میں ایشیائے کوچک میں، جسے اناطولیہ اور ترکی بھی کہا جاتا ہے، ایک عظیم الشان سلطنت کی بنیادیں مضبوط ہو رہی تھیں۔ یہ آل عثمان کی سلطنت تھی جسے سلطنت عثمانیہ اور دولت عثمانیہ بھی کہتے ہیں، کیونکہ اس کے بانی کا نام عثمان خان تھا۔ یہ سلطنت اپنے عروج کے زمانے میں وسعت میں عربوں کی سلطنت کا مقابلہ کرتی تھی اور پائیدار اور استحکام کے لحاظ سے اسلامی تاریخ کی سب سے مستحکم اور پائیدار حکومت ثابت ہوئی۔

عثمانی نسلاً ترک تھے ان کی حکومت قائم ہونے کا قصہ بڑا دلچسپ ہے جب ہلاکو خان کے زمانے میں بغداد پر منگولوں نے قبضہ کر لیا تو چند سال بعد ان کی ایک فوج ایشیائے کوچک پر قبضہ کرتی ہوئی شہر انقرہ کے قریب پہنچ گئی۔ یہاں قونیہ کے سلجوقی سلطان نے ان کا مقابلہ کیا۔ اس وقت جب کہ دونوں میں لڑائی ہو رہی تھی خانہ بدوش ترکوں کی ایک جماعت جس کا سردار ارطغرل تھا یہاں سے گزرا۔ ارطغرل نے دیکھا کہ ایک فوج تعداد میں زیادہ ہے اور دوسری کم۔ ارطغرل کے پاس صرف 444 سوار تھے، لیکن وہ کمزور فوج کی مدد کیلئے بڑھا اور اس زور سے حملہ کیا کہ طاقتور فوج کو شکست ہوگئی اور وہ بھاگ کھڑی ہوئی۔ یہ طاقتور فوج منگولوں کی تھی اور تعداد کمزور فوج سلجوقیوں کی تھی۔

1.2 عثمان خان:

ارطغرل کی اس بہادری اور مدد کے بدلہ میں سلطان علاؤ الدین سلجوقی نے اسے ایک جاگیر دی۔ چند سال بعد 1288ء میں ارطغرل کا انتقال ہوگیا اور اس کا لڑکا عثمان خان (1288ء تا 1326ء) اس کا جانشین ہوا۔ 1300ء میں قونیہ کی سلجوقی حکومت کو منگولوں نے ختم کر دیا اور سلطان علاؤ الدین سلجوقی جنگ میں مارا گیا۔ اب عثمان خان نے ایک خودمختار حکومت قائم کر لی جو اس کے نام پر عثمانی سلطنت کہلاتی ہے۔

عثمان خان کی جاگیر کی سرحد قسطنطنیہ کی بازنطینی سلطنت سے ملی ہوئی تھی یہ وہی بازنطینی حکومت تھی جو عربوں کے زمانہ میں رومی سلطنت کے نام سے مشہور تھی اور جسے الپ ارسلان اور ملک شاہ کے زمانہ میں سلجوقیوں نے اپنا باجگزار بنالیا تھا۔ اب یہ بازنطینی سلطنت بہت کمزور اور چھوٹی ہوگئی تھی لیکن پھر بھی عثمان خان کی جاگیر کے مقابلہ میں بہت بڑی طاقتور تھی۔ بازنطینی قلعہ دار عثمان کی جاگیر پر حملے کرتے رہتے تھے جس کی وجہ سے عثمان خان ؒ اور بازنطینی حکومت کے درمیان لڑائی شروع ہوگئی۔ عثمان خان نے ان لڑائیوں میں بڑی بہادری اور قابلیت کا ثبوت دیا اور بہت سے علاقے فتح کر لئے جن میں بروصہ کا مشہور شہر بھی شامل تھا، بروصہ کی فتح کے بعد عثمان کا انتقال ہوگیا۔

عثمان بڑا عقلمند حکمران تھا، رعایا کے ساتھ عدل وانصاف کرتا تھا، اس کی زندگی سادہ تھی۔ دولت اس نے کبھی جمع نہیں کی، مال غنیمت کو یتیموں اور غریبوں کا حصہ نکالے کے بعد سپاہیوں میں تقسیم کر دیا کرتا تھا۔ وہ فیاض، رحم دل اور مہمان نواز تھا اس کی ان خوبیوں کی وجہ سے ترک آج بھی اس کا نام عزت سے لیتے ہیں اس کے بعد یہ رواج ہوگیا کہ جب کوئی بادشاہ تخت پر بیٹھتا تھا تو عثمان کی تلوار اس کی کمر سے باندھی جاتی تھی اور یہ دعا کی جاتی تھی کہ خدا اس میں بھی عثمان ہی جیسی خوبیاں پیدا کرے۔ عثمان کا صدر مقام ''اس کی شہر'' تھا۔ اس کے بعد بروصہ عثمانیوں کا دارالحکومت ہوگیا۔

1.3 آرخان (اورخان):

عثمان خان کے بعد اس کا لڑکا آرخان (1326ء تا 1359ء) بادشاہ ہوا۔ اس کا عہد دو باتوں کی وجہ سے مشہور ہے۔ ایک تو اس وجہ سے کہ اس کے زمانہ میں مسلمانوں نے پہلی مرتبہ مشرقی یورپ میں قدم رکھا۔ بعد میں ترکوں نے یورپ میں جو فتوحات کیں گویا ان کا آغاز آرخان کے زمانہ میں ہوا۔ دوسری بات ینی چری یعنی نئی فوج کی تنظیم ہے۔ یہ فوج دنیا کی پہلی باقاعدہ فوج کہی جاتی تھی۔ یہ پیدل فوج تھی اور اس کی فوجی تربیت اتنی اچھی تھی کہ دنیا کی کوئی فوج اس کے مقابلہ میں جم کر لڑ نہیں سکتی تھی، ترکوں نے جس قدر فتوحات کیں ان میں سب سے زیادہ اس فوج کا ہاتھ تھا۔ آرخان ہی کے زمانہ میں عثمانیوں نے اپنا پہلا سکہ جاری کیا۔

ایشیا اور یورپ کے درمیان ایک پتلا سمندر ہے جو درہ دانیال کہلاتا ہے۔ اس سمندر کے دوسری طرف یورپ کا جو حصہ ہے وہ گیلی پولی کہلاتا ہے، یہاں سے سمندر کو پار کرنا چونکہ آسان ہے اس لئے ہر حملہ آور یورپ سے ایشیا یا ایشیا سے یورپ جاتے وقت یہیں سے داخل ہوتا ہے۔ گیلی پولی آرخان ہی کے زمانہ میں مسلمانوں کے قبضہ میں آیا۔ اس کے بعد گیلی

پولی سے ملے ہوئے علاقہ پر بھی آرخان کا قبضہ ہو گیا۔ آرخان کا جب انتقال ہوا تو سلطنت عثمانیہ کا رقبہ عثمان خان کے زمانہ سے تین گناہ زیادہ ہو گیا تھا۔

1.4 مراد اوّل:

آرخان کے بعد اس کا لڑکا مراد اول (1359ء تا 1389ء) تخت نشین ہوا۔ مراد بھی قابلیت میں اپنے باپ دادا کی طرح تھا۔ ملک گیری اور فتوحات میں تو وہ ان سے بھی آگے بڑھ گیا، یورپ میں بازنطینی علاقہ سے ملے ہوئے بلغاریہ، سرویا اور بوسینا کے علاقے تھے جہاں الگ الگ حکومتیں قائم تھیں۔ (1369ء تا 1391ء) کوکوبا کے مقام پر مراد نے بلقان کی مسیحی ریاستوں کی متحدہ فوج کو شکست دی۔ اس سے مراد خان نے ان تمام حکومتوں کو یا تو فتح کر لیا یا مطیع بنا لیا۔ مراد نے ایشیا میں بھی کئی علاقے فتح کئے، اس کے بعد زمانہ میں عثمانی سلطنت کا رقبہ ایک لاکھ مربع میل ہو گیا، یعنی آرخان کے زمانہ سے پانچ گنا زیادہ۔

1.5 بایزید:

مراد کے بعد اس کا لڑکا بایزید (1389ء تا 1402ء) حکمران ہوا۔ اس نے پہلی مرتبہ سلطان کا لقب اختیار کیا۔ بایزید اپنے باپ کی طرح فوجی صلاحیت رکھتا تھا لیکن اس میں ایک بری عادت آ گئی تھی اور وہ تھی شراب پینے کی۔ اس کو شراب کی عادت اس کی ایک عیسائی بیوی نے ڈال دی، بایزید پہلا عثمانی حکمران ہے جس نے شراب پی۔ ورنہ اس سے پہلے جو بادشاہ ہوئے یعنی عثمان خان، آرخان اور مراد خان ان میں سے کوئی شراب نہیں پیتا تھا۔

بایزید کو گرچہ شراب کی لت لگ گئی تھی لیکن میدان جنگ میں وہ شیر کی طرح جاتا تھا اور اپنے تیز حملوں کی وجہ سے یلدرم یعنی بجلی کہلاتا تھا۔ 1396ء میں اس نے نکولس کے میدان جنگ میں یورپ کی متحدہ فوجوں کو شکست دی اور سلطنت کو دور دور تک پھیلا دیا۔ اسی طرح اس نے مشرق میں ایشیائے کوچک کا بڑا حصہ فتح کر لیا۔ اور وہ اب یورپ میں آگے بڑھنے کے ارادے کر رہا تھا کہ بدقسمتی سے اس کے ملک پر سمرقند کے مشہور بادشاہ امیر تیمور نے حملہ کر دیا۔ انگورہ کے میدان میں دونوں کا مقابلہ ہوا بایزید کی شکست ہوئی اور وہ قید ہو گیا، انگورہ کو آج کل انقرہ کہا جاتا ہے۔

بایزید کی شکست کے بعد ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اب عثمانی سلطنت ختم ہو جائے گی، لیکن اس کے لڑکے محمد اول نے (1413ء تا 1421ء) نے چند سال میں کھوئی ہوئی سلطنت پھر سے حاصل کر لی اس لحاظ سے ہم اسے سلطنت عثمانیہ کا دوسرا بانی کہہ سکتے ہیں، سلطان محمد اول بے حد کشادہ دل، منصف مزاج اور وعدہ کا پابند حکمران تھا۔

1.6 مراد دوم:

سلطان محمد اول کے بعد اس کا بڑا لڑکا مراد دوم (1421ء تا 1451ء) اٹھارہ سال کی عمر میں تخت نشین ہوا۔ نوعمری کے باوجود مراد دوم ایک سمجھ دار اور مضبوط حکمران ثابت ہوا۔ تیموری حملے کے بعد ایشیائے کوچک کی جو ریاستیں (گرمیان، قسطمونی، منتشا، صادروخان اور حمید) آزاد ہو گئی تھیں ان کو اس نے پھر مطیع بنا لیا۔ یورپ میں اس نے (1430ء) میں سالونیکا فتح کیا (1444ء) میں مراد نے وارنا کے مقام پر اور (1448) میں کسووا کے مقام پر یورپ کی متحدہ صلیبی فوجوں کو شکست فاش دی۔ ان جنگوں کے نتیجے میں سرویا اور بوسینیا کی ریاستیں پوری طرح مطیع کر لی گئیں اور یونان کا جنوبی حصہ جزیرہ نمائے موریا بھی باجگزار بنا لیا گیا۔ مراد دوم عدل وانصاف اور شریفانہ اوصاف میں اپنے آباؤ اجداد سے بھی آگے بڑھ گیا۔

1.7 محمد فاتح:

مراد کے بعد اس کا لڑکا محمد فاتح (1451ء تا 1481ء) تخت نشین ہوا۔ محمد فاتح نے اپنے کارناموں میں سب سے بازی لے گیا۔ اس کا سب سے بڑا کارنامہ قسطنطنیہ کی فتح ہے۔ ترک فوجوں نے یونان، بلغاریہ، سرویا وغیرہ کے جن ملکوں کو فتح کیا تھا وہ سب قسطنطنیہ سے آگے ہیں۔ قسطنطنیہ کا بازنطینی بادشاہ ترکوں کو خراج دیتا تھا لیکن شہر پر ابھی تک مسلمانوں کا قبضہ نہیں ہوا تھا۔ قیصر روم کے اس دار السلطنت پر قبضہ کرنے کی مسلمانوں نے سب سے پہلے امیر معاویہؓ کے زمانہ میں کوشش کی تھی۔ اس کے بعد عربوں اور ترکوں نے اور بھی کئی حملے کئے تھے لیکن رومیوں کی بہادری یا آپس کے اختلاف کی وجہ سے ابھی تک کامیاب نہیں ہو سکے تھے۔ یہ فخر عثمانی سلطان محمد فاتح کی قسمت میں لکھا تھا۔ محمد فاتح نے یہ شہر 54 دن کے محاصرہ کے بعد 20 جمادی الاول (29 مئی 1453ء) کو فتح کر لیا اور اس طرح رومیوں کی گیارہ سو سال پرانی سلطنت ایران کی ساسانی سلطنت کی طرح ہمیشہ کے لیے ختم ہو گئی۔ اس فتح کے بعد آنحضرتؐ کی وہ پیشن گوئی پوری ہو گئی جس میں آپؐ نے فرمایا تھا کہ!

”[illegible] کسریٰ [illegible] کی کنجیاں [illegible] دی گئی ہیں۔“

ایران کے اکاسرہ کی حکومت کا خلفائے راشدین ہی کے زمانہ میں خاتمہ ہو گیا تھا اور قیصر کی حکومت کا محمد فاتح نے خاتمہ کر دیا تھا۔ اس فتح کی وجہ سے تاریخ میں اسے فاتح کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

محمد فاتح نے قسطنطنیہ کی فتح کے علاوہ اور بھی فتوحات کیں۔ سرویا، بوسینیا اور یونان جو اب تک براہ راست ترکی کی حکومت کے تحت نہیں تھے، بلکہ خراج دیتے تھے محمد فاتح نے ان کو براہ راست ترکی کی حکومت کا صوبہ بنالیا۔ اس کے علاوہ شمال میں کریمیا کا علاقہ اور مشرق میں طرابزوں اور سنوپ کی حکومتوں کو بھی فتح کر لیا۔

محمد فاتح پہلا عثمانی حکمران تھا جس نے بحری قوت کو بڑی ترقی دی۔ سلطنت کے دونوں حصوں کے درمیان چونکہ سمندر تھا اس لئے بحری قوت کے بغیر سلطنت کو قائم رکھنا بڑا مشکل تھا۔ فوجوں کو مشرق سے مغرب یا مغرب سے مشرق کی طرف لانے کیلئے ترکوں کو ہمیشہ وینس اور جنیوا کی عیسائی حکومتوں کے سوداگروں سے جہاز حاصل کرنے پڑتے تھے۔ محمد فاتح نے اپنا بحری بیڑہ تیار کر کے اس کمی کو دور کر دیا۔ ترکوں کے بحری بیڑہ نے کئی جزیرے بھی فتح کیئے کریمیا کا دور دراز کا علاقہ بحری فوج نے فتح کیا تھا۔

1.8 سلیم اول:

بایزید ثانی کا دور امن وامان میں گزر گیا۔ اس کے عہد میں سلطنت عثمانیہ کی حدود میں قابل ذکر اضافہ نہیں ہوا۔ لیکن اس کے جانشینوں نے سلطنت عثمانیہ کو چند سال میں دنیا کی سب سے بڑی اور طاقتور سلطنت بنا دیا۔ بایزید ثانی کے بعد اس کا لڑکا سلیم (1512ء) تخت نشین ہوا، سلیم اول کا عہد عثمانی سلطنت کا ایک عہد آفریں دور ہے، ایک نیا موڑ ہے۔ عثمانی ترکوں کا رخ اب تک یورپ کی طرف تھا، مشرق کی مسلمان حکومتوں سے ان کی بہت کم لڑائیاں ہوئیں لیکن سلیم نے یورپ کی بجائے مشرق کا رخ کیا۔

1.9 چالدران کی جنگ:

اس زمانہ میں ایران میں شاہ اسماعیل صفوی کی حکومت تھی اور مصر وشام پر سلوک خاندان حکمران تھا مصر اور ایران کی ان حکومتوں نے عثمانی ترکوں کے خلاف معاہدہ کر لیا تھا اور بعض باغی عثمانی شہزادوں کو پناہ دے رکھی تھی۔ اس کے علاوہ ان میں

اور عثمانی ترکوں میں کبھی کبھی سرحدی لڑائیاں بھی ہوتی رہتی تھیں۔اس قسم کے اسباب کی بنا پر سلیم نے ان دونوں حکومتوں کو ختم کر دینے کا ارادہ کر لیا۔شاید وہ سمجھتا تھا کہ جب تک عثمانی سلطنت کے پڑوس میں ایران اور مصر کی طاقتور حکومتیں مخالف رہیں گی، مسلمان یورپ کی طرف پیش قدمی نہیں کر سکیں گے۔

سلیم نے سب سے پہلے اسماعیل صفوی کو چالدران کے میدان جنگ میں شکست دے کر 1514ء میں اس کے دارالحکومت تبریز پر قبضہ کر لیا سلیم چاہتا تھا کہ پورا ایران فتح کر کے صفوی حکومت کو ختم کر دے، لیکن اس کی فوجوں نے آگے بڑھنے سے انکار کر دیا اور سلیم کو واپس ہونا پڑا۔ایران کی مہم سے واپسی کے بعد سلیم نے مصر کا رخ کیا۔

1.10 فتح مصر:

1514ء میں حلب کے پاس مرج دابق کی جنگ میں مملوکوں کو شکست دے کر اس نے شام و فلسطین پر قبضہ کر لیا۔ اس کے بعد وہ مصر کی طرف بڑھا قاہرہ کے پاس روانیہ کے مقام پر 1517ء میں دوسری بڑی جنگ ہوئی اور سلیم مملوکوں کو شکست دے کر قاہرہ میں داخل ہو گیا۔حجاز پر چونکہ مصر کی بالادستی تھی اس لئے مصر پر عثمانی قبضہ ہو جانے کے بعد حجاز کے امیر نے مکہ اور مدینہ کی کنجیاں سلیم کو بھیج کر عثمانیوں کی اطاعت کر لی۔مصر سے واپسی پر سلیم عباسی خلیفہ متوکل سوم کو اپنے ساتھ استنبول لے گیا۔متوکل نے آنحضرت کے تبرکات یعنی علم، تلوار اور چادر مبارک جو خلفاء کے پاس بطور نشان خلافت چلے آتے تھے۔سلیم کے حوالے کر دیئے۔کہا جاتا ہے کہ متوکل استنبول میں ایک تقریب کے دوران خلافت کے حق سے سلیم کے حق میں دستبردار ہو گیا تھا، اس طرح خلافت عثمانی ترکوں کو منتقل ہو گئی۔

مصر سے واپسی کے بعد سلیم ایک نئی مہم کی تیاری کر رہا تھا اس کا انتقال ہو گیا۔سلیم نے صرف آٹھ سال حکومت کی، لیکن اس مختصر مدت میں اس نے عثمانی سلطنت کا رقبہ دگنا کر دیا، اب عثمانی ترک بلا شک وشبہ دنیا کی سب سے بڑی طاقت بن چکے تھے۔

1.11 سلیمان اعظم (فتوحات):

سلیم اول کے بعد اس کا لڑکا سلیمان (1520 تا 1566ء) 26 سال کی عمر میں بادشاہ ہوا۔اس کے دور میں عثمانی سلطنت نقطہ عروج پر پہنچ گئی۔سلاطین عثمانیہ میں وہ سب سے بڑا اور سب سے باعظمت حکمران ہوا ہے۔آل عثمان میں اس کا وہی مقام ہے جو

سلجوقی سلطنت میں ملک شاہ کا اور دہلی کی تیموری سلطنت میں اورنگزیب کا مقام ہے۔ اسے بجا طور پر سلیمان اعظم کہا جاتا ہے یورپ والے اس کو ذی شان کے لقب سے یاد کرتے تھے لیکن ترک اس کو سلیمان قانونی کہنا پسند کرتے تھے۔

سلیمان نے 1521ء میں بلغراد کو فتح کیا، اس کے اگلے سال جزیرہ رہوڈس کو مسیحی سورماؤں سے لے لیا، یہ دونوں مقام وہ تھے جن کو فتح کرنے میں محمد فاتح ناکام رہا تھا۔ 1526ء میں سلیمان نے مہاچ کی جنگ میں ہنگری کی فوج کو شکست دے کر بوداپست پر قبضہ کرلیا۔ سلمان نے 1529ء میں آسٹریا کے دارالحکومت ویانا کا محاصرہ کیا، لیکن بھاری توپیں نہ ہونے کی وجہ سے محاصرہ کامیاب نہ ہوسکا۔ 1532ء میں سلیمان کے فوجی دستوں نے آسٹریا اور جرمنی میں داخل ہوکر دور دور تک چھاپے مارے اور یورپ کی متحدہ قوت کو شکست دے کر، جس کی قیادت یورپ کا سب سے بڑا حکمران چارلس پنجم کر رہا تھا، 1533ء میں آسٹریا کو صلح کرنے اور خراج دینے پر مجبور کردیا۔

مشرق میں سلیمان نے 1534ء میں ایرانیوں سے بغداد چھین لیا اور عراق کو سلطنت عثمانیہ کا مستقل صوبہ بنادیا۔ ایران سے لڑائیوں کے دوران عثمانی فوجیں اور اصفہان تک پہنچ گئی تھیں اور آذربائیجان اور آرمینیہ پر بھی قبضہ کرلیا تھا۔ 1538ء میں یمن اور عدن پر عثمانی بالادستی قائم ہوئی اور طرابلس اور الجزائر سلطنت عثمانیہ میں شامل ہوئے۔ تونس پر امیر البحر خیرالدین باربروسہ نے 1534ء میں قبضہ کرلیا تھا، لیکن چارلس پنجم نے پھر واپس لے لیا اور یہ علاقے سلیمان کے بعد سلطنت عثمانیہ میں شامل ہوئے۔

2۔ عثمانی سلاطین کے تنزل کا دور (1566ء تا 1924ء)

2.1 سلیم ثانی:

سلیمان کی وفات کے بعد اس کا لڑکا سلیم تخت پر بیٹھا جو سراسر نااہل اور عنان سلطنت کو تھامنے کیلئے ناموزوں شخص تھا۔ وہ عیش وعشرت کا دلدادہ تھا، وہ پہلا عثمانی تاجدار تھا جو میدان جنگ میں بہ نفس نفیس حاضر ہونے سے کتراتا تھا۔ اس میں انتظامی قابلیت بالکل مفقود تھی۔

1568ء میں استرخان کی تسخیر کیلئے پچیس ہزار ینی چری اور کریمیا کے تیس ہزار تاتاریوں پر مشتمل ایک مہم تیار کی گئی اس طرح ترکی اور روسی فوجوں کی پہلی دفعہ ٹکر ہوئی، مگر یہ مہم بری طرح ناکام ہوئی اور 1570ء میں دونوں مملکتوں کے درمیان صلح ہوگئی۔

1569ء میں یمن کے باشندوں نے بغاوت کردی سنانا پاشا نے بغاوت کو فرو کرکے یمن اور عرب کے دوسرے حصوں کو مستقل طور پر عثمانی قلمرو میں ملالیا۔

1570ء میں سلیم نے مصطفیٰ پاشا کو ایک لاکھ سپاہیوں کی فوج کے ساتھ قبرص پر چڑھائی کرنے کا حکم دیا۔ چنانچہ اگست 1571ء تک جنرل موصوف نے پورے جزیرہ کو فتح کرلیا۔ 1878ء تک قبرص سلطنت عثمانیہ کا جزیرہ بنا رہا۔

2.2 دورِ زوال:

سلیم ثانی سے لے کر آخری خلیفہ عبدالمجید ثانی تک کا دور سلطنت عثمانیہ کے زوال کا دور کہلاتا ہے، اس دور میں نااہل حکمرانوں کی وجہ سے سلطنت آہستہ آہستہ کمزور ہوتی چلی گئی۔ جس طرح ایک مضبوط عمارت کو گرتے گرتے بھی کافی وقت لگتا ہے، اسی طرح یہ حکومت بھی زوال پذیر ہونے کے باوجود ساڑھے تین سو سال تک قائم رہی، اس دور میں سینتیس حکمرانوں نے حکومت کی لیکن حالات آہستہ آہستہ بگڑتے گئے اور یورپین قوموں کی بیداری کی وجہ سے وہ تمام قومیں متحد ہوکر یا باہمی مشاورت سے ترکی کے خلاف نبرد آزما رہیں جس کی وجہ سے ترکی کی اکثر مقبوضات ان کے قبضہ سے نکلتی گئیں۔ روس، آسٹریا، برطانیہ، فرانس، اٹلی اور اس طرح دوسرے متعدد یورپی ممالک نے اس سلطنت کے کمزور ہوتے ہی اس پر حملے کرنے شروع کردیئے، اتنے سارے ممالک سے تنہا ترکی کی وہ عثمانی سلطنت جو اندرونی طور پر بھی کمزور ہوچکی تھی نہیں لڑسکتی تھی۔

1662ء میں سلطان محمد رابع کے دور میں آسٹریا سے لڑائی میں پہلی بار ترک فوج نے واضح شکست کھائی اور ان کی بے شمار مقبوضات ان کے ہاتھوں سے نکل گئیں اور فوج کی قوت ٹوٹ گئی اور انہیں ایام میں الجزائر اور تیونس بھی آزاد ہوئے جن پر آخر 1830ء اور 1881ء میں فرانس نے قبضہ کرلیا۔

2.3 ترکی میں اندرونی خلفشار:

1875 میں سلطان عبدالعزیز کے زمانہ میں بلقانی مقبوضات ہاتھ سے نکل گئیں اس کے بعد 1876ء میں سلطان عبدالحمید خان ثانی کے دور میں ترکی میں اس کی سخت گیر پالیسوں کے خلاف مختلف ترقی پسند تحریکیں اٹھنا شروع ہوگئیں جن کی یورپی حکومتوں کی طرف سے معاونت کی گئی اور اس کے نتیجہ میں ملک کے اندر عوام اور فوج میں بھی متعدد عوامی وفوجی بغاوتیں رونما ہوئیں جس کی وجہ سلطان کو معزول کر دیا اور اس کی جگہ اس کا بھائی سلطان محمد خامس کے نام سے خلیفہ بنا مگر اس کے دور میں طرابلس پر 1911ء میں اٹلی کا قبضہ ہو گیا اور ترقی پسند تحریکیں زور پکڑتی گئیں حتیٰ کہ جنگ عظیم اول ترکی میں شروع ہوگئی جس کی وجہ سے مصر اور تمام عرب مقبوضات ترکی کے قبضہ سے نکل گئے اس دوران فوج کے جرنیل مصطفےٰ کمال پاشا کا نام ایک ترقی پسند تنظیم کے نمائندے کی حیثیت سے معروف ہوا، انہوں نے پہلے فوج میں بھی ترکی کی عظمت کو بحال کرنے کیلئے کافی کام کیا، لیکن آخری دو نا اہل خلفاء وحید الدین سادس اور عبدالمجید ثانی کے غلط فیصلوں کی وجہ سے مایوس ہوکر یہ بھی مکمل ترقی پسندوں کے ساتھ مل کر حکومت کے خلاف ہوگئے جس کی وجہ سے ترکی میں بہت شورشیں برپا ہوئیں اور عوام نے حکومت کے متوازی حکومت قائم کر لی۔

1921ء میں وطن پرست ترکوں نے مصطفیٰ کمال کی سرکردگی میں انقرہ میں قومی حکومت قائم کر لی اور معاہدہ سیورے کو نا قابل قبول قرار دیتے ہوئے جنگ جاری رکھی، سلطان محمد سادس کی حکومت نے مصطفیٰ کمال کو باغی قرار دیتے ہوئے اسے واجب القتل قرار دیا مگر وطن پرست ترکوں نے کامیابی سے اپنی جنگی کارروائیاں جاری رکھیں۔ فرانس نے سیلیشیا کا علاقہ ترکوں کو دے کر ان سے صلح کر لی۔ اٹلی نے بھی فرانس کی پیروی کرتے ہوئے ترکوں سے صلح کر لی۔ یونان کو دریائے سکاریہ کے کنارے مصطفیٰ کمال نے شکست فاش دے کر اسے بیک بینی ودوگوش اناطولیہ سے نکال دیا۔ سمرنا پر قبضہ کرنے کے بعد وطن پرست ترکوں نے قسطنطنیہ پر پیش قدمی شروع کر دی۔ ان حالات میں سلطان محمد سادس 17 نومبر 1922ء کو قسطنطنیہ سے بھاگ کر مالٹا میں پناہ گزین ہوا اور ان کی جگہ سلطان عبدالعزیز کے فرزند عبدالمجید ثانی کو خلیفہ بنایا گیا۔

2.4 خلیفہ عبدالمجید ثانی:

وطن پرست ترک فاتحانہ طور پر قسطنطنیہ میں داخل ہوئے، جنگ کو ختم کرنے کیلئے آٹھ طاقتوں کے نمائندے 20 نومبر 1922ء کو لوازن میں جمع ہوئے، کافی بحث ومباحثہ کے بعد 1923ء میں معاہدہ لوزان کی رو سے ایڈریانوپل،

تھریس اور سمرنا کے علاقے ترکی کو واپس مل گئے۔ جدید ترکی نے 29 اکتوبر 1923ء کو جمہوری طرز کی حکومت اختیار کرلی اور مصطفیٰ کمال پاشا سلطنت ترکیہ کے پہلے صدر منتخب ہوئے۔ خلیفہ عبدالمجید کی سیاسی حیثیت فی الحال برقرار رکھی گئی۔ اگرچہ امور سلطنت کے سلسلے میں اس کے اختیارات کافی کم کردیئے گئے۔ خلیفۃ المسلمین کی گرتی ہوئی سیاسی حیثیت کے خلاف مختلف ممالک کے مسلمانوں نے احتجاج کیا۔ اس پر مصطفیٰ کمال نے خفا ہو کر 3 مارچ 1924ء خلیفہ عبدالمجید ثانی کو معزول کرکے منصب خلافت کو ختم کردیا۔ خلیفہ مذکور کے اپنے لڑکے اور خاندان کے جملہ افراد سمیت ترکی کو چھوڑ کر چلے گئے۔ اب سلطنت ترکیہ کے سیاہ وسفید کے مالک مصطفیٰ کمال پاشا بن گئے۔ اس طرح عالم اسلام کی مرکزیت اور تقریباً ساڑھے چھ سو سال سے قائم شدہ دولت عثمانیہ کا خاتمہ ہوگیا۔

3۔ سلطنت عثمانیہ پر تبصرہ

3.1 عثمانی سلاطین کے عہد میں خلیفہ کی سیاسی حیثیت:

عثمانی حکمرانوں نے کم وبیش چھ سو برس تک بڑی شان وشوکت سے حکومت کی۔ ان میں سے بعض سلاطین غیر معمولی صلاحیتوں کے مالک تھے انہوں نے اپنے تدبر، اولوالعزمی اور انتظامی قابلیت کی بدولت نہ صرف منظم حکومت کی بنیاد رکھی بلکہ امور سلطنت میں حکمرانی کی درخشندہ مثالیں قائم کی۔ ان عثمانی سلاطین میں سے اورخان پہلا حکمران تھا جس نے ملک کے اندرونی نظم و نسق کو بہترین اصولوں پر قائم کرکے ایک آزاد حکومت قائم کی اور اپنے لئے امیر کا لقب اختیار کیا اس کے بعد محمد فاتح نے قسطنطنیہ کو فتح کرنے کے بعد سلطان کا لقب اختیار کیا۔ ایڈریانوپل کی فتح کے بعد ترکی حکمران کو بعض اوقات سلطان اور بعض اوقات بادشاہ کے لقب سے پکارا جاتا تھا۔ لیکن 1517ء میں جب سلیم اول نے مصر کو فتح کرکے مملوکوں کی سیاسی طاقت کا خاتمہ ہوگیا تو حجاز کے والی نے برضا ورغبت سلیم کی اطاعت قبول کرلی اور آخری عباسی خلیفہ المتوکل نے خلافت کے تمام حقوق و امتیازات اس کے سپرد کردیئے۔ اس کے ساتھ مقدمات وحرمین شریفین کی کنجیاں مع تبرکات نبوی مثلاً علَم، تلوار، اور چادر بطور سند خلافت عثمانی سلطان کے حوالے کردیئے۔ اس وقت سے عثمانی سلاطین کو خلفاء عالم اسلام تصور کیا جانے لگا اور ساجد میں امیر المومنین کی حیثیت سے ان کا ذکر خطبوں میں ہونے لگا۔ پورے چار سو سال تک عثمانی سلاطین منصب خلافت پر فائز رہے۔

خلیفۃ المسلمین کی حیثیت سے ہر ترکی فرمانروا اپنے آپ کو مقدس مقامات کی حفاظت کا ذمہ دار سمجھتا تھا۔ علاوہ ازیں اس کا یہ بھی فرض تھا کہ وہ غیر مسلموں سے جہاد کرے۔ دشمنان اسلام کی دستبرد سے مملکت کی حدود کو محفوظ رکھے اور رعایا کی بہبودی اور اس کے حقوق کی نگہداشت میں ہر وقت کوشاں رہے۔ عباسی خلفاء سے زیادہ عثمانی سلاطین نے اسلام کی خدمت کی اور یورپ میں اسلامی سلطنت کی توسیع ان کی کوششوں کی وجہ سے ہوئی، ماموئی عہد کے مذہبی مناقشات اور علمائے اسلام پر تعدی وظلم کی داستانیں عثمانی سلاطین کے عہد میں کبھی سننے میں نہیں آئیں۔ مسلم ممالک میں چونکہ عثمانیہ سلطنت سب سے زبردست تھی اس لئے ایران کے لوگوں کے سوا تمام بلاد اسلا یہ میں عثمانی فرمانرواؤں کو عزت وتوقیر کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔

3.2 سلطنت کا نظام حکومت:

سلطان بظاہر مطلق العنان فرمانروا تھا مگر شریعت ملکی قوانین اور قومی رسم ورواج کے باعث اس کے اختیارات بہت محدود تھے۔ سارے ملک میں چار قسم کے قوانین رائج تھے۔ (1) شرعی قوانین جو سلطان سے بالاتر تھے۔ ان میں کسی قسم کا تغیر د تبدل کرنا سلطان کے بس کا روگ نہیں تھا۔ (2) قانون یا سابق سلاطین کے تحریری فرامین، ان کی پابندی سلطان وقت کے لئے لازمی نہیں تھی مگر وہ اتنے مفید اور کارآمد تھے کہ ان سے استفادہ کئے بغیر کوئی سلطان نہیں رہ سکتا تھا۔ قومی رسم ورواج کا لحاظ رکھنا سلطان وقت کیلئے ضروری تھا کیونکہ ترکی قوم اپنے قدیم رسم ورواج کی شیدائی تھی اور اس میں کسی قسم کی مداخلت گوارہ نہیں کرسکتی تھی۔ (4) عرف یعنی سلطان وقت کا ارادہ یا تحریری فرمان ایک یورپی مورخ اس بات کا اعتراف کرتا ہے کہ ترکی میں قانون کی بالادستی ایک تسلیم شدہ حقیقت تھی اور سلطان وقت کو قانون کا محض ایک خادم تصور کیا جاتا تھا۔ قانون کی زد سے نہ سلطان کی ذات محفوظ ہوتی تھی اور نہ کوئی بااثر شخص۔ مگر ایں ہمہ ترکی قوم اپنے سلطان کی بلاچوں وچراں اطاعت کرتی تھی۔ قانون وراثت کی رو سے بیٹا باپ کا جانشین ہوتا تھا بھائی صرف اس صورت میں تخت نشین ہوتا تھا جب سابق سلطان کا کوئی فرزند اس کی وفات کی وجہ سے موجود نہ ہوتا۔ ہر نیا عثمانی فرمانروا تخت نشینی کے وقت اپنے بھائیوں کو قتل کرادیتا تھا۔ سلطان محمد فاتح نے اس دستور کو قانونی شکل دی۔ سلمان اعظم کے عہد تک شہزادوں کا قتل جاری رہا۔ البتہ اس تاجدار کے وقت سے شہزادوں کو قتل کرنے کی بجائے محل میں نظر بند رکھنے کی رسم جاری ہوئی۔ 1617ء میں سلطان احمد کی وفات کے وقت یہ قانون وضع کیا گیا کہ تخت کا وارث آل عثمان کا وہ شہزادہ ہوگا جو عمر میں سب سے بڑا ہو۔ چنانچہ اسی قانون کے مطابق سلاطین عثمان تخت نشین ہوتے رہے اور سلطان احمد کے بعد صرف دو سلاطین محمد رابع اور عبدالمجید اپنے آباء کی جگہ تخت نشین ہوئے۔

3.3 فوجی نظام:

شروع شروع میں سلطنت عثمانیہ کی کوئی منظم اور باقاعدہ فوج نہ تھی۔ ابتدائی عثمانی سلاطین بوقت جنگ بھرتی کرتے اور بصورت کامیابی مال غنیمت ان سپاہیوں میں تقسیم کر دیتے تھے۔ عثمانی حکومت کی توسیع بہت کچھ اس طریق کار کا نتیجہ تھی۔ سلطان بایزید نے ایک خاص منظم فوج ''ینی چری'' کے نام سے تیار کی۔ یہ ایک مستقل پیدل فوج تھی جس نے اپنی مثال شجاعت اور نظم وضبط سے سارے یورپی طاقتوں کو ورطہ حیرت میں ڈالے رکھا۔ سولہویں صدی عیسوی تک یہ فوج عیسائی لڑکوں پر مشتمل ہوتی تھی جو نوعمری میں ہی اپنے والدین سے جدا کر کے فوج میں بھرتی کر لئے جاتے تھے۔ وہ اپنے آپ کو سلطان کی ذات سے وابستہ کر دیتے اور اس کی بے چون و چرا اطاعت کا دم بھرتے تھے۔ انہیں شادی کرنے کی اجازت نہیں ہوتی تھی۔ سلیمان اعظم کے زمانے کے آخری حصہ میں ینی چری کے لڑکے بھی فوج میں شامل کئے جانے لگے اور کچھ مسلمان لڑکے بھی بھرتی کئے جانے لگے۔ 1584ء کے بعد تو مسلمان کسانوں نے عیسائی ہمسایوں کو رضامند کرنے کے بعد اپنے لڑکوں کو عیسائی بنا کر بھرتی کرنا شروع کر دیا۔ آخر نوبت بایں جا رسید کہ سترہویں صدی کے وسط تک اس فوج کی ابتدائی نوعیت بالکل بدل گئی۔ البتہ تعداد میں حیرت انگیز اضافہ ہوا۔ سلیمان اعظم کے عہد میں اس کی تعداد بارہ ہزار اور پندرہ ہزار کے درمیان تھی۔ محاصرہ ویانا (1683ء) کے وقت اس کی تعداد ستر ہزار تک پہنچ گئی۔ سلاطین کے عہد میں اس فوج کی بدعنوانیاں بڑھ گئیں اور رفتہ رفتہ یہ ایک شورش پسند جماعت بن گئی آخر انیسویں صدی عیسوی میں اس فوج کو بالکل توڑ ڈالا گیا۔

3.4 باب عالی کا ادارہ:

خلیفہ کی مشاورت کیلئے ایک اعلیٰ سطح کا ادارہ باب عالی کے نام سے ہوتا تھا۔ حکومت میں جو عیسائی لڑکے داخل کئے جاتے تھے ان میں سے کچھ تو اپنی اعلیٰ ذہنی استعداد کی بنا پر حکومت کے مختلف شعبوں کیلئے چن لئے جاتے تھے اور باقی رہ جانے والے لڑکوں کا بڑا حصہ باضابطہ سوار فوج میں جنہیں باب عالی کے سپاہیوں کے نام سے پکارا جاتا تھا، داخل کر دیا جاتا۔ ان سپاہیوں کو سلطان کا مکمل اعتماد حاصل ہوتا تھا، ینی چری کی طرح ان کا ڈسپلن بہت سخت ہوتا تھا مگر کمزور سلاطین کے عہد میں اس کا نظم وضبط بھی ڈھیلا پڑ گیا اور سلطنت کے امن وامان کیلئے ان کا وجود خطرے کا باعث بن گیا۔

3.5 سلطنت عثمانیہ کی بحری طاقت:

ان دنوں عثمانی بحری طاقت بھی بڑی زبردست تھی، عثمانی بحریہ کے تمام افسر اور جہاز راں عیسائی والدین کی اولاد اور عثمانی سلطان کے جان نثار خادم تھے۔ سولہویں صدی عیسوی تک ترکی جہاز رانوں کے کارناموں سے ساری عیسائی طاقتیں خائف تھیں۔ ترکی امیر البحروں مثلاً خیر الدین، حسن پاشا اور پیالے کے کارنامے یورپ کی بحری تاریخ میں آب زر سے لکھے جائیں گے۔ ان کی فتوحات کے باعث عثمانی سلطنت میں کافی توسیع ہوئی، سولہویں صدی کے آخر میں سلطنت عثمانیہ کی بحری طاقت میں ضعف آنا شروع ہوا مگر تین سال بعد سلطان عبد العزیز کی سرپرستی کے باعث عثمانی بیڑا اتنا طاقتور ہو گیا کہ یورپ کے بہترین بیڑوں میں اس کا شمار ہونے لگا۔

3.6 علوم وفنون میں عثمانی ترکوں کے کارنامے:

نامور مغل حکمرانوں کی طرح بعض ممتاز عثمانی سلاطین محض تلوار کے دھنی نہ تھے۔ بلکہ وہ بلند پایہ اہل قلم بھی تھے۔ مثلاً سلیم اول اور مراد ثالث بلند پایہ شاعر ہونے کے علاوہ بہترین ادبی مذاق کے مالک تھے۔ سلیمان اعظم بھی عمدہ شاعر اور بہترین مقرر تھا، سلیم اول کو نہ صرف عربی بلکہ ترکی زبان پر بھی کامل عبور تھا۔ اس نے دونوں زبانوں میں نہایت عمدہ اشعار کہے۔ سلیمان اعظم کے عہد میں عبد الباقی شاعر کو اتنی شہرت حاصل ہوئی کہ اکثر نقادوں نے اسے متنبی اور حافظ شیرازی کا ہم پلہ قرار دیا۔ سلیمان اعظم اس کی عملی قابلیت سے مرعوب ہو کر اس کی بڑی قدر کرتا تھا اور اسے عثمانی ترکوں کا بلند ترین شاعر تسلیم کیا جاتا تھا۔

علوم کی سرپرستی کیلئے یوں تو سب عثمانی سلاطین مشہور رہے تھے مگر سلطان محمد فاتح جو مغلیہ سلطنت میں اکبر کا ہم عصر تھا نے اس سلسلے میں خاص شہرت حاصل کی۔ اس نے متعدد شعراء کی سرپرستی کی انہیں وظائف دیئے اور اپنے دربار میں انہیں اہم جگہ دی، اس کا وزیر احمد پاشا شاعر تھا۔ اس نے کئی عمدہ اشعار کہہ کر خوب شہرت حاصل کی سلطان اعظم کے عہد کا ایک شاعر تکی تھا جسے عمدہ غزل کہتے میں یہ طولیٰ حاصل تھا۔ اس دور میں متعدد اسلامی علوم تفسیر، فقہ، تاریخ، علم الکلام اور منطق کے بڑے بڑے نابغہ روزگار علماء پیدا ہوئے اور انہوں نے ان علوم پر گراں قدر تصانیف چھوڑیں، حربی امور پر بھی کافی توجہ دی گئی اور لاتعداد کتب اس موضوع پر تصنیف ہوئیں تعمیرات پر بھی بہت زیادہ توجہ دی گئی اور آج کا جدید ترکی سلطنت عثمانیہ کی باقی رہ جانے والی تعمیراتی سے مالا مال ہے۔

3.7 ترک معاشرہ:

سلطنت عثمانیہ کے علاقائی مقبوضات تین براعظموں پر مشتمل تھے اور عثمانی رعایا میں مختلف اقوام کے افراد شامل تھے، جن میں زیادہ تعداد عیسائیوں کی تھی۔ عیسائی رعایا کے ساتھ انتہائی رواداری کا سلوک برتا جاتا تھا۔ ملک کی تمام تجارت عیسائی تاجروں کے ہاتھوں میں تھی۔ ان باتوں کے باوجود عیسائی رعایا سلطنت عثمانیہ کی تخریب میں کوشاں رہتی تھی۔ چنانچہ اکثر مواقعوں پر عیسائیوں نے یورپین طاقتوں کے ساتھ ساز باز کر کے سلطنت عثمانیہ کو ناقابل تلافی نقصان پہنچانے کی کوشش کی۔

3.8 سلطنت عثمانیہ کی تباہی و بربادی کے اسباب:

عظیم سلطنت عثمانیہ کے زوال کے اسباب میں سے اہم درج ذیل ہیں:

1) سلیمان اعظم کے بعد تنزل کا دور شروع ہوا، ہر جگہ ترکی فوجوں کو شکستوں اور ہزیمتوں کا سامنا کرنا پڑا۔ اس طرح ان کی جنگی قابلیت کی دھاک خاک میں مل گئی۔ ادھر ترکوں کے آخری پچیس سلاطین نکلے اور نااہل حکمران ثابت ہوئے۔ جدید تقاضوں کے مطابق امور سلطنت کو سمجھنا یا سنبھالنا ان کے بس کا روگ نہ تھا۔ بعض ترکی حکمرانوں نے اصلاحات کے ذریعے ملک کو درست کرنے کی کوشش کی مگر ان آخری لمحات میں ان کی کوششیں بے سود ثابت ہوئیں۔ ملک کے حالات بد سے بدتر ہوتے چلے گئے، ایسی صورت میں سلطنت کی تباہی یقینی تھی۔

2) سلطنت عثمانیہ کے ابتدائی ایام میں سلطان بایزید نے ایک زبردست فوج ''ینی چری'' کے نام سے تیار کی۔ جس نے اپنی بے مثال شجاعت اور نظم وضبط سے ساری یورپی طاقتوں کو بہت مدت تک لرزائے رکھا۔ مگر مرور ایام کے ساتھ ساتھ فوج کے سپاہیوں کی بھرتی میں غفلت برتی جانے لگی۔ 1584ء کے بعد مسلمان کسانوں نے عیسائی ہمسایوں کی رضامندی سے اپنے لڑکوں کو عیسائی بنا کر بھرتی کرانا شروع کر دیا۔ اس طرح سترہویں صدی کے وسط میں اس فوج کی ابتدائی نوعیت بالکل بدل گئی۔ کمزور عثمانی سلاطین کے عہد میں اس فوج کی بدعنوانیاں بڑھ گئیں اور رفتہ رفتہ یہ ایک شورش پسند جماعت بن گئی جس کا ملکی سیاست میں دخل دینا ایک دلچسپ مشغلہ بن گیا۔ لوگوں کے ذہنوں میں فوج کی مداخلت کا انتظامی امور پر ناخوشگوار اثر پڑا، فوجی نظم وضبط ختم ہو گیا، لوگوں کے ذہنوں سے فوج

کی عظمت زائل ہوگئی، ملک بھر میں بغاوتوں کا سلسلہ شروع ہوگیا ہر بغاوت کی تہہ میں فوج کا ہاتھ ہوتا تھا، فوج کی بدعنوانیوں سے سلطنت عثمانیہ کے وقار کو سخت دھچکا لگا۔

3) چند مثالوں کے سوا علماء اور مشائخ کے گروہ بھی بہت حد تک سلطنت عثمانیہ کی تباہی کا باعث ہوئے، ان کی تعلیم پرانی نہج پر ہونے کے باعث ان کی واقفیت تیرہویں صدی کے علوم تک محدود رہی، چونکہ ملک بھر میں فرسودہ نظام تعلیم رائج تھا، اس لئے ان کے مدرسوں میں تعلیم کی بنیاد تیرہویں صدی عیسوی کے علوم پر قائم تھی۔ 1860ء سے جدید طرز کے علمی ادارے قائم ہونے شروع ہوئے۔ جدید طرز کے تعلیم یافتہ نوجوانوں میں مذہبی روایات سے انحراف کا عنصر غالب تھا۔ تمام عالم اسلام میں تعلیمی اصلاحات کا رجحان قوی پیدا ہوگیا۔ چنانچہ سنوسیوں نے افریقہ میں وہابیوں نے عرب ممالک میں اور بابیوں نے ایران میں علماء اور عوام کے ذہنوں کو بدلنے کی کوشش کی تاہم انیسویں صدی کے آخری سالوں تک ترکی کے علماء لکیر کے فقیر رہے۔ انہوں نے سیاسیات میں حصہ لینا شروع کیا، وہ اپنے فتوؤں سے سلطان کو معزول کر دیتے تھے۔ غیر مسلموں کے حقوق کے تحفظ کے سلسلے میں انہوں نے نمایاں کردار ادا کیا مگر اپنے علمی کمالات سے ترکی سلاطین کی پوزیشن کو مستحکم نہ کر سکے۔ ان کے فتاویٰ بہت حد سلاطین کی معزولی اور ملک میں سیاسی کھلبلی کا باعث ہوئے۔

4) سلطنت عثمانیہ کی تباہی میں ترکی کی خواتین نے بھی اہم کردار ادا کیا۔ سلیمان اعظم اپنی روسی بیوی کے اشاروں پر چلتا تھا یہ روسی عورت انتہائی چالاک اور طبعاً سازشی تھی۔ اس کا بیٹا شرابی اور عیش کا دلدادہ تھا۔ اپنے بیٹے کو سلمان اعظم کا جانشین بنانے کی غرض سے اس نے قابل اور ہونہار شہزادہ مصطفیٰ کو سلیمان اعظم کے ہاتھوں قتل کرا دیا۔ اس کے بعد شہزادوں کی تربیت سے غفلت برتی جانے لگی۔ معمولی تعلیم حاصل کرنے کے باعث وہ رموز سلطنت سے ناواقف رہے۔ اس طرح نالائق سلاطین کا سلسلہ شروع ہوا۔ یہ نااہل عثمانی سلاطین طبعاً ظالم اور صنف نازک کی طرف مائل ہوتے تھے۔ وہ امور سلطنت میں وزرائے سلطنت سے مشورہ لینے کی بجائے خواتین حرم یا دوسرے غیر ذمہ دار اشخاص کی رائے لیتے تھے۔

5) ترکی حکومت کے خلاف عیسائی رعایا کا غیظ وغضب اور ریشہ دوانیاں بہت حد تک ترکی حکومت کے زوال کا باعث بن گئیں۔ سلطنت عثمانیہ کے ابتدائی سالوں میں ترکی کے عیسائی صوبوں کے علاوہ روس آسٹریا اور ہنگری کے

عیسائیوں سے بہتر تھے۔ مگر آخری ساڑھے تین سو سال کے عرصہ میں سلطنت ترکیہ کی عیسائی رعایا کی حالت ابتر ہوگئی۔ مرکزی حکومت نے اس سلسلے میں کوئی اصلاحی قدم نہ اٹھایا۔ اس سے یورپی طاقتوں کو ترکی کے اندرونی معاملات میں دخل دینے کا معقول بہانہ مل گیا۔ پیٹر اعظم کیتھرائن نے عیسائیوں کی امداد کرنی شروع کی۔ بعدازاں روس کے حکمرانوں نے بحیرہ اسود اور بحیرہ روم میں اپنا اثر ورسوخ بڑھانے کی غرض سے ترکی سلطنت کو کمزور کرنے کی کوشش کی۔ ادھر یورپین ڈپلومیسی کے باعث جزیرہ نما بلقان میں قومیت اور عیسائیوں کے مذہبی جنون نے فتنہ کی صورت اختیار کر لی۔ مختلف جغرافیائی اکائیوں میں علاقائی تعصب کو تقویت ملی۔ عربوں میں ترکوں کے خلاف انتہائی منافرت کا جذبہ پیدا ہوا، پان تورانی تحریک سے بھی ترکیہ سلطنت کو فائدہ کی بجائے نقصان پہنچا۔ ان بگڑے ہوئے حالات کے باعث ترکیہ سلطنت کی تباہی کے قوی امکان پیدا ہو گئے۔

مختصراً ہم کہہ سکتے ہیں کہ عثمانیہ سلطنت کی تباہی و بربادی ترکوں کے اخلاقی انحطاط حرم کی ملکی معاملات میں بے جا مداخلت، محکوم اقوام کے جذبہ قومیت، عیسائی رعایا کی ریشہ دوانیوں اور یورپی اقوام کے حریصانہ اور جارحانہ عزائم کے باعث ہوئی، فرسودہ نظام تعلیم کے باعث ترکوں میں ملکی مسائل کو جدید تقاضوں کی روشنی میں حل کرنے کی اہلیت مفقود ہوگئی اور ایسی صورت میں ان کی تباہی و بربادی ایک لابدی امر تھا۔

خود آزمائی:

1۔ خلافت عثمانیہ کے آغاز و ارتقاء پر مختصر نوٹ لکھیں۔

2۔ خلافت عثمانیہ کا عہد زرین کونسا تھا، اس پر مختصر نوٹ لکھیں۔

3۔ خلافت عثمانیہ کی فتوحات کے حالات قلمبند کیجئے۔

4۔ خلافت عثمانیہ کے زوال کے اسباب بیان کریں۔

5۔ خلافت عثمانیہ کے نمایاں علمی، تہذیبی کارناموں کا جائزہ لیجئے۔

یونٹ نمبر 17

ایران

دولت صفاریہ، سامانیہ، دیلیمہ، آل یمین (دولت غزنویہ)، سلجوقیہ، خوارزم شاہی، ایلخانی، تیموری، صفوی، افشار، ژند، قاچار، پہلوی، جدید ایران

تالیف

پروفیسر ڈاکٹر محمد باقر خان خاکوانی

نظر ثانی

ڈاکٹر محمد سجاد

علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد

فہرست عنوانات

یونٹ کا تعارف:

بعثت نبوی ﷺ سے قبل عالم انسانیت پر دو طاقتور ریاستوں ایران اور روم کی شہنشاہیت تھی، روم کے مقتدر اعلیٰ قیصر اور ایران کے حکمران کو کسریٰ کے نام سے یاد کیا جاتا تھا۔ رسول اللہ ﷺ جو دین اور ضابطہ حیات لے کر تشریف لائے، اللہ تعالیٰ کی طرف سے وہ آخری ہدایت نامہ اور پیغام زندگی ہے۔ چنانچہ قرآن کریم کے اس ارشاد کے مصداق کہ!

''وہی اللہ ہے جس نے اپنے رسول کو کتاب ہدایت، دین حق دے کر بھیجا تا کہ اسے تمام ادیان پر غالب کرے''

چنانچہ خلیفہ دوم حضرت عمرؓ کے عہد خلافت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کو غالب فرمایا اور مسلمانوں نے اس وقت کی سپر طاقتوں کو زیر کر دیا۔ اور روم اور ایران کی سلطنتوں میں توحید کا پرچم لہرانے لگا۔ ایران کی قدیم تاریخ ہے، ایک تاریخ وہ ہے جو قبل از اسلام کی ہے، اور دوسرا دور عہد اسلامی کا ہے، خلافت راشدہ کے بعد عہد اموی اور عباسی دور میں یہاں مختلف افراد و خاندان حکمران رہے۔ سب سے پہلے دولت صفاریہ کا عہد آتا ہے اور اس کے بعد سامانیہ خاندان کی حکومت قائم ہوئی اس کے بعد دیلمیوں نے 322ھ تا 447ھ تک عراق و فارس پر حکمرانی کی۔ دولت غزنویہ کو سلطان محمود غزنوی کی وجہ سے شہرت اور استحکام ملا، جس کی فتوحات ماوراء النہر سے لے کر برصغیر پاک و ہند تک پھیلی ہوئی ہیں۔ سلجوقی خاندان کے حکمرانوں نے اپنے دور اقتدار میں علمی و ادبی کارنامے سرانجام دیئے۔ ملک شاہ سلجوق کے معروف وزیر نظام الملک کی علمی سرپرستی میں کئی ادارے وجود میں آئے۔

سلجوقیوں کے بعد حکومت خوارزم شاہیہ قائم ہوئی جسے منگولوں نے جلد ہی ختم کر کے ایل خانی دور حکومت کا آغاز کیا، چنگیز خان اور ہلاکو خان کی نسل بعد ازاں مسلمان ہوگئی اور اس خاندان کے افراد نے اسلام کی خدمت بھی کی۔ اس کے بعد ایران میں تیموری، افشار، زندیہ اور پہلوی خاندانوں کا اقتدار رہا۔ آخری خاندان جو ایران میں برسر اقتدار رہا، پہلی خاندان ہے جس کے آخری شہنشاہ محمد رضا شاہ پہلوی کے عہد میں ایران میں اسلامی انقلاب برپا ہوا۔

ایرانی اسلامی انقلاب نے وہاں بادشاہت کے نظام کو ختم کر کے شیعی نظریہ ولایت فقیہ کی بنیاد پر ایک مذہبی سیاسی

نظام وضع کرایا، آیت اللہ خمینی اس کے بانی تھے۔ان کے بعد سے ایران کے روحانی پیشوا آیت اللہ خامنائی ہیں جبکہ صدر کا براہ راست انتخاب ہوتا ہے۔اب تک پانچ کے قریب صدور منتخب ہو چکے ہیں۔

اس یونٹ میں ایران کے بعد از اسلام تاریخ کا ایک سرسری جائزہ لیا گیا ہے۔

یونٹ کے مقاصد:

امید ہے کہ اس یونٹ کے مطالعہ کے بعد آپ اس قابل ہو جائیں گے کہ!

1۔ ایران میں مختلف سیاسی خاندانوں کے اقتدار کا مطالعہ کر سکیں۔

2۔ ایران میں مختلف حکمران خاندانوں کی دین اسلام کیلئے خدمات سے آگاہ ہو سکیں۔

3۔ جدید ایرانی انقلاب کی وجوہات، محرکات کا مطالعہ کر سکیں۔

1۔ قدیم ایران

عمومی طور پر انسانی تاریخ کا آغاز وادی دجلہ وفرات یعنی موجودہ عراق اور شام کی سرزمین سے ہوتا ہے، ایران کی تاریخ کا آغاز دو آریائی قبائل ''میدی'' یا ''اماذ'' اور پارس کے سیاسی عروج سے شروع ہوتی ہے، تقریباً 1500 ق م میں آریائی نسل کے قبائل دریائے دجلہ کی مشرقی سرزمین میں داخل ہوئے اور دور تک پھیل گئے، ان کی ایک جماعت پاک و ہند کی طرف آئی اور دوسری کردستان کی پہاڑیوں کے درمیان اور گردونواح میں آباد ہوئی اور یہ علاقہ اس کی طرف منسوب ہوکر اریانہ یا ایران کے نام سے موسوم ہوا۔ یہ علاقہ دور جدید کے لحاظ سے سمرقند، بخارا، آذربائیجان، اصفہان موجودہ ملک ایران اور افغانستان پر مشتمل تھا۔

ایران کی تاریخ کو دو حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ ایک غیر اسلامی تاریخ اور دوسری اسلامی تاریخ، پہلے حصہ میں اس ملک میں بڑے بڑے عالمگیر شہرت کے حکمران گزرے ہیں جن میں سائرس اعظم، دارا اول، بخت نصر اور ساسانی خاندان جس کے معروف بادشاہ کیخسرو، کیقباد، کیکاؤس اور نوشیروان عادل مشہور ہیں۔

ایران کی اسلامی تاریخ کا آغاز دوسرے خلیفہ راشد حضرت عمرؓ کے دور سے ہوتا ہے تقریباً بیس ھجری تک تمام ایران اسلامی سلطنت کا حصہ بن چکا تھا اور بیس ھجری سے لے کر 255ھ تک یہ ملک با قاعدہ خلافت راشدہ، اموی سلطنت اور عباسی سلطنت کے ماتحت رہا اور عباسی سلطنت کے کمزور ہوتے ہی اس ملک پر مختلف اسلامی خاندانوں نے اپنی حکومتیں قائم کیں اور اس وقت سے لے کر آج تک تیرہ خاندانوں نے اس پر حکومت کی ہے اور موجودہ حکومت چودھویں حکومت ہے۔

2۔ حکومت صفاریہ

ایران کی تاریخوں میں خلفاء کی براہ راست حکومت کے بعد سب سے پہلے خاندان صفاریہ کی خودمختارانہ سلطنت کا بیان لکھا گیا ہے۔ خاندان عباسی نے خلافت کے حاصل کرنے میں چونکہ ایرانیوں سے زیادہ امداد حاصل کی تھی، لہذا انہوں نے ایرانیوں کے اقتدار واثر کو بڑھانے اور عربوں پر چیرہ دست بنانے میں کوئی تامل نہیں کیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مغلوب

ایرانیوں کو خود غلبہ پانے اور اپنی حکومت قائم کرنے کا خیال پیدا ہوا اور ابو مسلم خراسانی اور برامکہ وغیرہ کو شاہانہ اقتدار حاصل کرنے میں کامیابی حاصل ہوئی، لیکن جب تک عباسی خاندان میں فاتحانہ اور سپاہیانہ جذبات باقی رہے ایرانی اپنے مقصد میں کما حقہ کامیاب نہ ہو سکے۔ خلفائے عباسیہ کی عیش پرستی و کمزوری نے جب ایرانیوں کیلئے ان کی اولوالعزمیوں کے پورا ہونے کا راستہ صاف کر دیا۔ تو سب سے پہلے یعقوب بن لیث جس کے خاندان میں ٹھٹھیرے کا پیشہ ہوتا تھا اور اسی لئے وہ صفاریہ کے نام سے پکارا جاتا تھا، اپنی خود مختار حکومت قائم کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ یعقوب بن لیث کو یہ کامیابی محض اس کے سپاہیانہ اخلاق و جذبات کی وجہ سے حاصل ہوئی تھی، یعقوب بن لیث صفاریہ دوست نوازی، سخاوت اور سادہ زندگی بسر کرنے میں اپنا نظیر نہ رکھتا تھا۔

یعقوب بن لیث صفار کی وفات کے بعد اس کا بھائی عمرو بن لیث صفار بھائی کا جانشین ہوا اور اس نے اپنی حدود حکومت کو اور بھی وسیع کیا، عمرو بن لیث میں اگرچہ اپنے بھائی کی نسبت عقل و دانائی بیان کی جاتی ہے مگر وہ ان سپاہیانہ اخلاق اور سادہ زندگی بسر کرنے میں اپنے بھائی سے کمتر تھا، خلیفہ معتمد کے بھائی موفق نے ایک مرتبہ اس کو شکست بھی دی۔ مگر اس نے اپنی حالت کو پھر درست کر لیا اور دربار خلافت کے لئے وبال جان بن گیا، آخر خلیفہ نے ماوراالنہر کے حاکم اسمٰعیل سامانی کو عمرو بن لیث کے مقابلہ پر آمادہ کیا۔ عمرو بن لیث ستر ہزار سوار لے کر اسمٰعیل سامانی کے استحصال پر آمادہ ہوا اور دریائے جیحون کو عبور کیا، اسمٰعیل سامانی صرف بیس ہزار سواروں کے ساتھ مقابلہ پر آیا، عین معرکہ جنگ کے وقت عمرو بن لیث کا گھوڑا اپنے سوار کی منشا کیخلاف اس کو اسمٰعیل سامانی کے لشکر میں لے گیا اور وہاں بڑی آسانی سے گرفتار کر لیا گیا اور اس طرح یہ سلطنت صفحہ ہستی سے مٹ گئی۔

3۔ حکومت سامانیہ

اسد بن سامان اپنے آپ کو بہرام چوبین کی اولاد میں بتاتا تھا، اسد بن سامان اپنے چاروں بیٹوں کو لے کر مامون الرشید عباسی کی خدمت میں مقام مرو حاضر ہوا تھا جبکہ مامون الرشید مرو میں مقیم تھا، مامون الرشید عباسی کو اپنے بھائی امین کے خلاف تخت خلافت کے حاصل کرنے میں جو کامیابی حاصل ہوئی تھی، اس میں سب سے زیادہ ایرانیوں کی امداد و اعانت کو دخل تھا، مامون الرشید کا اسد بن سامان اور اس کی اولاد پر مہربان ہونا کوئی تعجب کی بات نہ تھی، سامانیوں کے اقتدار نے اسی زمانے سے تیز رفتاری سے ترقی کی چونکہ یہ خاندان ایران کے ایک مشہور سردار کی اولاد سے تھا۔ اس لئے ماوراالنہر خراسان میں ان

لوگوں کی سیادت کیخلاف لوگوں کیلیئے آمادہ ہونے کا امکان اور بھی ضعیف ہو گیا تھا۔ اسمٰعیل سامانی جو اسد بن سامان کا پوتا تھا۔ عمرو بن لیث پر غالب آنے کے بعد بہت جلد بادشاہت کے مرتبہ کو پہنچ گیا، فرق صرف اس قدر تھا کہ خاندان صفار خلافت بغداد کے خلاف رہا، لیکن اسمٰعیل اور اس کے جانشین برائے نام دربار کی سیاست کو تسلیم کرتے رہے۔

اسمٰعیل سامانی نے ماوراالنہر اور خراسان میں سات آٹھ سال حکومت و سلطنت کی، خلیفہ معتمد باللہ عباسی نے اس کو ملک خراسان کی سند حکومت عطا کی تھی، اسمٰعیل کی وفات کے بعد ابونظیر احمد بن اسمٰعیل سامانی باپ کا جانشین ہوا، اسمٰعیل سامانی اپنی عادات و خصائل کے اعتبار سے نہایت شریف سیر چشم اور متوکل علی اللہ شخص تھا۔

اس کے بعد اس کا بیٹا نصر بن احمد سامانی آٹھ سال کی عمر میں تخت نشین ہوا، یہ بالکل اپنے دادا اسمٰعیل کا نمونہ تھا، اس نے چند ہی روز کے بعد اپنی سلطنت کی حدود کو اسمٰعیل سامانی کی حدود سلطنت سے زیادہ وسیع کر لیا اور تیس سال سے زیادہ عرصہ تک بڑے زور و شور اور ناموری کے ساتھ حکومت کی۔ اس کے بعد اس کا بیٹا نوح بن نصر تخت نشین ہوا، اس نے تیرہ سال حکومت کر کے 343ھ میں وفات پائی۔ اس کے بعد اس کا بیٹا عبدالملک بن نوح تخت نشین ہوا، اس نے رکن الدولہ دیلمی کی بیٹی سے شادی کی تھی، اس لئے عراق و فارس کے صوبوں میں بھی اس کی سیاست تسلیم کی گئی، اسی کا وزیر ابوعلی بن محمد تھا، جس نے تاریخ طبری کا فارسی میں ترجمہ کیا تھا، منصور بن نوح نے پندرہ سال حکومت کی۔

اس کی وفات کے بعد اس کا بیٹا ابوالقاسم نوح ثانی تخت نشین ہوا، اس کے تخت نشین ہوتے ہی سلطنت بخارا یعنی دولت سامانیہ پر ادبار و تنزل کی گھٹائیں چھا گئیں۔

4۔ حکومت دیلمیہ

دیلمیوں اور سامانیوں کی سلطنتوں کو ایک دوسرے کی معاصر اور رقیب سلطنت سمجھنا چاہیے۔ سامانیوں کا قبضہ ماوراالنہر اور خراسان وغیرہ شمالی و مشرقی ممالک پر رہا۔ اور دیلمیوں کے تصرف میں فارس و عراق و آذربائیجان وغیرہ غربی ممالک رہے۔ اس طرح تمام ملک ایران چند روز تک انہیں دونوں خاندانوں کے درمیان منقسم تھا، دیلمیوں کی حکومت سامانیوں کی بربادی کے بعد بھی نہایت کمزور حالت میں کچھ دنوں باقی رہی جب کہ سامانیوں کی جگہ مشرقی ایران میں غزنیوں کی زبردست سلطنت قائم ہو چکی تھی۔

دیلمیوں نے 322ھ تا 447ھ تک فارس وعراق پر حکمرانی کی ان دیلمیوں نے بجائے اس کے کہ کسی بعید ترین صوبہ کو خلیفہ کی حکومت سے جدا کرتے خود خلیفہ اور صوبہ عراق پر اپنا تسلط قائم کر کے حقیقتاً اور معناً خلافت عباسیہ کا خاتمہ کر دیا مگر خلیفہ کا نام اور نام کی خلافت باقی رکھی۔

دیلمیہ ایران کے ایک علاقہ کا نام ہے، اس علاقہ میں ایک شخص ابوشجاع بویہ دیلمی نہایت مفلس اور ماہی گیر تھا، اس کے تین بیٹے علی، حسن، احمد تھے۔ انہوں نے بڑے ہو کر اس خاندان کے حکومت کی بنیاد رکھی اور آدھے ایران پر قابض ہو گئے حتیٰ کہ عراق اور بغداد پر بھی، ان میں ایک بھائی احمد معزالدولہ نے حکمرانی کی، ان میں بڑے بھائی علی بن بویہ نے بنو بویہ کی حکمرانی قائم کی اور وہ عمادالدولہ کے لقب سے فارس پر قابض تھا اور حسن رکن الدولہ اصفہان اور طبرستان پر حکمران تھا اور چھوٹا بھائی بقیہ علاقوں کا حکمران تھا۔

5۔ حکومت غزنویہ

عبدالملک بن نوح نے الپتگین کو خراسان کی گورنری پر مامور کیا، عبدالملک کے بعد جب اس کا بھائی منصور بن نوح سامانی 350ھ میں تخت نشین ہوا تو الپتگین جو منصور بن نوح کی تخت نشینی کے خلاف رائے ظاہر کر چکا تھا، خراسان کے دالامارات سے مقام غزنی میں چلا آیا، جو اس زمانے میں ایک معمولی سی بستی تھی، یہاں الپتگین مضبوط ہو کر بیٹھ گیا اور اپنی ایک خودمختار ریاست قائم کر کے حکومت کرنے لگا۔

367ھ میں الپتگین کا انتقال ہوا، تو اس کی جگہ اس کا بیٹا اسحٰق غزنی کا فرماں روا ہوا۔ مگر چند ہی روز کے تجربہ سے وہ نااہل و نالائق ثابت ہوا اور فوجی سرداروں نے اس کو معزول کر کے یا اپنی موت سے اس کے مرجانے پر سبکتگین کو جو الپتگین کا سپہ سالار اور داماد بھی تھا اپنا بادشاہ بنایا۔

387ھ میں اس کا بیٹا محمود بن سبکتگین غزنی کے تخت پر بیٹھا، خلیفہ قادر باللہ عباسی نے اس کو یمین الدولہ اور امین الملت کا خطاب عطا فرمایا تھا، محمود غزنوی کے تخت نشین ہوتے ہی نہایت قابلیت کے ساتھ مہمات سلطنت کو انجام دینا شروع کیا اس خطاب کی وجہ سے اس حکومت کو آل یمین بھی کہا جاتا ہے۔

oooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooo

غرض کہ محمود غزنوی نے بہت جلد دریائے ستلج سے لے کر بحیرہ سپین تک اور ماورالنہر سے لے کر بلوچستان وعراق تک ایک نہایت وسیع سلطنت قائم کرلی۔ محمود غزنوی براعظم ایشیا کے نہایت نامور اور زبردست شہنشاہوں میں شمار ہوتا ہے اس کے زمانے میں فارسی زبان کو خاص طور پر رونق حاصل ہوئی، عربی زبانوں کی ترویج واشاعت میں جو مرتبہ حجاج بن یوسف ثقفی کو حاصل ہے، وہی مرتبہ فارسی زبان کی ترویج واشاعت میں محمود غزنوی کو حاصل ہے۔ محمود غزنوی نہایت سچا پکا مسلمان، بے تعصب اور علم دوست شخص تھا۔

سلطان محمود غزنوی کے بعد اس کا بیٹا مسعود پھر اس کا بیٹا مودود اور اس کے بعد اس کے بیٹے علی اور عبدالرشید تخت نشین ہوئے مگر یہ سلطنت کمزور ہوتی گئی اور آخر میں مسعود بن ابراہیم اور ارسلان بن مسعود بادشاہ بنے مگر 547ھ میں غوری پٹھانوں نے اس حکومت کا خاتمہ کر دیا۔

6۔ حکومت سلجوقیہ

سلجوق نسل کے اعتبار سے ترک تھے یہ لوگ دراصل ترکستان اور خراسان کے رہنے والے تھے۔ اس خاندان کا بانی ایک شخص ''دقاق'' تھا۔ اس کے بیٹے کا نام سلجوق یا سلجک تھا۔ نسب کے لحاظ سے یہ شخص افراسیاب کی چونتیسویں پشت سے ہونے کا مدعی تھا۔ جن دنوں عالم اسلام میں افراتفری پھیلی ہوتی تھی۔ سلجوق نے اپنے پورے قبیلہ سمیت بخارات کی اسلامی مملکت میں داخل ہو کر اسلام قبول کرلیا۔ بعدازاں اس نے غیر مسلم ترکوں پر فتوحات حاصل کر کے اپنی طاقت کو بڑھالیا۔ اس طرح تھوڑی مدت میں سلجوقیوں نے خراسان اور ترکستان کے علاقوں پر قبضہ کرلیا۔

سلجوق کی وفات کے بعد سلجوقیوں کی قیادت طغرل بیگ اور چغر بیگ کے حصہ میں آئی۔ سلطان محمود غزنوی کی وفات کے بعد سلجوقیوں نے نیشاپور، عراق، آرمینیا، طبرستان، ہرات وغیرہ کو فتح کرلیا۔ سلطان محمود غزنوی کے لڑکے مسعود اور پوتے مودود نے سلجوقیوں پر قابو پانے کی کوشش کی مگر ہر مرتبہ شکست فاش کھائی۔ اس کے بعد سلجوقیوں نے بغداد کا رخ کیا۔ 1055ء میں طغرل بیگ نے بغداد پر قبضہ کر کے بنو بویہ دیلمی کے امیر الامراء ملک رحیم کو امور سلطنت سے بے دخل کر دیا۔

6.1 طغرل بیگ:

ملکی فتوحات سے فارغ ہو کر طغرل بیگ خلیفہ وقت القائم بامر اللہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ خلیفہ موصوف نے طغرل بیگ کی عزت افزائی کرتے ہوئے اسے سات خلعت اور سات غلام عنایت کئے اس کے بعد خلیفہ بغداد نے طغرل بیگ کو اپنا وزیر اعظم، سپہ سالار اور امیر الامراء مقرر کر دیا۔ تقریباً ڈیڑھ سال تک بغداد میں مقیم رہنے کے بعد وہ دربار خلافت سے رخصت ہوا۔

کچھ مدت کے بعد طغرل بیگ نے عراق، موصل اور دیار بکر کو اپنی قلمرو میں شامل کر لیا۔ ان مہموں سے فارغ ہونے کے بعد اس نے رومیوں سے جنگ چھیڑ دی۔ تین سال کے عرصے میں مسلمانوں نے رومیوں کے کئی علاقے فتح کر لئے۔ ابھی جنگ جاری تھی کہ طغرل بیگ کا ستر سال کی عمر میں انتقال ہو گیا۔

طغرل بیگ ایک جنگجو مدبر اور فیاض حکمران تھا، اس کی جفاکشی اور جنگی قابلیت کے باعث سلجوقیوں کو اتنا اقتدار حاصل ہوا کہ وہ ایک معمولی قبیلہ سے ترقی کر کے عباسی سلطنت کے سیاہ و سفید کے مالک ہو گئے۔

6.2 الپ ارسلان بن چغر بیگ (1063ء تا 1077ء):

چونکہ طغرل بیگ لاولد فوت ہوا تھا اس لئے اس کی وفات کے بعد اس کا بھتیجا ارسلان بن چغر بیگ سلطان و امیر الامراء مقرر ہوا۔ خلیفہ نے اسے عضدولہ کے خطاب سے نوازا۔ اس نے اولاً ختلان اور ہرات کے علاقوں پر قبضہ کیا۔ پھر فارس اور کرمان کی بغاوتوں کا قلع قمع کیا۔ ان مہموں سے فارغ ہونے کے بعد الپ ارسلان نے شام، مکہ شریف اور مدینہ شریف کو تسخیر کر کے ان علاقوں کے لوگوں کو مصر کے بنو فاطمہ کے قبضے سے نجات دلائی۔ 1071ء میں رومی بادشاہ دیوجانس رومانوس نے مسلمانوں کے سرحدی علاقوں پر یلغار کی۔ پندرہ ہزار سپاہیوں کی جمعیت سے الپ ارسلان نے رومی فوج کو جو تین لاکھ سپاہیوں پر مشتمل تھی۔ شکست فاش دی اور ان کے شہنشاہ کو گرفتار کر لیا۔ بعد ازاں پندرہ لاکھ دینار تاوان جنگ کے وعدے پر اس نے شہنشاہ کو امراء سمیت رہا کر دیا۔ رومیوں سے صلح ہو جانے کی غرض سے بغداد سے روانہ ہوا۔ مگر ابھی وہ دریائے جیحون کو عبور نہ کر پایا تھا کہ فوت ہو گیا۔

الپ ارسلان دراز قد جفاکش اور سپاہیانہ اوصاف کا انسان تھا، تاریخ کے مضمون سے اس خاص شغف تھا۔ فیاض اتنا تھا کہ رمضان شریف کے مہینے میں پندرہ ہزار دینار تک محتاجوں میں بطور خیرات تقسیم کرتا تھا۔ علاوہ ازیں محتاجوں کو پنشن دینے کی رسم بھی اس نے جاری کر رکھی تھی اس کی قوت فیصلہ بڑی تیز تھی اور اپنے فیصلوں کو عملی جامعہ پہنانے میں کافی مستعد دکھائی دیتا تھا۔

6.3 ملک شاہ سلجوق (1072ء تا 1092ء):

الپ ارسلان کی وفات کے بعد اس کا بیٹا ملک شاہ سلطان بنا، خلیفہ وقت نے اسے جلال الدولہ کا خطاب عطا کیا۔ ملک شاہ کے زمانے میں سلجوقیوں کو غیر معمولی اقتدار نصیب ہوا۔ آخر نوبت یہاں تک پہنچی کہ خاص بغداد میں ملک شاہ کا نائب اپنے مکان پر نوبت نقارہ بجوایا کرتا تھا۔ حالانکہ یہ نشانی محض خلیفہ وقت کیلئے مخصوص تھی ملک شاہ نے ماوراء النہر کے تمام علاقے فتح کئے اور اس طرح اسلامی مملکت کی حدود چین تک پہنچ گئیں۔ رومی حکمرانوں نے اپنی سابقہ شکستوں کا بدلہ لینا چاہا، مگر آخر مجبور ہو کر ملک شاہ کو ایک گرانقدر رقم بطور خراج پیش کی، ملک شاہ کے زمینی کارناموں سے خوش ہو کر خلیفہ نے 1082ء میں ملک شاہ کی لڑکی سے نکاح کر لیا۔

ملک شاہ کے عہد کی شاندار کامیابیاں کسی حد تک اس کے قابل وزیر نظام الملک کے باعث تھیں۔ اس نامور وزیر نے 80 سال تک ملک شاہ کی بے لوث خدمت کی یہ شخص خود عالم تھا، اس نے نظامیہ کالج کی لافانی درسگاہ قائم کی۔ اس کے اقتدار کے باعث شاہی خاندان کے افراد نظام الملک سے حسد کرنے لگے۔ انہوں نے سازشیں کر کے ملک شاہ کو اس قابل وزیر سے بدظن کر دیا۔ چنانچہ بادشاہ نے نظام الملک کو وزارت کے عہدے سے معزول کر دیا۔ ابھی وزیر کی معزولی کو زیادہ عرصہ نہ گزرا تھا کہ 1092ء میں نہاوند کے قریب حسن بن صباح کے ایک فدائی نے اسے خنجر مار کر ہلاک کر دیا، اس کی وفات کے ایک ماہ بعد ملک شاہ بھی انتقال کر گیا، اس نے کل اکیس برس حکومت کی۔

ملک شاہ منصف، نیک، بہادر اور عدل پرور حکمران تھا۔ علاوہ ازیں وہ ایک بلند پایہ منتظم بھی تھا۔ اس نے ہمیشہ رعایا کی فلاح و بہبود کا خیال رکھا۔ ٹیکسوں کے بوجھ کو نمایاں طور پر ہلکا کر دیا۔ ایک جامع مسجد تعمیر کروائی اور ایک شاندار مدرسہ حضرت امام اعظمؒ کی یادگار میں کھولا۔ خود عالم تھا اور علماء وفضلاء کا قدردان تھا، ہیئت دانوں کیلئے ایک رصدگاہ بنوائی جو اس کے زندگی کے ایام میں قائم رہی، لوگوں کی بہبود کی خاطر اس نے کئی پل تعمیر کئے اور نہریں کھدوائی ان زریں کارناموں کی بدولت

ملک شاہ کا شمار دنیا کے بلند پایہ تاجداروں میں ہونا چاہیے۔

ملک شاہ کی وفات کے ساتھ ہی سلجوقی حکمرانوں کی سطوت وطاقت میں زوال کے آثار رونما ہونا شروع ہو گئے۔

ملک شاہ کے جانشین نکمے اور نالائق نکلے اس کے جانشینوں میں اس کا پوتا سلطان سنجر باہمت شخص ثابت ہوا۔ اس نے غور کے فرمانروا حسین بن حسن کے ساتھ جنگ کی مگر شکست کھا کر قید ہو گیا۔ قید سے رہائی حاصل کرنے کے بعد اس نے 1156ء میں وفات پائی۔

سلطان سنجر کی وفات کے بعد سلجوقیوں کے مختلف قبیلے ایران شام اور ایشیائے کوچک میں پھیل گئے خوارزم شاہیوں نے ایران اور عراق میں ان کی سیاسی طاقت کو کچل دیا۔ صرف سالاجقہ روم کی حکومت تیرہویں صدی عیسوی کے اخیر تک قائم رہی۔

7۔ دولت خوارزم شاہیہ

ملک شاہ سلجوقی کا ایک ترکی غلام جس کا نام نوشتگین تھا اس کا بیٹا قطب الدین بن نوشتگین اسی طرح سلطان سنجر کی خدمت میں رسوخ رکھتا تھا، سلطان سنجر سلجوقی نے اپنے نوکر قطب الدین مذکور کو خوارزم کا حاکم مقرر کیا۔ یہ قطب الدین جب کبھی سلطان سنجر کی خدمت میں حاضر ہوتا تو اپنے اسی شاہانہ لباس میں خدمت گاری کے تمام کام حسب دستور سابق انجام دیتا، یہ عرصہ دراز تک علاقہ کا خوارزم کا حاکم رہا اور خوارزم کی مناسبت سے خوارزم شاہ مشہور ہوا۔ اس کے بعد اس کی اولاد بھی اسی نام سے مشہور ہوئی اور اس خاندان کے تمام فرماں روا خوارزم شاہی فرماں روا کہلائے۔ ابتداً یہ سلطان سنجر کا فرماں بردار رہا۔ لیکن جب سلطان سنجر کے اقبال کو زوال ہوا اور وہ ترکان غز کے ہاتھ میں گرفتار ہو گیا۔ تو اس نے اپنی خودمختاری کا اعلان کیا اور ماوراءالنہر کے علاقے پر بھی چڑھائی کی۔ رشید الدین وطواط مشہور شاعر اس کے دربار میں رہتا تھا۔ جس طرح کہ انوری سلطان سنجر سلجوقی کا درباری شاعر تھا۔ اس کے بعد اس کا بیٹا آتسز خوارزم شاہ تخت نشین ہوا، اس نے رشید الدین وطواط کو اپنے دارالانشا کا حاکم مقرر کیا تھا۔

540ھ کے قریب آتسز فوت ہوا تو اس کی جگہ اس کا بیٹا ارسلان شاہ 557ھ میں تخت نشین ہوا۔

اس نے جب وفات پائی تو اس کی جگہ اس کا بیٹا سلطان محمد خوارزم شاہ 590ھ میں تخت نشین ہوا۔ اس نے قریباً

اکیس سال حکومت کی، اس نے اپنی حدود حکومت کو بہت وسیع کیا، اس کے اور خلیفہ بغداد کے درمیان کچھ بے لطفی ہوگئی تھی، شہاب الدین غوری کی وفات کے بعد غور و غزنی تک اس کی حکومت کا ڈنکا بجنے لگا تھا، فارس کے بادشاہ اتا بک سعد آذربائیجان کے بادشاہ اتا بک ازبک کو بھی اس نے شکست دی اور خلیفہ بغداد سے سرتابی کر کے بغداد کی طرف ایک جرار فوج لے کر چلا تا کہ خلیفہ کو معزول کر کے اس کی جگہ سید عبدالمالک ترمذی اپنے پیر کو تخت خلافت پر بٹھائے۔ خلیفہ نے حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی کو اس کے پاس بھیجا کہ وہ نصیحت کر کے خوارزم شاہ کو اس ارادے سے باز رکھیں اور آپس میں صلح و آتشی پیدا ہو جائے۔ مگر اس سفارت کا کوئی اثر نہ ہوا اور سلطان محمد خوارزم شاہ اپنے ارادے سے باز نہ آیا، آخر قدرتی رکاوٹ پیدا ہوئی اور برف باری سے سخت نقصان اٹھا کر خوارزم شاہ کو عراق سے واپس ہونا پڑا، ابھی یہ عراق ہی میں تھا کہ چنگیز خان نے اس کے ملک پر حملہ کر دیا اور اس طرح یہ سلطنت ختم ہوگئی۔

8۔ ایل خانی دور

8.1 چنگیزی فتنہ کے بعد عالم اسلام کا سیاسی انتشار:

چنگیز خان صحرائے گوبی میں چھوٹی چھوٹی ریاستوں کو مٹا کر ایک طاقت ور سلطنت قائم کرنے کے بعد ایران اور ممالک اسلامیہ کی طرف متوجہ ہوا۔ ایک ہی زبردست یلغار میں اس نے خوارزم شاہی خاندان کی سیاسی طاقت کو کچل کر بخارا، سمرقند، بلخ، نیشاپور، ماژندان، ہمدان وغیرہ کو فتح کر لیا۔ چنگیز خان نے 1227ء میں وفات پائی۔

منگولوں کے وحشیانہ حملوں سے ایران کی اسلامی تہذیب کا شاندار قصر مسمار ہوگیا۔ ایران کے بڑے بڑے شہر کھنڈروں میں تبدیل ہو گئے۔ سرسبز زمینوں نے ویرانوں کی صورت اختیار کر لی، آباد بستیاں اجڑ گئیں، غرض کہ عالم اسلام کی سیاسی حالت ہر لحاظ سے ابتر اور دگرگوں ہوگئی۔

چنگیز خان کی وفات کے بعد اس کی وسیع سلطنت اس کے چار بیٹوں میں بٹ گئیں۔ ان میں سے ایک بیٹے چغتائی کی اولاد کاشغر، بدخشاں، بلخ اور غزنہ وغیرہ کے علاقوں پر حکومت کرتی رہی اور اس کے پوتے ہلاکو خان کو موروثی طور پر ایران کی فرمانروائی حاصل ہوئی۔ اس خاندان کے افسر اعلیٰ کو ایل خان کے لقب سے موسوم کیا جاتا تھا، تا کہ اس میں اور تاتاریوں کی

مرکزی حکومت کے خان اعلیٰ میں تمیز کی جا سکے۔ اس وجہ سے چنگیز خان اور ہلاکو خان کے اس مغل دور کو ایل خانی دور کہا جاتا ہے۔ ہلاکو خان سے رضا شاہ پہلوی اور اس کے جانشیوں کے عہد حکومت تک سرزمین ایران پر سات خاندانوں نے حکومت کی جن کا تذکرہ حسب ذیل ہے:

8.2 ہلاکو خان (1256ء تا 1260ء):

چنگیز خان کی وفات کے بعد کچھ مدت تک ایران تاتاریوں کے مظالم کا تختہ مشق بنا رہا۔ آخر 1256ء میں ہلاکو خان نے جسے ایل خان کے نام سے پکارا جاتا تھا۔ ایران کے مختلف حصوں کو یکجا کر کے ایک منظم سلطنت کی قائم کی اور ایل خانی خاندان کی بنیاد ڈالی۔

8.3 اباقاخان (1260ء تا 1281ء):

ہلاکو خان کے انتقال کے بعد اس کا بیٹا اباقاخان 1260ء میں تخت نشین ہوا۔ 1266ء میں اس نے روسی تاتاریوں کو شکست دی اور آٹھ سال بعد قبلائی خان کے نائب برقائی خان کو ہرات کے مقام پر شکست دی۔ بعد ازاں اس نے خوارزم اور ماوراء النہر کے علاقوں کو فتح کر کے اپنی قلمرو میں شامل کیا۔ 1277ء میں اس نے مصر پر فوج کشی کی مگر مصر کے فرمانروا بیبرس نے اسے شکست فاش دی۔

8.4 احمد تقودار (1281ء تا 1284ء):

اباقاخان کی وفات کے بعد ہلاکو خان کا دوسرا بیٹا احمد تقودار تخت پر بیٹھا، شروع شروع میں وہ مذہباً عیسائی تھا اور اس کا نام نکولس تھا۔ مگر بعد ازاں اس نے اسلام قبول کر لیا۔ اپنی حکمرانی کے عہد میں اس نے مسلمانوں کو اعلیٰ عہدوں پر مقرر کیا اور اسلام کی اشاعت میں ہر ممکن کوشش کی۔

احمد تقودار کی وفات کے بعد اباقاخان کا بیٹا اور ہلاکو کا پوتا ارغون خان تخت نشین ہوا۔

گیخاتو خان اباقاخان کا دوسرا بیٹا تھا جسے منگول امراء نے ارغون خان کی وفات کے بعد تخت پر بٹھایا۔ اس نے مسلمانوں

کے ساتھ اچھا سلوک کیا چنانچہ اس نے قطب الدین احمد کو قاضی القضاۃ اور صباح الدین خالد زنجانی کو اپنا وزیر اعظم مقرر کیا۔

8.5 بائیدو خان (1295ء تا 1295ء):

بائیدو خان کے تخت نشین ہوتے ہی ارغون خان کے بیٹے غازان خان نے مسلمان ہونے کے بعد بغاوت کر دی۔ بائیدو خان نے مصالحت کرنا چاہی مگر غازان خان نے فوجی جرنیلوں سے مل کر اسے معزول کر کے قتل کر دیا۔

بائیدو خان کی معزولی کے ساتھ ہی ایل خانی کے دور کا خاتمہ ہو گیا اس وقت تک ایل خانی حکمران چین کے ماتحت تھے لیکن غازان نے اسلام قبول کر کے مرکز سے اپنا تعلق توڑ دیا اور اپنی آزاد حکومت کے قیام کا اعلان کر دیا۔ اس کے عہد حکمرانی سے خود مختار ایل خان فرمانرواؤں کے دور کا آغاز ہوا۔

8.6 سلطان محمود غازان خان (1295ء تا 1304ء):

سلطان محمود غازان قد و قامت کے لحاظ سے معمولی آدمی تھا مگر مستقل مزاج اور ارادے کا پکا تھا۔ اس نے قبلائی خان کے حکم کی تعمیل سے انکار کرتے ہوئے کاغذ کا سکہ اپنی مملکت میں رائج نہ کیا۔ اسے حکمت اور سائنس سے خاصی دلچسپی تھی اس نے مزارعین کی حالت کو بہتر بنا کر زراعت کو ترقی دی۔ تجارت کو بھی فروغ دینے کی کوشش کی۔ اس نے اسلام قبول کر کے ایک اسلامی سلطنت کی بنیاد ڈالی۔

مسلمان حکمران ہونے کی حیثیت سے اس نے اپنی مملکت میں شعائر اسلام کو فروغ دینے کی کوشش کی غیر مسلموں کی ایسی عبادت گاہوں کو جو فساد کی جڑ تھی منہدم کرا دیا۔ تمام بغاوتوں اور شورشوں کا اس نے قلع قمع کر کے اپنی مملکت میں امن و امان قائم کیا۔

8.7 سلطان محمد خدابندہ الجایتو (1304ء تا 1316ء):

سلطان محمد خدابندہ نے تخت نشین ہوتے ہی اسلام کے شرعی اصولوں کی پابندی پر زور دیا اور تمام غیر شرعی رسول کو ختم کرنے کی کوشش کی اس کے متقیانہ رویئے کے باعث وہ تمام رعایا میں ہر دل عزیز ہو گیا۔ اس کے عہد میں مغلوں نے گیلان اور خراسان پر حملے کیے مگر ہر مرتبہ شکست کھائی، یورپی حکمرانوں سے اس کے تعلقات اچھے رہے۔ ہمسایہ سلطنتیں اس کے

رعب و دبدبہ کا سکہ مانتی تھیں، تیرہ برس حکومت کرنے کے بعد فوت ہوا اور سلطانیہ شہر میں مدفون ہوا۔

8.8 سلطان ابوسعید (1316ء تا 1335ء):

سلطان محمود خدابندہ الجاتیو کی وفات کے بعد اس کا لڑکا ابوسعید بارہ سال کی عمر میں تخت پر بیٹھا کم عمر ہونے کے باعث اس نے امیر چوپان کو مدارالمہام مقرر کیا۔

ازبک خان نے ایران پر فوج کشی کی۔ ابوسعید بھی اس کے مقابلے کیلیے روانہ ہوا مگر شروان پہنچ کر 1335ء میں فوت ہوگیا۔

8.9 سلطان ارپا خان (1335ء تا 1335ء):

ابوسعید کے لاولد فوت ہونے پر بعض امراء نے متفقہ طور پر تولائی خان کی اولاد کے ایک فرد ارپا خان کو تخت پر بٹھا دیا۔ نئے فرمانروا نے ازبک خان کے مقابلے کیلیے خوب تیاری کی مگر ازبک خان مقابلہ کئے بغیر واپس چلا گیا۔

8.10 سلطان موسیٰ خان (1335ء تا 1336ء):

موسیٰ خان نے تخت نشین ہوتے ہی امیر علی کو مدارالمہام کے عہدے پر فائز کیا۔ مگر بہت جلد امیر حسن جلائر نے موسیٰ خان پر حملہ کر کے اسے شکست دی۔ موسیٰ خان نے راہ فرار اختیار کر کے ضلع ہزارہ میں پناہ لینے کی کوشش کی لیکن وہاں گرفتار ہو کر مقتول ہوا۔

8.11 سیاسی انتشار کا دور (1336ء تا 1369ء):

موسیٰ خان کے بعد ایل خانی خاندان کے چھ فرمانروا گزرے جو ملک کے برائے نام حکمران تھے اور درحقیقت اپنے جرنیلوں کے ہاتھوں میں کٹھ پتلی تھے۔ ان کے عہد حکومت کی مدت تقریباً نو سال یعنی 1336ء سے 1344ء تک تھی۔ آخری ایل خانی فرمانروا نوشیروان تھا۔ اس کے عہد میں ملک میں خانہ جنگی کا بازار گرم رہا۔ اس خانہ جنگی سے خالص ایرانی امراء نے

فائدہ اٹھایا اور ملک کے مختلف حصوں میں انہوں نے خودمختار اور آزاد حکومتیں قائم کرلیں چنانچہ عراق میں خاندان جلائر، کرمان میں آل مظفر، ترکستان میں آل کرت اور فارس میں اتابکان فارس نے اپنی اپنی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد بنالی۔ آخر امیر تیمور نے اس سیاسی بدنظمی کا قلع قمع کرکے 1369ء میں ایک زبردست مرکزی حکومت کی بنیاد ڈالی۔

9۔ تیموری دورِ حکومت کا آغاز

9.1 امیر تیمور (1335ء تا 1405ء):

ماوراء النہر کے علاقے میں گورگان قبیلے کے تاتاریوں کے سردار امیر ترگئی کے گھر میں امیر تیمور 1335ء میں پیدا ہوا۔ چونکہ اس کا والد پارسا اور درویش صفت انسان تھا۔ اس لئے اس نے اپنے بیٹے کو مذہبی تعلیم دلوائی۔ والد کی وفات کے بعد وہ اپنے قبیلے کا سردار بنا مگر حوادث زمانہ کے باعث اسے سمرقند سے بھاگنا پڑا۔ کچھ مدت تک وہ صحرانورد رہا آخر قسمت نے یاوری کی اور وہ سلطان حسین کو مغلوب کرکے ماوراالنہر کے علاقے پر قابض ہوگیا اگلے چند سالوں میں اس نے خراسان، ہرات، طوس، سمرقند اور بخارا وغیرہ کے علاقوں کو فتح کرلیا۔ ان فتوحات پر اکتفا نہ کرتے ہوئے اس نے 1391ء تک سیستان، ماژندان، آذربائیجان، گرجستان، فارس اور اصفہان کے اہم مقامات کو تسخیر کرنے کے علاوہ روس کے اکثر حصے کو تباہ کردیا۔ اپنی فتوحات میں مزید اضافہ کرنے کی غرض سے اس نے ہندوپاک پر حملہ کرکے دہلی تک سارے علاقے کو تہہ وبالا کردیا۔ 1400ء میں اس نے شام کے ملک کو فتح کیا اگلے سال اس نے آل جلائر کے شہزادے سلطان احمد سے بغداد کو فتح کرکے وہاں خوب تباہی مچائی۔ 1402ء میں ترکی کے عثمانی حکمران سلطان بایزید سے انگورہ کے مقام پر جنگ کی جس میں بایزید شکست کھا کر قید ہوگیا۔ تیمور نے اپنے شاہی قیدی سے اچھا سلوک کیا۔ مگر بایزید کی شکست سے مسلمانوں کو ناقابل تلافی نقصان پہنچا کیونکہ بایزید کی شکست کے باعث یورپ میں مسلمانوں کی پیش قدمی رک گئی اور یورپی اقوام نے اطمینان کا سانس لیا۔ کہتے ہیں کہ تیمور کو بعدازاں اپنی مذموم حرکت کا بہت احساس ہوا اور اس ندامت کے داغ کو مٹانے کی خاطر وہ 1405ء میں چین پر حملہ کرنے کی بہت ارادہ سے روانہ ہوا۔ مگر راستے میں بڑھاپے اور سفر کی تھکن کے باعث مر گیا۔

تیمور فطرتاً ظالم اور پرلے درجے کا سفاک تھا۔ انسانی خون سے ہولی کھیلنے میں اسے بہت لطف آتا تھا۔ مگر ان

باتوں کے باوجود وہ غیر معمولی حافظہ اور قوت ارادی کا مالک تھا اپنی فطرتی صلاحیتوں کے باعث اس نے بعض اوقات خطرناک مہمیں سرکیں۔فوج پر اس کا پورا پورا کنٹرول تھا۔ڈسپلن اور تنظیم کے لحاظ سے اس کی فوج کو ایشیائی حکمرانوں کی فوجوں پر برتری حاصل تھی۔ ماسکو تک روسی علاقے کی تسخیر اور سلطان بایزید یلدرم پر مکمل فتح حاصل کرنے کے باعث اس کا شمار دنیا کے بڑے فاتحوں میں ہوتا ہے۔

9.2 شاہ رخ مرزا (1405ء تا 1447ء):

امیر تیمور کے بیٹوں میں شاہ رخ مرزا سب سے قابل تھا۔انتظامی قابلیت کے لحاظ سے بھی وہ ایک اچھا حکمران اور کامیاب جرنیل ثابت ہوا۔اپنے والد کی زندگی میں خراسان کا گورنر رہ چکا تھا۔زمام سلطنت کو سنبھالنے کے بعد اس نے اپنے والد کے برباد کردہ شہروں اور قصبوں کو از سر نو آباد کیا۔

9.3 الغ بیگ (1448ء تا 1451ء):

اپنے والد کا جانشین ہونے سے پہلے الغ بیگ تقریباً انتالیس برس تک ماوراالنہر کے علاقے کا گورنر رہ چکا تھا۔اس کا یہ عہد گورنری سمرقند کیلئے سنہری زمانہ تھا۔خود مختار حکمران بننے کے بعد بھی اس نے اپنی شاندار روایات کو قائم رکھا۔یہ بادشاہ بذات خود عالم و فاضل تھا اور علماء کا قدردان تھا اس نے علم نجوم پر کئی کتابیں تصنیف کیں جن سے مشرق و مغرب کے ہیئت دان یکساں طور پر مستفید ہوئے اس نے سمرقند میں ایک عظیم الشان رصدگاہ بنوائی۔اس کی کتابوں کا ترجمہ 1650ء میں پروفیسر جان گریو نے لاطینی زبان میں کیا۔اس نے ایک نیا کیلنڈر بھی رائج کیا جو اس وقت تک ایران میں جاری ہے۔تھوڑے دنوں کے بعد اس کے بیٹے عبداللطیف نے بغاوت کر کے اپنے عظیم باپ کو قید کر لیا اور بعدازاں اسے فنا کے گھاٹ اتار دیا۔

9.4 عبداللہ بن ابراہیم شاہ رخ (1452ء تا 1459ء):

عبداللطیف کو تخت نشین ہوئے ابھی ایک سال گزرا تھا کہ اسے ایک شخص بابا حسین نے قتل کر دیا۔اس کے بعد عبداللہ بن ابراہیم بن شاہ رخ نے عنان حکومت سنبھالی اور اس نے سات سال حکومت کی۔اس کے عہد میں کوئی قابل ذکر واقعہ نہ ہوا۔

oooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooooo

9.5 ابوسعید(1459ء تا1467ء):

اپنی تخت نشینی کے بعد عبداللطیف نے ابوسعید سلطان محمد بن میراں شاہ کو زندان جیل میں ڈال دیا تھا مگر وہ جیل خانے سے نکل کر بخارا کی طرف فرار ہوگیا۔عبداللطیف کی موت کے بعد وہ اپنے حامیوں کے بل بوتے پر ترکستان پر قابض ہوگیا۔عبداللہ بن ابراہیم شاہرخ کی وفات کے بعد ابوسعید نے حصول تخت کیلئے تگ ودو شروع کر دی۔اس سلسلے میں اسے اپنے چچیرے بھائی ابوبکر سے جنگ کرنی پڑی چنانچہ ازبکوں کی مدد سے اس نے ابوبکر کو شکست دے کر اسے قتل کر دیا اور خود تخت پر بیٹھ گیا۔تخت نشینی کے مسئلہ کو کامیابی سے حل کرنے کے بعد ابوسعید کے حوصلے بڑھ گئے اس نے 1465ء تک افغانستان اور ماوراءالنہر کے علاقوں پر قبضہ کرلیا۔دوسال بعد یعنی 1467ء میں اس نے آذربائیجان پر حملہ کیا مگر ترکمانوں کے سردار ازون حسین کے ہاتھوں شکست فاش کھا کر گرفتار ہوگیا۔بعدازاں ترکمانی سردار موصوف نے اسے شاہ رخ کے بیٹے یادگار مرزا کے سپرد کر دیا۔جس نے اسے خاندانی رقابت کی بنا پر فنا کے گھاٹ اتار دیا۔

9.6 احمد بن سعید بن سلطان محمد(1467ء تا1483ء):

ابوسعید کے بعد اس کا بڑا بیٹا احمد تخت نشین ہوا اس کے عہد میں جا بجا بغاوتیں ہوئیں اور جنوبی حصے آزاد ہو گئے تیمور سلطنت کی حدود دن بہ دن سمٹتی چلی گئی۔سولہ سال حکومت کرنے کے بعد یہ حکمران اس جہان فانی سے رخصت ہوگیا۔

9.7 محمود بن سعید بن محمد(1483ء تا1489ء):

احمد بن سعید کی وفات کے بعد اس کا بھائی محمود بن سعید تخت پر بیٹھا مگر چھ سال حکومت کرنے کے بعد اسے ایک ازبک شخص شیبانی خان نے قتل کر دیا۔

9.8 سلطان حسین بن منصور بن بالقرا(1489ء تا1494ء):

1456ء میں سلطان حسین نے ابوسعید کے عہد میں استرآباد میں اپنی خودمختاری کا اعلان کر دیا تھا۔اس کے بعد وہ ملک کی افراتفری سے فائدہ اٹھا کر ہرات پر 1466ء میں قابض ہوگیا تھا۔پھر بابر کے ساتھ مل کر اس نے 1489ء میں

ازبک سردار شیبانی کے لڑائی بھی لڑی جس کا ذکر بابر نے توزک بابری میں بڑے اچھے الفاظ میں کیا ہے۔ محمود کے قتل کے بعد یہ جری شخص تیموری خاندان کی بچی کھچی سلطنت کا بادشاہ بن گیا۔ 1494ء میں اس پر فالج گرا اور ایسی بیماری کے عالم میں وہ اس جہان فانی سے رخصت ہوا اور اس کے مرنے کے ساتھ ہی تیموری خاندان کا چراغ ہستی گل ہو گیا۔

10۔ حکومت صفویہ

تیموریوں کے بعد ایران میں جس حکومت نے عروج حاصل کیا وہ دولت صفویہ کہلاتی ہے۔ اس حکومت کا بانی شاہ اسمٰعیل ایک بزرگ شیخ اسحاق صفی الدین متوفی 1334ء کی اولاد میں سے تھا۔ چنانچہ ان ہی بزرگ کی نسبت سے یہ خاندان صفوی کہلاتا ہے۔ شیخ صفی الدین کے بارے میں دعویٰ کیا جاتا ہے کہ وہ امام موسیٰ کاظم کی اولاد میں سے تھے جو شیعی فرقہ اثناء عشری کے ساتویں امام ہیں لیکن اس دعوے کا کوئی ثبوت نہیں ہے۔ یہ خاندان دراصل ترکی النسل تھا۔ شیخ صفی الدین اور ان کے بیٹے صدر الدین سنی عقائد رکھتے تھے لیکن ان کے پوتے خواجہ علی نے شیعی مذہب اختیار کر لیا۔ رسول خدا کے خاندان سے تعلق رکھنے کی وجہ سے شیخ صفی الدین کے گھرانے کا لوگوں میں بڑا احترام تھا تیمور نے بایزید عثمانی پر فتح پانے کے بعد خواجہ علی (1392ء تا 1427ء) کو آذربائیجان میں شہر اردبیل اور اس کے نواح کا علاقہ دے دیا تھا۔ بعد میں خواجہ علی کے پوتے شیخ جنید (1427ء تا 1456ء) اور پڑپوتے شیخ حیدر (1456ء تا 1488ء) نے گوشہ نشینی چھوڑ کر تلوار سنبھالی یہ دونوں شاہ شروان سے جنگ کرتے ہوئے مارے گئے۔

10.1 شاہ اسمٰعیل:

تیموریوں کے زوال کے بعد سولہویں صدی کے آغاز میں ایران تقریباً دس چھوٹی چھوٹی حکومتوں میں تقسیم ہو گیا تھا۔ اس میں سب سے طاقتور حکومت آق قویونلو ترکمانوں کی تھی اور تبریز سے دیار بکر تک کا علاقہ ان کے قبضے میں تھا۔ شاہ اسمٰعیل جس وقت تخت پر بیٹھا ہے تو اس کی عمر اپنے ہم عصر بابر کی طرح صرف سترہ سال تھی لیکن اس نے کم عمری کے باوجود حالات کا مقابلہ غیر معمولی ذہانت اور شجاعت سے کیا۔ باکو اور شروان کو فتح کرنے کے بعد شاہ اسمٰعیل نے 1499ء میں تبریز پر قبضہ کر کے آق قویونلو حکومت کا خاتمہ کر دیا۔

1503ء تک اسمٰعیل نے جنوب میں شیراز اور یزد تک، مشرق میں استرآباد تک اور مغرب میں بغداد اور موصل تک اپنی سلطنت کی حدوں کو بڑھا دیا۔ ہرات میں تیموری حکمران حسین بائیقرا کے انتقال کے بعد شیبانی خان ازبک ہرات اور خراسان پر قابض ہو گیا تھا۔ 1510ء میں مرو کے قریب طاہر آباد میں شیبانی خان اور شاہ اسمٰعیل میں سخت جنگ ہوئی جس میں ازبکوں کو شکست ہوئی اور شیبانی خان مارا گیا۔ ازبکوں کی شکست کے بعد خراسان بھی اسمٰعیل کے قبضے میں آ گیا۔ اب وہ ایران، عراق اور شروان کا بلا شرکت غیرے مالک تھا اور اس کی طاقت اپنے نقطہ عروج تک پہنچ گئی تھی۔

شاہ اسمٰعیل کو اس کی فتوحات نے غرور میں مبتلا کر دیا۔ اس نے ایک عثمانی شہزادہ مراد کو پناہ دی اور سلطان سلیم عثمانی کو تخت سے اتار کر شہزادہ مراد کو اس کی جگہ تخت پر بٹھانے کی تیاریاں شروع کر دیں۔ شاہ اسمٰعیل کی اس ناعاقبت اندیشی نے اس کو سلطان سلیم سے ٹکرا دیا۔ ایران اور ترکی کی موجودہ سرحد پر ترکی کی حدود میں واقع ایک مقام چالدران کے پاس 1514ء میں دونوں میں خونریز جنگ ہوئی۔ ایرانیوں نے بڑی شجاعت سے ترکوں کا مقابلہ کیا۔ ترکوں کی کثرت تعداد، توپ اور آتشیں اسلحہ اور سلطان سلیم کی برتر فوجی مہارت کے سامنے ایرانی بے بس ہو گئے۔ ان کو شکست فاش ہوئی۔ 25 ہزار ایرانی مارے گئے اور شاہ اسمٰعیل زخمی ہو کر فرار ہونے پر مجبور ہوا۔ سلطان سلیم نے آگے بڑھ کر دارالحکومت تبریز پر بھی قبضہ کر لیا۔ سلیم کی واپسی پر تبریز اور آذربائیجان تو صفوی سلطنت کو واپس مل گئے، لیکن دیار بکر اور مشرقی ایشیائے کوچک کے صوبے ہمیشہ کیلئے صفویوں کے ہاتھ سے نکل گئے۔

اسمٰعیل صفوی سے ایران میں ایک نئے دور کا آغاز ہوتا ہے جسے ایران کا شیعی دور کہا جا سکتا ہے۔ اس سے قبل ایران کے بعض حصوں پر شیعہ خاندان کبھی کبھی حکمران رہے تھے۔

10.2 طہماسپ (1524ء تا 1576ء):

اسمٰعیل صفوی کا لڑکا طہماسپ جب تخت پر بیٹھا تو اس کی عمر صرف دس سال تھی اس کا دور بڑا ہنگامہ خیز تھا۔ 1525ء سے 1540ء تک خراسان ازبکوں کے حملوں کا نشانہ بنا رہا اور اس مدت میں شیبانی خان کے لڑکے جنید خان نے چھ حملے کئے جن سے ہرات اور مشہد وغیرہ کو بہت نقصان پہنچا۔ مغرب میں عراق کو ترکوں نے ایرانیوں سے چھین لیا اور تبریز اور ہمدان پر ترک کئی برس تک قابض رہے۔ ان تمام حملوں کے باوجود یہ طہماسپ اور ایرانیوں کی صلاحیت کا بہت بڑا ثبوت ہے کہ انہوں نے ناسازگار حالات کے باوجود باقی ایران میں امن و امان قائم رکھا اور جارجیا یا گرجستان کے عیسائیوں کے خلاف سات مہمیں بھیجیں اور گرجستان پر ایرانی قبضہ برقرار رکھنے میں کامیاب ہوا۔

طہماسپ کے جانشینوں شاہ اسمٰعیل ثانی اور محمد خدا بندہ کا دور غیر اہم ہے اور ان میں سے کوئی طہماسپ جیسی صلاحیت کا مالک نہیں تھا۔ ان کے زمانے میں خراسان، ازبکوں کے اور مغربی ایرانی عثمانیوں کے حملوں کا نشانہ بنا رہا اور اندرون ملک بھی بدامنی رہی۔

10.3 عباس اعظم (1587ء تا 1629ء):

عباس اعظم کا دور خاندان صفویہ کا عہد زرین ہے محمد خدابندہ کے بعد جب وہ ایران کے تخت پر بیٹھا تو اس عمر صرف سترہ سال تھی۔ ایران کے شال مغربی حصوں پر عثمانی ترک قابض تھے اور مشرق میں خراسان ازبکوں کے قبضے میں تھا یا ان کی تاخت و تاراج کا ہدف بنا ہوا تھا اندرون ملک بھی بدامنی تھی اور صوبوں کے امراء سرکشی اختیار کئے ہوئے تھے۔ عباس نے اس صورت حال کا بڑے تدبر اور ہوشیاری سے مقابلہ کیا۔ اس نے سب سے پہلے ترکوں سے معاہدہ کر لیا اور آذر بائیجان، گرجستان اور لرستان کا ایک حصہ ترکوڈ کے حوالے کر دیا۔ شاہ اسمٰعیل کے زمانے سے ایران میں اصحاب کرام پر تبرا بھیجنے کی جو قبیح رسم چلی آ رہی تھی۔ اس کو بھی بند کرا دیا اور اس طرح عثمانی ترکوں کو ایک حد تک مطمئن کر دیا۔ مغربی سرحد سے مطمئن ہونے کے بعد شاہ عباس نے خراسان کی طرف توجہ کی۔ ازبکوں کا طاقتور حکمران عبداللہ خان 1598ء میں مر چکا تھا، اس لئے شاہ عباس نے اسی سال آسانی سے ازبکوں کو خراسان سے نکال دیا اور صفوی سلطنت کی حدود ہرات اور مرو تک وسیع کر دیں۔

10.4 عباس اعظم کے دور میں اہم تہذیبی اقدامات

شاہ عباس کے زمانے میں فنون لطیفہ نے خاص طور پر فن تعمیر اور فن مصوری نے بہت ترقی کی۔ دارالحکومت اصفہان کو بڑی ترقی دی گئی اور شاندار عمارتیں بنائی گئیں۔ شروع میں صفویوں کا دارالحکومت تبریز تھا، لیکن وہ ہمیشہ عثمانی ترکوں کی زد میں رہتا تھا۔ اس لئے عباس اعظم نے ایران کے بیچ میں اصفہان کو دارالسلطنت بنایا۔ اصفہان کی آب و ہوا بڑی صحت بخش ہے۔

عباس اعظم نے اس کو اتنی ترقی دی کہ لوگ اس کو اصفہان نصف جہان کہنے لگے۔ اس زمانہ میں اصفہان کی آبادی پانچ لاکھ کے قریب تھی۔ یہ کوئی زیادہ آبادی نہیں تھی۔ بغداد، قرطبہ اور تبریز کا حال تم پڑھ چکے ہو، وہ سب اصفہان سے زیادہ بڑے شہر تھے۔ اور جس زمانہ میں اصفہان نصف جہان کہلاتا تھا، اس زمانہ میں پاکستان اور بھارت بلکہ یورپ تک میں ایسے

بڑے بڑے شہر بن گئے تھے جو اصفہان کے برابر بلکہ اس سے بھی بڑے تھے۔ ایسی صورت میں اصفہان کو آدھی دنیا کہنا عجیب بات ہے، لیکن پھر بھی ہم یہی کہیں گے کہ ایرانی ٹھیک ہی کہتے تھے۔ اس لئے کہ اؤلؔ تو آب و ہوا کے لحاظ سے اصفہان بڑی اچھی جگہ ہے اس لحاظ سے دنیا کے کم شہر اس کا مقابلہ کر سکتے ہیں، دوسرے یہ کہ اصفہان بڑی خوبصورتی سے آباد کیا گیا تھا۔ تیسرے یہ کہ یہاں جیسی شاندار عمارتیں تھیں ابھی نہیں بنی تھیں۔ عباس اعظم نے اصفہان میں جو عمارتیں بنوائی تھیں ان میں جامع مسجد، قصر چہل ستون، زندہ رودندی کے دو پل اور چہار باغ بہت مشہور ہیں۔ یہ عمارتیں آج بھی اصفہان کی سب سے زیادہ پرشکوہ عمارتیں ہین۔

شاہ عباس اگر چہ ایک کامیاب اور سمجھدار حکمران تھا، لیکن اعظم کا لقب اس کو زیب نہیں دیتا وہ انتہائی ظالم اور شکی مزاج حکمران تھا۔ اس نے محض شک میں اپنے ایک لڑکے کو قتل اور دو کو اندھا کروا دیا۔ مورخین نے لکھا ہے کہ اس کے دور میں پانچ سو جلا دلوگوں کو قتل کرنے کیلئے ہمہ وقت تیار رہتے تھے، وہ بدترین مستبد حکمران تھا۔

عباس اعظم کے بعد صفوی خاندان میں چار حکمران اور ہوئے، عباس کا جانشین شاہ صفی (1629ء تا 1641ء) نہایت ظالم اور سفاک تھا اس کے عہد میں (1634ء) بغداد پر ترکوں نے اور (1638ء) قندہار پر دہلی کے تیموریوں نے قبضہ کر لیا۔ اگر چہ خراسان پر ازبکوں کے حملے اس نے کامیابی سے پسپا کر دیئے۔

عباس دوم (1641ء تا 1668ء) کے عہد میں ایران کو پھر خوشحالی نصیب ہوئی۔ رعایا کے ساتھ اس کا سلوک منصفانہ تھا، اس نے 1649ء میں قندہار پھر واپس لے لیا۔ اس کا جانشین سلیمان (1668ء تا 1694ء) اپنے باپ کی پالیسی پر چلتا رہا اور اس کا دور عہد صفوی کا آخری پرامن دور تھا۔

سلیمان کے بعد صفویوں کا زوال شروع ہو گیا۔ آخری حکمران شاہ حسین (1694ء تا 1722ء) نا اہل ثابت ہوا۔ شیعہ علماء کے زیر اثر آ کر اس نے سنیوں پر مظالم کیے جس کا نتیجہ افغانوں کی بغاوت کی شکل میں نکلا۔ قندہار کے افغانوں نے دہلی کے مغلوں سے بچنے کیلئے خود کو ایران کی حفاظت میں دے دیا تھا، لیکن جب ایرانیوں نے ان پر سختی کی تو انہوں نے اپنے ایک سردار امیر ادریس کی قیادت میں آزادی کا اعلان کر دیا۔ 1715ء میں ادریس کے انتقال کے بعد اس کے جانشین امیر محمود نے ایران پر حملہ کر دیا اور 1722ء میں اصفہان پر قبضہ کر کے صفوی سلطنت کا خاتمہ کر دیا۔

11۔ افشار دور

11.1 نادر شاہ افشار (1736ء تا 1747ء):

نادرشاہ کا والد امام قلی گذر ریا تھا چونکہ وہ ایک کمزور قبیلے قریقلو کا ایک معمولی فرد تھا۔اس لئے اپنی بقا اور تحفظ کی خاطر اس نے ایک طاقت ور قبیلے افشار سے تعلق پیدا کرلیا۔اپنی عمر کے ابتدائی سالوں میں نادرقلی اپنی بھیڑوں کا ریوڑ چرایا کرتا تھا۔ اٹھارہ سال کی عمر میں اسے اور اس کی والدہ کو ازبک حملہ آوروں نے گرفتار کر کے غلام اور لونڈی بنالیا۔بحالت اسیری اس کی والدہ کا چوتھے سال انتقال ہوگیا مگر نادرقلی نے خراسان کی طرف راہ فرار اختیار کر کے ابیورد کے گورنر بابا علی بیگ احمد اللہ افشار کی ملازمت اختیار کرلی۔ کچھ عرصہ بعد نادرقلی ملک محمود کیانی کا ملازم ہوگیا۔اپنی ذکاوت اور قابلیت سے اس نے محمود کو اتنا متاثر کیا کہ مؤخرالذکر نے اپنی لڑکی کی شادی نادر سے کردی جس سے رضاقلی پیدا ہوء۔

باباعلی بیگ کی وفات کے بعد نادر ابیورد کا گورنر مقرر ہوا،محمود کی فوجوں کے سپہ سالار ہونے کی حیثیت سے نادر نے کئی مرتبہ ازبکوں کو شکستیں دیں۔نادر کی بڑھتی ہوئی طاقت سے خائف ہوکر محمود نے نادر کو اپنی ملازمت سے برطرف کردیا۔نادر نے آزاد ہوکر ڈاکے ڈالنے شروع کردیئے۔اس کی جوانمردی سے متاثر ہوکر بہت سے منچلے اور بہادر افراد اس کے گرد جمع ہوگئے۔اس طرح نادر نے ایک باقاعدہ فوج مناظم کرلی اور قلات ونیشاپور کے مقامات کو فتح کرلیا۔نیشاپور کی تسخیر کے بعد نادرقلی نے طہماسپ کی بادشاہی کا اعلان کروادیا۔طہماسپ کے سرپرست کی حیثیت سے نادرقلی نے مشہد کو فتح کر کے ملک محمود کو قتل کروادیا۔طہماسپ نے نادر کی فوجی خدمت سے خوش ہوکر اسے نہ صرف سلطان کا خطاب دیا بلکہ خراسان،کرمان،ماژندان اور سیستان کے علاقے بھی اس کے تصرف میں دے دیئے نادرقلی نے اپنے نام کے سکے اپنے علاقوں میں رائج کردیئے۔

شاہ عباس دوم کی اچانک موت کے بعد ارا کین سلطنت نے ''نوروز'' کے موقع پر تخت ایران نادر کو پیش کیا۔نادر ایک ماہ تک روزانہ تخت ایران کو قبول کرنے سے انکار کرتا رہا۔لیکن بعدازاں وہ اس شرط پر ایران کے تخت کو قبول کرنے پر رضا مند ہوا کہ ایران میں شیعہ لوگ امام جعفر صادق کو فقہی امام تسلیم کریں اور سلطنت کا سرکاری مذہب شیعہ مذہب کی بجائے سنی مذہب کو تسلیم کیا جائے۔اس کے بعد نادر شاہ کی رسم تاجپوشی بڑے دھوم دھام سے منائی گئی۔

11.2 باغی قبائل کی سرکوبی:

رسم تاج پوشی کے بعد نادر شاہ نے بختاریوں اور دیگر باغی قبائل کے خلاف فوج کشی کی۔ بعض بختاری قبائل نے بخوشی اطاعت قبول کر لی۔ باغی قبائل کی سرکوبی کے بعد ان کے تین ہزار کنبوں کو خراسان میں آباد کیا۔ ان کے کافی نوجوانوں کو اپنی فوج میں بھرتی کرنے کے بعد علاوہ بعض قبیلوں کو زرخیز زمینیں دیں۔ ان مدبرانہ تدابیر کے باعث قبائلیوں سے بغاوت کا خطرہ ہمیشہ کیلئے دور ہو گیا۔

11.3 افغانستان سے جنگ (1737ء تا 1738ء):

جب 1737ء میں نادر شاہ نے قندھار پر فوج کشی کی تو حسین نے قلع بند ہو کر مقابلے کی ٹھانی، پورے ایک سال کی جدوجہد کے بعد قندھار فتح ہوا حسین گرفتار ہو کر قیدی کی حیثیت سے ماژندان میں رکھا گیا۔ تحمل و بردباری سے کام لیتے ہوئے نادر شاہ نے قندہار کے باشندوں کو معاف کر دیا اور افغانوں کو فوج میں بھرتی کیا جو بعد ازاں اس کے بڑے جان نثار سپاہی ثابت ہوئے۔

11.4 رضا قلی مرزا کی مہم:

چونکہ حاکم بلخ نے حسین والی قندھار سے ساز باز کی تھی۔ اس لئے اس جرم کی پاداش میں نادر شاہ کے لڑکے رضا قلی نے اس کے خلاف فوج کشی کی۔ تین شبانہ روز کی فوجی جدوجہد کے بعد بلخ کو رضا قلی مرزا نے فتح کر لیا اور اس کے بعد ازبکوں کی چالیس ہزار فوج کو شکست دی، لیکن نادر شاہ نے اپنے بیٹے کو مزید جنگی کارروائیوں کو جاری رکھنے سے روک دیا اور اسے واپس بلا لیا۔

11.5 برصغیر پر حملہ:

فتح قندہار کے بعد نادر شاہ نے اپنا ایلچی محمد خان کو ہندوستان میں سلطنت مغلیہ کے بادشاہ کی خدمت میں اس غرض سے بھیجا کہ قندھار سے بھاگے ہوئے افغانوں کو کابل یا برصغیر میں پناہ نہ دی جائے مگر دربار دہلی میں گروہ بندیوں کے باعث

انتشار پھیلا ہوا تھا۔ اس لئے ایک سال کے بعد دربار دہلی سے محمد خان ایلچی کو کسی قسم کا جواب دیئے بغیر واپس رخصت کر دیا۔

نادر شاہ نے سارے افغانستان کو فتح کرنے کے بعد ہندوستان کا رخ کیا۔ پنجاب کے حاکم زکریا خان نے دربار دہلی سے امداد مانگی مگر وہاں کوئی شنوائی نہ ہوئی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ نادر شاہ با آسانی پشاور اور لاہور پر قبضہ کرنے کے بعد دہلی کی طرف پیش قدمی کرتا ہوا کرنال تک پہنچ گیا۔ اسی مقام پر مغل فوجوں اور نادر شاہ کی فوجوں کے درمیان جنگ ہوئی۔ جس میں مغل فوج کو کامل شکست ہوئی محمد شاہ رنگیلے نے مزید مقابلہ بے سود سمجھ کر صلح کر لی۔ بوقت ملاقات نادر شاہ نے محمد شاہ کو مطلع کیا کہ اس نے ساری مہم کے دوران کپڑے نہیں بدلے اور بطور ثبوت جب اس نے اپنی شاہی قبا کو ہٹایا تو نیچے چیتھڑے تھے۔

11.6 نادر شاہ کا قتل (1747ء):

نادر کی سخت گیرانہ پالیسی کے باعث اس کے امراء تنگ آ گئے، سب سے پہلے اس کے بھتیجے علی قلی خان نے سیستانیوں کی مدد سے اس کے خلاف علم بغاوت کی۔ اس کے بعد کردوں نے بھی علم بغاوت بلند کیا۔ ان بغاوتوں کو دبانے کیلئے نادر شاہ بذات خود روانہ ہوا۔ راستے میں ہی ایک رات محمد صالح اور محمد علی قلی خان افشاریوں نے اس کے خیموں میں داخل ہو کر اسے قتل کر دیا۔

نادر شاہ ایک پیدائشی قائد تھا غیر معمولی قیادت کی صلاحیتیں اس کی فطرت میں قدرت کی طرف سے ودیعت کی گئی تھیں۔ اس کا قد چھ فٹ اور چہرے کی رنگ سیاہی مائل تھی اس کی آواز میں بادل کی کڑک اور آنکھوں میں خوف ناک چمک ہویدا تھا۔ شروع شروع میں وہ سخی تھا مگر دہلی فتح کے بعد وہ از حد کنجوس ہو گیا۔ دیگر عالمگیر فاتحوں کی طرح وہ ایک خونخوار اور ظالم انسان تھا۔ اس کے فوجی قابلیت کے دوست و دشمن قائل تھے۔ عظیم الشان فتوحات کی بدولت ایران کی شہرت کو اس نے چار چاند لگا دیئے اور صفوی حکمرانوں کے مقابلے میں اس نے ایران کی سلطنت کو وسیع تر کر دیا۔ نادر شاہ پہلا ایرانی حکمران تھا جس نے بحری طاقت کی اہمیت کو سمجھتے ہوئے بحری جہازوں کے بنانے کا حکم دیا۔ چنانچہ 1743ء میں ایلٹن کو جمال بیگ کا خطاب عنایت کر کے سمندری جہازوں کی تیاری اس کے سپرد کی۔ چنانچہ ایلٹن نے ہندوستانی اور روسی کاریگروں کی مدد سے کئی جہاز تیار کرائے اور ان میں موٹے کپڑے کی بادبان ایران ہی میں تیار کرا کے لگائے گئے مگر نادر شاہ اور ایلٹن کی موت کے باعث ایران کے بحری بیڑے کی تیاری کا منصوبہ ادھورا رہ گیا۔ اپنے ہونہار بیٹے کو اندھا کرانے کے بعد نادر شاہ کے مزاج میں چڑچڑا پن پیدا ہو گیا تھا اس نے امرا کو ظلم کا نشانہ بنانا شروع کر دیا تھا اور رعایا پر بھی سختی شروع کر دی تھی۔ چنانچہ فتح دہلی کی خوشی کے سلسلے میں اس نے تین سال کا لگان معاف کر دیا تھا مگر

بعدازاں اس نے اسی لگان کو دوبارہ وصول کرنے کا حکم دیا ان باتوں کی وجہ سے وہ بہت بدنام ہو گیا۔ اگر نادر شاہ فتح دہلی یا خیوا کی مہم کے بعد مر جاتا تو آج اسے ایران کے قومی ہیرو کی حیثیت سے یاد کیا جاتا۔ نادر شاہ کے بعد اس خاندان کے دو حکمران عادل شاہ اور شاہ رخ حکمران ہوئے اور 1750ء میں اس خاندان کا خاتمہ ہو گیا۔

12۔ ژندیہ خاندان کی حکومت

کریم خان ژند کے والد کے نام ایماق ژند تھا جس کا تعلق قبیلہ ''لک'' کی شاخ ژند سے تھا، وہ شروع شروع میں نادر شاہ کی فوج میں ایک بلند مرتبہ فوجی افسر بن گیا، نادر شاہ کی حکومت ختم ہونے کے بعد اس نے حکومت پر قبضہ کر کے ژند خاندان کی بنیاد ڈالی۔ بعدازاں امور سلطنت میں وہ ایک منصف مزاج اور سنجیدہ حکمران ثابت ہوا، انصاف اور رحمدلی کے اوصاف کی بدولت اس نے رعایا کے دل موہ لئے اس نے اپنی دانشمندانہ حکمت عملی کی بدولت ایران کو ایک مرتبہ پھر مضبوط اور طاقتور حکومت بنا دیا۔

کریم خان کی وفات کے بعد اس خاندان کے مزید پانچ حکمرانوں نے ایران پر حکومت کی جن کے نام ذکی خان، علی مراد، شیخ اویس جعفر اور لطف علی خان تھے، آخر یہ خاندان بھی اپنی اندرونی کمزوری اور تخت نشینی کی لڑائیوں کی وجہ سے صفحہ ہستی سے مٹ گیا۔

13 قاچار خاندان (1794ء تا 1925ء)

نسل کے لحاظ سے قاچاری قبیلہ کے لوگ ترکی تھے اور دو شاخوں میں بٹے ہوئے تھے۔ ایک شاخ کو مرو کا علاقہ اور دوسری شاخ کو جارجیا کا علاقہ دیا۔ ان میں سے ایک شاخ کو یاخیاری باش اور دوسری شاخ کو اشاغا باش یعنی ادنی و اعلیٰ کہتے تھے ان کو رہائش کیلئے گرگان کا علاقہ تفویض کیا۔

اسی قبیلہ کا تعلق قزلباشیوں سے تھا جنہوں نے صفویوں کو ایران کی حکومت حاصل کرنے میں امداد دی تھی۔ فتح علی خان شاہ طہماسپ کا سپہ سالار بننے تک اعلیٰ شاخ کا سردار تسلیم کیا جاتا تھا گو اسے دونوں شاخوں کی مشترکہ سربراہی بھی حاصل تھی۔

نادر شاہ کے عہد میں یہ قبیلہ کچھ کمزور رہا۔ نادر شاہ کے حکم سے جب فتح علی خان قتل ہوا تو اس کے لڑکے محمد حسین خان نے راہ فرار اختیار کی اور ترکمانوں کی مدد سے استر آباد کے علاقوں پر قبضہ کر لیا۔ نادر شاہ کی وفات کے بعد اس نے احمد شاہ کو شکست دے کر بحیرہ خزر کے صوبوں پر اپنا تسلط جما لیا۔ رفتہ رفتہ یہ قبیلہ ماژندان اور جنوبی ایران کے علاقوں پر چھا گیا آخر محمد حسین خان کے لڑکے محمد خان نے ژندیہ خاندان کے آخری بادشاہ لطف علی خان کو شکست دے کر 1794ء میں ایک آزاد اور خود مختار حکومت قائم کر کے قاچار خاندان کی بنیاد ڈالی۔

13.1 آغا محمد خان قاچار (1794ء تا 1797ء):

قاچار خاندان کا پہلا فرمانروا ایک بدصورت، کریہہ المنظر اور دبلا پتلا انسان تھا۔ وہ ایک سفاک، جفا جو اور کینہ پرور شخص تھا روپیہ جمع کرنے کا اسے بہت حرص تھا روپیہ بٹورنے کی خاطر بسا اوقات وہ مجرموں کو ان کے دشمنوں کے ہاتھوں من مانی قیمت پر بیچ ڈالتا تھا۔ ان باتوں کے باوجود وہ ایک کامیاب حکمران ثابت ہوا۔ اس کے عہد میں ایران میں انتہائی امن و امان قائم رہا۔ اپنے انتظام سلطنت کو مستحکم کرنے کی خاطر اس نے اپنے تمام دشمن قاچار سرداروں کو معاف کر دیا اور اپنی فوج کے سرداروں کو بھی خوش رکھا۔ ظالم اور کینہ پرور ہونے کے باوجود وہ بوقت ضرورت عفو و درگزر اور رحم دلی سے کام لیتا تھا اور اسی میں اس کی کامیابی کا راز تھا۔

13.2 فتح علی شاہ قاچار (1797ء تا 1835ء):

چچا کی وفات کے وقت فتح علی شاہ فارس کا گورنر تھا جسے اسے چچا کی وفات کا علم ہوا تو اس نے تہران پہنچ کر حاجی ابراہیم کی کوششوں کی بدولت اپنے سر پر تاج رکھا اور تخت نشین ہوا۔ جسمانی لحاظ سے فتح علی شاہ بہت خوبصورت انسان تھا اور اسے ہمیشہ قیمتی لباس پہننے کا شوق دامن گیر تھا۔ وہ ایک اچھا سپاہی نہ تھا اور نہ ہی اسے فوجی مشاغل سے دلچسپی تھی۔ اہل ایران کو اس کی بے شمار بیویوں اور کثرت اولاد کی وجہ سے یاد کرتے ہیں۔

13.3 ناصر الدین شاہ قاچار (1848ء تا 1896ء):

محمد شاہ قاچار کی وفات کے بعد اس کا بیٹا ناصر الدین قاچار تخت نشین ہوا۔ نیا ایرانی فرمانروا ترقی پسند اور روشن خیال

تھا۔اس نے ملک کوترقی دینے کی سرتوڑ کوشش کی اس سلسلے میں اس نے انگلستان کی تین مرتبہ سیاحت کی اور انگلستان کی بہت سے ایجادات وعمدہ باتوں کوایران میں رائج کیا اسی فرمانروا کے عہد میں ایران میں پہلی مرتبہ صحیح معنوں میں اصلاحات نافذ ہوئیں جن کی بدولت ایران جدید دنیا کے ساتھ کھڑا ہونے کے قابل ہوگیا۔غالباً ان باتوں کی وجہ سے ناصرالدین کا شمار عظیم الشان قاچاری فرمانرواؤں میں ہوتا ہے۔

13.4 مظفرالدین شاہ قاچار(1896ءتا1907ء):

ناصرالدین شاہ کے قتل کے بعد اس کا بیٹا تبریز سے تہران پہنچ کر تخت نشین ہوا۔یہ ایرانی فرمانروا نرم دل اور عوام کی نفسیات کو سمجھنے میں ماہر تھا۔مگر طبعاً کمزور اور نااہل ہونے کے باعث یہ خودغرض اور کوتاہ اندیش درباری امراء کے ہاتھوں میں کٹھ پتلی بنا رہتا تھا۔اس نے خرابی صحت کی بناء پر اپنا علاج کروانے کی غرض سے تین مرتبہ یورپ کا سفر اختیار کیا اور کئی ضروری وغیر ضروری اخراجات کو پورا کرنے کے سلسلے میں اس نے بیرونی حکومتوں سے سودی قرضے لے کر سلطنت کا دیوالیہ نکال دیا۔تاہم اس نے اپنے عہد میں ایک خاص فرمان کے ذریعے ملک میں آئینی حکومت قائم کرکے اہل ایران پر بہت بڑا احسان کیا۔

13.5 احمد شاہ قاچار(1909ءتا1925ء):

احمد شاہ اپنے والد کی مانند ایک عیاش حکمران ثابت ہوا۔وہ اکثر یورپی ممالک کے دورے پر رہتا تھا۔ملکی خزانہ کی رقوم اس کی عیش وعشرت کی نذر ہوتی تھیں۔طبعاً کمزور اور نااہل تھا۔اس لئے اس کے عہد میں روسیوں اور انگریزوں کا اثر و رسوخ بہت بڑھ گیا،اسی طرح سارے ملک میں بدامنی پھیل گئی۔چونکہ تخت نشینی کے وقت احمد شاہ نابالغ تھا اس لئے ایک جہاندیدہ قاچار سردار ناصرالملک کوشاہ ایران کا سرپرست بنادیا گیا۔

13.6 احمد شاہ کے عہد حکومت پر تنقیدی تبصرہ:

احمد شاہ کے عہد میں ملکی وسائل کو بہت فروغ حاصل ہوا۔انگریزیوں اور روسیوں نے اپنے مفاد کی خاطر پلوں کا جال بچھایا،1916ءتک بڑے بڑے شہروں مثلاً جلفاء،تبریز،قزوین وغیرہ کو بذریعہ ریل ملادیا گیا۔تار برقی کے سلسلہ کی توسیع ہوئی۔نئی نئی سڑکیں بنائی گئیں۔ملکی وسائل کو ترقی ہوئی۔ایران کے لوگ خواب غفلت سے بیدار ہوئے

اور دستوری حکومت نے اہل ایران کی نظروں میں بہت اہمیت حاصل کر لی۔ اینگو ایرانین آئل کمپنی کی بنیاد پڑی جس کی کارکردگی کے باعث ایران کے سیاسی وقار کو بہت دھکا لگا۔ حکومت غیر ملکی سیاستدانوں کے اشاروں پر ناچتی تھی۔ لٹیروں اور ڈاکوؤں کے باعث ایران میں بدامنی پھیلی ہوئی تھی ملک کو ایسے فولادی آدمی کی ضرورت تھی جو اس کے گرے ہوئے وقار کو سہارا دے کر اس کی کایا پلٹ دے بالآخر رضا خان نے اس قومی ضرورت کو بدرجہ اتم پورا کر کے اہل ایران کو اطمینان کا سانس لینے کا موقع دیا۔

14۔ خاندان پہلوی کی حکومت

14.1 رضا شاہ کبیر (1925ء تا 1941ء):

رضا خان نسل کے لحاظ سے خالص ایرانی تھے وہ 1878ء میں پیدا ہوئے ابھی ان کی عمر چالیس روز تھی کہ والد کا سایہ سر سے اٹھ گیا۔ اس لئے آپ کی والدہ نے آپ کی پرورش کی جب آپ کی عمر چودہ سال ہوئی تو آپ نے دیگر مشاغل پر آبائی پیشہ کو ترجیح دیتے ہوئے فوجی ملازمت اختیار کر لی اور کاسک بریگیڈ میں بھرتی ہو گئے۔ غیر تعلیم یافتہ ہونے کے باوجود آپ بہت جلد اپنی قابلیت اور اہلیت کی بنا پر ترقی کرتے ہوئے سالاری کے عہدے تک پہنچ گئے۔ 1920ء میں کاسک بریگیڈ کے تمام روسی افسروں کو موقوف کر کے آپ خود بریگیڈ کے افسر اعلیٰ ہو گئے۔ 1921ء میں آپ وزیر جنگ اور ایرانی فوج کے سپہ سالار مقرر ہوئے۔ دو سال بعد آپ وزیر اعظم بن گئے۔ 1925ء میں مجلس ایران نے احمد شاہ قاچار کو معزول کر دیا اور رضا خان ملک کے فرمانروا تسلیم کر لئے گئے۔

14.2 رضا شاہ کبیر کی معزولی:

ایران کا پسماندہ ملک ترقی کے ابتدائی مراحل طے کر رہا تھا کہ 1939ء میں دوسری عالمگیر جنگ یورپ میں چھڑ گئی۔ ایران نے اپنی غیر جانبداری کا اعلان کر دیا۔ 1941ء میں جرمنی نے روس پر حملہ کر دیا۔ روس اور انگلستان نے مل کر ایران سے مطالبہ کیا کہ اتحادیوں کو روس سے براستہ ایران تعلقات قائم کرنے کی اجازت دی جائے تاکہ وہ جنگی سامان آسانی

سے روس کو بھیج سکیں۔ جب شاہ ایران نے اتحادیوں کے مطالبات کو نامنظور کر دیا۔ تو 26 اگست 1941ء کو روسی فوجوں نے شمال مغرب سے اور انگریزی فوجوں نے جنوب کی طرف سے ایران پر یلغار کی۔ تین دن تک معمولی مقابلہ کرنے کے بعد ایران نے ہتھیار ڈال دیئے اور سارے ایران پر اتحادیوں کا عملاً قبضہ ہو گیا۔

رضا شاہ مایوس ہو کر اپنے بیٹے محمد رضا شاہ پہلوی کے حق میں دستبردار ہو گئے۔ انگریزوں نے انہیں اپنے کنبے کے تمام افراد سمیت اولاً جزیرہ ماریشس میں اور بعد ازاں جوہنسبرگ میں نظر بند کر دیا۔ اس 1944ء میں وہ معمولی جلاوطن مسافر کی حیثیت سے وفات پا گئے۔

رضا شاہ طبیعت کے سادہ مگر صفائی پسند تھے وہ اکثر فوجی وردی میں نظر آتے تھے۔ اس طرح ان کی غذا سادہ اور زود ہضم چیزوں پر مشتمل ہوتی تھی۔ سرکاری اور غیر سرکاری کاموں میں وہ وقت کی پابندی کا خیال رکھتے تھے۔ مذہبی معاملات میں وہ ایک روشن خیال مسلمان تھے وہ اس مذہبی رہنماؤں کے خلاف تھے جو اپنے مذہبی تعصب کے رنگ میں ملک کی ترقی کی راہ میں روڑے اٹکاتے تھے دیندار اور روشن خیال علماء کا بہت خیال کرتے تھے انہیں وطن سے اتنی محبت تھی کہ وہ ہر وقت تعمیر وطن کے منصوبوں کے متعلق سوچتے رہتے تھے۔ اس سلسلے میں ان کا مقولہ تھا کہ رات کو بستر پر دراز ہوتے وقت بھی ان کا ذہن وطن کے ترقیاتی منصوبوں میں غرق ہوتا تھا۔

14.3 محمد رضا شاہ پہلوی:

محمد رضا شاہ پہلوی 26 اکتوبر 1919ء کو تہران میں پیدا ہوئے۔ چھ سال کی عمر میں انہیں تہران ملٹری سکول میں داخل کیا گیا۔ جہاں انہوں نے ایک ہونہار طالب علم کی حیثیت سے چھ سال کی مدت میں تاریخ، فارسی ادب، جغرافیہ اور فرانسیسی زبان میں دسترس حاصل کر لی۔

اعلیٰ تعلیم کیلئے انہیں اپنے اتالیق نفیسی کے زیر نگرانی 1931ء میں سوئٹزرلینڈ بھیجا گیا۔ وہاں آپ نے اپنی بے پناہ جسمانی صلاحیتوں کا ثبوت دیتے ہوئے مختلف ورزشی کھیلوں میں زبردست مظاہرہ کیا۔ ٹینس اور فٹ بال ٹیموں کے آپ کپتان منتخب ہوئے۔ دیگر کھیلوں مثلاً سو میٹر کی دوڑ، لانگ جمپ وغیرہ میں ریکارڈ قائم کئے۔ سوئٹزرلینڈ سے واپسی پر 1936 میں ملٹری سکول میں داخلہ ملا۔ دو سال کے بعد وہ فوج میں سیکنڈ لیفٹیننٹ مقرر ہوئے۔

1941ء میں اپنے والد کی معزولی کے بعد آپ اکیس سال کی عمر میں تخت پر بیٹھے۔ آپ کی رہنمائی میں حکومت ایران نے جرمنی، جاپان اور اٹلی سے اپنے تعلقات منقطع کر لئے۔ 9 ستمبر 1943ء کو ایران نے جرمنی کیخلاف اعلان جنگ کر دیا۔ جنگ کے خاتمے کے چھ ماہ بعد روس اور برطانیہ نے ایران سے اپنی فوجیں واپس بلا لیں۔

14.4 آذربائیجان اور کردستان میں بغاوتیں:

1946ء میں آذربائیجان اور کردستان میں حکومت ایران کے خلاف بغاتیں برپا ہوئیں مگر حکومت ایران نہیں انہیں سختی سے فرو کیا۔

اگلے بیس برس کے عرصہ میں ایران نے مختلف شعبوں میں خوب ترقی کی۔ مثلاً شکر سازی کے متعدد کارخانے قائم کئے گئے۔ تیل کی صنعت کو فروغ حاصل ہوا۔ جدید زرعی اصلاحات نافذ کی گئیں۔ نئی ریل کی لائنیں بچھائی گئیں۔ ایک ٹیلیویژن اسٹیشن قائم کیا گیا اور تہران میں ایک ہوائی اڈہ قائم کیا گیا۔ ملک کا دستور بیلجئین دستور کی طرز پر ترتیب دیا گیا۔ اس دستور کے مطابق پارلیمان دو ایوانوں پر مشتمل ہے۔ ایوان زیریں یا قومی اسمبلی کے دو سو اراکین ہیں۔ ان میں اقلیتوں مثلاً یہودیوں، ارمنیوں اور زرتشتیوں کے نمائندے شامل ہیں۔ ایوان بالا یا سینٹ کے آٹھ ممبر ہیں جس میں ممبروں کی نصف تعداد کو شاہ ایران نامزد کرتا ہے اور بقیہ ممبر منتخب ہوتے ہیں۔

15۔ پہلوی خاندان کا خاتمہ اور ایران کا مذہبی انقلاب

شاہ کی زیادہ تر مخالفت تین طبقوں کی طرف سے تھی۔ اولین مخالف طبقہ مذہبی لوگوں کا تھا، جو شاہ کی لادینی حکمت عملی، عورتوں کی مغرب زدگی اور ان کو حق رائے دہی دینے اور ہر سطح پر مذہبی طبقہ سے لاتعلقی کی وجہ سے اس کیخلاف تھا۔

شاہ کی مخالفت کا دوسرا ذریعہ طالب علموں کا طبقہ تھا، یہ لوگ ایک طرف سے تعلیمی معیار سے شاکی تھے تو دوسری طرف اس بات سے ناخوش تھے کہ ان کی مخبری کیلئے ان کے درمیان طالب علموں کے بھیس میں ساواک کے کارکن گھسا دیئے گئے تھے۔

تیسرا طبقہ وہ تھا جو کسی نہ کسی طرح سے ساواک کے ہاتھوں ستم رسیدہ تھا، اس میں جنوبی تہران کے چھوٹے چھوٹے

کاروباری لوگ مقابلتاً زیادہ مذہبی ہونے کی وجہ سے نمایاں تھے اور جن کا معیار زندگی شمالی تہران میں رہنے والے متمول ایرانیوں سے کہیں نیچا تھا۔ آیت اللہ خمینی ان لوگوں میں کافی مقبول تھے۔ 1963 میں مذہبی فسادات اسی علاقے میں شروع ہوئے تھے جس کی بنا پر آیت اللہ خمینی کو ملک بدر کیا گیا تھا۔

1977ء کے اواخر تک شاہ کی مزاحمت دبی دبی تھی، فدائین اور مجاہدین کے ہاتھوں دہشت گردی اور تخریب کاری کے صرف اکا دکا واقعات ہوتے رہتے تھے اور تہران یونیورسٹی کے اردگرد مظاہرین اور انتظامیہ کے درمیان چھوٹی چھوٹی جھڑپیں بھی ہوتی تھیں۔

1978ء کے شروع میں انتظامیہ نے سوچا کہ آزاد خیالی کی پالیسی کو زیادہ تقویت دی جائے اور حکومت مخالف قوتوں کا حوصلہ پست کرنے کیلئے شاہ کے حق میں ایک بڑا مظاہرہ کروایا دیا جائے۔ چنانچہ ایران کے شہر قم میں جو شیعہ علماء کی طاقت کا مرکز تھا، ایک بہت بڑی ریلی کا اہتمام کیا گیا جہاں شاہ کے حق میں علماء کے خلاف نعرے بازی کی گئی۔

سیاسی حلقوں کے مطابق اس ریلی کا انعقاد حکومت کی بہت بڑی غلطی تھی کیونکہ اس کے بعد ایران کے مختلف شہروں میں شاہ کے خلاف مظاہروں کا ایک لامتناہی سلسلہ شروع ہو گیا۔ اب فدائین اور مجاہدین کے ساتھ ساتھ مذہبی لوگوں کے ذریعے تربیت یافتہ لوگ بھی کھل کر میدان میں آنے لگے۔ اور ملک میں بڑے پیمانے پر تخریب کاری شروع ہو گئی، کہا جاتا ہے کہ شاہ کے خلاف انقلاب کے سلسلہ میں بنیادی کام فدائین اور مجاہدین نے کیا تھا۔ جونہی 1978ء کے وسط میں انقلاب مخالف قوتیں زور پکڑنے لگیں۔ مذہبی حلقے اور فدائین اور مجاہدین اکٹھے ہو گئے اور ان سب نے یکجا ہو کر آیت اللہ خمینی کو اپنا علامتی رہبر قبول کر لیا۔

پہلی فروری 1979 کو آیت اللہ خمینی کی تہران واپسی پر تقریباً سارا تہران اس کے خیر مقدم کیلئے امڈ آیا تھا لیکن شہر میں کہیں کہیں پولیس اور فوجیوں کے ساتھ لوگوں کی کشمکش جاری تھی۔ چندہی دنوں میں مسلح دستوں نے یکے بعد دیگرے نئے رہنما کو اپنی وفاداری کا یقین دلانا شروع کر دیا۔ شاہ کے کمانڈوز کا ایک دستہ ایسا تھا جس کو ناقابل تسخیر سمجھا جاتا تھا مگر اس نے بھی آخر کار ہتھیار ڈال دیئے اس طرح لوگوں کی ہتھیار بندی اور انقلابی جذبہ جس کو مسلح افواج کی قوم اور شاہ کے درمیان وفاداری میں پڑنے والی دراڑ سے مدد ملی، آخر کار 11 فروری 1979ء کو فتحیاب ہوا اور ایران کی دو ہزار پانچ سو سالہ شہنشاہیت نے دم توڑ دیا۔ کہا گیا کہ کسی ملک کی فوج (جو دنیا کے بہترین اسلحے سے لیس ہو) کا یہ سریع ترین سقوط تھا۔ اندازہ لگایا گیا کہ پچھلے 15 مہینے کی خوفناک خونی کشمکش میں تقریباً دس ہزار لوگ مارے گئے۔

15.1 جدید ایران

آیت اللہ خمینی کے اقتدار سنبھالنے کے تین دن کے اندر ہی شاہ کے چوٹی کے جرنیلوں، وزیروں، سفیروں اور ساواک کے عہدیداروں کو گولی مار دینے کا کام شروع کر دیا گیا۔ انقلابی عدالتیں جو مذہبی لیڈروں پر مشتمل تھیں اور جن کے نام صیغہ راز میں رکھے جا رہے تھے ایک ہی نشست میں قتل کے فیصلے کرتیں جن پر فوراً عملدرآمد ہو جاتا تھا۔

انقلاب کے فوری بعد مذہبی رہنماؤں کی ایک ٹیم آیت اللہ خمینی کی سربراہی میں ایران کا آئین بنانے میں مصروف ہوگئی۔ کردستان، بلوچستان، خوزستان اور دوسرے سنی علاقوں کے لوگوں کا مطالبہ تھا کہ چونکہ انقلاب اسلام کے نام پر لایا گیا ہے اس لئے آئین کی بنیاد بھی اسلام ہی ہونی چاہیے۔ خود آیت اللہ خمینی بھی سنی لیڈروں کے ساتھ اپنی ملاقاتوں میں ان کو یقین دلاتے رہے کہ ایسا ہی ہوگا۔ پھر یکا یک پتہ چلا کہ ایران کے آئین کی بنیاد اثنا عشری شیعیت پر رکھ دی گئی ہے۔

انقلاب کے 3 دن بعد ہی شاہ کے جرنیلوں، وزیروں، مشیروں، سفیروں اعلیٰ افسروں اور ساواک کے کارکنوں کو ختم کرنے کا لامتناہی سلسلہ شروع کر دیا گیا، انقلابی عدالتوں سے سزائے موت کے حکم کے فوری بعد ان کو گولی ماردی جاتی تھی اور ان کی جائیدادوں کو ضبط کر لیا جاتا، حکومت کے ایک بیان میں کہا گیا کہ ان لوگوں کا قتل ایک مثبت اور تعمیری کارنامہ ہے اور یہ انقلاب کی رگوں میں ایک نیا اور تازہ خون انڈیل دیگا۔ مئی 1979ء کے آخر تک 300 سے زیادہ لوگوں کو گولی ماری جا چکی تھی۔ انقلابی حکومت کے پہلے وزیر اعظم مہدی بازرگان نے 26/02/1979ء کو کہا کہ ان تمام لوگوں کے قتل میں ان کا کوئی ہاتھ نہیں ہے۔

ایرانی انقلاب کے بعد وہاں کا سیاسی نظام شیعہ نظریہ ولایت فقیہ کے تحت وضع کیا گیا، انقلاب کے روحانی راہنما آیت اللہ خمینی قرار پائے۔ جبکہ صدر اور وزیر اعظم کو انتخابات کے ذریعے منتخب لیا گیا۔ انقلاب کے بعد پہلے منتخب ایرانی صدر ابوالحسن بنی صدر (1980-81) تھے۔ اور ان کے بعد محمد علی رجائی نے فقط 14 دنوں کیلئے صدارت کی ان کے بعد سید علی حسینی خامنہ ای تیسرے صدر تھے، جو (1981 تا 1989) تک صدر رہے۔ آج کل ایران کے روحانی رہنما ہیں، ان کے بعد اکبر ہاشمی رفسنجانی (1989ء تا 1997ء) ایران کے چوتھے صدر رہے اور ان کے بعد سید محمد خاتمی (1997ء تا 2005ء) ایران کے پانچویں صدر رہے، آج کل محمود احمدی نژاد ایران کے چھٹے صدر ہیں۔

ایران میں انقلاب کے بعد معاشرتی، سیاسی اور معاشی و سائنسی انقلاب آیا ہے اور ہر شعبہ زندگی نے اس انقلاب سے اثر لیا ہے۔

خود آزمائی:

1۔ ایران میں مختلف خاندانوں کے اقتدار کا مختصر جائزہ لیجیے۔

2۔ سلجوقی حکمرانوں کی نمایاں خدمات بیان کریں۔

3۔ خلافت اسلامیہ کے خلاف منگولوں کے اقدامات کا جائزہ لیجیے۔

4۔ انقلاب ایران کے اسباب بیان کیجیے۔

یونٹ نمبر 18

بیسویں صدی کا آخری نصف اور اکیسویں صدی کا عالم اسلام

تالیف

پروفیسر ڈاکٹر محمد باقر خان خاکوانی

نظر ثانی

ڈاکٹر محمد سجاد

علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد

فہرست عنوانات

یونٹ کا تعارف:

انیسویں صدی کے آخری نصف میں برصغیر میں مسلم حکومت زوال کا شکار ہوئی، جبکہ اس صدی میں مغربی طاقتوں نے ترکی کی عثمانی خلافت کے بعض حصوں پر قبضہ کرنا شروع کر دیا۔ مسلمان حکومتیں اپنے اندرونی خلفشار، عدم استحکام کے ساتھ ساتھ جدید بین الاقوامی صورتحال سے کما حقہ واقف نہ ہو سکیں۔ یورپ نے جس صنعتی انقلاب کا آغاز کیا تھا اور ان کے ہاتھ نت نئی ایجادات و انکشافات نے ان کے فکر و نظر کو تبدیل کر کے رکھ دیا تھا۔ جبکہ مشرق میں ابھی تک فرقہ وارانہ اختلافات اور مسلکی رجحانات غالب تھے۔ اور مسلمان اہل فکر و نظر نے جدید نظریات و علوم سے ناواقف رہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب یورپی اقوام نے مسلمانوں پر جدید سائنسی مہارتوں اور ٹیکنالوجی سے لیس ہو کر حملہ کیا تو اس کا مقابلہ کرنا مشکل ہو گیا۔ آخر کار پورا عالم اسلام مغربی طاقتوں کا غلام بن گیا۔ بیسوی صدی آخری نصف میں عالم اسلام کے اندر بیداری اور آزادی کی تحریکات کا آغاز ہوا۔ مختلف اسلامی ممالک وجود میں آئے جو جدید قومی رجحانات کے تحت قائم ہوئے۔ اس وقت پچاس سے زیادہ مسلم ممالک ہیں اور بعض غیر مسلم ممالک میں ایک غالب اکثریت مسلم اقلیت کی بھی ہے۔ جدید دنیائے اسلام کا مطالعہ تاریخ اسلام کے طالب علم کیلئے ضروری ہے کہ خلافت عثمانیہ کے زوال کے بعد اب یہی مغربی ریاستیں ہی مسلم غالب اکثریت کی نمائندہ ہیں۔ تاہم ان کے اپنے اپنے سیاسی، معاشی و معاشرتی مسائل ہیں جس سے نبرد آزما ہیں۔

اس یونٹ میں ہم جدید دنیائے اسلام کی تاریخ کے اجمالی تعارف کا مطالعہ کریں گے۔

یونٹ کے مقاصد:

امید ہے کہ اس یونٹ کے مطالعہ کے بعد آپ اس قابل ہو جائیں گے کہ!

1۔ عالم اسلام کی موجودہ صورتحال سے آگاہ ہو سکیں۔
2۔ عالم اسلام کے سیاسی و سماجی مسائل جان سکیں۔
3۔ عالم اسلام کے اتحاد و اتفاق کیلئے عملی اقدامات کا جائزہ لے سکیں۔

1۔ عالم اسلام کے معنی

عالم اسلام دو الفاظ کا مجموعہ ہے، عالم (لام کی زبر کے ساتھ) سے مراد دنیا یا جہان ہے۔ یہ لفظ حالت اور کیفیت کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ جس طرح عالَم برزخ، عالَم آخرت کے الفاظ میں بھی لفظ عالم اسی مفہوم یعنی دنیا یا جہان کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ اسی سے ایک لفظ عالمی بھی بولا جاتا ہے۔ ویسے یہ لفظ اسم جمع ہے لیکن اس کی جمع عالمین استعمال ہوتی ہے جس طرح قرآن پاک میں وارد ہے۔ رب العالمین (تمام جہانوں کو پالنے والا)۔

لفظ اسلام ایک دین اور نظریہ کا نام ہے جس کے لغوی معنی خداتعالیٰ کے حکم پر گردن جھکا دینا ہے، مجموعی طور پر اس سے مراد وہ دین ہے جسے آج سے پندرہ صدیاں قبل حضرت محمد ﷺ لائے تھے، اس دین کے ماننے والوں کو مسلم یا مسلمان کہا جاتا ہے۔

2۔ عالم اسلام کی تاریخ

عالم اسلام جسے انگریزی میں (Islamic World) کہا جاتا ہے سے مراد مسلمانوں کی دنیا یا مسلمانوں کا جہان ہے۔ دنیا کے رقبے پر بسنے والے مسلمانوں کے حالات عالم اسلام کہلاتے ہیں، یوں تو دنیا کے ہر ایک براعظم ملک اور خطے میں مسلمان آباد ہیں تاہم مسلمانوں کی بیشتر آبادی قدیم براعظموں (ایشیا، افریقہ و یورپ) میں رہتی ہے۔ یہ تینوں براعظم ایک دوسرے سے متصل ہیں۔ جن میں خشکی اور آبی راستوں کے ذریعہ ایک جگہ سے دوسری جگہ جانا آسان رہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جنوبی مغربی ایشیا کے تین بڑے مذاہب (یہودی، عیسائی اور اسلام) باآسانی ایشیا، افریقہ اور یورپ کے علاقوں میں تیزی سے پھیلے، جزیرہ نما عرب کی سرزمین مقدس سے اٹھ کر مذہب اسلام کی روشنی نے شام، عراق، ایران، فلسطین، ترکی، آذربائیجان، افغانستان، وسط ایشیا، چین، برصغیر ہندوپاکستان و بنگلہ دیش، برما اور بحر ہند کے راستے ملیشیا، انڈونیشیا، فلپائن اور برونائی جیسے دور دراز کے علاقوں کو منور کیا۔ خشکی ہی کے راستے اسلام کے جانباز سپاہیوں نے مصر، الجزاء، تیونس، مراکش کو فتح کیا اور آبنائے طارق (جبرالٹر) کو پار کر کے اندلس (سپین)، پرتگال اور جنوبی فرانس کی سرحدوں پر عالم اسلام کا پرچم

لہرایا۔ بعد ازاں براعظم افریقہ کے گرم خشک ریگستانوں کو عبور کرتے ہوئے دین اسلام کو کم گنجان آباد بیابانوں میں واقع نخلستان میں پھیلایا، ان پتھریلے، افتادہ صحراؤں کو پار کرتے ہوئے سوڈان، ایتھوپیا، چاڈ، بالائی وولٹا نائجر، نائیجیریا، سینیگل، گنی بساؤ، کیمرون اور گنی کے گھاس کے میدانوں اور سدابہار استوائی جنگلات میں اسلام کی شمع روشن کرتے ہوئے بحراوقیانوس کو چھولیا، ادھر وسطی ایشیا میں قزل کم اور کراکم کے سرخ اور سیاہ ریگ زاروں کو پار کرتے ہوئے قزاقستان، کرگیزیا، تاتار اور دالگا سے گزر کر پولینڈ اور بحیرہ بالٹک تک اپنا اثر ورسوخ قائم کیا۔

عالم اسلام کو قلمبند کرنے میں ایک بڑی دشواری ملکوں کے انتخاب کی ہے۔ بہت سے ملکوں علاقوں اور جزیروں میں مسلمانوں کی بڑی آبادی ہے لیکن وہ اسلامی ملک یا اسلامی علاقے نہیں کہے جا سکتے۔ مثال کے طور پر انڈونیشیا کے بعد سب سے زیادہ مسلمان ہندوستان میں رہتے ہیں لیکن بھارت ایک سیکولر جمہوریہ ہے اور تنظیم ممالک اسلامی (OIC) کا رکن بھی نہیں ہے۔ اس طرح فلپائن کے منڈانوا (Mindanao) اور پالاوان (Palawan) جزائر، چین کے صوبہ سنکیانگ، شانسی اور شینسی، روس کے تاتاری علاقوں کینیا، موزمبیق، البانیہ، یوگوسلاویہ، بلغاریہ اور مالٹا وغیرہ میں مسلمانوں کی خاصی بڑی تعداد موجود ہے لیکن یہ تنظیم ممالک اسلامی کے نہ تو ممبر ہیں اور نہ ہی اسلامی جمہوریائیں۔

3۔ عالم اسلام میں انتشار

اسلام میں اگرچہ مسلمانوں کے باہمی اتحاد و اتفاق پر زور دیا گیا ہے اور انتشار اور افتراق سے بچنے کی تاکید کی گئی ہے لیکن اس کے باوجود مسلمان افتراق کے اس فتنہ کا جلد ہی شکار ہو گئے۔ دعوت اسلامی کے آغاز کو ابھی 45 سال ہی ہوئے تھے اور اسلامی جماعت کے سیاسی ڈھانچے کی تشکیل کے بعد صرف 35 سال گزرے تھے کہ تیسرے خلیفہ راشد حضرت عثمانؓ شہید کر دیئے گئے اور اس طرح تاریخ اسلام میں پہلی مرتبہ خانہ جنگی کا آغاز ہوا۔ جس کا سلسلہ آج تک جاری ہے، 41ھ (661ء) میں حضرت حسنؓ کے دانشمندی اور ایثار نے مسلمانوں کے منتشر شیرازہ کو بظاہر پھر ایک لڑی میں پرو دیا لیکن اختلاف اور افتراق کی جو بنیاد پڑ چکی تھی وہ بڑھتی ہی رہی۔ انتشار اور افتراق کی ان قوتوں کے باوجود مسلمان 132ھ (750ء) تک ایک سیاسی ڈھانچہ کے تحت متحد اور منظم رہے لیکن اس سال بنی امیہ کی خلافت کے خاتمہ کے ساتھ یہ سیاسی اتحاد بھی ختم ہو گیا۔ 138ھ (756ء) تک اسلامی دنیا دو سیاسی وحدتوں میں تقسیم ہو گئی۔ ایک بغداد کی عباسی خلافت اور دوسری اندلس کی

اموی امارت۔ 169ھ (758ء) میں مراکش میں ادریسی خاندان کی حکومت کے قیام کے بعد اسلامی دنیا تین حکومتوں میں تقسیم ہوگئی۔ یہ صورت حال تقریباً ایک سو سال اور قائم رہی، اس کے بعد یعنی تیسری صدی ہجری کے نصف آخر سے اسلامی دنیا شدید طوائف الملوکی کا شکار ہوگئی اور وہ خطہ جو ایک سو بتیس سال تک ایک سیاسی وحدت کے تحت رہا اب اس میں بیشمار حکومتیں قائم ہو چکی تھیں۔ یہ صورتحال آج تک قائم ہے اور اسلامی دنیا اس وقت کم وبیش 50 آزاد اور متعدد نیم آزاد اور غلام سیاسی وحدتوں میں تقسیم ہے۔

مسلمانوں کو جب تک عروج حاصل رہا، انہوں نے اتحاد کی ضرورت کو کبھی سنجیدگی سے محسوس نہیں کیا، صلیبی جنگیں، اندلس کا المیہ اور تاتاریوں کی یلغار اور سقوط بغداد ان میں سے کوئی بھی مسلمانوں کو اتحاد کی طرف مائل نہ کر سکا۔ یہ سب مقامی اور وقتی حادثے تھے، ہر علاقے کے مسلمانوں نے ان کا کسی نہ کسی طرح سامنا کرلیا اور خطروں کو دور کر دیا۔ ان خطروں کے ٹلنے کے بعد مسلمان پہلے سے بھی زیادہ قوت کے مالک بن گئے۔ مختصر یہ کہ مسلمان ایک ہزار سال تک کسی ایسے خطرے کا سامنا نہیں کرنا پڑا جو پوری ملت اسلامیہ کیلئے تباہ کن ثابت ہو، لیکن 1699ء میں کارلووٹز کے معاہدے کے بعد جس کے تحت عثمانی ترکوں کو ہنگری سے دست بردار ہونا پڑا۔ مسلمان یورپ کے مقابلے میں ایسی پسپائی پر مجبور ہوئے کہ جس کا سلسلہ 1918ء میں پہلی جنگ عظیم کے خاتمے تک پورے دو سو انیس سال جاری رہا۔

4۔ عالم اسلام میں اختلاف کی کششیں

مسلمان جہاں جہاں بھی گئے انہوں نے اسلام اور دین حق کے نور سے سینوں کو روشن کیا۔ لوگوں کے فکر وعمل میں انقلاب برپا کیا، جہاں انہیں غلبہ نصیب ہوا، انہوں نے امن وانصاف، حق وصداقت اور انسان دوستی کی لازوال مثالیں قائم کیں لیکن جب بھی دوسرے عناصر کو مسلمانوں کی کمزوری اور انتشار کے نتیجے میں بالادستی حاصل ہوئی تو انہوں نے ظلم وجبر اور تشدد کے بل پر مسلمانوں کو زیر دست ہی نہیں بنایا۔ ان کے الگ ملی اور دینی تشخص کو تباہ کرنے کی ہر ممکن کوشش کی اور یہ سلسلہ برابر جاری رہا۔ عدل وانصاف، جمہوریت ومساوات اور انسانی حقوق کے سارے دعوے اور سارا درد مسلمانوں کے معاملے میں اس طرح ہوا ہو جاتا ہے کہ بڑے سے بڑے ظلم اور دھاندلی اور ناانصافی بھی مسلمانوں کے خلاف بالکل جائز، درست اور برحق تسلیم کی جاتی ہے۔ یہودی پروپیگنڈے اور ان کی بھرپور منظم سازش کے زیر اثر عیسائی دنیا نے یورپ، افریقہ، ہند چین

اور امریکہ میں مسلمانوں کو اول تو انتہائی بیدردی سے بڑی وسیع پیمانے ۔ بت عاث اتارا اور جہاں اس کے باوجود اسلام کے اثرات محو نہ ہو سکے وہاں مسلمانوں کو جابرانہ قوانین کے ذریعہ اسلامی معاشرت سے بیگانہ کر کے لادین طرز زندگی میں ضم کرنے کے متواتر اور مسلسل اقدامات کئے۔ اس سب کے باوجود آج دنیا کا شاید ہی کوئی گوشہ ایسا ہو جہاں اسلام کے نام لیوا پائے نہ جاتے ہوں۔ بیسویں صدی کا نصف آخر مسلمانوں کی عمومی بیداری کا دور ہے جس کے نتیجے میں اسلام کی نشاۃ ثانیہ کی تحریکیں ہر جگہ ابھر رہی ہیں اور ان کو دبانے اور کچلنے کی ساری تدبیریں اور کوششیں ان کی راہ کھوٹی کرنے اور ان کی قوت کو توڑنے میں ناکام ثابت ہو رہی ہیں۔

5۔ دور حاضر کے اسلامی ممالک

اب آپ دور حاضر کے اسلامی ممالک کے مختصر حالات کا مطالعہ کرینگے۔

(الف) براعظم ایشیا کے اسلامی ممالک

نمبر شمار	نام ملک	دارالخلافہ
01	بنگلہ دیش	ڈھاکہ
02	پاکستان	اسلام آباد
03	تاجکستان	دوشنبے
04	ترکی	انقرہ
05	ترکمانستان	اشک آباد
06	سعودی عرب	ریاض
07	شام	دمشق
08	عراق	بغداد
09	قازقستان	الما آتا

10	قطر	دوہا
11	کرغزستان	اشک آباد
12	کویت	کویت
13	لبنان	بیروت
14	مالدیپ	مالے
15	متحدہ عرب امارات	ابوظہبی
16	ملائیشیا	کوالالمپور
17	جنوبی یمن	عدن
18	شمالی یمن	صنعا
19	آذربائیجان	باقو
20	اردن	عمان
21	ازبکستان	تاشقند
22	افغانستان	کابل
23	انڈونیشیا	جکارتہ
24	اومان	مسقط
25	ایران	تہران
26	بحرین	مناما
27	برونائی	بندرسری بیگاوان

(ب) براعظم افریقہ کے اسلامی ممالک

نمبر شمار	نام ملک	نمبر شمار	ملک
01	الجزائر	15	کیمرون
02	آئیوری کوسٹ	16	گنی
03	اریٹریا	17	گنی بساؤ
04	ایتھوپیا	18	گیبون
05	برقینہ	19	گیمبیا
06	تنزانیہ	20	لائبیریا
07	تیونس	21	لیبیا
08	جیبوتی	22	ماریطانیہ
09	چاڈ	23	مالی
10	سوڈان	24	مراکش
11	سیرالیون	25	مصر
12	سینی گال	26	نائیجیریا
13	صومالیہ	27	نائیجیریا
14	کوموروس	28	یوگنڈا

(ج) براعظم یورپ کے اسلامی ممالک

نمبر شمار	نام ملک	دارالخلافہ
01	البانیہ	ترانہ
02	بوسنیا ہرزگووینا	سراجیوو

6۔ جنوب مغربی ایشیا کے مسلم ممالک

1۔	افغانستان	(AFGHANISTAN)
2۔	ایران	(IRAN)
3۔	اردن	(JORDAN)
4۔	بحرین	(BAHRAIN)
5۔	ترکی	(TURKEY)
6۔	سعودی عرب	(SAUDI-ARABIA)
7۔	سریا (شام)	(SYRIA)
8۔	عراق	(IRAQ)
9۔	عمان	(OMAN)
10۔	فلسطین	(PALESTINE)
11۔	قبرص	(CYPRUS)
12۔	قطر	(QATAR)
13۔	کویت	(KUWAIT)
14۔	لبنان	(LEBANON)
15۔	متحدہ عرب امارات	(UNITED ARAB EMIRATES)
16۔	یمن	(YEMEN)

6.1 افغانستان (Afghanistan):

افغانستان سمندری ساحلوں سے دور چاروں طرف خشکی سے گھرا ہوا ہے۔ اس کے شمال میں تاجکستان ازبکستان اور

ترکمینا جمہوریہ واقع ہیں۔ مغرب میں اسکی سرحد اسلامی جمہوریہ ایران اور مشرق وجنوب مشرق میں اسلامی جمہوریہ پاکستان کے صوبہ سرحد اور صوبہ بلوچستان سے ملتی ہیں۔ افغانستان کا رقبہ 64749 مربع کلومیٹر ہے اور 1985ء کے بین الاقوامی ادارہ صحت کے تخمینہ کے مطابق اس کی کل آبادی 1 کروڑ 76 لاکھ ہے۔

6.2 ایران (Iran):

ایران جس کو پہلے فارس کے نام سے جانا جاتا تھا، جنوب مغربی ایشیا کے بڑے ملکوں میں سے ایک ہے۔ اس کے شمال میں آذربائیجان، ترکمانستان، تاجکستان واقع ہیں اس کے جنوب میں خلیج فارس، خلیج عمان اور بحیرہ عرب، مشرق میں افغانستان اور پاکستان اور مغرب میں ترکی اور عراق کی سرحدیں ہیں۔ 1648 لاکھ مربع کلومیٹر پر پھیلے ہوئے ایران کی آبادی تقریباً چار کروڑ 34 لاکھ (1985ء) ہے۔

6.3 اردن (Jordan):

اردن جنوب مغربی ایشیا کی ایک اہم سلطنت ہے، اس کے شمال میں شام، مشرق میں عراق اور سعودی عرب، جنوب میں سعودی عرب اور بحیرہ قلزم، مغرب میں اسرائیل واقع ہیں، اردن کا رقبہ 91000 مربع کلومیٹر اور آبادی 33 لاکھ ہے۔

6.4 بحرین (Bahrain):

امارت بحرین چند جزیروں پر مشتمل ہے جن میں جزیرہ بحرین سب سے بڑا ہے، اس کے دوسرے جزائر میں المحرق، عماناسان، ستراہ، النبی صالح اور حاور قابل ذکر ہیں۔ یہ جزائر قطر، جزیرہ نما اور سعودی عرب کے درمیان خلیج فارس میں واقع ہیں۔ بحرین کا رقبہ 679 مربع کلومیٹر اور آبادی تقریباً 42 لاکھ ہے، جس میں 34 فیصد آبادی غیر ملکی ہے۔

6.5 ترکی (Turkey):

ترکی درحقیقت ایک ایسا ملک ہے جو تین طرف پہاڑوں سے گھرا ہوا ہے، اس کے شمال میں بحیرہ اسود، شمالی مشرق

میں جارجیا، آرمینیا اور آذر بائیجان جمہوریہ، مشرق میں ایران اور جنوب میں عراق اور سیریا سرحد بناتے ہیں، ترکی کا کل رقبہ 771 لاکھ مربع کلومیٹر ہے جس میں تقریباً 5 کروڑ لوگ آباد ہیں۔

6.6 سعودی عرب (Saudi Arabia):

رقبے کے اعتبار سے سعودی عرب جنوب مغربی ایشیا کا سب سے بڑا ملک ہے، سعودی عرب کے جنوب مغرب میں جمہوریہ یمن، جنوب مشرق میں سلطنت عمان، مشرق میں متحدہ عرب امارات، قطر، بحرین اور کویت واقع ہیں جبکہ اس کی شمالی سرحد کویت، عراق اور اردن بناتے ہیں۔ سعودی عرب کا کل رقبہ 249690 مربع کلومیٹر ہے جس میں ایک کروڑ دس لاکھ آدمی رہتے ہیں۔

6.7 شام (Syria):

پہلی جنگ عظیم کے بعد ترکوں کی سلطنت عثمانیہ کا شیرازہ بکھرا تو ملک شام (سیریا) وجود میں آیا۔ اس سے قبل سیریا صوبہ عرب کا ایک حصہ تھا۔ دوسری جنگ عظیم تک شام پر فرانسیسیوں کا غلبہ رہا جس کے بعد سیریا نے لبنان سے الحاق کر لیا۔ لیکن یہ سیاسی بندوبست 1950ء میں ٹوٹ گیا۔ 1958ء سے 1961ء تک سیریا متحدہ عرب جمہوریہ میں شامل ہوا جو مصر، یمن اور سیریا پر مشتمل تھی۔ 1961 کے بعد سیریا نے سوویت روس اور مشرقی یوروپ کے ملکوں سے قریبی تعلقات قائم کئے، سیریا کے شمال میں ترکی، مشرق میں عراق، جنوب میں سعودی عرب اور مغرب میں بحیرہ روم اور لبنان واقع ہیں۔ اس کا رقبہ 185180 مربع کلومیٹر اور آبادی تقریباً ایک کروڑ ہے۔

6.8 عراق (Iraq):

میسوپوٹامیا کی تہذیب کا گہوارہ جدید عراقی سلطنت 1921 میں وجود میں آئی۔ 1930 تک یہ علاقہ برطانیہ کے زیر نگرانی رہا۔ 1958ء میں یہاں سے بادشاہت کا تخت الٹ کر جمہوری نظام قائم کیا گیا۔ کویت سے سرحدی اختلاف کے سبب مارچ 1991 میں ریاست ہائے متحدہ امریکہ نے عراق سے جنگ کی اور ملک کی معیشت کو بھاری نقصان پہنچایا۔ عراق کے مشرق میں ایران، شمالی میں ترکی، مغرب میں شام اردن اور سعودی عرب اور جنوب میں خلیج فارس، کویت اور سعودی عرب

واقع ہیں، 434924 مربع کلومیٹر پر پھیلے عراق کی آبادی 1985 کے اعداد و شمار کے مطابق تقریباً ایک کروڑ 35 لاکھ ہے۔

6.9 عمان (Oman):

عمان کے مشرق میں خلیج عمان، شمال مغرب میں متحدہ عرب امارات اور سعودی عرب اور جنوب میں بحیرہ عرب سرحد بناتے ہیں۔ عمان کا رقبہ 212457 مربع کلومیٹر اور آبادی تقریباً گیارہ لاکھ ہے۔

6.10 فلسطین (Palestine):

لاطینی زبان سے ماخوذ لفظ فلسطین کے معنی تنگ ساحلی پٹی کے ہیں۔ بشری تاریخ کے مختلف ادوار میں فلسطین کی سرحدیں بدلتی رہی ہیں۔ حضرت داؤدؑ اور حضرت سلیمانؑ (تقریباً ایک ہزار سال قبل مسیح) کے عہد حکومت میں بحیرہ روم سے لیکر لبنان، سیریا اور دریائے فرات تک کے علاقے فلسطین میں شامل تھے۔ سلطنت روما کے دوران ملک شام (سیریا) کے جنوبی صوبہ کو فلسطین کہا جاتا تھا۔ پہلی جنگ عظیم سے پہلے عہد عثمانیہ میں بحیرہ روم سے لے کر ہاشفیلا، جودا، ساریا، صحرائے نجیب اور عقبہ کے علاقے فلسطین کے حصے تھے۔ دوسری جنگ عظیم کے بعد فلسطین کے نقشے میں زبردست تبدیلی آئی۔ مغربی طاقتوں نے 1916ء کے بالفور اعلان کے تحت ایک یہودی ریاست کے قیام کو عملی جامہ پہنایا اور 14 مئی 1948ء کو حکومت اسرائیل وجود میں آئی۔ عرب ریاستوں نے اسرائیل کے وجود کو تسلیم نہیں کیا۔ 1948ء کی جنگ کے بعد غزہ پٹی، نجیب، گیلیلی اور شمال مغربی یروشلم پر اسرائیل نے قبضہ کر کے اپنے رقبے کو دوگنا کر لیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ 1949ء میں تقریباً سات لاکھ سے زیادہ فلسطینیوں کو اپنا وطن چھوڑ کر قرب و جوار کے عرب ملکوں میں مہاجرین کی زندگی بسر کرنا پڑی۔ 1950ء میں اردن نے فلسطین کے دریائے اردن کے مغربی علاقہ پر اپنا قبضہ جمالیا۔ لیکن 1967ء کی جنگ میں دریائے اردن کے مغربی علاقے صحرائے سینا (مصر) اور سیریا کے جولان کے پہاڑی علاقوں پر اسرائیل نے قبضہ جمالیا۔ 1973ء میں اسرائیل کی عربوں سے پھر جنگ ہوئی جس میں صحرائے سینا کا علاقہ تو مصر نے پھر حاصل کر لیا لیکن فلسطین کے بہت سے علاقے اسرائیل کا حصہ بن گئے۔ اسرائیل کے اس طرح غاصبانہ قبضے کے تحت جنوبی مغربی ایشیا میں تناؤ کی فضا بنی ہوئی ہے۔ اسرائیل کی ضد اور زیادتی کے سبب فلسطین کا مسئلہ ابھی تک کوئی قابل قبول حل نہیں نکال سکا جب تک فلسطین کو دنیا کے ملک تسلیم نہ کر لیں اور اس کی مملکت کی حد بندی اور نشاندہی نہ ہو جائے تب تک اس کا رقبہ اور حدود اربعہ بیان کرنا مشکل ہے۔

6.11 قبرص (Cyprus):

ترکی کے ساحل سے تقریباً 80 کلومیٹر جنوب میں اور سیریا سے تقریباً 97 کلومیٹر مغرب میں واقع قبرص ایک جزیرہ ہے جس کا رقبہ 9251 کلومیٹر (3700 مربع میل) ہے، بحیرہ روم میں واقع سسلی اور سارڈینیا کے بعد یہ تیسرا سب سے بڑا جزیرہ ہے۔ اس کی آبادی ساڑھے چھ لاکھ اور اس میں مسلمان بیس فیصد ہیں۔

6.12 قطر (Qatar):

قطر ایک عرب امارت ہے جس کا رقبہ گیارہ ہزار مربع کلومیٹر ہے، اس کے مغرب میں سعودی عرب اور جنوب مغرب میں متحدہ عرب امارات ہے، اسکے مشرق میں خلیج فارس واقع ہے، 1916ء سے لے کر 1971ء تک قطر برطانیہ کے ماتحت تھا، اس کی آبادی تین لاکھ ہے اور تمام مسلمان ہیں۔

6.13 کویت (Kuwait):

خلیج فارس کے شمال مغربی کنارے پر واقع کویت دنیا کے امیر ترین ملکوں میں سے ایک ہے، کویت کو 19 جون 1961ء کو ایک آزاد ملک تسلیم کیا گیا تھا۔ کویت کے شمال مغرب میں عراق اور جنوب میں سعودی عرب کی سرحدیں ہیں۔ جبکہ مشرق میں میں فارس کی خلیج واقع ہے۔ کویت کا رقبہ 17818 مربع کلومیٹر ہے جس کی آبادی تقریباً 18 لاکھ ہے۔

6.14 لبنان (Lebanon):

جنوبی مغربی ایشیا میں بحیرہ روم کے ساحل پر واقع لبنان ایک چھوٹا سا ملک ہے جو شمال، مشرق اور جنوب مشرق میں سیریا (شام) سے محصور ہے۔ اس کا کل رقبہ 10400 مربع کلومیٹر (4015 مربع میل) اور 1985ء کے اعداد و شمار کے مطابق آباد 27 لاکھ ہے۔ بیروت، ملک کا دارالخلافہ ہے۔

6.15 متحدہ عرب امارات(United Arab Emirates):

متحدہ عرب امارات سات چھوٹی ریاستوں پر مشتمل ایک وفاقی حکومت ہے، جو عرب جزیرہ نما کے جنوب مشرقی حصے میں واقع ہے۔ ان امارات کے نام ابوظہبی، دوبئی، شارجہ، ام لبیوین، اجمان، فوجائرہ اور راس الخیمہ ہیں۔ متحدہ عرب امارات کے مشرق میں خلیج فارس، جنوب میں عمان، مغرب میں سعودی عرب اور شمال میں قطر واقع ہے، ان امارات کا کل رقبہ 8299000 مربع کلومیٹر ہے اور کل آبادی تقریباً ڈھائی لاکھ ہے۔ حکومت متحدہ عرب امارات 1971ء میں وجود میں آئی، اس سے پہلے یہ چھوٹی چھوٹی سلطنتیں حکومت برطانیہ کے تحت تھیں۔

6.16 یمن(Yemen):

جزیرہ نما عرب کے جنوب مغرب میں واقع یمن ایک خوبصورت ملک ہے جس کا بیشتر علاقہ پہاڑی ہے، متحدہ جمہوریہ یمن کے وجود میں آنے سے پہلے 1990ء تک ملک یمن شمالی اور جنوبی یمن میں منقسم تھا جس میں جنوبی یمن کے سوویت روس سے قریبی تعلق تھے اور شمالی یمن ایک اسلامی جمہوریہ تھا۔ یہ دونوں ملک 1990ء میں متحد ہوئے اور جمہوریہ یمن کے نام سے پکارے جانے لگے۔ اس کا رقبہ 482700 مربع کلومیٹر ہے۔ اس کے شمال میں سعودی عرب مشرق میں عمان جنوب میں خلیج عدن اور بحیرہ عرب اور مغرب میں بحیرہ قلزم ہے اور آبادی 80 لاکھ ہے۔

7۔ وسطی ایشیا کے مسلم ممالک

1۔	آذربائیجان	(Azarbaijan)
2۔	ازبکستان	(Uzbaikistan)
3۔	تاجکستان	(Tadzkistan)
4۔	ترکمانستان	(Turkmenistan)
5۔	قزاقستان	(Kazakistan)
6۔	کرگیزیا	(Kirgizia)

7.1 آذر بائیجان (Azarbaijan):

آذر بائیجان کا رقبہ 87000 مربع کلومیٹر اور آبادی تقریباً 65 لاکھ ہے۔ بحیرہ کیسپین کے مغربی ساحل پر پھیلے ہوئے آذر بائیجان کے مغرب میں جارجیا اور آرمینیا، شمال میں داغستان اور جنوب میں ایران واقع ہے، آذر بائیجان کو 30 دسمبر 1922ء میں سوویت یونین میں شامل کر لیا گیا تھا، دسمبر 1991ء یعنی 79 برس کے بعد آذر بائیجان ایک خود مختار آزاد جمہوریہ بن گیا۔ اس کا کل رقبہ 86800 مربع کلومیٹر اور آبادی ایک کروڑ کے قریب ہے۔

7.2 ازبکستان (Uzbakistan):

وسطی ایشیا کے مسلم ممالک میں ازبکستان ایک اہم ترین ملک ہے، تقریباً سو برس روس کے اثر میں رہنے کے بعد ازبکستان نے نومبر 1991ء میں اپنی خود مختاری کا اعلان کیا اور اب ایک آزاد ملک ہے۔ اسلامی تہذیب اور کلچر کے بہت سے اہم مراکز اور تاریخی مقامات ازبکستان میں ہیں۔ ہندوستان کا یہ پہلا مغل بادشاہ "بابر" ازبکستان کا ہی رہنے والا تھا۔ بخارا، سمرقند، تاشقند، فرغانہ، خیوہ (خوارزم)، زرفشان، اندیزان اور نقوش جیسے مشہور مقامات اسی ملک میں ہیں۔ اس کا کل رقبہ 447400 مربع کلومیٹر اور آبادی دو کروڑ سولہ لاکھ افراد پر مشتمل ہے۔

7.3 تاجکستان (Tadzkistan):

سوویت یونین کا نومبر 1991ء میں جب شیرازہ بکھرا تو تاجکستان نے بھی خود مختاری کا اعلان کر دیا، وسطی ایشیا کے مسلم ممالک میں تاجکستان سب سے چھوٹا ملک ہے جس کا رقبہ 143000 مربع کلومیٹر ہے، اس کی کل آبادی 35 لاکھ کے آس پاس ہے۔ اس کے شمال میں ازبکستان اور کرگیزیا جنوب میں افغانستان اور مشرق میں چین ہے۔

7.4 ترکمانستان (Turkmanistan):

ترکمانستان کو ترکمانیا بھی کہتے ہیں۔ روس کے زیر اثر آنے سے پہلے یہ روسی ترکستان کا ایک علاقہ تھا، نومبر 1991ء میں ترکمانستان ایک آزاد خود مختار ملک بن گیا۔ بحیرہ کیسپین کے مشرق میں واقع یہ ملک شمال مغرب میں قزاخستان، شمال مشرق میں ازبکستان مشرق میں تاجکستان، جنوب مشرق میں افغانستان اور جنوب میں اسلامی جمہوریہ ایران سے گھرا ہوا ہے۔

ترکمانستان کا رقبہ تقریباً 488000 مربع کلومیٹر اور آبادی تقریباً 30 لاکھ ہے۔ شہری اور دیہی آبادی کا تناسب بالترتیب 48 اور 52 ہے۔ ان کی زبان ترکی ہے اور آبادی میں دو فیصد سالانہ کی شرح سے اضافہ ہو رہا ہے۔

7.5 قزاقستان (Kazakistan):

قزاقستان وسطی ایشیا کا سب سے بڑا مسلم ملک ہے جو 2717000 مربع کلومیٹر پر پھیلا ہوا ہے، نومبر 1991ء میں سوویت روس کا شیرازہ بکھرنے کے بعد قزاخستان ایک خود مختار ملک کی شکل میں وجود میں آیا۔ قزاخستان کے شمال میں روس کا سائبریائی علاقہ، مشرق میں چین، جنوب میں کرگیزیا، ازبکستان اور ترکمانیا اور مغرب میں بحیرہ کیسپین اور روس کا والگا کا علاقہ پھیلا ہوا ہے۔ قزاخستان کو انیس انتظامی اضلاع میں تقسیم کیا گیا ہے۔ آبادی ایک کروڑ ستر لاکھ کے قریب ہے۔

7.6 کرگیزیا (Kirgizia):

کرگیزیا بھی نومبر 1991ء میں ایک خود مختار ملک کی شکل میں وجود میں آیا۔ اس کا رقبہ 166000 مربع کلومیٹر ہے اور کل آبادی تقریباً 35 لاکھ ہے، کرگیزیا کے جنوب میں تاجکستان، مغرب میں ازبکستان، شمال میں قزاخستان اور مشرق میں چین کا سنکیانگ صوبہ پھیلے ہوئے ہیں۔

8۔ جنوب مشرقی ایشیا کے مسلم ممالک

1۔ انڈونیشیا (Indonesia)

2۔ بنگلہ دیش (Bangladesh)

3۔ برونائی (Barunei)

4۔ مالدیپ (Maldive)

5۔ ملیشیا (Malaysia)

6۔ پاکستان (Pakistan)

8.1 انڈونیشیا (Inonesia):

ملک انڈونیشیا ایک مجمع الجزائر ہے جس میں 13500 جزائر شامل ہیں۔ یہ جزیرے 4800 کلومیٹر (تین ہزار میل) کی لمبائی میں خط استوا کے متوازی جنوب مشرقی ایشیا اور آسٹریلیا کے درمیان واقع ہیں، انڈونیشیا کے جزیرے بحر ہند اور بحرالکاہل کے درمیان ایک قدرتی حد کا کام کرتے ہیں، چند جزیرے خط استوا کے جنوب میں واقع ہیں جن میں جاوا اور مدورا قابل ذکر ہیں۔ ساٹرا، سولاویسی (سیل بیز) اور جنوبی کلے منتان (بورنیو) دوسرے بڑے جزائر ہیں۔ ملک کا کل رقبہ 19 لاکھ مربع کلومیٹر (736 سات لاکھ چھتیس ہزار مربع میل) ہے، جس میں تقریباً 16 کروڑ کی آبادی ہے۔

8.2 بنگلہ دیش (Bangladesh):

بنگلہ دیش برصغیر کا ایک اہم ملک ہے، یہ شمال مشرق اور مغرب میں بھارت کی آسام، میگھالیہ، تریپورہ، میزروم اور مغربی بنگال ریاستوں سے گھرا ہوا ہے، جبکہ اس کی جنوبی سرحد پر خلیج بنگال واقع ہے۔ بنگلہ دیش کا رقبہ 142775 مربع کلومیٹر ہے، یہاں کی کل آبادی دس کروڑ سے تجاوز کر گئی ہے۔

8.3 برونائی (Barunei):

جزیرہ بورنیو کے شمالی کنارے پر واقع برونائی ایک چھوٹی سی سلطنت ہے جس کا کل رقبہ 298 مربع کلومیٹر ہے۔ برونائی کی شمال مغربی سرحد پر بحیرہ جنوبی چین پھیلا ہوا ہے جبکہ جنوب اور مشرق میں بورنیو اس کی سرحد بناتا ہے، ملک کا 80 فیصد حصہ گھنے جنگلات سے ڈھکا ہوا ہے۔

8.4 مالدیپ (Maldive):

ملک مالدیپ ایک مجمع الجزائر ہے جس میں تقریباً دو ہزار جزیرے شامل ہیں۔ سری لنکا کے مغربی ساحل سے تقریباً 640 کلومیٹر کی دوری پر بحر ہند میں واقع مالدیپ ایک چھوٹا سا ملک ہے جس کا کل رقبہ 298 مربع کلومیٹر ہے۔ یہ جزیرے دس بارہ گروپ میں واقع ہیں اور بیشتر مونگے کی چٹانوں کے بنے ہوئے ہیں۔ 1887ء سے پہلے یہ جزائر فرانسیسیوں کے

قبضے میں تھے اس کے بعد 1965ء تک یہ برطانیہ کے زیر حکومت رہے۔ 1965ء میں مالدیپ آزاد ہوا، 11 نومبر 1968ء میں یہ ایک جمہوریت بن گیا۔ اس کی آبادی تین لاکھ کے قریب ہے۔

8.5 ملیشیا (Malaysia):

بہت سے جزیروں پر مشتمل ملیشیا جنوب مشرقی ایشیا کا ایک اہم ملک ہے۔ ملیشیا کا رقبہ 329 لاکھ مربع کلومیٹر ہے۔ ملیشیا جزیرہ نما ملک کا سب سے بڑا علاقہ ہے، ملک کی آباد 1985ء کے ایک تخمینہ کے مطابق تقریباً ڈیڑھ کروڑ تھی۔

8.6 پاکستان (Pakistan):

اسلامی جمہوریہ پاکستان برصغیر ہند کے شمال مغربی حصے میں واقع ہے، پاکستان کے مغرب میں ایران، شمالی مغرب میں افغانستان، شمال مشرق اور مشرق میں جموں وکشمیر، پنجاب، راجھستان اور گجرات ریاستیں واقع ہیں۔ جبکہ اس کے جنوب میں بحیرہ عرب پھیلا ہوا ہے پاکستان کا کل رقبہ 80340 مربع کلومیٹر ہے اور کل آبادی تقریباً تیرہ کروڑ ہے۔ بلوچستان، سندھ، شمالی مغربی صوبہ سرحد اور پنجاب پاکستان کے چار صوبے ہیں۔

9۔ شمالی افریقہ کے مسلم ممالک

1۔ الجزائر (Algeria)

2۔ تیونس (Tunisia)

3۔ لیبیا (Libya)

4۔ مراکش (Morocco)

5۔ مصر (Egypt)

9.1 الجزائر(Algezir):

شمال مغربی افریقہ میں واقع الجزائر براعظم افریقہ کا ایک بڑا ملک ہے، اس کے شمال میں بحیرہ روم، شمال مشرق میں تیونس، مشرق میں لیبیا، جنوب مشرق میں نائجر، جنوب مغرب میں مالی اور ماری ٹانیا اور مغرب میں مراکش واقع ہیں۔ الجزائر کا کل رقبہ دولاکھ چار ہزار مربع کلومیٹر ہے۔ آبادی تقریباً تین کروڑ ہے۔

9.2 تیونس(Tunisia):

تقریباً 162206 مربع کلومیٹر پر پھیلا ہوا ملک تیونس المغرب (مراکش، الجزائر، تیونس) کا سب سے چھوٹا ملک ہے۔ تیونس کے شمال اور مشرق میں بحیرہ روم، جنوب مشرق میں لیبیا اور مغرب میں الجزائر سرحد بناتے ہیں۔ ملک کا نصف حصہ ریگستانی، بنجر اور پتھریلا پٹھار ہے۔ تیونس اگر چہ ایک چھوٹا سا ملک ہے اس کے خدوخال ٹوپوگرافی میں زبردست رنگارنگی پائی جاتی ہے۔ طبعی خدوخال کے اعتبار سے تیونس کو بحیرہ روم کا ساحلی میدان، مدجرد کی وادی، خلیج تیونس کے قرب وجوار کا میدان، وسطی پٹھار، اسٹیپی گھاس کے میدان اور جنوب مغربی ریگستان میں تقسیم کیا جاتا ہے۔ اس کا کل رقبہ 63380 مربع میل اور آبادی پچاس لاکھ بیس ہزار ہے۔

9.3 لیبیا(Libya):

لیبیا براعظم افریقہ کے شمالی وسطی حصے میں واقع ہے اس کے مشرق میں مصر، جنوب مشرق میں سوڈان، جنوب میں چاڈ اور نائجر اور مغرب میں الجزائر اور تیونس واقع ہیں جبکہ اس کی شمالی سرحد پر بحیرہ روم پھیلا ہوا ہے۔ لیبیا کے ساحل کی لمبائی 1770 کلومیٹر ہے اور ملک کا کل رقبہ 1759998 مربع کلومیٹر ہے اور آبادی اکتالیس لاکھ ہے۔

9.4 مراکش(Morocco):

شمال مغربی افریقہ میں واقع مراکش 443680 مربع کلومیٹر پر پھیلا ہوا ہے۔ اس کے مشرق میں الجزائر، جنوب میں ماری ٹینیا اور شمال میں بحیرہ روم اور مغرب میں بحراوقیانوس واقع ہیں۔ اس کا کل رقبہ 458730 مربع کلومیٹر اور آبادی دو

کروڑ سات لاکھ ہے۔

9.5 مصر (Egypt):

براعظم افریقہ کے شمال مشرقی گوشے میں واقع مصر کا رقبہ 1001449 مربع کلومیٹر ہے، اس کے شمال میں بحیرہ روم پھیلا ہوا ہے، جبکہ مغرب میں لیبیا، جنوب میں سوڈان، مشرق میں بحیرہ قلزم اور اسرائیل مصر کی سرحد بناتے ہیں۔ مصر کی آبادی 4.6 کروڑ سے زیادہ ہے۔

10۔ مشرقی افریقہ کے مسلم ممالک

1۔	ایتھوپیا	(Ethiopia)
2۔	تنزانیہ	(Tanzania)
3۔	جبوتی	(Djibouti)
4۔	سوڈان	(Sudan)
5۔	کومرو	(Comoros)
6۔	صومالیہ	(Somalia)
7۔	یوگنڈا	(Uganda)

10.1 ایتھوپیا (Ethiopia):

ایتھوپیا کے شمال میں بحیرہ قلزم اور سوڈان، مشرق میں جبوتی اور صومالیہ، جنوب میں کینیا اور مغرب میں سوڈان واقع ہیں۔ ایتھوپیا کا رقبہ تقریباً بارہ لاکھ مربع کلومیٹر ہے۔ ایتھوپیا کی تاریخ میں پہلی بار مردم شماری 1984ء میں کی گئی ہے۔ جس کے اعداد و شمار کے مطابق چار کروڑ بیس لاکھ تھی۔ 1986ء کے تخمینہ کے مطابق یہ آبادی چار کروڑ ساٹھ لاکھ ہو گئی ہے، جس میں تقریباً سوا تین کروڑ لوگ آباد ہیں۔

10.2 تنزانیہ (Tanzania):

جمہوریہ تنزانیہ 1964ء میں وجود میں آئی، اس سے پہلے اس ملک کو ٹنگا نائکا اور زنجبار اور کے نام سے جانا جاتا تھا۔ 886000 مربع کلومیٹر پر پھیلے ہوئے تنزانیہ کی آبادی 1985ء کے اعداد وشمار کے مطابق 2 کروڑ دس لاکھ ہے۔ تنزانیہ کے شمال میں کینیا اور یوگنڈا، مغرب میں روانڈا، برونڈی اور جمہوریہ زائرے، جنوب میں زیمبیا اور موزمبیق اور مشرق میں بحر ہند پھیلے ہوئے ہیں۔

10.3 جبوتی (Djibouti):

افریقہ کے شمال مشرق میں جبوتی ایک چھوٹا سا ملک ہے اس کے مشرق میں خلیج عدن، شمال مغرب اور جنوب میں ایتھوپیا اور جنوب مشرق میں جمہوریت صومالیہ، جبوتی کا کل رقبہ 23310 مربع کلومیٹر ہے جس میں تقریباً ساڑھے تین لاکھ آبادی ہیں۔

10.4 سوڈان (Sudan):

رقبے کے اعتبار سے سوڈان براعظم افریقہ کا سب سے بڑا ملک ہے۔ سوڈان کا رقبہ 2500000 مربع کلومیٹر ہے اور آبادی تقریباً دو کروڑ دس لاکھ ہے سوڈان کے شمال میں مصر، شمال مغرب میں لیبیا، مغرب میں چاڈ، جنوب مغرب میں جمہوریہ وسطی افریقہ، جنوب میں یوگنڈا اور کینیا اور مشرق میں ایتھوپیا اور بحیرہ قلزم حد بناتے ہیں۔

10.5 کومرو (Comoros):

کومرو کا سرکاری نام وفاقی اسلامی جمہوریہ کومرو ہے یہ ملک چند جزائر پر مشتمل ہے جو بحر ہند میں مدغاسکر اور تنزانیہ کے درمیان آبنائے موزمبیق کے شمالی سرے پر واقع ہے کومرو کا کل رقبہ 2166 مربع کلومیٹر ہے جس میں تقریباً چار لاکھ تیس ہزار افراد ہیں۔

10.6 صومالیہ (Somalia):

جمہوریہ صومالیہ کے مغرب میں ایتھوپیا اور کینیا اور شمال مغرب میں جبوتی واقع ہیں جبکہ اس کی مشرقی سرحد پر بحیرہ عرب اور شمال میں خلیج عدن پھیلے ہوئے ہیں، صومالیہ کا کل رقبہ 637661 مربع کلومیٹر ہے اور آبادی 75 لاکھ ہے۔

10.7 یوگنڈا (Uganda):

خط استواء پر واقع ملک یوگنڈا کا رقبہ 236037 مربع کلومیٹر ہے، یوگنڈا کے شمال میں سوڈان مشرق میں کینیا، جنوب مغرب میں روانڈا میں زائر سرحد بناتے ہیں اور اس کی آبادی ڈیڑھ کروڑ ہے۔

11۔ مغربی اور وسطی افریقہ کے مسلم ممالک

1۔ بالائی وولٹا (اپر وولٹا) (Uppervolta)
2۔ چاڈ (تشاد) (Chad)
3۔ سیرالیونا (Sierr eone)
4۔ سینیگال (Sanegal)
5۔ کیمرون (Cameroon)
6۔ گنی (Guinea)
7۔ گنی بساؤ (Guine-Abbisau)
8۔ گیبن (Gabon)
9۔ گیمبیا (Gambia)
10۔ ماری ٹینیا (Mau iania)
11۔ مالی (Mali)
12۔ نائجر (Niger)
13۔ نائجیریا (Nigeria)

11.1 بالائی وولٹا (اپر وولٹا) (Upper Volta):

چاروں طرف خشکی سے گھرے ہوئے بالائی وولٹا کے شمال اور مغرب میں مالی، شمال مشرق میں نائجر، جنوب مشرق میں ڈہومی، جنوب میں ٹوپو، گھانا اور آئیوری کوسٹ واقع ہیں۔ بالائی وولٹا کا کل رقبہ 274200 مربع کلومیٹر ہے جس میں 1985ء کے اعداد و شمار کے مطابق ساٹھ لاکھ سے کچھ زیادہ لوگ آباد ہیں۔ آبادی کی کثافت تقریباً 70 آدمی فی مربع کلومیٹر ہے۔

11.2 چاڈ (تشاد) (Chad):

پرانی تہذیب کا مرکز چاروں طرف خشکی سے گھرا ہوا ملک چاڈ 1284234 مربع کلومیٹر پر پھیلا ہوا ہے۔ اس کی آبادی تقریباً پچاس لاکھ ہے، کہا جاتا ہے کہ آٹھویں اور نویں صدی عیسوی میں عرب کے مسلمان اس علاقے میں داخل ہوئے جنہوں نے تبلیغ کے ذریعہ قبائلی لوگوں کو مسلمان بنایا۔

11.3 سیرالیونا (Sierraleone):

مغربی افریقہ میں واقع سیرالیونا 72326 کلومیٹر پر پھیلا ہوا ہے، سیرالیونا کے شمال مشرق میں گنی، جنوب مشرق میں لائبیریا اور مغرب میں بحر اوقیانوس پھیلا ہوا ہے سیرالیونا کی کل آبادی تقریباً 21 لاکھ ہے۔

11.4 سینیگال (Sanegal):

سینیگل ملک افریقہ کا چھوٹا سا ملک ہے جو 197600 مربع کلومیٹر پر پھیلا ہوا ہے، اس کے شمال میں ماری ٹانیا، مشرق میں بالائی وولٹا، جنوب میں گنی اور مغرب میں بحر اوقیانوس ہے، سینیگل کا شمالی علاقہ خشک ریگستانی ہے، جنوبی علاقے میں نسبتاً زیادہ بارش ہوتی ہے، جنوب مشرقی علاقہ بھی گرم ریگستان ہے۔ اس کی آبادی بیاسی لاکھ ہے۔

11.5 کیمرون (Cameroon):

انیسویں صدی کے آخر تک کیمرون جرمنی کے زیر اثر رہا ہے۔1922ء میں یہ برطانیہ اور فرانس کی مشترکہ نگرانی میں آیا۔ کیمرون کی موجودہ شکل 1961ء میں وجود میں آئی جب اس کا نام وفاقی جمہوریہ کیمرون رکھا گیا۔اس کا کل رقبہ 475442 مربع کلومیٹر اور آبادی ایک کروڑ تیس لاکھ ہے۔

11.6 گنی (Guinea):

گنی 246048 مربع کلومیٹر پر پھیلا ہوا مغربی افریقہ کا ایک چھوٹا سا ملک ہے۔گنی کے شمال مغرب میں گنی بساؤ، شمال میں سینیگال، شمال مشرق مین مالی، مشرق اور جنوب میں آئیوری کوسٹ لائبیریا، سیرالیونا واقع ہیں جبکہ اس کے مغرب میں بحر اوقیانوس پھیلا ہوا ہے۔اس کا کل رقبہ 245758 مربع کلومیٹر ہے اور آبادی ستر لاکھ ہے۔

11.7 گنی بساؤ (Guinea Bissau):

مغربی افریقہ میں گنی بساؤ ایک چھوٹا سا ملک ہے جس کا کل رقبہ 26400 مربع کلومیٹر ہے اور آبادی تقریباً 9 لاکھ ہے۔گنی بساؤ کے شمال میں سینیگل، مشرق میں گنی اور مغرب میں بحر اوقیانوس پھیلا ہوا ہے۔

11.8 گیبن (Gabon):

مغربی افریقہ میں واقع گیبن کا رقبہ 266024 مربع کلومیٹر ہے۔اس کے شمال میں کیمرون مشرق اور جنوب مشرق میں عوامی جمہوریہ کانگو سرحد بناتے ہیں جبکہ مغربی سرحد پر بحر اوقیانوس پھیلا ہوا ہے۔ اس کے ساحل کی لمبائی تقریباً 880 کلومیٹر ہے۔آبادی اسی لاکھ ہے۔

11.9 گیمبیا (Gambia):

گیمبیا مغربی افریقہ کا ایک چھوٹا سا ملک ہے جو گیمبیا ندی کے دونوں طرف ایک تنگ پٹی کی شکل میں پھیلا ہوا ہے۔ مشرق سے مغرب کی طرف پھیلے ہوئے اس ملک کی چوڑائی 11 سے 32 کلومیٹر کے درمیان ہے اور مشرق سے مغرب تک اس کی کل لمبائی 320 کلومیٹر ہے۔ ملک کا کل رقبہ 10367 مربع کلومیٹر ہے اور کل آبادی 6 لاکھ کچھ زیادہ ہے۔

11.10 ماری ٹینیا (Mauritania):

مغربی افریقہ میں واقع ماری ٹینیا ایک آزاد مسلم ملک ہے، اسلامی جمہوریہ ماری ٹینیا تقریباً 1030000 مربع کلومیٹر ہوا ہے۔ اس کی آبادی 18 لاکھ ہے۔ اس کے شمال مغرب میں مغربی صحارا شمال مشرق میں الجزائر، مشرق میں نائیجیریا اور جنوب میں بالائی وولٹا، آئیوری کوسٹ گنی اور سینیگل سرحد بناتے ہیں۔ اس کی مغربی سرحد پر بحراوقیانوس واقع ہے۔

11.11 مالی (Mali):

صحارا ریگستان کے جنوب مغربی حصے میں واقع مالی ایک جمہوری ملک ہے۔ اس کا کل رقبہ 1240000 مربع کلومیٹر اور آبادی 80 لاکھ ہے۔ مالی کا پہلا نام فرانسیسی سوڈان تھا جو 1960ء میں آزاد ہونے کے بعد جمہوریہ مالی بنا۔

11.12 نائجر (Niger):

نائجر چاروں طرف خشکی سے گھرا ہوا ملک ہے، اس کے مغرب میں بالائی وولٹا (اپر وولٹا) اور مالی، شمال مغرب میں صحارا، شمال مشرق میں لیبیا، مشرق میں چاڈ اور جنوب میں نائیجیریا و دہومی سرحد بناتے ہیں۔ نائجر 1267000 مربع کلومیٹر پر پھیلا ہوا ہے جس کی آبادی تقریباً ساٹھ لاکھ ہے۔

11.13 نائیجیریا (Nigeria):

نائیجیریا براعظم افریقہ کے اہم ترین ممالک میں سے ایک ہے، اس کا کل رقبہ 924 لاکھ مربع کلومیٹر اور آبادی تقریباً دس کروڑ ہے، آبادی کی کثافت 101 آدمی فی مربع کلومیٹر ہے اسے افریقہ کا دیو بھی کہتے ہیں۔

12۔ دنیائے اسلام کے اہم ادارے

اتحاد اسلامی کو تقویت دینے کے سلسلے میں اب تک جو بین الاقوامی اسلامی اجتماعات ہوئے وہ حسب ذیل ہیں:

1۔ 1908ء میں پہلی بین الاقوامی اسلامی کانفرنس قاہرہ میں ہوئی تھی یہ کانفرنس روس کے عظیم مسلمان رہنما اسماعیل گسپرالی کی کوششوں سے ہوئی تھی لیکن وہ خود اس میں شریک نہ ہو سکے۔

2۔ 1926ء میں دوسری اسلامی کانفرنس مکہ میں ہوئی، اس کو سلطان ابن سعود نے طلب کیا تھا یہ پہلی کانفرنس تھی جس کو موتمر عالم اسلامی کا نام دیا گیا تھا۔

3۔ 1927ء میں علمائے ازہر کی کوششوں سے تیسری اسلامی کانفرنس 13 تا 19 مئی قاہرہ میں ہوئی۔

4۔ 1931ء میں چوتھی بین الاقوامی اسلامی موتمر مفتی اعظم فلسطین الحاج امین الحسینی کی کوششوں سے 6 دسمبر سے 15 دسمبر 1931ء تک بیت المقدس میں ہوئی۔ اس میں پاکستان اور اسلامی ہند سے علامہ اقبال اور مولانا شوکت علی نے شرکت کی تھی۔

5۔ 1934ء میں پانچویں اسلامی کانفرنس جنیوا (سوئٹزرلینڈ) میں ہوئی۔ اسے شامی رہنما امیر شکیب ارسلان نے طلب کیا تھا اس میں یورپ کے ملکوں سے مسلمان رہنما کثرت سے آئے۔

6۔ 1949ء میں چھٹی بین الاقوامی اسلامی کانفرنس کراچی میں ہوئی، اس کو ایک مقامی تنظیم جمعیت اخوت الاسلامیہ

نے طلب کیا تھا۔ یہ کانفرنس 18 مئی تا 19 مئی مولانا شبیر احمد عثمانی کی زیر صدارت میں ہوئی۔

7۔ اسی سال یعنی 1949ء میں 25 نومبر سے 10 دسمبر تک کراچی میں پہلی بین الاقوامی اقتصادی اسلامی کانفرنس کراچی میں ہوئی جس کا افتتاح وزیر اعظم پاکستان لیاقت علی خان نے کیا اس میں اٹھارہ اسلامی ملکوں نے شرکت کی اور اس میں اسلامی ایوانہائے تجارت وصنعت کے بین الاقوامی وفاق کی تشکیل کا فیصلہ کیا گیا۔

8۔ 1952ء میں آٹھویں بین الاقوامی اسلامی کانفرنس بھی کراچی میں مئی کے مہینے میں ہوئی اس میں ترکی کے ممتاز قانون دان علی فواد باشگل نے شرکت کی۔

9۔ 1953ء میں موتمر عالم اسلامی کا ایک اجتماع ہوا جس میں پاکستان سے مولانا مودودی کو شرکت کی دعوت دی گئی تھی لیکن مولانا نظر بندی کی وجہ سے اجلاس میں شریک نہ ہو سکے۔

10۔ 1956ء میں دمشق میں موتمر عالم اسلامی کا اجلاس ہوا جس میں پاکستان سے مولانا مودودی نے شرکت کی اور ایک اجلاس کی صدارت بھی کی اور وہ موتمر کی تبلیغ ودعوت اسلامی کی کمیٹی کے صدر منتخب ہوئے۔

نصف صدی کی ان کوششوں کا ایک فائدہ یہ ہوا کہ بالآخر ایک مضبوط بین الاقوامی اسلامی تنظیم کیلئے راہ ہموار ہوگئی، سعودی حکومت نے اس سلسلے میں پہل کی اور اس کی امداد اور تعاون سے دنیائے اسلام کے چار ممتاز رہنماؤں کا ایک اجتماع 1962 میں حج کے موقع پر مکہ معظمہ میں ہوا، اس اجتماع میں رابطہ عالم اسلامی (The World Islamic League) کے نام سے ایک مرکزی تنظیم قائم کی گئی، اس مجلس کی تاسیس کیلئے ہندوستان سے مولانا ابوالحسن علی ندوی اور پاکستان سے سید ابو الاعلیٰ مودودی منتخب کئے گئے، اسی طرح دوسرے اسلامی ملکوں سے ممتاز لوگ اس میں شامل ہیں۔

12.1 رابطہ عالم اسلامی:

رابطہ عالم اسلامی دراصل ایک نیم سرکاری ادارہ ہے، اپنی مالی امداد کیلئے سعودی عرب کی حکومت کا محتاج ہے اور سعودی حکومت کی مصلحتیں اس کی پالیسی پر اثر انداز ہوتی ہیں، لیکن اس کے باوجود یہ ایک مفید ادارہ ہے اور اپنی کارروائیوں میں بڑی حد تک خودمختار ہے، سعودی عرب سے وابستگی کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ ادارہ کو اپنی سرگرمیوں کیلئے وافر مقدار

میں فنڈز فراہم ہو جاتے ہیں جس کی وجہ سے رابطہ کی مختلف ذیلی شاخیں وسیع پیمانہ پر اشاعت اسلام کا کام سرانجام دے رہی ہیں۔ اس کے علاوہ رابطہ اسلامی دنیا کے مسائل میں گہری دلچسپی لیتا ہے۔ اگرچہ اس کی سرگرمیوں کا محور مسئلہ فلسطین ہے لیکن مسئلہ کشمیر، فلپائن کے مسلمانوں کا جہاد آزادی، ٹپانی کا مسئلہ، صومالیہ میں مہاجرین کا مسئلہ، قبرص، افغانستان اور اری ٹیریا کی طرح دوسرے مسئلوں پر بھی ضروری توجہ دی جاتی ہے، اس وقت رابطہ کے تحت جو ذیلی شاخیں کام کر رہی ہیں ان میں سے چند ایک یہ ہیں:

عالمی کونسل برائے مساجد: اس کونسل کا صدر دفتر مکہ معظمہ میں ہے ارکان کی تعداد چالیس ہے جو پوری اسلامی دنیا سے لئے گئے ہیں۔ پاکستان سے میاں طفیل محمد رکن ہیں، کونسل کا کام دنیا بھر میں مسجدوں کی تعمیر، مرمت اور تجدید کیلئے مالی امداد فراہم کرنا ہے۔

اسلامی مجلس فقہ: رابطہ عالم اسلامی کی ایک اور ذیلی شاخ ''اسلامی مجلس فقہ'' ہے جو بیس افراد پر مشتمل ہے۔ یہ افراد الجزائر، پاکستان، تیونس، انڈونیشیا، عراق، لبنان، موری تانیا، نائیجیریا اور ہندوستان سے لئے گئے ہیں۔

اسلامی رابطہ کونسل برائے افریقہ: اسلامی رابطہ کونسل برائے افریقہ بھی رابطہ عالم اسلامی ایک اہم شاخ ہے، اس کا مرکز سینیگال کا صدر مقام ڈاکار ہے جہاں سے اس کا پہلا اجلاس 1976ء کو ہوا تھا، اس کونسل کا مقصد افریقہ کی ساحلی تنظیموں کے درمیان باہمی رابطوں کو مضبوط بنانا ہے تاکہ افریقہ میں غیر اسلامی سرگرمیوں کا زیادہ قوت کے ساتھ مقابلہ کیا جا سکے اور اسلام کی اشاعت کی جا سکے۔

12.2 اسلامی ملکوں کی تنظیم:

جس طرح رابطہ عالم اسلامی دنیائے اسلام کی غیر سرکاری تنظیم ہے اسی طرح اسلامی ملکوں کی تنظیم اسلامی دنیا کی سرکاری تنظیم ہے جو تمام اسلامی ملکوں کی حکومتوں پر مشتمل ہے چونکہ یہ تنظیم ستمبر 1969ء میں رباط میں اسلامی ملکوں کے سربراہوں کی کانفرنس کے فیصلوں کے تحت قائم کی گئی اس لئے اس کا صحیح نام اسلامی کانفرنس تنظیم ہے۔

9 رجب/22 ستمبر تا 12 رجب/25 ستمبر 1969ء (1389ھ) میں تقریباً چالیس سربراہوں کا جو اجتماع ہوا تھا وہ تاریخ ساز واقعہ ہے، کیونکہ اسلامی تاریخ میں پہلی مرتبہ تمام اسلامی ممالک کے سربراہ اس اجتماع میں شریک ہوئے تھے، اس

اجتماع نے اتحاد اسلام کے اس خواب کو حقیقت کا جامعہ پہنا دیا جو جمال الدین افغانی نے سو سال پہلے دیکھا تھا۔ رابطہ عالم اسلامی کی تشکیل کی طرح مسلمان سربراہوں کے اس اجتماع کے سلسلے میں اور اس کے بعد اسلامی ملکوں کی تنظیم کی تشکیل میں بھی بنیادی کردار سعودی عرب اور شاہ فیصل نے ادا کیا تھا، اس کے بعد اسلامی سربراہوں کی کانفرنس اور اسلامی وزرائے خارجہ کی کانفرنس کے اجتماعات معمولات میں سے ہو گئے۔

اسلامی ملکوں کی تنظیم ستمبر 1969ء میں رباط میں مسلمان سربراہوں کی کانفرنس کے فیصلوں اور اس کے بعد مارچ 1970ء میں جدہ میں اور ستمبر 1970ء میں کراچی میں اسلامی وزرائے خارجہ کی کانفرنسوں کے فیصلوں کے نتیجے میں مئی 1971ء میں قائم کی گئی تھی۔ صدر دفتر جدہ میں ہے جو اسلامی سیکرٹریٹ کہلاتا ہے۔

اسلامی تنظیم کے تحت گزشتہ دس سالوں میں ادارے قائم کئے گئے وہ حسب ذیل ہیں:

1۔ بین الاقوامی اسلامی خبر رساں ایجنسی:

یہ دسمبر 1972ء میں قائم کی گئی لیکن بعض اسباب کی بنا پر ابھی تک کام شروع نہیں کر سکی۔ صرف دفتر قائم ہے۔

2۔ اسلامی کمیشن برائے معاشی، ثقافتی اور سماجی امور (ICEASA):

یہ اسلامی تنظیم کا خاص ادارہ ہے، وزرائے خارجہ کانفرنسوں میں منظور کی جانے والی قراردادوں پر عملدرآمد کی ذمہ داری اسی ادارہ پر ہے، یہ کمیشن لاہور میں ہونے والی دوسری سربراہی کانفرنس (1974ء) کے فیصلوں کے مطابق قائم کیا گیا ہے۔

3۔ اسلامی ترقیاتی بینک:

یہ بینک 1974ء میں قائم ہوا لیکن کام کا صحیح معنوں میں آغاز جنوری 1977ء سے ہوا، صدر دفتر جدہ میں ہے۔ ڈھائی ارب ڈالر کے سرمایہ سے شروع کیا گیا ہے اور اسلامی ملکوں کو بلاسودی قرضے فراہم کرتا ہے، سعودی عرب کے ڈاکٹر علی محمد صدر ہیں۔

4۔ اسلامی استحکام فنڈ (ISF):

یہ فنڈ لاہور کی سربراہی کانفرنس 1974ء کی ایک قرارداد کے تحت قائم کیا گیا ہے اس کا مقصد اسلامی ممالک میں ہونے والی دینی، تعلیمی اور سماجی کاموں میں مدد کرنا اور ان کا معیار بلند کرنا ہے۔

5۔ اسلامی ایوان تجارت، صنعت و تبادلہ اجناس:

اس کا صدر دفتر کراچی میں ہے۔ ایوان کا پہلا اجلاس فروری 1980ء میں ڈاکار (سینیگال) میں ہوا تھا۔

6۔ اسلامی ملکوں کی نشریاتی تنظیم (ISBO):

صدر دفتر جدہ میں ہے اس تنظیم کا مقصد اسلامی ملکوں کے نشریاتی پروگراموں کو اسلامی تعلیمات سے ہم آہنگ کرنے میں مدد دینا ہے۔

7۔ اعداد و شمار اور معاشی اور سماجی ترقی اور تربیت کا مرکز:

یہ مرکز 1978ء میں قائم کیا گیا، صدر دفتر انقرہ (ترکی) میں واقع ہے۔

8۔ فنی اور پیشہ وارانہ تربیت اور تحقیق کا مرکز:

ڈھاکہ میں مارچ 1981ء میں سنگ بنیاد رکھا گیا۔ 1983ء سے کام شروع کیا ہے۔

9۔ اسلامی تاریخ، آرٹ اور کلچر کا تحقیقی مرکز:

یہ مرکز استنبول (ترکی) میں قائم کیا گیا ہے اور اس کے لئے استحکام فنڈ نے رقم فراہم کی ہے۔

10۔ اسلامی بینکنگ ٹریننگ انسٹیٹیوٹ:

یہ ادارہ 27 مارچ 1981ء کو قبرص میں قائم کیا گیا۔

11۔ اسلامک کونسل آف یورپ:

یہ کونسل اسلامی وزرائے خارجہ کی تیسری اور چوتھی کانفرنس کی قراردادوں کی تکمیل میں مئی 1973ء میں قائم کی گئی اس کا صدر دفتر لندن میں ہے۔

مذکورہ بالا اداروں کے علاوہ دو اور ادارے بھی ہیں جن کا اگرچہ اسلامی ملکوں کی تنظیم سے تعلق نہیں لیکن وہ بھی بین الاقوامی اہمیت کے حامل ہیں، ان میں ایک شاہ فیصل فاؤنڈیشن ہے جو 1976ء میں شاہ فیصل شہید کی یاد میں قائم کی گئی اور جس کی طرف سے ہر سال اسلامی اور علمی و ادبی کارناموں پر شاہ فیصل ایوارڈ دیا جاتا ہے۔ یہ اسلامی دنیا کا پہلا اور سب سے بڑا انعام ہے اور یورپ کے نوبل انعام کی طرح ہے یہ انعام دو لاکھ ریال کا ہوتا ہے۔

دوسرا ادارہ ''اسلامی بینکوں کی بین الاقوامی ایسوسی ایشن'' ہے جس کے صدر شاہ فیصل کے صاحبزادے شہزادہ محمد فیصل ہیں، اس کا مقصد بینکوں کو اسلامی اصولوں کے مطابق چلانے میں مدد دینا ہے۔

براعظم ایشیا سے براعظم افریقہ و یورپ تک مسلم قومی ریاستوں کا وجود اس بات کی عکاسی کر رہا ہے کہ اسلام ایک عالمگیر دین ہے، اس کی تعلیمات ہمہ گیر اور جامع ہیں۔ اس کے اندر کوئی لسانی، وطنی اور علاقائی تعصبات نہیں۔ عالم اسلام کے آپس کے اختلاف کے خاتمے کیلئے ایک ہی کلیہ ہے کہ اسلام کی تعلیمات کو ہمیشہ پیش نظر رکھ کر اختلافات کا خاتمہ کیا جائے۔

عالم اسلام کے پچاس سے زائد مسلم ممالک نے اپنے مسائل کے حل کیلئے ایک مشترکہ فورم بھی تشکیل دے رکھا ہے۔ جسے OIC یعنی ''آرگنائزیشن آف اسلام کانفرنس'' جس کے زیر اہتمام وہ آپس کے اختلافات کو حل کرنے کی کوشش کرتے ہیں، اس تنظیم کے ذیلی اداروں کے ذریعے عالم اسلام کی سائنسی و علمی ترقی کیلئے بھی ادارے کام کر رہے ہیں۔ اس طرح کچھ اور تنظیموں مثلاً ''رابطہ عالم اسلامی'' وغیرہ بھی اہم کردار ادا کر رہی ہیں۔

12.3 عالم اسلام کے اہم مسائل:

آج عالم اسلام گوناگوں مسائل سے دوچار ہے، ان میں سے بعض مسائل اس کے اپنے پیدا کردہ ہیں جیسے فرقہ وارانہ اختلافات، نسلی و لسانی تعصبات، غربت و افلاس، تعلیمی پسماندگی و جہالت اور دہشت گردی وغیرہ اور کچھ مسائل عالمی طاقتوں اور استعماری اور طاغوتی قوتوں کے پیدا کردہ ہیں جو عالم اسلام کی فکری پختگی، نظریاتی وحدت اور اسلامی نظریہ حیات سے وابستگی سے خائف ہیں اور عالم اسلام کو منتشر کرنے اور ان میں سیاسی اور معاشی مسائل پیدا کرنے کی کوشش کرتے رہتے

ہیں۔ عالم اسلام کے اہم ترین مسائل میں یہاں چند ایک کا ذکر کیا جاتا ہے۔

الف۔ مسئلہ کشمیر

ب۔ مسئلہ فلسطین

ج۔ مسئلہ عراق

د۔ مسئلہ افغانستان

الف) مسئلہ کشمیر:

برصغیر پاک و ہند میں برطانوی استعمار نے تقریباً ایک صدی حکومت کی ہے اور ان کے اقتدار کا بنیادی فلسفہ، تقسیم اور اقتدار حکومت پر مبنی تھا انہوں نے اس خطہ میں بسنے والی اقوام میں اس کے بیج بوئے، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جب ہندوستان آزاد ہوا تو مسلمانوں پر بے پناہ ظلم و ستم ہوا اور جن جن علاقوں میں مسلم اکثریت تھی اور جن کو پاکستان یا ہندوستان سے الحاق کا اختیار تھا ان میں ریاست جموں و کشمیر بھی شامل تھا، مگر بدقسمتی سے وہاں کے حکمرانوں نے اپنی رعایا کی رائے کے برعکس ہندوستان سے الحاق کرنے کا فیصلہ کر دیا۔ جس سے آغاز میں ایک مسئلہ پیدا ہو گیا، اس وجہ سے دونوں ملکوں کے مابین تین جنگیں ہوئیں اور ہندوستان نے اقوام متحدہ میں اس قرارداد کی حمایت کی جس میں کہا گیا ہے کہ کشمیر کے رہنے والوں کو حق خود ارادیت کے تحت مکمل اختیار ہے کہ وہ جس ملک کے ساتھ چاہیں الحاق کر لیں۔ مگر بعد میں ہندوستان اس قرارداد سے مکر گیا، کشمیر اور اہل کشمیر نے ظالم و جابر حکمرانوں کے خلاف مسلح جدوجہد شروع کر دی، کئی جہادی تحریکات نے آزادی کشمیر کے لئے قربانیاں دیں اور یہ تحریک اب تک رواں دواں ہے۔

ب) مسئلہ فلسطین:

دوسری جنگ عظیم کے بعد جب ترکی کے حصے بخرے کئے ۔ ۔ تھے۔ فلسطین میں صیہونی تحریکات جس کو برطانوی اور مغربی طاقتوں کی حمایت حاصل تھی۔ ایک یہودی ریاست اسرائیل کی بنیاد رکھی ۔ اس وقت عالم اسلام اسرائیل کے وجود کے خلاف ہے اور وہ فلسطین کے عوام کے ایک جائز مطالبہ کی حمایت کرتا ہے۔ اسرائیل نے آہستہ آہستہ عرب ممالک شام، مصر، اردن اور لبنان کے سرحدی علاقوں میں اپنے توسیع پسندانہ عزائم جاری رکھے ہوئے ہیں اور فلسطین کے عوام دربدر کی ٹھوکریں کھا رہے ہیں۔ عالم

اسلام میں ''القدس کمیٹی'' اور بیت المقدس کی حفاظت کیلئے کئی اقدامات کئے ہیں ۔مگر عالمی طاقتیں عربوں کی نا اتفاق سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اسرائیل کی حمایت اور اس کے وجود کو برقرار رکھنے میں مدد دے رہی ہیں ۔

ج) مسئلہ عراق:

عراق اسلامی خلافت کا مرکز رہا ہے، خلافت عثمانیہ کے زوال کے بعد وہاں برطانوی تسلط قائم ہوا، عراق نے آزادی کی جنگ لڑی اور ایک آزاد مملکت کی صورت میں عالم پر نظر آیا، پہلے پہل با دشاہت قائم ہوئی ، بعدازاں عرب قومیت کی حامل بعث پارٹی نے انقلاب کے ذریعے وہاں بادشاہت ختم کردی اور صدام حسین صدر بنے ۔ ایرانی انقلاب کے بعد عراق اور ایران کے مابین خلیج نے ایک جزیرہ سے متعلق اختلاف پیدا ہوا، جو جنگ خلیج کی صورت میں رونما ہوا، تقریباً 8 سال تک یہ جنگ جاری رہی ، ابھی عراق اس جنگ سے فارغ ہوا تھا کہ صدر صدام حسین نے کویت پر چڑھائی کردی ، کویت کی حمایت و مدد کی غرض سے مغربی واتحادی قوتوں نے عراق پر حملہ کردیا اور اس کو شکست کی ہزیمت اٹھانی پڑی ۔ امریکہ نے ایٹمی اسلحہ اور کیمیائی ہتھیاروں کی تیاری کا بہانہ کرکے پہلے عراق کی اقتصادی ناکہ بندی کی بعدازاں اس پر حملہ کرکے عراق کے تمام علاقوں پر قبضہ کرلیا۔ صدام حکومت معزول کردی اور صدام کو قید کرلیا گیا، دو سال کے عدالتی ٹرائل کے بعد صدام حسین کو پھانسی دے دی گئی ۔ اب عراق پر امریکی حمایت یافتہ عراقیوں کی حکومت ہے جس کے خلاف عوام مزاحمت آئے روز بڑھتی جارہی ہے۔ ہر روز سینکڑوں افراد فتنہ وفساد میں قتل ہورہے ہیں۔

د) مسئلہ افغانستان:

افغانستان ہمیشہ سے ایک آزاد وخودمختار ملک کی حیثیت سے اپنا وجود منواتا رہا ہے ۔ 1979ء میں روسی فوجوں نے افغانستان پر قبضہ کرلیا، جس کے خلاف پورے عالم اسلام میں شدید ردعمل دیکھنے کو آیا۔ افغانستان کے عوام نے روسی افواج کی جارحیت کے خلاف مسلح جدوجہد کا آغاز کیا۔ اس جہاد میں پورے عالم اسلام سے نوجوان شریک ہوئے ۔ پاکستان کی غیر متزلزل حمایت وامداد کی بدولت افغانستان کے عوام نے اپنے وطن سے روسی فوجوں کو نکلنے پر مجبور کردیا۔

روسی افواج کے تسلط کے بعد وہاں مجاہدین کی حکومت قائم ہوئی ، مگر آپس کے اختلافات اور قبائلی نظام کی وجہ سے کامیاب نہ ہوسکی اور ایک عرصہ تک خانہ جنگی کی صورتحال رہی ، آخر کار افغان طالب علموں نے جنہیں طالبان کے نام سے یاد

کیا جاتا ہے ایک تحریک کی بنیاد پر پورے افغانستان پر قبضہ کر کے اسلامی حکومت قائم کر دی۔ طالبان کی اس حکومت نے افغانستان میں امن و امان کی صورتحال کو کنٹرول کیا اور ایک مستحکم نظام وضع کیا مگر مغربی طاقتیں جو ایک منظم افغانستان اور ایک اسلامی اقتدار کو برداشت نہ کر سکیں۔

9/11 جس میں امریکہ کے دو ٹاور پر فضائی حملے کئے گئے کا بہانہ بنا کر امریکہ نے طالبان کے خلاف اور ایک مبینہ تنظیم القاعدہ پر الزام لگاتے ہوئے افغانستان پر حملہ کر دیا اور طالبان کی حکومت ختم کر دی۔

اب افغانستان میں امریکی حمایت یافتہ حامد کرزئی کی حکومت ہے جبکہ افغانستان میں نیٹو افواج طالبان کے خلاف حملے کر رہی ہیں، تاہم افغان عوام غیر ملکی تسلط کے خلاف مسلسل برسرپیکار ہیں۔

خود آزمائی:

1۔ عالم اسلام کا مختصر تعارف کروائیں۔

2۔ براعظم ایشیا میں کون کون سے مسلم ممالک واقع ہیں۔

3۔ افریقہ کے اہم مسلم ممالک کا تعارف کروائیں۔

4 براعظم یورپ کے مسلم ممالک کا جائزہ لیجئے۔